پاکستانی اساتذہ کیلئے رول ماڈل

(تحقیقی مطالعہ بسلسلہ مثالی استاد)



ڈاکٹر محمد اسلام صدیق، ثمینہ اسلام

پاکستانی اساتذہ

کیلئے

رول ماڈل

تحقیقی مطالعہ بسلسلہ مثالی اُستاد

ڈاکٹر محمد اسلام صدیق

ثمینہ اسلام

نام کتاب	......	پاکستانی اساتذہ کے لئے رول ماڈل
مصنفین	......	ڈاکٹر محمد اسلام صدیق، ثمینہ اسلام
رابطہ		0300-7306724
ای میل		islamsiddiq@gmail.com
کمپوزر	......	سرفراز حسین
		0300-4061228
قیمت	......	650روپے
تعداد صفحات	......	
اشاعت	......	اشاعت اول (مئی 2015ء)
سٹاکسٹ	......	کتاب سرائے الحمد مارکیٹ اُردو بازار لاہور
		0300-9401474

محمد نوید الاسلام 58 اللہ بخش کالونی نزد شمس آباد ملتان

0301-7414664, 061-6303029

صفاتِ باری تعالیٰ (مُعلّم اوّل)

وہ ایک ہے
اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے
اس کا کوئی شریک نہیں ہے
اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے
اس کا کوئی مشابہہ نہیں ہے
وہ کسی کا محتاج نہیں ہے
اس کا کوئی جسم نہیں ہے
اُسے کوئی فکر نہیں ہے
انسانی فکر اس کا احاطہ نہیں کر سکتی
انسانی نظر اُسے دیکھ نہیں سکتی
اس کی بناوٹ کیلئے کوئی سبب وعلت نہیں
وہ کسی فعل کا مکلف نہیں ہے
کوئی چیز اس کے احاطہ قدرت سے باہر نہیں
اس نے کسی کو نہیں جنا ہے
کسی نے اُسے نہیں جنا ہے

وہ ہمیشہ رہنے والا ہے
وہ ہمیشہ رہے گا
اس کا وجود وقت سے پہلے سے ہے
وہ ہمارے فہم سے ارفع واعلیٰ ہے
اس کی ذات وصف سے بالا ہے
اس کا وجود مکانیت سے مُبرّا ہے
وہ انسانی عقل سے ماورا ہے
وہ ذات وصفات میں یکتا ہے
وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے
وہ ظاہر و پوشیدہ سب کو جانتا ہے
وہ خالق و مالک ہے
وہ رحمٰن ورحیم
وہ علیم وخبیر ہے
وہ قاضی الحاجات ہے
وہ ستار العیوب ہے

مَالك الملك لا شريك له وحده لا اِلٰهَ اِلاَّ هُوَ

ذکر معلم اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نازنین صورت تمام صورتوں سے احسن ہے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسن چاند کے حُسن سے بڑھ کر ہے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور نورِ خورشید سے افضل ہے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام بلاغت نظام روح القدس کا کلام ہے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو رازِ شریعت ہے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال حقیقت کی صورت ہے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم، علم یقین ہے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان خدا کا ذکر کرنے والی زبان ہے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دِل معرفت کا چشمہ ہے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات، انوارِ حق کا کرشمہ ہے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دِین، تمام دُنیا کے مذہبوں سے بلند ہے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملت، تمام ملتوں سے برگزیدہ ہے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلق، عظیم اخلاقِ حسنہ کا نچوڑ ہے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل، خدا کا حکم ہے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کام، اللہ کی عبادت ہے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم، مخلوق میں خیر و سعادت ہے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی، خیر الانام ہے

صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین

(شاہ ابوالعالیؒ)

انتساب

اس حقیر کاوش، ٹوٹی پھوٹی سوچوں، بکھرے خیالات اور
مستقبل کی اُمیدوں کے اس خاکے کا انتساب
انسانیت کے رول ماڈل، معلم اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام
شیوۂ تسلیم ورضا کے رول ماڈل تمام انبیاء کرامؑ کے نام
مدرسہ نبوت کے تربیت یافتہ وفاکیش صحابہ کرامؓ کے نام
قافلۂ علم کے غازیان وشہیدان جملہ اساتذہ کرام کے نام

قارئین کا صفحہ، قارئین کی خدمت میں

اِس کتاب میں قرآن وحدیث کے عربی متن کو احتیاط سے دیکھا گیا ہے اگر کوئی غلطی ہو تو ازراہِ کرم آگاہ فرماویں۔

تمام مصنفین جن کی کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اُن کا شکریہ اور اللہ تعالیٰ سے اُن کے لئے بہتری کی دُعا ہے۔ آمین

تمام رول ماڈل اساتذہ جو وفات پا گئے ہیں اُن کیلئے دُعا ہے کہ حق تعالیٰ اُن کے درجات بلند فرمائے اور مغفرت فرمائے۔ جو حیات ہیں اُن کیلئے درازی عمر اور خدمت قوم ملک اور پیشہ علم کی ترقی کی دُعا ہے۔ آمین۔

تمام اساتذہ برادری سے گزارش ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بہتری کے اس سفر میں کامیاب فرمائے۔ آمین۔ نیز محققین کو اللہ تعالیٰ دُنیا و آخرت کی بہتری اور بھلائی عطا فرمائے۔ آمین

اِس کتاب میں رول ماڈل اساتذہ کے حالات، واقعات کی صحت کے بارے میں انتہائی احتیاط کی گئی ہے۔ پرائمری و سیکنڈری سورسز سے واقعات اکٹھے کئے گئے ہیں۔ اگر پھر بھی کہیں غلطی ہو تو نشاندہی فرمائیں۔

کتاب ہذا کے مطالعہ کے بعد کوئی بھی ایک اُستاد اپنے تدریسی رویہ میں تبدیلی لے آتا ہے اور اس سے کسی ایک بچے کے رویہ میں تبدیلی اور بہتری آجاتی ہے تو اِس کتاب کا مقصد پورا ہو گیا۔ خدائے بزرگ و برتر کے حضور دُعا ہے کہ وہ ذات پاک اس استادِ محترم اور ہماری اِس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرماتے ہوئے اجر عطا فرمائے۔ آمین

دیباچہ

انسان فانی ہے، موت برحق ہے اور مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا بھی اٹل حقیقت ہے۔ میری انتہائی دلی خواہش تھی کہ میں اپنی پیشہ وارانہ زندگی کے اختتام سے قبل اپنے ہم قبیلہ و ہم پیشہ پاکستانی اساتذہ کے لئے ایک ایسی کتاب ایسا رول ماڈل ایسا مثالی نمونہ دے جاؤں جو قابل عمل ہو۔ اساتذہ میں اپنے پیشہ سے لگن، پیشہ معلمی کا وقار اور بہتری کے سفر میں ساتھی ہو۔

دوسرے یہ کہ پاکستان میں اساتذہ کے لئے ایسی ساتھی کتاب فراہم کرسکوں جس پر وہ فخر کرسکیں، جس کی روشنی میں وہ اپنے مقام کا تعین کرسکیں اور مسلسل مطالعہ سے اپنے لئے راہِ عمل متعین کرسکیں۔

تیسرے یہ کہ سکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور مدرسوں، جہاں بھی کوئی اُستاد موجود ہے، اِس کتاب کی روشنی میں وہ اپنی خوبیوں اور صلاحیتوں سے واقف ہوسکے اور کوتاہیوں، خامیوں، کمیوں اور کمزوریوں پر قابو پانے کے لئے ایک خاکہ اُس کے پاس موجود ہو۔

چوتھے یہ کہ پاکستان اور دُنیا کے اساتذہ، محققین، طلباء، والدین اور تعلیمی دُنیا کے رہنما ایک آئیڈیل ٹیچر جو کہ رول ماڈل بننے کی صلاحیت رکھتا ہے کے بارے میں کیسے سوچتے ہیں۔ ان سب کے خیالات کو ایک جگہ جمع کرنے کی کوشش کی جائے تا کہ مستقبل کے محققین کے لئے اس فیلڈ میں کام کرنا آسان ہو جائے اور حال و مستقبل کے اساتذہ کے لئے راہِ عمل تلاش کرنا ممکن ہوسکے اور وہ جان سکیں کہ اُن کے بارے میں دوسرے کیسے سوچتے ہیں اور کیا یہ سوچ حقیقت پر مبنی ہے اور اس کی بدولت ہم اپنے آپ میں تبدیلی لا سکتے ہیں۔

اساتذہ پر قوم، والدین اور بچے کی طرف سے بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ قوم اپنی تعلیم وتہذیب، اپنی طاقت، اپنی رگوں میں تازہ لہو کی روانی کے لئے اور گلوبل چیلنجز کے لئے نئی نسل کی بہتر تربیت کی خواہش مند ہے۔ والدین اپنی قیمتی متاع اُستاد کے سپرد کر دیتے ہیں اور پھر اپنے بچوں کو مثالی

انسان اور اچھے پاکستانی شہری کے روپ میں دیکھنے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ بچہ اپنا ذہن اُستاد کے سپرد کر دیتا ہے وہ علمی دُنیا کی اہم ترین (وی وی آئی پی) شخصیت ہے۔ جب اُستاد تعلیمی ادارے میں داخل ہوتا ہے تو طالب علم کھڑے ہو کر روزانہ اُس کا استقبال کرتا ہے اور بے اختیار اُس کا ہاتھ ماتھے پر پہنچ جاتا ہے۔ سر سلام، مس سلام۔ اب اگر اُستاد اس کی تعلیم و تربیت میں کوتاہی کرتا ہے تو وہی بچہ اگر اس دُنیا میں اُستاد کو جوابدہی کے کٹہرے میں نہ لا سکا تو قیامت والے روز خدا کے حضور گریبان پکڑے کھڑا ہوگا۔ جس کا جواب ہمارے پاس نہیں ہوگا۔ اس حوالہ سے اُستاد کی بہتری کے سفر میں ساتھی بننا میری خواہش تھی جو اس تحقیقی کتاب کی شکل میں آپ کے ہاتھ میں ہے۔

مجھے اِس بات کا شدت سے احساس ہے کہ میں اوسط ذہانت کا انسان ہوں۔ مجھے اپنی کم علمی مطالعہ کی کمی اور درست نتائج اخذ نہ کر سکنے کی خامی کا بھی احساس ہے مگر میں اپنی کچھ خوبیوں کا ذکر ضرور کروں گا اور اس سلسلہ میں خدائے بزرگ و برتر کا شکر گزار ہوں کہ اُس نے مجھے انسانوں کے زمرہ میں پیدا کیا، پھر مسلمان بنایا، پھر پاکستانی اور پھر اُستاد کے معزز پیشہ پر فائز کیا۔ لہٰذا میں اس پیشہ کا قرض سمجھ کر یہ سب کچھ لکھ رہا ہوں۔ اگر چند اساتذہ بھی میری اس محنت کی وجہ سے طلبہ پر توجہ دینے لگتے ہیں اور پاکستانی بچے کی صلاحیتیں بہتر ہو جاتی ہیں تو سمجھیں، اِس کتاب کا بنیادی مقصد حاصل ہو گیا۔

اِس کتاب کے لکھنے میں میری توانائیوں کے منبع میں سب سے پہلے قرآن مجید کی صورت میں الوہی رہنمائی، نبی آخری الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات، پھر راہِ علم کے قافلہ سالاروں کے حالات اور پاکستان میں حضرت قائداعظمؒ کی جدوجہد، حضرت علامہ محمد اقبالؒ کی مفکرانہ صلاحیت و ولولہ اور سوچ اور پھر محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی پاکستان کو مضبوط بنانے کے لئے اپنا آرام، سکون، دولت تج کر ایثار، قربانی کے جذبہ سے قوم کے لئے کام میرے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوا اور میں چند سال کی کوشش کے بعد یہ کام کر گزرا۔ بعض جگہ تحقیق کے معیار کا مسئلہ ہے یا حوالہ جات کا اپنی مصروفیت کی بنا پر بہتر نہ کر سکا۔ یہ کام مستقبل کے مصنفین کے لئے چھوڑتا ہوں۔ اب یہ تمام خامیوں، کمیوں، کوتاہیوں کے ساتھ آپ کے ہاتھ میں ہے۔

اِس کتاب کی تدوین میں کچھ شخصیات کا شکریہ واجب ہے۔ سب سے پہلے تو وہ تمام مصنفین جن کا ذکر کتابیات میں موجود ہے۔ اگر اللہ کے پاس ہیں تو حق تعالیٰ مغفرت فرمائے، اگر حیات ہیں تو اللہ تعالیٰ سکھ اور چین عطا فرمائے۔ میرے دوستوں میں محمد کامران، ڈاکٹر ظہیر احمد بابر، رانا غلام قادر جنہوں نے حوالہ جاتی کتب فراہم کیں۔ محمد ارشد خان نیازی جنہوں نے کتاب لکھنے کے لئے سہولیات و پرسکون ماحول مہیا فرمایا۔ محمد اقبال چاند، انور محمود پراچہ جنہوں نے طریقہ تحقیق پر بحث ومباحثہ کیا۔ محمد تنویر الاسلام، محمد نوید الاسلام اور محمد شفیق الاسلام اور ان کی والدہ نے ہر موقع پر میرے کام کے لئے مجھ سے تعاون کیا۔ پروفیسر حافظ محمد طفیل جنہوں نے قرآن وحدیث کے حوالے سے رہنمائی کی۔ ثمینہ اسلام جو ہر وقت میرے ساتھ تحقیقی کام میں ہاتھ بٹاتی رہی اور کمپیوٹر اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کے حوالہ سے کام کا ایک حصہ مکمل کیا اور میرے ساتھ Co-auther کے طور پر کام کیا۔ محمد عمران ماہر مضمون، عطاء اللہ شاہ، الحاج اے ڈبلیو ناصر اور محمد مشتاق ناصر، ڈاکٹر بشیر احمد گجر (سرگودھا یونیورسٹی)، ڈاکٹر عمر فاروق فیصل آباد۔ جنہوں نے کتاب ہذا کی ترتیب میں تعاون کیا۔ محمد نوید نصیر اور نمرہ اسلام کا شکریہ، جن کے گھر ریاض (سعودی عربیہ) میں اِس کتاب کا کچھ حصہ لکھا گیا۔ خاص طور پر ننھی زینب کا شکریہ جو مجھے آب زم زم پلاتی رہتی تھی اور فاطمہ کا بھی شکریہ جو میرے مسودے پر صرف لکیریں لگاتی تھی، ضائع نہیں کرتی تھی۔

آخر میں تمام اساتذہ برادری کا شکریہ جن کو دیکھ کر اور مل کر مجھے یہ سب لکھنے کا حوصلہ ہوا۔ میں آپ سے نہ صرف اپنے لئے دُعا کا خواستگار ہوں بلکہ تمام اساتذہ کے لئے تدبر، تفکر اور صحت علمی کے ساتھ ساتھ شہیدان راہِ علم اور رفتگانِ خاک کی مغفرت اور مستقبل کے اساتذہ کی لگن، محنت اور کامیابی کے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعا گو ہوں۔

محمد اسلام صدیق (پی ایچ ڈی)

ثمینہ اسلام (ایم اے۔ ایم ایڈ)

فہرست

باب اول

تعارف

1.1) اہل علم واساتذہ کا مقام

تدریس سب سے قدیم اور اعلیٰ وارفع پیشہ ہے۔کائنات میں سب سے پہلا اُستاد خود اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک ہے۔دُنیا کی سب سے سچی الہامی کتاب قرآن مجید کے مطابق جب فرشتوں نے تخلیقِ آدم پر اعتراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو کچھ اُسماء سکھائے اور پھر فرشتوں کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا جس پر آدم علیہ السلام کو کامیابی ملی اور اسی بنا پر انسان کو اشرف المخلوقات کا خطاب ملا۔پھر یہ اسی علم کی بدولت مسجودِ ملائک ٹھہرا اور ثابت ہوا کہ کائنات میں سب سے پہلا استاد خود اللہ تعالیٰ ہے جس نے آدم کو اسماء سکھائے اور تمام انبیاء کو علم دیا۔

قرآن مجید میں اس واقعہ عظیم کا ذکر ہوا ہے۔(1)

حضرت آدمؑ کے بعد جتنے بھی انبیاء اِس دُنیا میں تشریف لائے سب اُستاد کے مقام پر فائز ہوئے۔اس کے بعد جتنے آئمہ،علماء،فضلا،صوفیاء،اولیاء اور علامہ آئے سبھی اساتذہ تھے۔یہ پیشہ انسانیت کی تعمیر کرتا ہے۔معاشرہ میں تبدیلی لاتا ہے۔قافلہ علم کو رواں دواں رکھتا ہے اور ہر معاشرے میں عمدہ اقدار کو فروغ دیتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ بھلائی واچھائی کا علمبردار ہے۔ اب ذرا رک کر سوچیے کہ کیا میں اور آپ اس قافلۂ علم کے آخر میں چلنے والے راہی اور اس علمی دُنیا کے مسافر ہیں یا نہیں؟

اساتذہ عالمی برادری سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں،آپ مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک چہار دانگ عالم میں کسی بھی قریہ،بستی،گاؤں یا شہر میں چلے جائیں آپ کو اُستاد اور اس کے شاگرد ضرور مل جائیں گے۔اساتذہ کے لئے احترام ان کے علم اس پیشہ سے وابستگی کی بدولت مقرر کر دیا گیا ہے۔دورانِ مطالعہ ہر شخص ان کے لئے دُعا کرتا ہے۔دُنیا میں ایک لاکھ چوبیس

---

1) القرآن: سورۃ البقرۃ، آیت 30 تا 34

ہزار پیغمبر مبعوث فرمائے گئے، اِن میں سے چند کے نام معلوم ہیں باقی نہیں مگر جب بھی اِن کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے لئے سلامتی، سلام اور دُعا کی جاتی ہے، اسی طرح صحابہ کرام جو کہ اسلام کے ابتدائی دور میں ترویج علم کا باعث بنے، اُن کے لئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا جاتا ہے، علماء وائمہ کے لئے رحمتہ اللہ علیہ کہا جاتا ہے۔ یہاں رنگ خون ونسل اور زبان کی تفریق نظر نہیں آتی۔

دُنیا میں ہر کامیاب اور بڑے انسان سے اس کی کامیابی کا راز پوچھیں تو وہ اپنی کامیابی میں اپنے ماں باپ اور استاد کا ذکر ضرور کرے گا اور اپنے لئے رول ماڈل یا آئیڈیل کا ذکر بھی کرے گا۔

اساتذہ کی اہمیت کے حوالہ سے تاریخ سے دو مثالیں پیش خدمت ہیں۔ گبن زوالِ سلطنت روما کے حوالہ سے رقمطراز ہے کہ سلطنت روما میں تعلیم غلاموں کے سپرد کردی گئی تھی۔ چشم فلک نے یہ نظارہ بھی دیکھا کہ صبح کو جو اُستاد طلبا کو پڑھا رہے ہیں، شام کو وہی طلباء اس کی پیٹھ پر کوڑے برسا رہے ہیں۔ نتیجہ کے طور پر یہ عظیم سلطنت زوال پذیر ہوگئی۔ (1)

مشرقی پاکستان میں محکمہ تعلیم میں ہندو اساتذہ نے ملازمتیں حاصل کیں اور وہ ہماری نظریاتی سرحدوں پر غیر محسوس انداز میں حملہ آور ہوئے اور طفلانِ مکتب کے نوخیز اذہان میں یہ بات بٹھا دی کہ مشرقی پاکستان کے لوگوں پر مغربی پاکستان کے لوگ اور حکمران ظلم کر رہے ہیں اور اس ظلم سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کرنا ہوگی۔ جس کے نتیجہ میں ہمارا اپنا نوجوان مملکت پاکستان کا باغی ہوگیا اور یوں دُنیا کے نقشے پر موجود سب سے بڑی اسلامی مملکت دولخت ہوگئی اور سقوطِ ڈھاکہ کا سانحہ وجود میں آیا۔

1.1.1) ضرورت واہمیت

آنحضرت ﷺ نے جن علمی و تعلیمی روایات کی بنیاد رکھی، صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کے اُسوہ کے مطابق اُسے آگے بڑھایا اور تعلیمی میدان میں انقلاب برپا کردیا۔ بعد کے مسلمان اساتذہ نے اِس روایت کو قائم رکھا اور ایک ترقی یافتہ معاشرہ کی بنیاد رکھی۔ مسلم عروج کے دور میں مکہ، مدینہ، کوفہ، دمشق، بغداد، قرطبہ ودیگر مسلم ممالک میں مثالی قسم کے تعلیمی ادارے قائم کئے

1) آغا افتخار الحسن، قوموں کے عروج وزوال کے اسباب کا جائزہ، بحوالہ گبن زوالِ سلطنت روما

گئے۔ ان اداروں میں مثالی یا رول ماڈل اساتذہ تھے جن کے تیار کردہ افراد نے تقریباً ایک ہزار سال تک اسلامی ریاستوں کو انتہائی لائق افراد مہیا کئے۔ برصغیر میں بھی مسلم حکومت کا دور 712ء سے 1857ء تک رہا۔

اگر ہم تعلیم کی مختلف تعریفوں کا جائزہ لیں تو اکثر میں علم، مہارتوں اور اخلاقیات کی تدریس کا حوالہ پایا جاتا ہے۔ آج مسلم اور پاکستان کی تعلیمی حالت کا جائزہ لیں تو دُنیا کی پہلی پانچ سو یونیورسٹیاں دوسرے ممالک میں ہیں، بہترین لائبریریاں دوسرے ممالک میں ہیں، تعلیمی معیار کے حوالہ سے ہماری ڈگریوں کے بارے بیرون ملک اچھی رائے نہیں پائی جاتی۔ چند نوبل پرائز ہمارے پاس ہیں مگر تخلیقی و تحقیقی عمل کمزور ہے۔ ایجادات کے حوالہ سے ہم پیچھے ہیں۔ اخلاقیات کے حوالہ سے تعلیم یافتہ افراد اسلامی اقدار سے دور ہیں۔ کیا ہمارے ہاں ذہین افراد پیدا نہیں ہوتے؟ کیا ہمارا تعلیمی نظام افراد کی تعلیمی و عملی صلاحیت نکھارنے میں ناکام رہا ہے۔ کیا ہمارے اُستاد کے سامنے رول ماڈل کے طور پر مثالی اُستاد کا نمونہ موجود ہے؟ اِس تحقیق کا بنیادی مقصد سابقہ اور موجودہ دور کے رول ماڈل اساتذہ اور ان کی خصوصیات کو سامنے لانا ہے تاکہ ہم تعلیمی تحقیقی و علمی میدان میں بہتر ہو سکیں۔

ہر پیشہ اور ہر طبقہ فکر کے لوگوں کی اپنی پیشہ وارانہ روایات و اصطلاحات ہوتی ہیں۔ کام کا ماحول اور معاشرتی مقام ہوتا ہے۔ اس طبقہ کا ہر ممبر اپنے کام، علم اور رویہ سے اپنی کمیونٹی و حلقہ اثر میں بہترین مقام حاصل کرنے کا متمنی ہوتا ہے اور اس سلسلہ میں بہترین مثالوں، واقعات اور اعلیٰ معیارات کی تلاش میں ہوتا ہے۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کوشش کی گئی ہے کہ پاکستانی اُستاد کے لئے رول ماڈل یا مثالی شخصیت کو تحقیقی انداز میں ماضی، حال اور دیگر تحقیقات کی روشنی میں تلاش کیا جائے تاکہ رول ماڈل کے معیارات پر عمل کر کے قوم کی نئی نسل کے لئے مستقبل میں بہتری کی راہ تلاش کی جا سکے۔

چونکہ اُستاد کسی بھی ملک یا قوم کی نظریاتی سرحدوں کا محافظ ہوتا ہے لہٰذا اُستاد کو سب سے پہلے خود نظریاتی طور پر مضبوط ہونا چاہیے۔ اُستاد کے سامنے ایک اعلیٰ مثال اور رول ماڈل کا ہونا

ضروری ہے۔ چونکہ پاکستان اسلامی جمہوریہ ہے لہٰذا اسلامی جمہوریہ پاکستان کے اساتذہ کے لئے رول ماڈل کی تلاش کر کے نئی نسل کی بہتر تربیت کی جا سکے۔ اس تحقیق سے بنیادی طور پر اُستاد، معاشرہ اور طلبا مستفید ہونگے۔

1.2) علم کی اہمیت

شرفِ انسانیت صرف علم کی وجہ سے ہے۔ اسلام مساواتِ انسانی کا علمبردار ہے۔ قرآن مجید میں 750 بار علم کا ذکر آیا ہے۔ علم کے حوالہ سے قرآن مجید میں فرمانِ ربی ہے کہ:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ

''کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں'' ۔(1)

اور فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق:

''علم نور ہے جو بے ادبوں کو نہیں دیا جا سکتا''۔

اسلامی نقطہ نظر سے علم کی اہمیت اس طرح بیان کی جا سکتی ہے۔

1.2.1) علم اللہ تعالیٰ کی صفت

قرآن مجید میں ہے کہ بلاشبہ علم تو اللہ ہی کو حاصل ہے۔(2) سورۃ الانعام کے مطابق ''میرے رب کا علم ہر چیز سے وسیع ہے''۔(3)

علم اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے۔ منبع علم بھی ذاتِ باری ہے، اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں کے مطابق اللہ تعالیٰ کی علم کے متعلق مندرجہ ذیل صفات بیان ہوئی ہیں۔(4)

العلیم .... علم رکھنے والا اور جاننے والا

الخبیر .... خبر رکھنے اور جاننے والا

---

1) القرآن: زمر، آیت 9　　2) القرآن: الاحقاف، 23

3) القرآن: الاحقاف، 80

4) محمد یاسین شیخ، عہد نبوی کا تعلیمی نظام، ص 17، 18 بحوالہ سید سلیمان ندوی

السمیع	....	سننے والا
البصیر	....	دیکھنے والا
الشھید	....	ہر چیز کا گواہ
الحسیب	....	حساب کرنے والا
المحصی	....	گننے وشمار کرنے والا، حساب لگانے والا
المدبر	....	تدبر کرنے والا عقلمند
الحکیم	....	حکمت والا، عقل ودانش والا
الواجد	....	سب کچھ پانے والا۔ اس کے علم سے کوئی چیز گم نہیں
علام الغیوب	....	غیب کا علم رکھنے والا
المدبر	....	تدبر وانتظام کرنے والا

یہ تمام صفات علم کے مختلف پہلوؤں کو ظاہر کرتی ہیں اور ان خدائی صفات کو جو اللہ تعالیٰ نے چاہا اپنے انبیاء کو دیا۔ پھر اساتذہ اور عام انسانوں کو اس کا کچھ حصہ عطا ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات العلم یعنی علوم کا منبع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو عقل، فہم، حکمت اور سوچ کا جو ہتھیار دیا ہے وہ علم کے قافلہ کی روانی اور ترقی کے لئے بنیاد مہیا کرتا ہے۔

1.2.2) انبیاء کا علم

علم کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے اور علم کا سب سے وقیع ذریعہ وحی الٰہی ہے۔ انسان کو جو کچھ علم حاصل ہے وہ سب علیم وخبیر کا عطا کردہ ہے۔ سورۃ الانبیاء میں فرمایا گیا: ''اور ان سب کو ہم نے حکم اور علم بخشا''۔ (1) اللہ تعالیٰ نے مختلف انبیاء کو مختلف اقسام کے علوم سے نوازا جس کی بنا پر میرے اور آپ کے لئے علم کے مختلف مضامین (Disciplines) وجود میں آئے۔ اللہ تعالیٰ نے جو علوم انبیاء کو دیئے، ان میں سے چند کا ذکر قرآن مجید میں یوں ہے:

1) القرآن: سورۃ الانبیاء، آیت 79

حضرت آدم علیہ السلام:

''اور اللہ نے سکھا دیئے آدم کو تمام اشیاء کے نام'' ۔ (1)

حضرت داؤد علیہ السلام:

''اور ہم نے بخشی انہیں دانائی اور فیصلہ کن بات کا ملکہ'' ۔(2)

حضرت سلیمان و حضرت داؤد علیہ السلام:

''اور ان سب کو ہم نے بخشا تھا حکم اور علم'' ۔(3)

حضرت خضر علیہ السلام:

''تو پایا انہوں نے ایک بندے کو ہمارے بندوں میں سے جسے ہم نے عطا فرمائی تھی رحمت اپنی جناب سے اور ہم نے سکھایا تھا اُسے اپنے پاس سے علم لدنی (خاص علم)'' ۔(4)

علاوہ ازیں حضرت خضر علیہ السلام کو رشد و ہدایت کا خاص علم دیا گیا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام:

''اور جب پہنچ گئے موسیٰ اپنے شباب کو اور اُن کی نشوونما مکمل ہو گئی تو ہم نے انہیں حکم اور علم عطا فرمایا'' ۔

''اور ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو'' ۔(5)

حضرت یعقوب علیہ السلام:

''اور بے شک وہ صاحب علم تھے اس لئے کہ ہم نے انہیں سکھایا تھا مگر اکثر لوگ اس کی حقیقت نہیں جانتے'' ۔(6)

---

1) القرآن: سورۃ البقرہ، پارہ 2، آیت 31

2) القرآن: سورۃ ص، پارہ 23، آیت 20 تا 38

3) القرآن: سورۃ الانبیاء، پارہ 17، آیت 21 تا 79

4) القرآن: سورۃ الکہف، پارہ 15، آیت 18، 65

5) القرآن: سورۃ القصص، پارہ 20، آیت 14، 28

6) القرآن: سورۃ یوسف، پارہ 130، آیت 12 تا 68

حضرت یوسف علیہ السلام:

''اور جب وہ پہنچے اپنے پورے جوبن کو تو ہم نے عطا فرمائی، انہیں نبوت اور علم اور یونہی ہم اچھے کام کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں۔(1)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام:

''اے عیسیٰ بن مریم یاد کرو میرا انعام، اپنے پر اور اپنی والدہ پر جب ہم نے مدد فرمائی تمہاری روح القدس سے باتیں کرتا تھا تو لوگوں سے جبکہ تو ابھی پنگھوڑے میں تھا، جب پکی عمر کو پہنچا اور جب سکھائی میں نے تمہیں کتاب اور حکمت اور توراۃ وانجیل''۔(2)

حضرت محمد ﷺ:

''وہی اللہ ہے جس نے مبعوث فرمایا، اُمیّوں میں سے ایک رسول انہی میں سے جو پڑھ کر سناتا تھا انہیں اِس کی آیات اور پاک کرتا ہے (اِن کے دِلوں) کو اور سکھاتا ہے انہیں کتاب اور حکمت، اگرچہ وہ اس سے قبل کھلی گمراہی میں تھے'' ۔(3)

سورۃ البقرہ میں بھی آنحضرت ﷺ کا ذکر اس طرح ہے:

''جیسا کہ ہم نے تمہارے پاس تم میں سے رسول بھیجا، جو پڑھ کر سناتا ہے تمہیں ہماری آیتیں اور پاک کرتا ہے تمہیں اور تمہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور تعلیم دیتا ہے، تمہیں ایسی باتوں کی جنہیں تم جانتے ہی نہ تھے'' ۔(4)

اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم کے بعد سب سے پہلے جس چیز سے نوازا وہ علم تھا۔تمام انبیاء زیور علم سے آراستہ تھے۔نبوت کا بنیادی کام انسانوں کو علم وحکمت سکھانا وتزکیہ نفس وقلب ہے، پھر منہج نبوی پر چلانا ہے جو کہ اللہ کا راستہ ہے اور وہی کامیابی کا راستہ ہے۔

---

1) القرآن: سورۃ یوسف، پارہ 12، آیت 12 تا 20

2) القرآن: سورۃ المائدہ پارہ 7، آیت 5 تا 110

3) القرآن: سورۃ الجمعہ، پارہ 28، آیت 2 تا 62

4) القرآن: سورۃ البقرۃ، پارہ 2، آیت 2 تا 151

1.2.3) قرآن مجید کے مطابق فضیلت علم

- حقیقی علم تو اللہ کے پاس ہے۔انسان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اُسے علم دیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں مختلف مقامات پر جو تصور علم دیا ہے وہ کچھ یوں ہے:

"کیا برابر ہوتے ہیں وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور وہ لوگ جو علم نہیں رکھتے"۔(1)

- پڑھ اور تیرا رب کریم ہے وہ جس نے قلم سے تعلیم دی، انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دی جنہیں وہ نہیں جانتا تھا۔(2)
- اللہ جسے چاہتا ہے حکمت دیتا ہے اور جسے حکمت عطا ہوئی، اُسے بہت بڑی بھلائی ملی۔(3)
- ہم نے انہیں کتاب دی اور اس کو علم کی بنا پر کھول کھول کر بیان کیا ہے۔(4)
- جو لوگ تم میں ایمان لائے ہیں اور جن کو علم عطا کیا گیا، اللہ اُن کے درجات بلند کرے گا۔(5)
- اللہ ان کے درجے بلند کرے گا جو ایمان لائے اور جنہیں علم عطا ہوا۔(6)
- جو کچھ زمین اور آسمان میں ہے، وہ تمہارے لئے مسخر کر دیا گیا ہے بے شک اس میں ان کے لئے نشانیاں ہیں جو فکر کرتے ہیں۔(7)
- جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے ان کے لئے یہ کھلی نشانیاں ہیں اور ہماری نشانیوں سے سوائے ظالموں کے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔(8)
- ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں اور ان مثالوں کو بس علم والے ہی سمجھتے ہیں۔(9)

---

1) القرآن: سورۃ الزمر، آیت 9
2) القرآن: سورۃ العلق، آیت 5 تا 35
3) القرآن: سورۃ البقرہ، آیت 269
4) القرآن: سورۃ النحل، آیت 89
5) القرآن: سورۃ المجادلہ، آیت 11
6) القرآن: سورۃ المجادلہ، آیت 11
7) القرآن: سورۃ جاثیہ، آیت 13
8) القرآن: سورۃ عنکبوت، آیت 49
9) القرآن: سورۃ العنکبوت، آیت 3

1.2.4) فرمانِ رسول ﷺ کے مطابق فضیلتِ علم

حضرت محمد ﷺ طلب علم کو اسلام کی شرطِ اول اور حصول علم کو انسانیت کا لازمہ قرار دیتے ہیں۔ گویا علم کے بغیر نہ کوئی شخص اعلیٰ انسان ہو سکتا ہے نہ اچھا مسلمان، علم دُنیا میں بھی کامرانی اور شہرت کا نشان ہے، علم نیکی کا مرجع بھی ہے اور نیکی و بدی کی کسوٹی بھی، گویا خیر وشر اور امر و نواہی کے درمیان فرق صرف اور صرف علم کے وسیلے سے ممکن ہے۔ نبی کریم ﷺ تاکید فرماتے ہیں کہ مسلمان علم سیکھے اور اپنے علم سے دوسروں کو فائدہ پہنچائے، اس طرح علم کی ترسیل صدقۂ جاریہ بن جاتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق علم کا حصول اس لئے ضروری ہے کہ یہ فرد کو رہنمائی، حوصلہ، قوتِ برداشت، حلال وحرام کی تمیز، محبت واخوت کے اوصاف سے متصف کرتا ہے اور عوام کو دُنیا کی امامت کے جوہر عطا کرتا ہے۔ (1)

آنحضرت ﷺ نے علم کی فضیلت کے بارے میں مختلف مواقع پر فرمایا اُس کا کچھ حصہ پیش خدمت ہے: (2)

- ...... علم میں فضیلت و برتری حاصل کرنا عبادت میں فضیلت و برتری حاصل کرنے سے بہتر ہے۔ (3)
- ...... علم ہی کے ذریعے انسان نیکی کے اعلیٰ مدارج تک پہنچتا ہے۔
- ...... علم نیکی اور بدی میں تمیز کرنا سکھاتا ہے اور خدا تک پہنچنے میں روشنی کا کام دیتا ہے۔
- ...... لوگو! علم سیکھو اور دوسروں کو سکھاؤ۔ (4)
- ...... بہتر صدقہ یہ ہے کہ ایک مسلمان علم سیکھے اور پھر مسلمان بھائی کو اس کی تعلیم دے۔ (5)

---

1) ڈاکٹر شمیم حیدر ترمذی، اسلام کا نظامِ تعلیم، ص 41، 42
2) بحوالہ اسلام کا نظامِ تعلیم
3) طبرانی، بخاری، ابن حبان، اسلام کا نظامِ تعلیم، ص 43
4) درامی، دار قطنی
5) الترغیب والترغیب، ص 58

- ...... علم صحرا میں ہمارا رفیق ہے اور تنہائی میں مونس ہے۔ وہ خوشی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور مصیبت میں ہمت قائم رکھتا ہے۔
- ...... علم سیکھو کہ یہ حلال وحرام کی تمیز سکھاتا ہے اور اہل جنت کا راستہ بناتا ہے۔ وہ وحشت میں انس ومحبت پیدا کرتا ہے۔ تنہائی کا ساتھی ہے۔ عسرت وتنگ دستی میں رہنما ہے۔ دشمنوں کے مقابلے میں بہترین ہتھیار ہے۔ دوستوں کا نایاب ساتھی ہے۔ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ قوموں کو عروج عطا فرماتا ہے۔ اس کی وجہ سے لوگ نیکیوں کے قائد، رہنما اور امام بن جاتے ہیں۔ ان کے اعمال کی پیروی کی جاتی ہے اور ان کی آراء پر اعتماد کیا جاتا ہے۔(1)
- ...... جو حصولِ علم کے لئے کوشش کرتا ہے اللہ کی عبادت کرتا ہے۔(2)
- ...... جس نے طالب علمی میں وفات پائی وہ شہید کی موت مرا۔(3)
- ...... علم وحکمت کی باتوں کو ایک ساعت کے لئے سننا، ایک ہزار شہیدوں کے جنازے میں شریک ہونے اور ایک ہزار راتوں کی عبادت سے بہتر ہے۔(4)
- ...... مہد سے لحد تک علم حاصل کرو۔
- ...... عالم کی باتیں سننا اور سمجھنا ایک سو غلاموں کو آزاد کرنے سے بہتر ہے۔(5)
- ...... حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت فرماتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، جو لوگ راہِ حق میں قتل ہو کر مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے وہ اللہ کے ہاں علماء کرام کا اعزاز واکرام دیکھ کر خواہش کریں گے کہ کاش اللہ انہیں علماء کی حیثیت سے اُٹھاتا"۔ (6)

---

1) طبرانی، بخاری، ابن حبان، اسلام کا نظامِ تعلیم، ص43
2) الترغیب والترغیب، ص54
3) جامع، 31/1
4) الترغیب والترغیب، ص149
5) ص41، 42
6) مفتاح دار السعادۃ، ج1، ص121، بحوالہ رسولِ اکرم ﷺ اور تعلیم، ص47

- ...... جو تلاشِ علم میں اپنا گھر بار چھوڑتا ہے وہ راہِ خدا میں قدم رکھتا ہے۔ جب تک واپس نہیں آتا، اللہ کی راہ میں ہوتا ہے۔(1)
- ...... جو شخص علم حاصل کرنے کے لئے چلے اللہ تعالیٰ اُسے جنت کی راہ پر ڈال دیتے ہیں۔(2)
- ...... طلب علم کے لئے جدوجہد کرنے والے پر فرشتے اس قدر خوش ہوتے ہیں کہ اُس کے لئے اپنے پر بچھا دیتے ہیں۔ عالم کی عظمت کا یہ حال ہے کہ زمین و آسمان کی ہر چیز اُس کے لئے بخشش کی دُعا کرتی ہے۔ یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں اُس کے لئے دُعا کرتی ہیں اور ایک اہل علم کو عبادت گزار پر اس طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح چاند کو دوسرے تمام ستاروں کے مقابلے میں حاصل ہے اور علماء انبیاء کے ورثاء ہیں۔ انبیاء اپنی وراثت میں درہم و دینار نہیں چھوڑتے بلکہ ان کا ورثہ علم ہوتا ہے جو آدمی اس ورثہ سے حصہ پالے، یقیناً اُس نے بہت بڑی دولت پائی۔(3)
- ...... حضرت معاذ بن جبلؓ روایت کرتے ہیں کہ علم حاصل کرو کیونکہ علم کا سیکھنا اللہ کی خشیت، حصول عبادت، علم کا پڑھنا پڑھانا، اللہ کی تسبیح، علم کی جستجو میں نکلنا، اللہ کے راستے میں جہاد ہے، بے علم کو علم کی تعلیم دینا صدقہ ہے۔ اہل علم پر مال خرچ کرنا اللہ کی قربت کا ذریعہ ہے۔ علم آدمی کا تنہائی میں دوست اور ساتھی ہے۔ علم آدمی کے دین کا رہنما ہے۔ عشرت و عسرت میں مددگار، دوستوں کے ہاں نمائندہ اور مزید قرب کا باعث، علم جنت کا چمکتا مینار ہے۔ علم کے ذریعے اللہ تعالیٰ قوموں کو سرفرازی عطا کرتا ہے تو ان کے اندر شرافت و قیادت اور سیاست و ہدایت سے مالا مال رہنما پیدا کرتا ہے۔ لوگ ان کے نقوش پا پر چلنا باعث افتخار سمجھتے ہیں۔ ان کے اعمال و افعال کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ فرشتے ان کی معیت کے لئے کھنچے آتے ہیں اور اپنے پروں کو ان کے ساتھ مس کرتے ہیں۔ بحر و بر کی ہر چیز ان

---

1) مفتاح دار السعادۃ، ص82

2) ابن ماجہ، ج1، ص150

3) ترمذی، کتاب العلم، باب فی فضل الفقہ علی العبادۃ، 2682

کے لئے بخشش کی دُعا کرتی ہے، حتیٰ کہ سمندر کی مچھلیاں، مگر مچھ، خشکی کے درندے اور چوپائے اور آسمان اور اس کے ستارے بھی دُعا کرتے ہیں۔

- ...... مشہور صحابی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبیؐ نے فرمایا: ''علم دین حاصل کرو۔ علم دین محض خدا کی خوشنودی کے لئے حاصل کرنے سے خدا کا خوف پیدا ہوتا ہے۔ طلب علم عبادت ہے، علم کا سیکھنا سکھانا اور مذاکرہ خدا کا ذکر اور تسبیح ہے، علم کی تلاش اور کوشش جہاد ہے، ناواقفوں کو سکھانا پڑھانا صدقہ ہے۔ ضرورت کے موقع پر علم سے کام لینا اجر وثواب ہے۔ علم حلال وحرام کو پہچاننے کا ذریعہ ہے۔ علم جنت کے راستے پر روشنی کا ستون ہے۔ تنہائی کے گوشے میں مونس اور پردیس میں رفیق ہے، خلوت کا رازدار ساتھی ہے۔ راحت اور مصیبت دونوں میں رہنمائی کرنے والا ہے۔ دشمنوں سے مقابلہ کے لئے زبردست ہتھیار ہے۔ دوستوں کے درمیان زینت و جمال ہے، علم ہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ قوموں کو اونچا اٹھاتا ہے اور ان کو پیشوا اور امام بنا دیتا ہے کہ قومیں ان کے پیچھے چلتی ہیں۔ ان کی زندگیاں لوگوں کے لئے نمونہ اور مثال بن جاتی ہیں اور لوگ ان کے قول وفعل کی پیروی کرتے ہیں۔ پست اقوام کو علم کی بدولت یہ مرتبہ حاصل ہوجاتا ہے کہ ان کی رائے ہر معاملے میں آخری رائے سمجھی جاتی ہے۔ فرشتے ان کی خدمت ورفاقت کی آرزو کرنے لگتے ہیں اور عاجزی کے ساتھ اپنے پروں سے ان کو چھوتے ہیں۔ ان کے لئے دُنیا کی ہر خشک وتر چیز استغفار کرتی ہے، یہاں تک کہ دریاؤں کی مچھلیاں، کیڑے مکوڑے، جنگل کے درندے اور چوپائے بھی اِن کے لئے دُعائیں کرتے ہیں، علم جہالت کی موت سے دِلوں کو زندگی بخشتا ہے۔ علم اندھیرے میں روشنی اور چراغ کا کام دیتا ہے۔ علم انسان کو دُنیا اور آخرت میں پسندیدہ لوگوں کے مرتبے تک پہنچاتا اور اونچے درجوں پر فائز کراتا ہے۔ علم میں غور وفکر روزے کے برابر ہے اور علم کی مشغولیت قیام لیل کے مانند ہے۔ علم ہی کے ذریعہ آدمی صلۂ رحمی کا سلیقہ سیکھتا ہے اور حلال وحرام میں تمیز کرتا ہے۔ علم، عمل کا راہبر ہے اور عمل، علم کا پیرو ہے...... علم کی توفیق سعید اور خوش نصیب بندوں ہی کو ملتی ہے، بدنصیب علم

کی دولت سے محروم رہتے ہیں"۔ (1)

- ...... حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، علماء آسمان کے روشن ستاروں کے مانند ہیں جن کی روشنی خشکی اور تری میں رہنمائی کرتی ہے۔ اگر یہ ستارے چھپ جائیں تو اس بات کا یقینی خطرہ ہے کہ راہ چلنے والے صحیح راہ سے بھٹک جائیں۔(2)
- ...... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ جب تم جنت کی کیاریوں کے پاس سے گزرا کرو تو ان سے کچھ فیض ضرور حاصل کر لیا کرو۔ صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ جنت کی کیاریوں سے کیا مراد ہے۔ فرمایا "جنت کی کیاریاں یہی علمی مجلسیں ہیں"۔ (3)

1.2.5) اسلامی تصور علم اور اُستاد

اسلامی تصورِ علم میں استاد کو اہم مقام حاصل ہے۔ آنحضرت کے نزدیک انبیاء کا کام اگر تعلیمِ کتاب و حکمت اور تزکیۂ نفس ہے تو انبیاء کے وارث ہونے کی بنا پر اساتذہ پر لازم ہے کہ وہ بھی طلبہ کی تعلیم و تربیت کا بہترین انتظام کریں۔ نبی کریمؐ نے نبوت کے فوراً بعد معلمی کو مقام دیا ہے اور عالم کو شہید و عابد پر فوقیت دی ہے۔ آپؐ نے زمینی زندگی میں عالم کو خدائی صفات کا مظہر اور آسمانی زندگی میں شفاعتِ اُمت کا حق دار قرار دیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ فخر عالم کی شخصیت میں علم و عمل کو باہم مربوط دیکھنا چاہتے ہیں۔ آپؐ کے نزدیک عالم بے عمل اور عامل بے علم دونوں بے سود مخلوق ہیں۔(4)

---

1) ابن عبدالبر، ابونعیم، خطیب بحوالہ علامہ یوسف قرضاوی، ص21،20

2) الترغیب والترغیب، ص60

3) احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، بیہقی، حاکم، حافظ ابن حجر، نسائی، طبرانی، حافظ ابن قیم، ابن عبدالبر، ابونعیم، الترغیب والترغیب، ص69، خطیب، بحوالہ علامہ یوسف القرضاوی، ص21

4) ڈاکٹر شمیم حیدر ترمذی، اسلام کا نظامِ تعلیم، تحقیقی مطالعہ، ص44

تاریخ اسلام نے ہمیشہ دو رنگوں کو یاد رکھا ہے ایک سرخ رنگ جو شہداء کے خون کا رنگ ہے دوسرا سیاہ رنگ جو علماء، سکالرز اور اساتذہ کے قلم کی سیاہی کا رنگ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان کہ علماء کے قلم کی سیاہی شہداء کے خون سے افضل ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے پہلی قسم قلم کی ہی کھائی ہے جو کہ اساتذہ کا ہتھیار ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علماء کو انبیاء کا وارث قرار دے کر اسلامی معاشرہ میں اساتذہ و علماء کا مقام متعین فرما دیا ہے اور یہ کہ انبیاء کا ورثہ مال و دولت نہیں بلکہ علم ہوتا ہے جسے قرآن مجید کی زبان میں العلم نور قرار دیا گیا ہے اور فرمایا گیا کہ یہ بے ادبوں کو نہیں دیا جا سکتا۔ گویا علماء و اساتذہ اس نور کے وارث ہیں جو سراسر خیر ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف مقامات پر علماء و اساتذہ کے بارے میں جو فرمایا اس کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔

- ...... علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ (1)
- ...... بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور یہ یقین جانو کہ نبیوں نے کسی کو دینار و درہم کا وارث نہیں بنایا بلکہ صرف علم کا وارث بنایا۔ (2)
- ...... لوگوں میں درجۂ نبوت سے قریب تر اہل علم اور اہل جہاد ہیں۔ (3)
- ...... علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ (4)
- ...... جو علم کی اشاعت کرتا ہے وہ گویا زکوٰۃ دیتا ہے اور جو علم کا صحیح استعمال کرتا ہے وہ خدا کی پرستش کرتا ہے۔
- ...... عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی تمام ستاروں پر۔ (5)

1) ترمذی شریف، ج دوم، ص243، راوی حضرت ابودرداؓ

2) ترمذی شریف، ابوداؤد، احمد بن ماجہ دارمی، راوی کثیر بن قیسؓ

3) ابن ماجہ دادمی، طبرانی

4) ابن ماجہ دارمی، طبرانی، ص240

5) ترمذی شریف، ج دوم، ص243، راوی حضرت ابودرداؓ

- ...... ایک عالم کو عابد پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے جیسے مجھے ایک عام اُمّی پر فضیلت ہے۔ (1)
- ...... خیر سکھانے والے معلم کے لئے اللہ اور اُس کے فرشتے، آسمان والے اور زمین والے یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں سمندر میں دُعا کرتی ہیں۔ (2)
- ...... عالم زمین میں خدائے پاک کا امین ہے۔
- ...... قیامت کے دِن تین قسم کے حضرات کو شفاعت کا حق حاصل ہوگا پہلے انبیاء کو پھر علماء کو اور پھر شہداء کو۔
- ...... جس شخص سے علم کی بات پوچھی گئی جسے وہ جانتا ہو اور پھر وہ نہ بتائے تو قیامت کے دن ایسے شخص کے منہ میں آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔ (3)
- ...... قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اس عالم کو دیا جائے گا جس نے اپنے علم سے خود کوئی فائدہ نہ اٹھایا ہو۔
- ...... معلم اور متعلم دونوں اجر میں شریک ہیں۔
- ...... جس نے عالم کی عزت کی، اس نے ستر انبیاء کی عزت کی اور جس نے ایک طالب علم کی توقیر کی، اُس نے ستر شہیدوں کی توقیر کی۔
- ...... اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء ہی ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔ (4)
- ...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بوڑھے مسلمان، عالم دین، حافظ قرآن، عادل بادشاہ اور استاد کی عزت کرنا تعظیم خداوندی میں داخل ہے۔ (5)

1.2.6) علم شرفِ انسانیت

اللہ تعالیٰ نے انسان کو احسن تقویم یعنی خوبصورت ترین شکل میں خلق فرمایا۔ (6)

---

1) دارمی، ترمذی، ج دوم، ص 244، راوی ابوامامہؓ

2) احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن حبان، بیہقی و حاکم سے روایت ہے، ترمذی، ج دو، ص 244

3) ابوداؤد، ترمذی، الترغیب حدیث 199

4) القرآن: سورۃ الفاطر، آیت 28

5) مولانا روح اللہ، طالب علم کے شب و روز، ص 94

6) القرآن: سورۃ التین، آیت 4

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے مبارک ہاتھوں سے تخلیق فرمایا۔ اپنی روح ان میں پھونکی، پھر انہیں علم عطا فرمایا اور فرشتوں پر اُن کی برتری ثابت فرمائی۔ فرشتوں سے آدم کے اس خاکی جسم کا سجدہ علم کی وجہ سے کروایا اور آدم علیہ السلام کو فضل وشرف عطا فرمایا۔ یہیں سے انسان اشرف المخلوقات بنا اور اس کا علمی سفر شروع ہوا۔ اس کا ذکر اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں یوں فرماتے ہیں:

''اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام نام سکھائے۔(1)

شرف انسانیت کے لئے حکم الٰہی یوں ہے:

''تو جب میں اُسے پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لئے سجدے میں گر پڑنا''۔(2)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے شرف بخشتے ہوئے انسان کو تکبر سے بچنے کا حکم دیا کیونکہ تکبر کی وجہ سے ہی ابلیس لعین ٹھہرا۔ جسے اللہ تعالیٰ نے ناپسند فرمایا اور عجز وانکسار کا حکم دیا ہے۔

انسان روح اور جسم دو اشیا کا مرکب ہے۔ علم اور علمی حوالہ سے روح وہ ذات الٰہی ہے جو انسان کو اعلیٰ اخلاقیات مثلاً نیکی، بھلائی، عدل واحسان، سچائی ودیانت، خیر خواہی واخوت پر ابھارتی ہے اور ان اچھے اوصاف کی بنیاد علم پر ہے۔ اچھے اوصاف وعلم کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات میں سے انسان کو خلیفۃ اللہ فی الارض قرار دیا۔

علامہ زرنوجی اس سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''علم انسان کا امتیازی وصف ہے، دوسرے تمام اوصاف مثلاً شجاعت، جرأت، قوت، سخاوت اور شفقت وغیرہ میں دوسرے جاندار بھی انسان کے ساتھ شریک ہیں مگر علم ہی ایک ایسی صفت ہے جس کی وجہ سے انسان دوسرے جانداروں سے ممتاز ہوتا ہے''۔(3)

قرآن حکیم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی مثال بیان کی ہے۔ اللہ نے انہیں ایسی

---

1) القرآن: سورۃ البقرہ، پارہ 2، آیت 31

2) القرآن: سورۃ الحجر، آیت 29

3) زرنوجی تعلیم المتعلم، ص 14 بوحالہ عہد رسالت کا نظام تعلم اور عصر حاضر، ص 62

حکومت وسلطنت عطا فرمائی تھی کہ ان کے بعد کسی کو ایسی جلیل القدر سلطنت نصیب نہیں ہوئی۔

یہاں اس مشہور واقعہ کا ذکر ہے جس میں ملکہ بلقیس کا تخت یمن کے علاقہ سبا سے لاکر شام میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایوان سلطنت میں رکھ دیا گیا تھا اور یہ سارا کام آنکھ جھپکنے سے بھی پہلے ہو گیا۔ جو شخص یہ تخت لے کر آیا تھا۔ قرآن کریم نے اس کا حال بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

عِندَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ یعنی "اس کے پاس کتاب کا علم تھا"۔ (1)

میرے اور آپ کے نبی ﷺ پر جب پہلی وحی نازل ہوئی تو اس کی بنیاد اقرا پر تھی یعنی "پڑھ اپنے رب کے نام سے" اس کا مطلب یہ ہوا کہ پڑھنا علم کی ابتدا ہے اور یہی اسلام سیکھنے کی ابتدا اور ذریعہ ہے۔ پڑھنے کی بنیاد علم پر ہے۔

اسی سورۃ میں فرمایا گیا ہے کہ:

"پڑھو تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا انسان کو، وہ علم دیا جسے وہ نہیں جانتا تھا"۔ (2)

اللہ تعالیٰ نے قلم کی قسم کھائی ہے۔ (3)

جس سے انسان کے علمی سفر کی اہمیت کا احساس ہوتا ہے جس سے کتابت کا سلسلہ شروع ہوا۔ قرآن مجید میں قلم کی قسم چاند ستاروں سے پہلے آئی ہے، یعنی علم کی روشنی کو چاند ستاروں کی روشنی پر فوقیت حاصل ہے۔ شیریں زادہ خدوخیل کے مطابق قرآن مجید میں علم اور قلم سے متعلقہ چیزوں کا ذکر کم وبیش ساڑھے آٹھ سو مرتبہ آیا ہے۔ (4)

چونکہ قلم کے ساتھ روشنائی بھی لازم ہے لہٰذا آنحضرت ﷺ نے علماء کی روشنائی کو شہیدوں کے خون کے برابر قرار دیا ہے۔ (5)

---

1) القرآن: سورۃ النمل، آیت 40، بحوالہ ڈاکٹر یوسف قرضاوی، رسول اکرم اور تعلیم، ص 28

2) القرآن: سورۃ العلق، پارہ 30، آیات 1 تا 5

3) القرآن: سورۃ القلم، پارہ 29، آیت 1

4) شیریں زادہ خدوخیل، عہد رسالت کا نظام تعلیم وعصر حاضر، ص 48

5) علامہ ابن عبدالبر، العلم والعلماء، ص 12

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی تھے، انہیں کلیم اللہ کا لقب ملا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر توراۃ نازل فرمائی اور انہیں شرفِ ہم کلامی بخشا۔ قرآن مجید میں ان کی بلند شان کا ذکر یوں ہے:

''اے موسیٰ علیہ السلام میں نے تمام لوگوں پر ترجیح دے کر تجھے منتخب کیا کہ میری پیغمبری کرے اور مجھ سے ہم کلام ہو''۔ (1)

جب اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ حضرت خضر علیہ السلام کے پاس علم لدنی ہے جو کہ آپ کے پاس نہیں ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی ہونے کے باوجود مشکلات برداشت کر کے حضرت خضر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے وہ نبی نہیں ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کا مکالمہ اُستاد شاگرد کے طور پر اور علم کے دیئے ہوئے شرف اور فوقیت کی بنا پر اہمیت رکھتا ہے۔

حضرت موسیٰؑ: ''کیا میں آپ کی پیروی کر سکتا ہوں؟ تا کہ آپ مجھے بھی اس دانش کی تعلیم دیں جو آپ کو سکھائی گئی ہے''۔ (2) یعنی یہاں پیروی اتباع کی بات ہے نہ کہ رفاقت، ساتھ یا مصاحبت کا مطالبہ۔

حضرت خضرؑ: آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے اور جس چیز کی آپ کو خبر نہ ہو آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں؟

حضرت موسیٰؑ: ان شاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں کسی معاملہ میں آپ کی نافرمانی نہ کروں گا۔

حضرت خضرؑ: اچھا اگر آپ میرے ساتھ چلتے ہیں تو مجھ سے کوئی بات نہ پوچھیں جب تک میں خود اس کا آپ سے ذکر نہ کروں۔

---

1) القرآن: سورۃ الاعراف، آیت 144

2) القرآن: سورۃ الکہف، آیت 66 تا 70

آخر کار حضرت موسیٰ حضرت خضرؑ کی خاموشی اور رویے پر صبر نہ کر سکے اور حضرت خضرؑ کو کہنا پڑا۔

''بس میرا تمہارا ساتھ ختم ہوا اب میں تمہیں ان باتوں کی حقیقت بتاتا ہوں جن پر تم صبر نہ کر سکے۔ (1)

یہاں حضرت خضرؑ کی علمی برتری کی مثال شرفِ انسانیت کے حوالہ سے قابل غور ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے علم میں سے کچھ حصہ انبیاء کو دیا اور انہوں نے انسانیت میں ارفع مقام پایا۔ جب ہم انبیاء کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں علم، ایمان، تزکیہ نفس وقلب، خیر کثیر، فکر وعمل، رضائے الٰہی کا حصول، تعلیم کتاب، تقوی، علم وعمل اور علم وحکمت جیسی اصطلاحات ملتی ہیں جن کی وجہ سے انسانیت کو توقیر ملی اور انسان اشرف المخلوقات قرار پایا۔

1.2.7) علمی و تعلیمی حوالہ سے مسلمان اساتذہ کے فرائض

استاد ازل سے ترویج علم میں کوشاں ہے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ تمام اساتذہ یکساں کام انجام دے رہے ہیں اور ان کے خیالات، نظریات، سوچ، طریقہ تعلیم، نصاب اور علم کے بنیادی تقاضوں میں کوئی فرق نہیں تو شاید درست نہ ہو۔ جس طرح انبیاء کا کام عام انسانوں سے مختلف ہوتا ہے۔ اسی طرح مسلمان استاد کا کام دیگر اساتذہ سے مختلف ہے۔

مسلمان استاد کے فرائض میں تعلیم دینے کا بنیادی مقصد اطاعت ورضائے الٰہی کا حصول، معرفت حق، صراطِ مستقیم پر چلنے اور اس کا اساسی تخیل حقیقت کبریٰ کی تلاش ہے۔ وہ دُنیا وآخرت کی بھلائی اور دُنیا وآخرت کے اعلیٰ مراتب کو عظیم کامیابی تصور کر کے تعلیم دیتا ہے اور اسی کو تعلیم کی غایت اولیٰ قرار دیتا ہے۔ یہ تمام تعلیم منہج نبویؐ کے مطابق دی جاتی ہے اور اس سے ایمان وایقان بذریعہ تزکیہ نفس وقلب اور عالم ملکوتی کے رازوں سے واقفیت اور دُنیا میں امامت کے حصول کا مقصد حاصل کیا جاتا ہے اور ساتھ ساتھ تعلیم سے تلاشِ حق کی منزل کا حصول بھی مراد ہے اور بارِ امانت الٰہیہ کا اپنے شاگردوں تک پہنچانا بھی شامل ہے۔

1) القرآن: سورۃ الکھف، آیت 78

جب ہم ان فرائض کی ادائیگی کے لئے مسلمان استاد کے مختلف ہونے کی بات کرتے ہیں تو مسلمہ امہ، اسلامی تعلیمات اور بقولِ اقبال ترکیب و بناوٹ میں قوم رسولِ ہاشمی مغرب سے یکسر الگ ہے۔ یہ حوالہ مذہبی ہو، معاشرتی ہو یا معاشی، مسلمان کی ابتدا ایمانیات سے ہوتی ہے۔ سب سے پہلے وہ اللہ تعالیٰ پر توحید پر اور توحید کے تقاضوں کے مطابق ایمان لاتا ہے۔ پھر رسولوں پر ایمان لاتا ہے مغرب احترام انبیاء کو مسلمان کی طرح سمجھنے سے قاصر ہے لہٰذا کبھی خاکوں کی شکل میں اور کبھی دوسرے حوالوں سے احترامِ رسولؐ پر اختلاف و تصادم بنیادی بات ہے۔ مسلمان ہو یا مسلمان استاد احترامِ رسول ﷺ اور اسوۂ رسول پر عمل کے بغیر اس کا ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ تمام انبیاء کا احترام اس کے ایمان کا بنیادی جزو ہے۔ اس کے بعد تمام کتب، فرشتوں، آخرت اور تقدیر پر ایمان کے حوالہ سے وہ مغرب سے مختلف ہے۔

ایمانیات کے بعد عبادات کا حوالہ بھی دیگر اقوام اور مذہب سے مختلف ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کے علاوہ سب کی نفی اور صرف اللہ تعالیٰ کا اثبات اور پھر حضرت محمد ﷺ پر بطور رسول اللہ ایمان لانا شامل ہے پھر نماز میں اللہ کے حضور سر بسجود ہونا، روزہ میں تزکیۂ نفس و جسم اور حج میں اُمت مسلمہ کے جسدِ واحد کا حصہ بننا اور زکوٰۃ کے حوالہ سے مالی قربانی دینا جہاد کے حوالہ سے جانی قربانی پر امادہ رہنا اس کا عمل ہے۔

اس کے بعد مسلمان کے معاملات کا حوالہ ہے، یہاں پھر وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے حوالہ سے اپنے آپ کا احتساب کرتا ہے۔ رزق حلال کمانے کو عبادت گردانتا ہے اور اپنے تدریسی فرائض، وقت اور طلباء کے حقوق کے حوالہ سے ایک منفرد سوچ رکھتا ہے۔ اس کے بعد مسلمان استاد کے لئے چوتھا حوالہ اخلاقیات کا ہے اس سلسلہ میں وہ اسلامی اقدار پر مکمل طور پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ اخلاقیات کے حوالہ سے اکثر مذاہب میں چند قدریں مشترک بھی ہیں۔ (1)

بلاشبہ مغرب نے علمی، تعلیمی، سائنسی و تحقیقی حوالہ سے قابل قدر کام کیا ہے مگر جب ہم علمی

1) علامہ شاطبی، الموافقات: ایمانیات، عبادات، معاملات و اخلاقیات کے حوالہ سے دین اسلام کی وضاحت فرماتے ہیں

حوالہ سے اپنے الگ ہونے کی بات کرتے ہیں تو سب سے پہلے تخلیق آدم کا حوالہ آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو احسن تقویم پر خلق فرمایا ہے۔ ہر چیز با مقصد پیدا کی گئی ہے جبکہ مغرب انسان کو حیوان قرار دیتا ہے جبکہ انسان دُنیا کی خوبصورت ترین مخلوق ہے۔ اس سے بنیادی طور پر نظریۂ ارتقاء یا ڈاروِن کے حوالہ سے مختلف صورت نظر آتی ہے اور پھر انسان کا تعارف و علمی حوالہ علم الاسماء سے شروع ہوتا ہے اور انسان اشرف المخلوقات قرار پاتا ہے اور پیغمبر آخر ﷺ پر اقراء کا حوالہ ہے۔ یعنی مغرب میں علم کی ابتداء نہ جاننے سے اور ہمارے ہاں جاننے سے ہوتی ہے۔ تمام انبیاء صاحب علم تھے۔ مغرب میں علم کے حوالہ سے معلومات دماغ میں جب کہ اسلام میں سے سب سے پہلے اقرار ''باللسان وتصدیق بالقلب'' ہے۔ پھر وحی الٰہی قلب پر اترتی ہے اور استاد کا کام معرفتِ الٰہی، تشکیل کردار، انسان سازی، تقویٰ، عرفانِ ذات، صراطِ مستقیم اور فوز وفلاح، مقصودِ تعلیم ٹھہرتا ہے جبکہ مغرب وسائل و مالی حوالہ کی بات کرتا ہے۔ مغرب صفائی کا قائل ہے جبکہ اسلام صفائی کے ساتھ پاکیزگی اور طہارت کا قائل ہے۔ مغرب میں مذہب اور دُنیا الگ الگ ہیں اور مذہب ذاتی معاملہ ہے جبکہ اسلام میں مذہب اور دُنیا الگ الگ نہیں اکٹھے ہیں اور رزق حلال کمانا عین عبادت ہے۔ اسلام ایک مذہب نہ ہے بلکہ دین ہے۔ سائنس و دیگر شعبہ جات میں سب سے پہلے تحقیق کا کام مسلمانوں نے ہی شروع کیا۔ مسلمانوں کی بدنصیبی کا آغاز اس وقت ہوا جب انہوں نے اس علمی سفر کو چھوڑا اور تحقیق کے کام کو مغرب نے سنبھال لیا۔ مغرب میں تحقیقی حوالہ سے سائنس، طب، سوشل، سائنس، تجارت، مینجمنٹ اور ٹیکنالوجی میں بہت ترقی ہوئی ہے اور اس سے کائنات کے رازوں کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے مگر اسلام قرآن مجید میں سات سو بار سے بھی زیادہ تفکر، تدبر، غور وفکر اور مظاہر فطرت سے اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ دُنیا کو سمجھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مسلمانوں میں استنباط وارتباط، درایت وروایت، فن رجال و دیگر حوالوں سے تحقیق وتدقیق کا کام کیا گیا۔ مغرب قوم پرستی کے حوالہ سے بات کرتا ہے تو اسلام میں وحدت انسانیت پر اسلامی آفاقیت کی بنیاد ہے۔ مغرب میں مذہب اور چرچ سائنسی تحقیق اور عقلی تعلیم کے راستہ میں ماضی میں رکاوٹ بنے رہے جبکہ مساجد تعلیمی مراکز رہے اور اب بھی ہیں جیسا کہ جامعہ ازہر کی مثال جبکہ

مسلمانوں نے سقراط، ارسطو، افلاطون اور فیثا غورث کے فلسفیانہ افکار یونانیوں سے اور طب، کیمیا، فلکیات وغیرہ علوم عیسائیوں سے سیکھے۔ کہا گیا کہ حکمت مومن کی گم گشتہ میراث ہے جہاں سے ملے لے لو۔ مسلمانوں نے اپنے عروج کے دور میں جو علمی تعلیمی ترقی کی، اس کے لئے مغرب سے طلبہ سپین آئے اور تعلیم حاصل کر کے گئے جیسا کہ آج کل ہمارے طالب علم دوسرے ملکوں سے پڑھ کر آتے ہیں۔ اس طرح علمی طور پر مغرب کی ترقی کا راستہ کھلا، اس پر مسلمان استاد کو غور کرنا چاہئے۔ مغرب دُنیا کے اتفاقی طور پر وجود میں آنے کا قائل ہے اور اسے حادث قرار دیتا ہے جبکہ اسلام کے مطابق دُنیا خدائے واحد کی پیدا کردہ ہے نہ کہ اتفاقی حادثہ۔ ہر چیز کا آغاز وانجام اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ سارے علوم کی اصل الاصول ہے، ہر چیز ارادہ الٰہی سے وجود پذیر ہوتی ہے جس کے لئے قرآن مجید کن فیکون کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔

مغرب میں علمی حوالہ سے مشاہدہ پر زور دیا گیا ہے جبکہ اسلام میں کائنات کی غایت اولیٰ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور کائنات قوانین فطرت پر مبنی ہے اللہ ہی اس کا مبداء ہے۔ علت ومعلول کا ایک سلسلہ قائم ہے مگر حضرت موسیٰؑ کا بغل میں ہاتھ ڈال کر نکالنا اور اس کا چمک دار وروشن ہوجانا، حضرت موسیٰؑ کے عصاء کا واقعہ، حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش اور اس کے فوراً بعد سے ہی مدلل گفتگو کرنا، حضرت ابراہیمؑ کے لئے آگ کو ٹھنڈا کر دینا۔ یہ علم کے وہ سنگ میل ہیں جن پر مغرب ایمان نہیں لاسکتا اور نہ ہی ان رازوں تک رسائی پاسکتا ہے۔ وہ نظریات اور تھیوری دیتا ہے اور چند سال بعد پھر اس میں خود ہی تبدیلی کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ اسی طرح عقل انسانی کی رسائی و پیروی کے حوالہ سے مغرب اور اسلام کی سوچ میں فرق ہے۔ مسلمانوں کے ہاں عقل انسانی محدود ہے اور علم کا منبع ذاتِ الٰہی ہے۔ لہٰذا وحی کی پیروی لازی ہے، تمام حقیقتیں اور صداقتیں وحی کے تابع ہیں، اسی لئے مسلمان استاد کا بنیادی وصف واللہ اعلم بالصواب اور لاادری ہے۔ مگر یہاں یہ پیش نظر رہے کہ وحی کا عقل سے تضاد نہیں ہے۔

مغرب میں تعلیم کا بنیادی مقصد وسائل پیدا کرنا ہے یعنی انسان معاشی حیوان بن کر رہ جاتا ہے جبکہ اسلامی تعلیمات کے مطابق فلاح دارین، نیابت الٰہی اور آخرت کی تیاری، تزکیہ نفس

وقلب اور تعمیر کردار اور انسان کامل بناتا ہے اور نتیجتاً ایک فلاحی معاشرہ وجود میں لاتا ہے۔ مغرب میں جنس کے اعتبار سے تفریق نہیں جبکہ اسلام میں عورت و مرد کے دائرہ کار مختلف ہیں۔ وہاں علم کو اکائی کے طور پر لیا جاتا ہے جبکہ ہمارے ہاں ارتباط اور علم بطور کل کی بات کی جاتی ہے۔ وہاں تعلیم پر زور ترسیل علم سے آدم بیزاری، اسلام میں کردار سازی و تربیت، اکرام مسلم، احترامِ آدمیت کا سبق دیا جاتا ہے۔ اس تفاوت کو مدنظر رکھ کر مسلمان استاد کو اپنے لئے قوم کے لئے طلبہ کے لئے اور اُمت مسلمہ کے لئے راہِ عمل کا تعین کرنا ہے اور پھر یہ بھی سوچنا ہے کہ ہمارے پاس الوہی رہنمائی اور اسوۂ حسنہ کے باوجود ہم پیچھے کیوں ہیں۔ شیریں زادہ خدوخیل کے مطابق 151ھ سے 900ھ تک ایک سو چوٹی کے سائنس دانوں کا تعلق مسلمانوں سے تھا۔ مسلمانوں کے زوال کو وہ حکمت کا زوال قرار دیتے ہیں۔ (1)

اب ہم دوبارہ مسلمان استاد کے فرائض کی طرف آتے ہیں۔

تحقیق کامیاب ہوا وہ جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا اور ناکام ہوا وہ جس نے ایسا نہیں کیا۔ (2)

سورۃ جمعہ میں تمام انبیاء کے ذمہ چار بنیادی کام بتائے گئے ہیں یعنی تلاوتِ کتاب، تزکیہ، تعلیم کتاب اور دانائی و حکمت کی تعلیم دینا۔ یہی آج کے استاد کے فرائض ہیں۔ (3)

اطاعت الٰہی، رضائے الٰہی کے مطابق تعلیم دے کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا۔

قیامت کے دن جوابدہی کے تصور کو سامنے رکھ کر تعلیم دینا۔

حاصل شدہ علم پر خلوص دِل و نیت سے عمل کرنا۔ علم کو خدا کی امانت سمجھ کر طلبہ تک پہنچانا اور ان کا احترام کرنا۔ کتمانِ حق سے بچنا اور علم ہونے کے باوجود علم کو نہ چھپانا۔ علم کے تقاضوں پر عمل کرنا اور علم پھیلانے کی خواہش و تمنا رکھنا۔ پیشہ وارانہ اخلاقیات پر عمل کرنا، نافع و بامقصد علم دینا۔

اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور نمونہ سامنے رکھنا۔ عمدہ اخلاق کی تعلیم دینا اور خوف خدا کو راس الحکمت سمجھنا۔ بھلائی کا درس دینا۔

---

1) شیریں زادہ خدوخیل، عہد رسالت کا نظامِ تعلیم و عصر حاضر، ص 73

2) القرآن: سورۃ الشمس، آیت 9، 10

3) القرآن: سورۃ الجمعہ

1.3) اُستاد کون؟

استاد کی مختلف حیثیتوں کے تعین کے بارے میں یوں حقائق کا ادراک کیا جا سکتا ہے۔ استاد بنیاد کی وہ اینٹ ہے جو تمام عمارت کا بوجھ اٹھاتی ہے مگر کسی کو نظر نہیں آتی۔ استاد معاشرے کا نمک ہے جو قلیل مقدار میں ہونے کے باوجود ذائقہ بدلنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ استاد اس گھنے درخت کی طرح ہے جو دوسروں کو سایہ بانٹتا ہے مگر خود دھوپ میں کھڑا ہے۔ استاد اس شمع کی طرح ہے جو خود جلتی ہے اور دوسروں کو روشنی مہیا کرتی ہے مگر خود اندھیرے میں ہے۔ استاد اُس مالی کی طرح ہے جو ہر پودے کی کانٹ چھانٹ کر کے خوراک کا بندوبست کرتا اور مکمل پرداخت کرتا ہے اور گل و گلزار کھلا دیتا ہے مگر خود اس سے محروم رہتا ہے۔ استاد اِس ماں کی طرح ہے جو سراسر محبت ہے، خود ٹھنڈے بستر پر لیٹتی ہے مگر اپنے بچے یا بچی کو خشک و گرم بستر مہیا کرتی ہے۔ خود بھوکا رہ کر اسے کھلاتی ہے۔ غریب کی جھونپڑی میں رہ کر اپنی اولاد کو محلوں میں دیکھنا چاہتی ہے۔ استاد وہ دانہ یا بیج ہے جو اپنی خودی گم کر کے تناور درخت قوم کو مہیا کرنا چاہتا ہے۔ استاد بارش کے اُن قطروں کی طرح ہے جو علم کی پیاسی دنیا کو سیراب کرنے کے لئے بادلوں سے گرنے کو بے تاب ہوتے ہیں۔ اپنی خودی گم کر کے ہریالی مہیا کرتے ہیں۔ استاد وہ شخصیت ہے جو معاشروں کے لئے مثبت تبدیلی کا راستہ ہموار کرتا ہے۔ استاد روحانی باپ اور سراسر شفقت و محبت ہے۔ استاد علمی دنیا کا وہ معمار ہے جس کی تعمیر کی خوبصورتی دنیا میں وقار و متانت کے کوہِ گراں تعمیر کرتی ہے۔ استاد فرش سے عرش پر لے جانے والی سوچ دینے والا ہے۔ استاد وہ مسیحا ہے جو ذہنی کجروی کو دور کرتا ہے۔ استاد وہ پاکیزہ دریا ہے جو مسلسل رواں ہے اور پیاسوں کو سیراب کر رہا ہے۔ استاد قوموں کے لئے چشمہ آبِ حیات ہے جو حیاتِ جاوداں بانٹ رہا ہے۔ استاد وہ رہنما ہے جو گم کردہ راہ کے نشانات بتا کر قافلہ علم کے مسافروں کو نشانِ منزل بتا رہا ہے۔ استاد کاروانِ علم کا مسافر ہے۔ استاد اندھیری راتوں کا وہ ماہِ منیر ہے جو رہنمائی و روشنی مہیا کر رہا ہے۔ استاد اس لگن جذبہ اور کمٹمنٹ کا نام ہے جس کو دولت دُنیا میں نہیں تولا جا سکتا۔ استاد وہ معتبر شخص ہے۔ ماں باپ اپنی متاعِ حیات جس کے سپرد کر دیتے ہیں۔ استاد دانش و علم کا نور بکھیرنے والا ہے۔ استاد مینارۂ نور ہے جو مسلسل روشنی

بانٹ رہا ہے۔ استاد حریتِ فکر کا مجاہد اور زیورِ انسانیت ہے جو معاشروں کو اعلیٰ اقدار اور حریت کا درس دیتا ہے۔ نونہالانِ قوم کو جہالت کی تاریکی سے نکال کر علم کی روشنی کی طرف لاتا ہے۔ اُستاد قادرِ مطلق کی رحمتِ خاص اور علم کا پرتو ہے جو اپنے طلباء کو صراطِ مستقیم سے آشنا کرتا ہے۔ اُستاد شعورِ ذات کے سفر میں رہنمائی مہیا کرنے والا اور علم و دانش کا رکھوالا ہے۔ اُستاد اقوام کی تہذیب و کلچر کا محافظ اور اپنے طلباء تک نئی سوچ پہنچا کر انسانیت کی روایات کو محفوظ رکھنے والا ہے۔ اُستاد اقوام کو کٹر پن اور دہشت گردانہ رویوں سے بچا کر طالب علم کے تجسس کو درست راستہ پر لگانے والا ہے۔ اُستاد تعلیمی مشینری کا دھرا ہے۔ نظامِ تعلیم میں اُستاد کا مقام وہی ہے جو ایٹم میں مرکزہ (نیوکلیس) کا ہے۔ اُستاد اپنے شاگردوں اور علم کے لئے جیتا ہے جبکہ عام آدمی اپنے بچوں اور دولت کمانے کے لئے جیتا ہے۔ اُستاد عالمی برادری کی بنیادی اینٹ ہے جو ذہین، اخلاق اور نظریہ وسعتِ قلبی کی تربیت کر کے انسانیت کا احترام سکھاتا ہے۔ اُستاد دلیل کے ہتھیار کا رکھوالا ہے جو معاشرے میں اعتدال اور علمی انقلاب کے لئے بنیاد مہیا کرتا ہے۔

اور فخر کی بات یہ کہ پہلا اُستاد خود خدا ہے اور پھر شانِ اساتذہ مکمل قافلۂ انبیاء ہے۔ رہروانِ قافلہ آئمہ، اولیاء، علماء و اساتذہ ہیں اور مقام ان کا اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ ہے۔ میں اور آپ اس قافلہ کے آخر میں چلنے والے راہی ہیں۔ پاکستان میں ساڑھے تیرہ لاکھ اساتذہ تعلیمی اداروں میں تعلیم دے رہے ہیں اور لاکھوں افراد غیر روایتی انداز میں تدریس سے وابستہ ہیں اور کروڑوں طلبہ ہیں۔ یہ (پاکستانی اساتذہ کے لئے رول ماڈل) تحقیق (study) ان سب کے مفاد کے لئے کی گئی ہے۔ اس سے پوری پاکستانی قوم اور خاص طور پر اساتذہ کمیونٹی کے مستفید ہونے کی توقع ہے۔

1.4) مقاصدِ تحقیق

رول ماڈل برائے پاکستانی اساتذہ پر تحقیق کے مقاصد درج ذیل ہیں۔

1) ماضی و حال کے وہ کون سے اساتذہ تھے جن کو حال اور مستقبل کا استاد بطور رول ماڈل یا

مثالی استاد قبول کر سکتا ہے؟

2) رول ماڈل یا مثالی اُستاد کون کون سی خوبیوں اور صلاحیتوں کا مالک ہوتا ہے؟

3) ماضی کے رول ماڈل کی روشنی میں پاکستان میں مثالی اُستاد کے لئے کم از کم ایریاز یا رہنما خطوط کا تعین کرنا۔

4) ماضی کے تاریخی و واقعاتی حوالوں کے ساتھ ساتھ حال کے مثالی اساتذہ کے واقعات، مثالیں اور انڈیکیٹرز تلاش کر کے حال اور مستقبل کے لئے مثالی اساتذہ کی تیاری ہے جو تعمیر قوم کا فریضہ احسن انداز میں ادا کر سکیں۔ اس سلسلہ میں انڈیکرز کی ایک لسٹ کی فراہمی جس سے کم از کم بہتری کا معیار مقرر کرنے میں مدد مل سکے۔

5) مسلمانوں نے ایک ہزار سال تک دُنیا کے بڑے حصے پر حکومت کی اور علمی تفوق کے ساتھ کی، اس علمی تفوق کی بنیاد اس زمانے کے اساتذہ تھے، ان کی عظمت کردار اور تعلیمی کام سے واقفیت حاصل کر کے آج کے اُستاد کے مستقبل کے لئے راہِ عمل کا تعین ہے تا کہ وہ مثالی تدریس اور مثالی کردار سے مستقبل کی تعمیر قوم کا فریضہ ادا کر سکے۔

6) مثالی اساتذہ کے ساتھ ساتھ طبقہ اساتذہ کے حالات کار، طریق کار، اقدار و روایات اور اسلامی و معاشرتی حالات سے مطابقت کیسے پیدا کی جاتی رہی کا جائزہ لے کر راہِ عمل کا تعین کرنا۔

1.5) طریقہ تحقیق

اساتذہ کے لئے رول ماڈل یعنی مثالی استاد کیسا ہوتا ہے۔ اس تحقیق کی بنیادی غایت پاکستان میں استاد کے مقام کو بہتر کر کے علمی و تعلیمی معاشرہ کا قیام ہے۔ یہ تحقیقی مطالعہ بیانیہ تحقیق پر مبنی ہے۔ معلومات اکٹھی کرنے کے لئے مسلمانوں کے ابتدائی دور سے لے کر آج تک رول ماڈل کے حوالہ سے آٹھ لیول طے کئے گئے ہیں اور پھر تاریخی مطالعہ کے بعد مثالی استاد جو کہ اساتذہ کے لئے بطور رول ماڈل پیش کیا جا سکے۔ ان کے لئے انڈیکیٹرز طے کر کے واقعات و مثالیں اکٹھی کی گئی ہیں۔ پھر ان انڈیکیٹرز پر سوالنامہ ترتیب دے کر آج کے دو ہزار اساتذہ سے

اس پر بذریعہ سروے رائے لی گئی تا کہ ماضی وحال کو ملا کر مستقبل کے لئے رول ماڈل کا تعین کیا جا سکے جو کہ قابل عمل بھی ہو۔ اس تحقیق میں تمام قسم کے اساتذہ کو شامل کیا گیا ہے۔ انڈیکیٹرز جن کا تعلق تمام مسلم تاریخ وثقافت اور علمی دُنیا سے ہے پر ڈیٹا جمع کرنے کا کام رسائی کی مشکل کی وجہ سے صوبہ پنجاب تک محدود رکھا گیا ہے اور اس تحقیق کا دورانیہ تقریباً چھ سال بنتا ہے۔ اس تحقیق میں مثالیں، واقعات وفلسفیانہ، تعلیمی ومذہبی اور اخلاقی بنیادیں تلاش کرنے کے لئے قرآن مجید، اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابنیاء کرام کے واقعات وحالات جن کی رہنمائی خود اللہ تعالیٰ نے فرمائی۔ صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین، دور عروج کے مسلم معاشرہ سے اور پاکستانی اساتذہ بارے واقعات ومثالیں جمع کی گئیں، پھر اخذ بھر نتائج وسفارشات مرتب کی گئیں۔

چونکہ یہ رول ماڈل پاکستانی اساتذہ کے لئے ہے لہٰذا اس کو مسلم اساتذہ تک محدود رکھا گیا ہے۔ اسلامی اقدار وروایات، حکم ربی اور اسوۂ رسولؐ و مسلم اساتذہ کی سوانح وطریقہ تدریس سے استفادہ کیا گیا ہے۔

1.6) رول ماڈل

ماضی یا حال کی وہ متاثر کن اور مثالی شخصیت جس کا رویہ، کام اور کردار دوسروں سے بہت بہتر، عمدہ، مثالی اور کامیاب ہو جس کی پیروی کر کے یقینی کامیابی حاصل کی جا سکتی ہو۔ یہ مثالی شخصیت اپنے شعبے کے ماہرین ومخلصین ہوتے ہیں مثلاً انبیاء، صحابہ، اولیاء، امامین، مشنری اساتذہ، علماء، سیاستدان، لیڈر، والدین، بہن، بھائی، تمام معاشروں کے ہیرو، اعلیٰ اخلاقی اقدار کی حامل شخصیات، تہذیبی و معاشرتی طور پر سلجھے ہوئے افراد، مخصوص علمی ودیگر صلاحیتوں کے حامل لوگ، انسانیت کے محسن، ایثار پیشہ، حریتِ فکر کے مجاہد، کام سے لگن رکھنے والے باصلاحیت افراد دوسروں کے لئے مددگار، اپنے پیشے اور نئی نسل کے لئے مثالی نمونہ یا رول ماڈل ہو سکتے ہیں۔

1.6.1) تمام لوگوں کیلئے ایک ہی شخصیت بطور رول ماڈل؟

تمام لوگوں کے لئے ایک ہی شخصیت بطور رول ماڈل قابل قبول نہیں ہو سکتی، ہر ملت

ومذہب، ہر ملک میں مختلف نظام ہائے زندگی اور ہر پیشہ کے لئے الگ رول ماڈل ہوتے ہیں۔ مثلاً عیسائی مذہب کے پیروکاروں کے لئے حضرت عیسیٰؑ یہودیوں کے لئے حضرت موسیٰؑ، چینیوں کے لئے کنفیوشس اور ماوزے تنگ، روسیوں کے لئے کارل مارکس ولینن، امریکیوں کے لئے ابراہام لنکن وجارج واشنگٹن رول ماڈل ہو سکتے ہیں جبکہ باقی دُنیا اور انسانوں کے لئے یہ رول ماڈل قابل قبول نہیں ہو سکتے۔

ہلاکو خان، چنگیز خان، ایٹم بم بنانے والا اور کلاشنکوف ایجاد کرنے والا اساتذہ کے لئے رول ماڈل نہیں بن سکتے، اسی طرح جاپان پر ایٹم بم گرانے والا امریکی رول ماڈل اور ہیرو بن سکتا ہے لیکن جاپان اور امن پسند دُنیا کے لئے رول ماڈل نہیں بن سکتا۔ آدھی دُنیا کو فتح کرنے والا سکندر اعظم مغرب و یونانیوں کا رول ماڈل ہو سکتا ہے مگر پاکستانیوں اور ایرانیوں کے لئے نہیں۔ مہاتما گاندھی ہندوستانیوں کا رول ماڈل ہے پاکستانیوں کا نہیں، حضرت قائد اعظمؒ پاکستانیوں کے لئے رول ماڈل ہیں نہ کہ ہندوستانیوں کے لئے۔

دُنیا میں مختلف قسم کی آویزشیں اور اختلافات قدیم سے جاری ہیں، ان کی وجہ سے رول ماڈل کے پیمانے ومعیارات ہر جگہ، علاقہ، سوچ اور نظام رکھنے والوں کے لئے مختلف ہیں۔

مغربی دُنیا اور اسلام و پاکستان کے حوالہ سے دیکھیں تو رول ماڈل کے لئے یہ معیارات مختلف ہیں۔ ہم یہ بات بھی کہہ سکتے ہیں کہ امتِ رسول ہاشمی کے لئے صاحب ایمان کا، توحید پرست اور مالک کائنات و مالک الملک اور مالک الناس پر یقین ہونا ضروری ہے۔ وہ قرآن مجید کو کتاب ہدایت اور اس کے ساتھ عملی طور پر اسوۂ رسول کو ضابطہ حیات مانتا ہے، معاملات و اخلاقیات میں ان سے رہنمائی لیتا ہے۔ انسانیت کی خیر خواہی، ایثار و قربانی، تقویٰ، مساواتِ آدم، نیت کی صفائی وسچائی، آخرت کی کامیابی کے لئے اس کے الگ معیارات ہیں اور وہی لوگ اُس کے رول ماڈل ہو سکتے ہیں جو ان معیارات کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔

1.6.2) تحقیق کا نظری خاکہ

پاکستانی اساتذہ کیلئے رول ماڈل یا مثالی نمونہ کیسا ہونا چاہئے؟

رول ماڈل کے درج ذیل حوالوں سے سوچا جاسکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس تحقیق کا نظری خاکہ (conceptual frame work) پیش خدمت ہے۔

الف) دُنیا میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو اسماء سکھائے، لہٰذا سب سے پہلا اُستاد خود خدائے تعالیٰ کی ذات ہے۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور زندہ کتاب ہے۔ اربوں کھربوں انسانوں نے قرآن سے راہِ ہدایت پائی اور مستقبل میں تا قیامت یہ فیض جاری رہے گا، لہٰذا قرآن مجید کا طریقہ تدریس ایک مسلمان استاد کے لئے پہلی مشعلِ راہ اور رول ماڈل ہے کیونکہ اس میں الوہی رہنمائی شامل ہے۔

ب) اللہ تعالیٰ نے دُنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر انسانوں کی رہنمائی کے لئے بھیجے۔ اِن سب نے جس انداز میں تبلیغ وارشاد وتدریس کا کام کیا وہ ہمارے لئے رول ماڈل ٹھہرے۔ آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ تشریف لائے اور چند سالوں میں عرب معاشرے کو جاہلیت والے معاشرے سے علمی معاشرے میں تبدیل فرما دیا۔ آپ کا طریقہ تدریس اور آپ ﷺ کا اسوہ حسنہ تمام دُنیا کے انسانوں کے لئے بالعموم اور مسلمانوں کے لئے بالخصوص رول ماڈل ہے۔

ج) صحابہ کرام کا مقام آنحضرتؐ کے تربیت یافتہ شاگردوں کا ہے وہ بلاواسطہ اس عظیم رول ماڈل سے فیض حاصل کرنے والے ہیں۔ انہوں نے جس انداز میں اسوۂ حسنہ کی پیروی کی، ان کی شخصیات وعلمی کام سب کے لئے رول ماڈل ہیں۔

د) تابعین اور تبع تابعین کا دور مسلمانوں میں علم اور اسلام کی ترقی کمال اور عروج کا دور ہے۔ اس دور میں مسلمانوں نے علمی تحقیق، ترقی اور حکومت وسلطنت سے لے کر ہر فیلڈ

میں عروج حاصل کیا، اُس دور کے اساتذہ واہل علم ہمارے لئے رول ماڈل ہیں۔

ر) مسلمانوں نے ایک ہزار سال تک دُنیا پر حکومت کی۔ کہتے ہیں حکومت وہی اچھی ہوتی ہے جسے اہل علم کی رہنمائی اور ساتھ نصیب ہو۔ اس ہزار سالہ دورِ عروج میں جن اساتذہ کرام نے تربیت مسلم کا فریضہ ادا کر کے زندگی کے تمام شعبہ جات کے لئے افراد مہیا کئے، خواہ وہ کسی بھی خطۂ ارضی سے تعلق رکھتے ہوں ہمارے لئے رول ماڈل ہیں۔

س) برصغیر میں 1857ء میں انگریزوں نے قبضہ کرلیا اور تقریباً اسی دور میں عالم اسلام کا کافی حصہ غیر مسلم اقوام کی غلامی میں آ گیا۔ اس دور غلامی میں جن اساتذہ نے اپنا وقار اور اَنا قائم رکھ کر قوم کے لئے محنت کی اور رہنمائی مہیا کی وہ سب ہمارے لئے رول ماڈل ہیں۔

ش) پاکستان بنا تو ادارے نہیں تھے۔ ادارے بنانے کے لئے وسائل نہیں تھے، اس غربت و بے سروسامانی کے دور میں قوم کو اپنے پاؤں پر کھڑا کر کے آگے بڑھنے والے باصلاحیت اساتذہ ہی ہمارا رول ماڈل ہیں جو آج بھی کلاس روم میں تعلیم و تربیت کا فریضہ ادا کر رہے ہیں۔

د) پاکستان میں ادارے آج بھی تعلیمی ترقی و تربیت کے لئے کوشاں ہیں۔ تقریباً ساڑھے تیرہ لاکھ اساتذہ کرام یہ کام کر رہے ہیں۔ دُنیا کے ہر فیلڈ میں لیڈر اور رول ماڈل موجود ہوتے ہیں ہم ان اساتذہ میں سے کچھ اساتذہ کو رول ماڈل کے مقام پر پاتے ہیں ان کے واقعات رہنمائی اور پیشہ وارنہ کام کی ادائیگی میں تقویت کے لئے پیش خدمت ہیں۔ آپ اپنی لائبریری بزرگوں، ساتھیوں غرض ہر جگہ ایسے رول ماڈل اور مثالی اساتذہ کے وجود سے واقف ہیں، اس کتاب میں محض توجہ دلانے کے لئے چند کا ذکر پیش خدمت ہے تا کہ اساتذہ کے لئے راہِ عمل متعین کرنے میں آسانی ہو اور وہ اپنے اردگرد اور دُنیا کی مثالوں کو سامنے رکھ کر اپنے کام میں اختصاص حاصل کر کے مکمل (perfect) ہوسکیں اور پاکستانی و مسلم طلبہ کی بھلائی و تربیت اور تعلیمی کوالٹی کا مسئلہ حل ہو سکے۔

مندرجہ بالا حوالوں کو سامنے رکھ کر ہم طبقۂ اساتذہ اپنے لئے ایک رول ماڈل کی خصوصیات، صلاحیتوں، کردار و عمل کا مطالعہ کرکے اپنے کام کو بہتر سے بہترین کرنے کے لئے سعی و کوشش کریں تاکہ ہم بھی اپنے طلبہ اور اساتذہ کے لئے رول ماڈل بن سکیں، پاکستانی اور مسلمان بچے کی تربیت کرسکیں اور دُنیا و آخرت کی بھلائی و بہتری سمیٹ سکیں۔

1.6.2.1) رول ماڈل برائے پاکستانی اساتذہ واقعات و حکایات میں کیوں لکھی گئی؟

واقعات، حکایات، مثالوں اور قصوں کی صورت میں لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ قصص کی تاثیر جادو اثر ہوتی ہے اور انسانی نفس پر گہرا اثر رکھتی ہے۔ انسان اپنے آپ کو ان حالات میں شامل پاتا ہیں۔ قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے انسان کی تربیت کے قصے مثالیں سمعی واقعات و قصے بیان فرمائے ہیں۔

سورۃ الاعراف میں غور و فکر کی دعوت دیتے ہوئے حکم ربی ہے:

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ

”اے نبی! ان لوگوں کے سامنے واقعات بیان کرو تاکہ غور و فکر کریں“ ۔(1)

- ...... ”ہاں واقعی اللہ تعالیٰ تو نہیں شرماتے، اس بات سے کہ بیان کرے کوئی مثال بھی خواہ مچھر کی ہو، خواہ اس سے بھی بڑھی ہوئی ہو“ ۔(2)
- ...... ”اور ہم قرآنی مثالوں کو لوگوں کو سمجھانے کے لئے بیان کرتے ہیں اور ہماری ان مثالوں کو بس علم والے ہی سمجھتے ہیں“ ۔(3)
- ...... ”قرآن مجید میں اس طرح کی (80) ایسی آیات ہیں جو مثالیں ہیں یا مثال دے کر سمجھایا گیا ہے“ ۔
- ...... اسی طرح دیگر آسمانی کتب توراۃ، زبور، انجیل، صحف ابراہیمؑ و موسیٰ میں بھی مثالوں سے

1) القرآن: سورۃ الاعراف، آیت 176
2) القرآن: سورۃ البقرہ، آیت 26
3) سورۃ العنکبوت: آیت 3۔

سمجھایا گیا ہے۔

- ...... مثالیں کسی بھی مسئلے کو سمجھنے میں مددگار ہوتی ہیں۔
- ...... قرآن مجید میں مثالیں اور مختلف قوموں کے واقعات تدریسی طریقہ کے طور پر بیان ہوئے ہیں۔ مثلاً اصحاب کہف کا واقعہ عاد و ثمود و دیگر واقعات و مثالیں۔
- ...... آنحضرت ﷺ بعض اوقات گزشتہ اقوام کے واقعات و قصص بیان فرما کر تعلیم دیتے تھے۔ اس سے سننے والوں کی توجہ اور دلچسپی برقرار رہتی ہے۔ مثلاً بنی اسرائیل کی عورت اور کتے کو پانی پلانے کا واقعہ، آپ نے اپنی تدریس میں سچے واقعات اور قصوں کو بطور تعلیمی ٹیکنیک کے استعمال فرمایا۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں علماء کے قصے اور خوبیاں بیان کرنا میرے نزدیک فقہ کے مسائل بیان کرنے سے پسندیدہ ہے۔ اس میں لوگوں کے لئے ادب اور تعلیم ہے۔ جنید بغدادیؒ قصوں اور حکایات کو اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے ایک لشکر قرار دیتے ہیں۔ قرآن مجید میں مندرجہ ذیل مثالیں، واقعات و قصے موجود ہیں۔

- ...... منافقین کے لئے رعد و برق اور اندھیرے کی مثال۔ (1)
- ...... آگ اور روشنی سلب کرنے کی مثال۔ (2)
- ...... پتھر کی طرح سخت دِل کی مثال۔(3)
- ...... حضرت ابراہیمؑ کو مُردوں کو زندہ کرنے کی مثال۔(4)
- ...... ناممکن بات کے لئے اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گزرنے کی مثال۔ (5)
- ...... آپ سے بھی کہیے کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہو سکتے ہیں یا کہیں تاریکی و روشنی برابر ہو سکتی ہے۔ (6)

---

1) القرآن: البقرہ، آیت 20،19　　2) القرآن: البقرہ، آیت 18،17

3) القرآن: البقرہ، آیت 74　　4) القرآن: البقرہ، آیت 26

5) القرآن: الاعراف، آیت 40　　6) القرآن: الرعد، آیت 16

- ...... چراغ اور قندیل سے نور ہدایت کی مثال۔ (1)
- ...... گدھے پر کتابوں کی مثال۔ (2)

پڑھنے والا آسانی سے سمجھ سکے۔ اس کی دلچسپی برقرار رہے۔ سچی حکایات و واقعات عملی زندگی کا نچوڑ ہوتے ہیں۔

تعلیم و تعلم کے اکثر پہلوؤں پر واقعات و حکایات سے علمی عمل کو نظریاتی کے بجائے عملی حوالہ سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے تا کہ اس کا تاثر اور عملی کوشش کے لئے میدان و میلان مہیا کیا جاسکے۔ واقعات کی تحریر سے دلیل کی مضبوطی اور عمل کی قوت درکار ہے۔ حضرت مالک بن دینار واقعات کو جنت کے تحائف قرار دیتے ہیں۔ علامہ ابن جوزی کی کتاب عیون الحکایات کے دیباچہ میں درج ہے کہ "بہت زیادہ حکایات بیان کیا کرو۔ یہ موتی ہیں کبھی کبھی ان میں گراں مایہ موتی بھی ہوتا ہے۔(3)

حکایات و واقعات کے ذریعہ سے ہم اپنے بزرگوں، دوستوں، ساتھی اساتذہ اور تعمیر قوم میں مصروف پیشہ معلمی کی اعلیٰ شخصیات کو رول ماڈل کے روپ میں دیکھ کر اپنے میں عمل کی ہمت پاتے اور اپنے لئے مستقبل کی راہ متعین کر لیتے ہیں۔

- ...... مثالی شخصیت کے عملی پہلو کو اُجاگر کرنے کے لئے عملی مثال کا پیش کرنا لازمی و ضروری سمجھا گیا تا کہ افادی پہلو کو نظری سے عملی کی طرف موڑا جاسکے اور تربیت کردار و پیشہ وارانہ زندگی میں اس سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔
- ...... واقعات حافظہ میں محفوظ رہتے ہیں جس سے تعلم دیرپا ہوتا ہے اور اس سے جو نتیجہ نکالا جاتا ہے وہ موثر ہوتا ہے اور ان سے عمل کی استعداد پیدا ہوتی ہے۔ قصوں کو تربیتی مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

رول ماڈل کی مثالیں دینے اور واقعات بیان کرنے کا مقصد رول ماڈل کے رول کو واضح کرنا، اس کو سمجھنے اور اس تک پہنچنے میں آسان رسائی ہے۔ لہٰذا اس تحقیقی کتاب کو واقعات، حکایات او مثالوں کے حوالہ سے لکھا گیا ہے۔

---

1) القرآن: النور، آیت 35   2) القرآن: الجمعہ، آیت 5

3) علامہ ابن جوزی، عیون الحکایات، ص ۳۱

باب دوم

متعلقہ لٹریچر کا جائزہ

اس باب میں رول ماڈل برائے پاکستانی اساتذہ کے بارے میں متعلقہ لٹریچر کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید کا طریقۂ تدریس بطور رول ماڈل انبیاء بحیثیت رول ماڈل برائے اساتذہ اُسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت رول ماڈل برائے اساتذہ و مسلمانانِ عالم نیز حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیمی میدان میں جو کامیابی حاصل کی، اس کا جائزہ بطور رول ماڈل، صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست کسب فیض فرمایا اور عملی طور پر کردار کا عمدہ نمونہ اور تعلیمی و عملی میدان میں شاندار مثالیں رقم فرمائیں۔ عرب معاشرہ میں صرف سترہ لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ صرف نصف صدی میں علمی انقلاب برپا ہو گیا۔ اس حوالہ سے صحابہ کرام و صحابیات کا بطور رول ماڈل جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کے بعد صحابہ کرام کے تربیت یافتہ تابعین بطور رول ماڈل کا جائزہ شامل ہے۔

اس کے بعد مسلمانوں کے عروج کا زمانہ شروع ہوتا ہے، اس حصہ میں تبع تابعین سے لے کر بغیر کسی زمانی ترتیب کے تاریخ و سیر سے رول ماڈل اساتذہ کی مثالیں اکٹھی کی گئی ہیں۔ یہ مثالیں و واقعات، خوف خدا اور تقویٰ، اساتذہ کی بلندی کردار، اساتذہ کی حکمت و دانائی، طلب رزقِ حلال، علم پر عمل، مثالی اساتذہ کا طریقۂ تدریس، اساتذہ کا استغنا اور محترم شخصیت، تصنیف و تالیف و ذوقِ مطالعہ، طلباء سے محبت و احترامِ انسانیت، اساتذہ و احترامِ علم، اساتذہ کی حق گوئی و حریت فکر، پیشہ تدریس سے لگن و مشکل حالات میں تدریس، اساتذہ و وقت کی قدر و قیمت، طلبِ علم و ذوق مطالعہ، اساتذہ کی محنت و حافظہ، اساتذہ کی حب الوطنی اور مفاد ملت پر مشتمل انڈیکٹرز کے بارے میں ہیں جن پر بعد میں رائے اکٹھی کی گئی ہیں اور نتائج اخذ کئے گئے ہیں۔

2.1) قرآن مجید کا طریقہ تدریس بطور رول ماڈل

معلم اول خدائے تعالیٰ کی ذات ہے جس نے تخلیق آدم کے بعد حضرت آدمؑ کو اسماء سکھائے اور پھر سورۃ البقرہ میں اس واقعہ کو بیان فرمایا ہے جس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو علمی برتری دے کر خلیفۃ الارض بنایا اور فرشتوں سے سجدہ کروایا۔(1) اسی سجدہ کے بعد آدمؑ اشرف المخلوقات قرار پائے۔

معلم اول اللہ تعالیٰ کا کلام قرآن مجید کی سورت میں آنحضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا۔ یہ اصول وکلیات کی کتاب ہے اور قیامت تک کے لئے۔ قرآن مجید وہ اُم الکتاب، بحر العلوم اور کتابِ انقلاب ہے جس نے تعلیم وتربیت کے میدان میں نئے راستے متعارف کروائے۔ یہ کتابِ ہدایت ہے اور یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ اس نے اربوں اور کھربوں اذہان کو متاثر کیا۔ استاد کے لئے قرآنی اسلوب سے استفادہ کرنا لازمی ٹھہرا۔ قرآن مجید کی بدولت عرب کا جاہل معاشرہ چند سالوں میں علمی معاشرہ میں تبدیل ہوگیا۔ قرآنی تعلیم کے اہم مقاصد میں صالح وباعمل انسان بنانا، نیابت الٰہی کے لئے تیاری، کردار سازی، معرفتِ الٰہی سے آگاہی، سچے مسلمان ومومن بنانا، اسلام کے آفاقی پیغام کی اشاعت اور روشناسی، اعتدال پسند زندگی، اسلامی معاشرے کا قیام، فطرت کے اصولوں کے مطابق زندگی گزارنا، تسخیر کائنات، معرفتِ نفس کا ادراک، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا نظام قائم کرنا، عالمگیر معاشرہ کا قیام، احترام انسانیت کی تعلیم، حقوق اللہ وحقوق العباد کا شعور دینا، معاشرتی انصاف نظام عدل کا قیام شامل ہیں۔(2)

قرآن مجید چونکہ کلام اللہ ہے اور تمام انسانیت کے لئے کتابِ ہدایت ورہنمائی ہے۔ ہر طبقہ فکر اس سے مستقبل کی رہنمائی کا طالب ہوتا ہے۔ قرآن مجید کا طریقہ تدریس مسلمان اُستاد کے لئے نہ صرف رول ماڈل ہے بلکہ اس پر عمل کرنا فرض عین ہے۔ قرآن مجید نہ صرف مسلمان استاد بلکہ ہر مسلمان کے لئے کوڈ آف لائف یعنی تمام زندگی کے لئے ضابطۂ حیات ہے۔

---

1) القرآن: البقرہ، آیت 33 تا 38

2) محمد اسلام صدیق، انور محمود پراچہ، حافظ بشیر احمد (2004ء) تدریس اسلامیات، ٹیچرز سٹوڈنٹس ویلفیئر فورم ملتان، ص 104

قرآن مجید کا طریقہ تدریس بطور رول ماڈل کے حوالہ سے مختصراً پیش خدمت ہے، طبقۂ اساتذہ سے گزارش ہے کہ تفصیل کے لئے قرآن مجید، ترجمہ قرآن اور تفاسیر قرآن سے رجوع فرمائیں۔ یاد رہے کہ یہ محدود انداز میں ایک اُستاد کا اندازِ فکر ہے۔

قرآن مجید میں تعلیم وتدریس کا ذکر

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر تعلیم وتدریس کا ذکر ہوا ہے۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

1) الرحمن o علم القرآن o ''رحمن نے قرآن سکھایا''۔(1)

2) الذی علم بالقلم o ''اللہ وہ ذات ہے جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا''۔(2)

3) وعلمتم مالم تعلموا o ''اور تمہیں وہ کچھ سکھایا جو تم نہیں جانتے تھے''۔(3)

4) وعلمنا فسطق الطیر o ''اور ہم نے انہیں پرندوں کی بولیاں سکھائیں''۔(4)

5) ویعلم الکتاب والحکمۃ o ''اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے''۔(5)

6) وعلم آدم الاسماء کلھا o ''اور آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے''۔(6)

7) خلق الانسان علمه البیان o ''انسان کو پیدا کیا اور اُسے بیان سکھایا''۔(7)

8) اقراء o باسم ربك الذی خلق o

''پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے انسان کو پیدا فرمایا''۔(8)

اس کے علاوہ بھی کئی مقامات پر تعلیم وتدریس کا ذکر ہے۔

قرآن مجید کا طریقہ تدریس بطور رول ماڈل برائے اساتذہ

بطور رول ماڈل قرآن کے طریقۂ تعلیم وتربیت وتدریس کے بارے میں مختلف پہلوؤں سے قرآنی اسلوب واحکامات کو مختصراً جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

---

1) القرآن: الرحمٰن، آیت 1، 2　　2) القرآن: العلق، آیت 4

3) القرآن: الانعام، آیت 96　　4) القرآن: النمل، آیت 16

5) القرآن: البقرہ، آیت 129　　6) القرآن: البقرہ، آیت 31

7) القرآن: الرحمٰن، آیت 4　　8) القرآن: العلق، آیت 24

2.1.1) پڑھنے کی اہمیت

قرآن مجید جس کا مطلب ''پڑھا جانے والا'' ہے۔قرآن مجید کا جو پہلا لفظ نازل ہوا وہ اقراء (پڑھو) ہے۔پھر ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ (1)

''یہ کتاب جھوٹ یا شک سے پاک ہے''۔

2.1.2) اللہ کے نام کے ساتھ آغاز

اِقْرَاْ کے بعد جو الفاظ نازل ہوئے بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ o یعنی ''اس رب کے نام کے ساتھ جس نے تجھے پیدا کیا''۔(2) یعنی اُستاد کے لئے تعلیم و تعلم کی ابتدا اللہ کے نام سے کرنی چاہیے۔

2.1.3) قلم کی اہمیت

قرآن مجید میں پہلی نازل ہونے والی سورت میں فرمایا گیا کہ انسان کو ''علم بالقلم'' یعنی قلم سے علم سکھایا۔اس کے بعد سورۃ ''ن'' میں اللہ تعالیٰ نے قلم کی قسم اٹھائی ہے جس سے علم سیکھنے اور لکھنے کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ لکھنے کی مہارت کو بہتر بنانے سے اُستاد و طالب علم علمی دُنیا میں بہتر مقام پاتے ہیں۔

2.1.4) تدریس کا اصول نامعلوم سے معلوم کی طرف

تدریس میں نامعلوم سے معلوم کی طرف کا اصول ہمیشہ سے اہم رہا ہے۔پہلی ہی وحی میں اس اصول کو اُجاگر کرتے ہوئے فرمایا گیا:

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (3)

'انسان کو وہ علم دیا گیا جسے وہ نہیں جانتا تھا''۔

یعنی نامعلوم سے معلوم کی طرف کا اصول سکھایا گیا۔جس سے مراد علم کو جاننے کیلئے تحقیق، دلیل، سوچ اور فکر کی حوصلہ افزائی ہے۔

---

1) القرآن: البقرہ، آیت 2
2) القرآن: العلق، آیت 2
3) القرآن: العلق، آیت 5

2.1.5) دلچسپیوں سے استفادہ کرنا

تعلیم کے حوالہ سے پہلے ذہنی تیاری کرائی جاتی ہے اور اس کے بعد تعلیم دی جاتی ہے جیسا کہ سورہ یوسف میں ہے:

يٰصَاحِبَيِ السِّجۡنِ ءَاَرۡبَابٌ مُّتَفَرِّقُوۡنَ خَيۡرٌ اَمِ اللّٰهُ الۡوَاحِدُ الۡقَهَّارُ (1)

''اے میرے جیل کے ساتھیو کیا ایک خدائے قہار سے بہت سے رب بہتر ہیں؟''

تعبیر بتانے سے پہلے یوسف علیہ السلام نے ان لوگوں کو درس توحید کی طرف راغب کیا یعنی ان کی دلچسپی سے فائدہ اٹھایا اور اس کے لئے سوالیہ انداز اختیار کر کے سوچنے اور تصورات کو پختہ کرنے کی راہ اختیار کی۔

2.1.6) استعارات کے ذریعے سمجھانا

قرآن مجید کے اسلوب تدریس و تربیت میں استعارات کو بھی اہمیت حاصل ہے۔ ان استعارات کے ذریعے قرآن مجید اپنی بات کو واضح فرمانے کا حکم دیتا ہے۔ مثلاً ارشاد ربانی ہے:

مَثَلُهُمۡ كَمَثَلِ الَّذِى اسۡتَوۡقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّاۤ اَضَآءَتۡ مَا حَوۡلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوۡرِهِمۡ وَتَرَكَهُمۡ فِىۡ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبۡصِرُوۡنَ (2)

''ان کی مثال ایسے ہے جیسے انہوں نے آگ جلائی پس جب اس آگ نے ماحول روشن کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کے نور کو سلب کر دیا۔ پس انہیں اندھیرے میں چھوڑ دیا اور وہ دیکھ نہیں سکتے''۔

2.1.7) مثالیں دے کر سمجھانا

قرآن مجید اپنی تدریس کے دوران امثال کے ذریعے بات کو واضح کرنے اور طالب علم تک اپنا مطمع نظر پہنچانے کا حکم دیتا ہے۔ مثلاً ارشاد ربانی ہے:

---

1) القرآن: یوسف، آیت 39

2) القرآن: البقرہ، آیت 17

مَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۗ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (1)

"ان لوگوں کی مثال جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ایسے ہی ہے جیسے ایک دانہ بویا اور اس سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس طرح چاہتا ہے تو اجر کو بڑھا دیتا ہے"۔

سورۃ البقرہ آیت 26 میں مچھر کی مثال دے کر سمجھانا۔

سورۃ العنکبوت آیت 3-1 "اور ہم قرآنی مثالوں کو لوگوں کو سمجھانے کے لئے استعمال کرتے ہیں اور ہماری ان مثالوں کو بس علم والے لوگ ہی سمجھتے ہیں"۔

2.1.8) تدبر و تفکر کی تعلیم

دوران تدریس و تربیت قرآن مجید انسان کو سوچنے اور فکر کرنے کی دعوت دیتا ہے تاکہ انسان اپنی بھلائی کے لئے بہتر سے بہتر کی تلاش کر سکے۔ ارشاد فرمایا:

أَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ٥ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ٥ وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ (2)

"کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہم نے اونٹ کو کیسا پیدا کیا اور آسمان کو کس طرح بلند کیا اور پہاڑوں کو کیسے نصب کیا؟"

ان آیات میں تخلیق انسانی، حیوانی و سماوی پر غور و فکر کا حکم ہے۔ اسی طرح ارشاد ہے:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِن مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَابَّةٍ ص وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (3)

---

1) القرآن: البقرہ، آیت 261

2) القرآن: الغاشیہ، آیت 17 تا 19

3) القرآن: البقرہ، آیت 164

"بے شک آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے آگے پیچھے آتے جانے میں، کشتیاں جو دریا میں لوگوں کے فائدہ کے لئے رواں ہیں اور بارش جس کو اللہ تعالیٰ آسمان سے برساتا اور مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے اور زمین پر اس نے ہر قسم کے جانور پھیلائے ہیں اور ہوا کے چلانے میں اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان گھرے رہتے ہیں، عقل مندوں کے لئے خدا کی قدرت کی نشانیاں ہیں"۔

2.1.9) حالات کے مطابق تربیت

قرآن مجید نے حالات کے مطابق تربیت دینے کے لئے حکم دیا ہے مثلاً موسیٰ علیہ السلام کی قوم قاتل کو تلاش کر رہی تھی تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے انہیں گائے ذبح کرنے کا حکم دیا اور ان کے سوال و جواب کے مطابق گائے کے چناؤ میں ان کی مدد کی۔ حوالہ کے لئے سورہ بقرہ آیت نمبر 27 تا 73 ملاحظہ فرمائیں۔

2.1.10) سابقہ واقفیت کا جائزہ

قرآن مجید سابقہ علم کو یاد دلا کر نئی تربیت کے مراحل طے کرنے کا حکم دیتا ہے۔ مثلاً کفار مکہ جو اصحاب الفیل کے واقعہ سے واقف تھے، کو اپنی قدرت کاملہ یاد دلانے کے لئے سابقہ واقفیت کا طریقہ تعلیم اختیار فرمایا۔ ارشاد ہے:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ (1)

"کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟"

اسی طرح ارشاد ربانی ہے:

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (2)

"اے بنی اسرائیل ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر کیں اور تمہیں جہان کے لوگوں پر فضیلت بخشی"۔

---

1) القرآن: الفیل، آیت 1

2) القرآن: البقرہ، آیت 47

2.1.11) اخلاقی تعلیم اور اس کے نمونے

تربیت کے دوران اخلاقی تعلیم ایک لازمی جزو ہے۔اس کی مثالیں درج ذیل ہیں:

الف)　قول و فعل میں تضاد کی مذمت کی گئی ہے۔ارشاد ربانی ہے:

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (1)

"جو تم کرتے نہیں کہتے کیوں ہو"۔

ب) حیا شرط ایمان اور تربیت کا اہم جزو ہے۔معلم کے لئے اس کی تعلیم و تدریس لازم ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ (2)

"یہی وہ لوگ ہیں جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں"۔

ج) جھوٹ سے بچنے کی تربیت:

جھوٹ سے بچنے کی تعلیم و تربیت ہر معاشرے کا خاصہ رہی ہے۔قرآن مجید میں بھی اس پر زور دیا ہے۔جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَیْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ (3)

"اگر وہ جھوٹوں میں سے ہے تو اس پر اللہ کی لعنت"۔

اسی طرح تربیت کے دوران وعدہ وفائی، سچائی، امانت، خیانت، عیب جوئی وغیرہ کے بارے میں قرآنی احکام ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔

2.1.12) خوبصورت صوتی انداز

سورہ الرحمن میں　فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ O

سورہ قمر میں　وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ O

1) القرآن: الصف، آیت 2　　2) القرآن: مومنون، آیت 5

3) القرآن: النور، آیت 7

سورہ المرسلٰت میں وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ O

کی صوتی تکرار سامعین قرأت کے لئے عجب سماں پیدا کردیتی ہے۔ اسی طرح سورہ تحریم کی آیت 5 ملاحظہ فرمائی جاسکتی ہے جس میں یکساں صوتی تاثر پیدا کرنے والے الفاظ کا ذکر کیا گیا ہے۔

2.1.13) مقرون سے مجرد

جدید طریقہ تعلیم وتربیت میں مجسم اشیاء کے تصور کے ذریعے غیر مجسم تصورات کی تربیت کی جاتی ہے۔ قرآن مجید اسی طریقہ تدریس کی واضح مثالیں دیتا ہے۔ لوگوں کے لئے اس عقیدہ کی تدریس کو آسان بنایا گیا ہے۔ سورہ بقرہ کی آیت نمبر 255 تا 260 میں اسی طریقہ تربیت کا ذکر ہے۔

2.1.14) مدلل انداز

قرآن مجید کی ایک اور تدریسی حکمت عملی کا دلائل سے بھرپور انداز بھی ہے تاکہ بات کو سمجھنے میں مشکل پیش نہ آئے۔ مثلاً سورہ بقرہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے مکالے میں جب نمرود نے کہا کہ میں بھی زندہ کرسکتا ہوں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے یہ دلیل دے کر لاجواب کردیا کہ میرا رب سورج مشرق سے طلوع کرتا ہے اور مغرب میں غروب کرتا ہے تو اس کا الٹ کر کے دکھادے تو وہ لاجواب ہوگیا۔ مطالعہ کے لئے سورہ بقرہ آیت 258 ملاحظہ فرمائی جاسکتی ہے۔ اسی طرح عقیدہ توحید کو سمجھانے کے لئے ارشاد ربانی ہے کہ:

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ (1)

"اگر ان دونوں (زمین و آسمان) کے سوا کوئی اور معبود ہوتا تو فساد پھیل جاتا"۔

قرآن مجید کا انداز حکیمانہ اور مدلل و خوش اسلوبی لئے ہوئے ہے۔ یہ طریقہ معلم کو اس بات پر ابھارتا ہے کہ طلبہ کو دلائل سے مطمئن کیا جائے۔

2.1.15) آسان سے مشکل

قرآن مجید میں ابتدائی نازل ہونے والی آیات اور ان کا اسلوب بیان آسان ہے بعد میں

1) القرآن: الانبیاء، آیت 23

نازل ہونے والی آیات کا اسلوب بیان اور احکام پہلے کی نسبت مشکل ہیں، گویا معلم کا طریقہ تعلیم وتربیت آسان سے مشکل کی جانب ہونے کا اشارہ دیا گیا ہے۔

2.1.16) استقراتی واستخراجی طریقہ تعلیم

طریقہ ہائے تدریس میں استخراج اور استقراء کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔قرآن مجید بھی موقع ومحل کے مطابق اس طریقہ تدریس کو اختیار کرنے کا حامی ہے۔مثلاً سورہ تحریم کی آیت 10، 11 اور 12 میں حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی کافر بیویوں کے بُرے انجام کا ذکر ہے جبکہ فرعون کی مسلمان بیوی اور حضرت مریمؑ کی حیا اور کامیابی کا ذکر ہے۔یہ مثالیں دیکر اللہ رب العزت اس قانون کی وضاحت فرماتے ہیں کہ اچھے اعمال کی جزا اچھی ہوگی اور بُرے اعمال کی جزا بُری ہوگی۔قرآن ہر خاص وعام، عالم وکم علم سب کے لئے ان کی ذہنی استعداد کے مطابق مثالیں دے کر سمجھاتا ہے۔

2.1.17) تدریج کا حکم

قرآن مجید تربیت کے دوران بتدریج سکھانے کا حامی ہے۔یہ تیئس سال میں نازل ہوا۔ پہلے مجمل اور پھر مفصل احکام آئے۔یعنی یہ تدریجاً نازل ہوا مثلاً شراب کی حرمت سے پہلے ارشاد ربانی ہے:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ؗ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (1)

"آپ سے وہ جوئے اور شراب کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ کہیں کہ ان دونوں کا گناہ زیادہ ہے ان دونوں کے فائدے سے"۔

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى (2)

"تم نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ"۔

1) القرآن: البقرہ، آیت 219

2) القرآن: النساء، آیت 23

کہہ کر شراب سے نفرت دلائی گئی ہے اور بعد ازاں

إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ (1)

''بے شک شراب، جوا اور پانسے شیطانی عمل ہیں، ان سے بچو''۔

کہہ کر شراب کی حرمت کر دی گئی۔ اس طرح تدریس میں بھی اُستاد کو تدریجی انداز میں آگے بڑھنا چاہئے۔

2.1.18) تعلیمی مواد کی تنظیم و پیش کش

تدریس کے عمل کو اس وقت تقویت ملتی ہے جب مواد تنظیم و ترتیب اور مناسب انداز کے ساتھ پیش کیا جائے اور قرآن مجید میں ترتیل بدرجہ اتم موجود ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيلًا (2)

''اور زیادہ کر لو اس پر کچھ اور پڑھو قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر''۔

2.1.19) آسان پسندی

قرآن مجید دوران تدریس آسان پسندی کا قائل ہے تا کہ طلبہ کی مشکلات کا ازالہ کیا جائے۔ وہ آسانی سے سمجھ سکیں۔ ارشاد ربانی ہے:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (3)

''اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے''۔

2.1.20) علم وجہ قیادت

علم وجہ قیادت ہے۔ اس حقیقت کو قرآن بہت اُبھارتا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ (4)

''خدا نے اس کو تم پر فضیلت دی اور بادشاہی کے لئے منتخب فرمایا ہے، اُس نے اُسے علم اور جسم بھی بہت سا بخشا''۔

1) القرآن: المائدہ، آیت 90
2) القرآن: المزمل، آیت 4
3) القرآن: القمر، آیت 17
4) القرآن: البقرہ، آیت 247

اسی طرح ارشاد فرمایا:

وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ (1)

"تم منہ پھیرو گے وہ تمہاری جگہ اور لوگوں کو لے آئے گا اور پھر وہ تمہاری طرح کے نہ ہونگے"۔

اسی طرح ارشاد ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ (2)

"خدا اس قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنی حالت خود نہ بدلے"۔

یعنی انسان اور اقوام کو غور و فکر، سوچ، منصوبہ بندی و حالات حاضرہ کے تناظر میں اپنے آپ کو بدلنا چاہیے۔ اُستاد اس کے لئے ابتدا مہیا کرتا ہے۔

2.1.21) انعامات کا اعلان و جوابدہی کا تصور

آج کل نفسیاتی طریقہ ہائے تدریس کا اہم طرۂ امتیاز انعامات کا مہیا کرنا ہے تاکہ طلبہ کی دلچسپیوں کو مہمیز دی جاسکے۔ یہ اسلوب تدریس قرآن مجید کی نقل ہے۔ ارشاد ربانی ہے (فلاح کے طریقوں کا ذکر کرتے ہوئے)

الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ ط هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (3)

"بے شک یہی لوگ فردوس کے وارث ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے"۔

اسی طرح ارشاد ربانی ہے:

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (4)

"جان لو کہ ان کے دوستوں کے لئے نہ غم ہوگا نہ خوف"۔

سورۃ الفجر میں ارشاد فرمایا:

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً ج فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ○ وَادْخُلِي جَنَّتِي (5)

1) القرآن: محمد، آیت 38　2) القرآن: الرعد، آیت 11　3) القرآن: المومنون، آیت 11
4) القرآن: یونس، آیت 62　5) القرآن: الفجر، آیت 30-27

''اے اطمینان پانے والی روح اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل تو اُس سے راضی وہ تجھ سے راضی تو میرے ممتاز بندوں میں شامل ہو جا اور میری بہشت میں داخل ہو جا''۔

2.1.22) اعتدال وانکساری

کسی شخص کی معتدل طبیعت اس کے اخلاق کی بہتری کو ظاہر کرتی ہے اور اعمال میں اعتدال زندگی کو جنت نظیر بنا دیتے ہیں۔ اسلام ایسی تربیت کا داعی ہے جو اعتدال پسندی پر منحصر ہو۔ ارشاد ربانی ہے:

وَلَا تَمۡشِ فِى الۡاَرۡضِ مَرَحًا ؕ (1)

''اور زمین پر اکڑ کر نہ چل''۔

وَاقۡصِدۡ فِىۡ مَشۡيِكَ وَاغۡضُضۡ مِنۡ صَوۡتِكَ ؕ (2)

''تو اپنی آواز میں نرمی پیدا کر اور اعتدال اختیار کر''۔

یہ اعتدال مسلم اساتذہ کے اخلاق کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ اسی کی بنا پر تعمیر شخصیت و تعمیر معاشرہ کا کام سرانجام دیا گیا۔

2.1.23) سوالیہ انداز

سوال وجواب کا انداز تربیت کے عمل کی تاثیر کو بہتر بناتا ہے۔ قرآن نے جن اسالیب تربیت کا ذکر کیا ہے ان میں یہ ایک اہم طریقہ ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اَرَءَيۡتَ الَّذِىۡ يَنۡهٰى ۙ عَبۡدًا اِذَا صَلّٰى ؕ اَرَءَيۡتَ اِنۡ كَانَ عَلَى الۡهُدٰٓى ۙ اَوۡ اَمَرَ بِالتَّقۡوٰى ؕ اَرَءَيۡتَ اِنۡ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ؕ اَلَمۡ يَعۡلَمۡ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ؕ (3)

''کیا تو نے دیکھا کہ وہ شخص اللہ کے بندے کو نماز سے منع کرتا ہے۔ کیا تو نے دیکھا کہ اگر وہ شخص ہدایت پر ہو تو پرہیز گاری کا حکم دے۔ کیا تو نے دیکھا کہ اس نے ہمارے حکم کو

---

1) القرآن: لقمان، آیت 18　　2) القرآن: لقمان، آیت 19

3) القرآن: العلق، آیت 9 تا 14

جھٹلایا اور منہ پھیرا۔ کیا اس نے نہیں جانا کہ سب کچھ اللہ دیکھتا ہے؟"

قرآن مجید سوال پوچھنے کی ترغیب بھی دِلاتا ہے۔

"پس دریافت کرلو اہل علم سے اگر تم خود نہیں جانتے"۔ (1)

یہ سوال وجواب کا انداز طلبہ کو مستعد رکھنے اور علمی و تعلیمی مشکلات دور کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس سے تدریس کا عمل پختہ اور تعلم بہتر ہوتا ہے۔

2.1.24) دلچسپی پیدا کرنے کی کوشش

قرآن تدریس کے دوران دلچسپی بڑھانے اور اسے قائم رکھنے کا داعی ہے۔ مثلاً مناظر قیامت کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہے:

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ وَإِذَا النُّجُومُ انكَدَرَتْ ۝ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ (2)

"جب سورج لپیٹ دیا جائے گا، جب ستارے گدلے ہو جائیں گے اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے"۔

یہ انداز تدریس میں مواد مضمون پر استاد و طالب علم کی گرفت مضبوط کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔

2.1.25) اضافہ علم کی دُعا

عمل تدریس اضافہ علم کا باعث بنتا ہے۔ قرآن حکم دیتا ہے کہ علم کے اضافہ کی دُعا مانگی جائے۔ ارشاد ربانی ہے:

رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا (3)

"اے اللہ میرے علم میں اضافہ فرما"۔

2.1.26) نصب العین کے تعین کا حکم

قرآن با مقصد زندگی کا قائل ہے اور ہر انسان کا مقصد واحد فلاح دارین قرار دیتا ہے جس

1) القرآن: النحل، آیت 16 تا 43　　2) القرآن: التکویر، آیت 3-1

3) القرآن: طٰہٰ، آیت 114

کے لئے اَطِیْعُ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ کا حکم واطاعت ہے اس نصب العین کو حاصل کرنے اور اِسے جاننے کا حکم ہے۔

2.1.27) مشاورت ورہنمائی

مشاورت ورہنمائی عمل تربیت وتدریس کے لئے معاون ہیں یہ نفسیاتی طریقہ ہائے کار تعلیم ہیں۔قرآن نے چودہ صدیاں قبل اس اسلوب کو رہنمائی کا ذریعہ قرار دیا تھا۔ارشاد ربانی ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ (1)

''اور ہر کام کے لئے مشورہ کر جب تو ارادہ کرے تو پھر اللہ پر توکل کر''۔

2.1.28) تخلیقی صلاحیتوں کو اُبھارنا

تعلم وتعلیم اور عمل تربیت کا ایک مقصد تخلیقی صلاحیتوں کو اُبھارنا بھی ہے۔قرآن نے تخلیقی صلاحیتوں کو اُبھارنے کے مختلف اسالیب اپنائے ہیں،مثلاً دلائل کے ذریعے مدعا بیان کرنے کے قابل بنانے،مناظر کشی کے ذریعے،اچھے اور بہت اچھے کی تمیز سکھانا وغیرہ۔قرآن مجید کے اس اسلوب تربیت کی بدولت علما اور فقہا کی عظیم جماعت وجود میں آئی،جس نے دینی تدریس کا کماحقہٗ حق ادا کیا۔

2.1.29) صراط مستقیم کی طلب کا حکم

انسان کی دُنیاوی واخروی زندگی کا دارومدار فلاح دارین پر ہے جو صراط مستقیم پر عمل کی صورت میں ہی ممکن ہے۔صراط مستقیم کی طلب ہمیشہ عملی تربیت کا خاصہ رہی ہے اسی لئے سورۃ فاتحہ میں صراط مستقیم کی طلب کی دُعا مانگی گئی۔ارشاد ربانی ہے:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ''ہمیں سیدھی راہ پر چلا''۔

2.1.30) تعلیمی عمل کی ابتدا

تدریسی عمل اللہ کے نام سے شروع کرنا ہماری روایت ہے۔قرآن کا اسلوب یہی ہے۔ ارشاد ربانی ہے: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ (2)

1) القرآن: آل عمران، آیت 159　　2) القرآن: العلق، آیت 1

"پڑھ رب کے نام کے ساتھ جس نے تجھے پیدا کیا"۔

2.1.31) مسلسل تدریس وتربیت کا حکم

عمل تدریس وتربیت ایک مسلسل عمل ہے جس کا رکنا انسانی تہذیب کا خاتمہ ہے۔ اس لئے قرآن نے

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ (1)

"تم سب سے بہتر اُمت ہو جو لوگوں کو اچھائی کا حکم دیتے ہو اور بُرائی سے روکتے ہو"۔

کہہ کر اس تربیتی عمل کو جاری رکھنے کا حکم دیا ہے۔

2.1.32) نمونہ کامل اور رول ماڈل

تدریسی عمل صرف اس وقت ممکن ہوتا ہے جب ایک نمونہ کامل، عالم باعمل اور پریکٹیکل مہارت رکھنے والا یہ فرض انجام دے۔ یہ فرض قرآن کے بقول نبیؐ کے ذمہ ہے۔ آپ کے اسوہ کو اسوہ حسنہ قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (2)

"بے شک رسول اللہؐ کی ذات اقدس میں تمہارے لئے کامل نمونہ (رول ماڈل) موجود ہے"۔

اسی طرح:

وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا (3)

"جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی، اُس نے بہت بڑی کامیابی پائی"۔

2.1.33) نفسیاتی انداز

قرآن مجید نفسیاتی انداز تربیت کا قائل ہے تاکہ انفرادی اختلافات کا خیال رکھ کر عمل تدریس کو مکمل کیا جاسکے۔ سورہ فجر میں اس بات کا نقشہ کھینچا گیا کہ انسان تکلیف میں کس طرح

1) القرآن: آل عمران، آیت 110　　2) القرآن: احزاب، آیت 21
3) القرآن: احزاب، آیت 71

رب کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور تکلیف کے خاتمے پر پھر کج راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔ اسی فطری طریقے کے مطابق سزا و جزا کا تصور دیا گیا ہے جو تدریس و تربیت کو مضبوط بنانے کا سبب بنتا ہے۔

2.1.34) برمحل تدریس

برمحل تدریس کا عمل تربیت کی بھی تکمیل کرتا ہے۔ قرآن مجید نے بارہا اس طریقہ کو اپنایا، مثلاً جنگ بدر کے قیدیوں سے سلوک، مال غنیمت کی تقسیم اور خدا تعالیٰ کے فوری احکامات، عبداللہ بن ابی کی موت، جنازہ تجہیز و تکفین کا مسئلہ۔ ہر موقع پر قرآن کی رہنمائی مسلمانوں کے شامل حال رہی۔

2.1.35) تحقیق کرنے کا حکم

قرآن مجید ہر معاملہ پر تحقیق کرنے کا حامی ہے چاہے اس معاملہ کی نوعیت کیسی ہی کیوں نہ ہو۔ یہ احتیاط محض مستقبل کی پیش بندی کی ضامن ہے۔ ارشاد فرمایا:

اِنْ جَآءَ كُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا (1)

''جب کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لے کر آئے اس کی تحقیق کرلو''۔

قرآن مجید اس تحقیقی حکم کو حکمت قرار دیتا ہے اور اسے خیر کثیر کے حصول سے تعبیر کرتا ہے۔ اپنی پیشہ وارانہ زندگی میں ہمیں اس پر عمل کرنا چاہئے۔

2.1.36) جہد مسلسل کا حکم

تربیتی عمل زندگی بھر جاری رہتا ہے۔ اس مقصد کے لئے زندگی بھر جدو جہد کرتا ہے۔

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (2)

''اور یہ کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جو کوشش کرتا ہے''۔ لہٰذا استاد کے لئے مسلسل محنت مطالعہ اور جدو جہد کا حکم دیا گیا ہے۔

2.1.37) اجر بلا سفارش

قرآن جزا و سزا کا تو قائل ہے مگر نیکی اور بدی کے ساتھ اسے مشروط کر دیتا ہے تا کہ ہر شخص

---

1) القرآن: الحجرات، آیت 6　　2) القرآن: النجم، آیت 239

اپنی کوشش کا پھل خود پائے اور تدریس و تربیت کا یہ اصول قرآن سے ماخوذ ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

لَنَآ اَعۡمَالُنَا وَلَکُمۡ اَعۡمَالُکُمۡ (1)

''ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے''۔

اسی طرح حضرت نوحؑ کا اپنے گمراہ بیٹے کی سفارش نہ ماننا۔ اسی اصول کی عملی تصویر ہے۔

2.1.38) اہل علم کی برتری

تربیت و تدریس کا فریضہ انجام دینے والے اساتذہ کو علما میں شامل کر کے انہیں برتر مقام دیا گیا ہے اور اسی طرح طرز عمل کا قرآن آج بھی متقاضی ہے تاکہ استاد کو عزت ملے۔ ارشاد فرمایا:

هَلۡ یَسۡتَوِی الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ (2)

''کیا علم رکھنے والے اور بے علم برابر ہیں (ہرگز نہیں)''۔

اسی طرح ارشاد ہے:

اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا (3)

''بے شک اللہ سے ڈرنے والوں میں علما شامل ہیں''۔

2.1.39) فنی تعلیم کی فضیلت

اللہ تعالیٰ نے فنی تربیت کے حاملین کو فضیلت بخشی ہے اور اس کے اہتمام کا حکم دیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضۡلًا

''اور ہم نے داؤد کو فضیلت دی''۔

اسی طرح فن دھات کاری کی بدولت ذوالقرنین نے اپنے مفتوحہ علاقوں کو دشمنوں (یاجوج ماجوج) سے محفوظ کیا۔ ارشاد ربانی ہے:

---

1) القرآن: البقرہ، آیت 139　　2) القرآن: الزمر، آیت 9

3) القرآن: فاطر، آیت 28

اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا سَاوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِیْۤ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا (1)

”میرے پاس لوہے کے ٹکڑے لاؤ جب دونوں پہاڑوں کے درمیان انہیں برابر کر دیا فرمایا پھونکو۔ یہاں تک کہ جب اُس کو (پھونک پھونک کر) آگ کر دیا تو کہا (اب) میرے پاس تانبہ لاؤ کہ اس پر پگھلا کر ڈال دوں“۔

اسی حکم کی مزید وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے کہ:

اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰهِ ”بے شک ہنر مند اللہ کا دوست ہے“۔

2.1.40) حربی تعلیم کا حکم

تدریس وتربیت کا ایک پہلو دفاع وطن کی صلاحیت پیدا کرنا ہے۔

قرآن مجید اس پہلو کو اُجاگر کرنے کا بھی حکم دیتا ہے۔ حکم ہے:

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ (2)

”نکلو چاہے ہلکے ہو یا بھاری اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرو“۔

اسی طرح فرمایا:

وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ (3)

”اور دشمنوں کے خلاف قوت سے اور گھوڑوں سے اور ہتھیاروں سے جو کر سکو کرو اس کے ساتھ تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو ڈراؤ“۔

2.1.41) مقصد تدریس

مقاصد تدریس کا تعین عمل تدریس وتربیت کی کامیابی کا ضامن ہے۔ یہ عمل قرآن کی نقل

1) القرآن: کہف، آیت 96　　2) القرآن: التوبہ، آیت 41

3) القرآن: المومنون، آیت 60

ہے۔ارشاد ہے:

يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيۡهِمۡ (1)

''انہیں آیات کی تلاوت سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے''۔

نہی عن المنکر کا فائدہ

دُنیا و آخرت میں نہی عن المنکر اہم ترین فریضہ ہے جو باعث نجات ہے۔ارشاد ہے:

اَنۡجَيۡنَا الَّذِيۡنَ يَنۡهَوۡنَ عَنِ السُّوۡٓءِ (2)

''اور ہم نے انہیں نجات دی جنہوں نے گناہ سے روکا''۔امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہ صرف ہر مسلمان بلکہ اُستاد کیلئے زیادہ اہم ہے۔

2.1.42) سائنسی طریقہ کار

قرآن مجید میں سائنس اور سائنسی طریقہ کار کا ذکر یوں آتا ہے۔

سائنسی مضامین کی تدریس اور قرآن: قرآن میں جا بجا سائنسی مضامین اور عنوانات کا واضح ثبوت موجود ہے۔مثلاً بیالوجی کے متعلق 368، کیمسٹری کے متعلق 37، ریاضی کے متعلق 19، گنتی کا باقاعدہ نظام، فزکس کی 31 آیات کی موجودگی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ قرآن سائنسی مضامین کی تدریس کا شدومد سے حامی ہے۔ بہت سے جدید نظریات مثلاً سیل تھیوری (الدھر) سے ثابت ہیں۔فارمیسی کے بعض اصول (النحل) میں موجود ہے۔

a) **مشاہدہ:** ماحول پر نظر دوڑا کر قدرتِ کاملہ کا مشاہدہ بذریعہ حواس ممکن ہے۔ارشاد فرمایا:

قُلۡ سِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَانْظُرُوۡا كَيۡفَ بَدَاَ الۡخَلۡقَ (3)

''کہو کہ تم زمین پر سیر کرو اور دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے زندگی کی ابتدا کی''۔

اسی طرح ارشاد ہے:

---

1) القرآن: آل عمران، آیت 164　　2) القرآن: الاعراف، آیت 165

3) القرآن: العنکبوت، آیت 20

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ص وَتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ لَآيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (1)

''آسمانوں اور زمین کی پیدائش رات اور دن کے آنے جانے میں اور کشتیاں جو دریا میں چلتی ہیں اور نفع دیتی ہیں اور یہ کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا اور مردہ زمین کو روئیدگی دی اور اس میں بیج بکھیرے ہر جانور سے اور ہواؤں کے پھیرے اور حکم کے فرماں بردار بادلوں کے اور زمین اور آسمان کے درمیان جو نشانیاں ہیں وہ عقل مندوں کے لئے راہ ہدایت ہیں''۔

b) **استنباط:** مشاہدہ سے نتیجہ نکالنا یعنی استنباط کا قرآن حکم دیتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ''اے آنکھوں والو عبرت حاصل کرو''۔

قوانین: حقائق کا مشاہدہ کرانا، بنیاد کا اخذ کرانا یا بیان کرانا بھی قرآن کا خاصا ہے۔ مثلاً پارہ اول سورۃ البقرہ آیات 132 تا 134 میں اہم اصول ''تمہارا اجر تمہارے لئے'' کو مثالیں دیکر اخذ کرایا گیا ہے۔

2.1.43) عمل کی ہدایت

قرآن مجید عمل کا قائل ہے۔ ارشاد ہے:

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (2) ''ایسا کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں''۔

2.1.44) شفقت معلم

دوران تدریس و تربیت قرآن معلم کو شفقت برتنے کا درس دیتا ہے کیونکہ معلم کی شفقت اور شیریں بیانی اس عمل کی تکمیل کے لئے اہم ذریعہ ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

1) القرآن: البقرہ، آیت 164		2) القرآن: الصف، آیت 2

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ (1)

"اے محمد (ﷺ) یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت ہے کہ آپ نرم دِل ہیں اگر آپ تند خو اور سخت دِل ہوتے تو یہ لوگ آپ سے چھٹ جاتے"۔

گویا شفقت معلم اور معلم کی شریں زبانی طلبہ کے لئے تالیف قلب کا ذریعہ ہے۔

2.1.45) معلم کا اسلوب بیان

قرآن مجید نے تعلیم وتربیت کے دوران شیریں اسلوب بیان اور نرم خوئی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ارشادربانی ہے:

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (2)

"اور لوگوں سے احسن طریقہ سے گفتگو کرو"۔احسن طریقہ کے حکم کے مطابق اُستاد کو کلاس میں سلجھے ہوئے انداز سے گفتگو کرنا چاہیے۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف پیغام ربانی دے کر بھیجتے وقت وقولو اله قولا ليناً (اے موسیٰ فرعون کے سامنے) قول لین سے کام لینا۔یعنی سخت کلامی اس سے بھی مناسب نہیں۔

2.1.46) انکشافی انداز

دَور حاضر میں انکشافی طریقہ تربیت طلبا اور اساتذہ دونوں میں یکساں مقبول ہے اور تعلیم وتربیت کے دوران طلبہ کی دلچسپی کا باعث بنتا ہے۔قرآن مجید اسی انداز میں زور بیان کے ساتھ مناظرِ قیامت بیان کرتا ہے۔ارشادربانی ہے:

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ (3)

"جس وقت آسمان پھٹ جائے گا اور ستارے جھڑ جائیں گے"۔

1) القرآن: ال عمران، آیت 159　　2) القرآن: البقرہ، آیت 83

3) القرآن: انفطار، آیت 1-2

یہ انداز حقائق کو سوچنے اور سمجھنے پر مجبور کر دیتا ہے جو عمل تربیت کی روح ہے۔ دوران تدریس اساتذہ اس کی پیروی کرتے ہیں۔

2.1.47) تزکیہ نفس اور تعلیم و تربیت

اخلاق و کردار شخصیت پر بھرپور اثر ڈالتے ہیں، اسی لئے قرآن تربیت اخلاق اور تزکیہ نفس کو فن تعلیم و تربیت کا لازمی جزو قرار دیتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ط (1)

"جوان کو تیری آیات پڑھ کر سنائے انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ نفس کرے"۔

2.1.48) دل نشین انداز

تعلیم و تربیت کا نصاب دلچسپ ہو تو طلبا کا دل موہ لیتا ہے اور ان کی دلچسپی بڑھ جاتی ہے۔ قرآن مجید میں آیات مقدسہ کے بیان کا دل نشین انداز بیان اسی عمل کی طرف توجہ دلانے کے لئے ہے۔ پس استاد عمدہ الفاظ و تراکیب اور خوبصورت تراکیب و امثال کے استعمال سے سبق کو موثر بنا سکتا ہے مثلاً قرآن مجید میں سورۃ الرحمٰن کی آیات مقدسہ سامعین پر مسحور کن اثر ڈالتی ہیں۔

2.1.49) انفرادی اختلافات

انفرادی اختلافات کا خیال رکھ کر تعلیم و تربیت کے عمل کو بہترین بنایا جا سکتا ہے۔ یہی خاصہ قرآن کا بھی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ ط (2)

"ان کے ساتھ وہ طریقہ اختیار کرے جو ان کے لئے بہتر ہے"۔

2.1.50) سوال و جواب / بحث و تمحیص کا طریقہ

کلاس روم میں بحث و تمحیص اور سوال و جواب کا طریقہ تربیتی عمل میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً ارشاد ربانی ہے:

---

1) القرآن: البقرہ، آیت 129　　　2) القرآن: النحل، آیت 125

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ (1)

"تم سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہو یہ اللہ کے حکم سے ہے"۔

اسی طرح فرمایا:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا (2)

"کہہ دو کہ ہم تمہیں بتائیں جو عملوں کے لحاظ سے بڑے نقصان میں ہیں"۔

رہنمائی میں کوتاہی پر تعزیر

عمل تربیت و تدریس میں کوتاہی برتنے والا معلم مجرم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی حکم رسولوں کو بھی دیا۔ ارشاد ربانی ہے:

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ (3)

"اے رسول! آپ تبلیغ کر دیں جو کچھ آپ کی طرف بھیجا گیا اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپ نے رسالت کا حق ادا نہیں کیا"۔

اُستاد کیلئے اپنے کام میں کوتاہی کرنا حکم خداوندی پر عمل نہ کرنا ہے جو کہ دُنیا و آخرت میں خسارے کا سودا ہے۔

---

1) القرآن: بنی اسرائیل، آیت 85　　2) القرآن: الکہف، آیت 103

3) القرآن: المائدہ، آیت 67

2.2) انبیاء علیہ السلام بحیثیت اساتذہ ورول ماڈل

تمام انبیاء کا دین اسلام اور دعوت توحید تھی۔ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ:

''ہم انبیاء کی جماعت ہیں ہمارا دین ایک ہی ہے اور ہم علاتی بھائی ہیں''۔(1)

قرآن مجید کے مطابق ''ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور ایک راہِ عمل مقرر کی''۔(2)

انبیاء کرام کا مشن انسانیت کو گمراہی سے بچا کر صراط مستقیم پر لانا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ نے تقریباً ایک ہی پیغام انسانوں تک پہنچایا۔ انبیاء اللہ کے بھیجے ہوئے ہوتے ہیں۔ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔ صرف اللہ کا پیغام پہنچاتے ہیں۔ انبیاء پر اللہ تعالیٰ کی وحی نازل ہوتی ہے۔ تمام انبیاء کے ایمان کا لازمی جزو کفر سے انکار اور آسمانی کتب پر ایمان لانا ہوتا ہے۔ انبیاء اپنی ہی قوموں میں مبعوث فرمائے گئے اور اپنے لوگوں میں بشری تقاضوں کے مطابق انہوں نے زندگی گزاری۔

انبیاء کے سامنے نہ دُنیا طلبی ہوتی ہے نہ جاہ طلبی نہ حُب مال۔ وہ بنی نوع انسان کی عظیم خدمت کے معاوضے میں شہرت، عزت، حکومت اور مال و دولت کچھ بھی نہیں مانگتے بلکہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ لوگ اللہ والے بن جائیں۔ اِن میں تقویٰ اور پرہیزگاری کے جذبات پیدا ہو جائیں۔

انبیاء کے دِل، زبان قول و عمل اور خلوت جلوت میں مطابقت ہوتی ہے۔ وہ اپنے نظریات اپنے اصولوں اور دُعاؤں کے عملی مظہر ہوتے ہیں۔(3)

تمام انبیاء امین اور صادق تھے، معصوم عن الخطاء تھے۔ انہوں نے خدائی رہنمائی میں

---

1) صحیح بخاری، احادیث الانبیاء، 43-342، صحیح مسلم، الفضائل حدیث، 2365

2) القرآن: مائدہ، آیت 48

3) حکیم محمود احمد مظفر (2010ء) پیغمبر امن، مکی دارالکتب 37 مزنگ روڈ لاہور

کام کیا۔ اعلیٰ اخلاقی اوصاف اور معاملات صفائی و پاکیزگی ان کا طرہ امتیاز رہا۔ قول و فعل میں مطابقت، بغیر معاوضہ تعلیم دینا اور وحی الٰہی پر مبنی تعلیم کی وجہ سے ہر قوم پر اپنے نبی کے اسوہ پر عمل کرنا لازمی ٹھہرا۔

قرآن مجید میں چھبیس کے لگ بھگ انبیاء کا ذکر ہوا ہے۔ چونکہ انبیاء اساتذہ اور معلمین کے اعلیٰ مقام پر فائز رہے تو ضروری سمجھا گیا کہ ان انبیاء کے رول کا جائزہ لیا جائے اور انبیاء کو رول ماڈل کے طور پر سامنے رکھ کر ہدایت و رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ مسند احمد بن حنبل کے حوالہ سے روایت ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم سے لیکر مجھ تک ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے ہیں جن میں سے 315 صاحب کتاب تھے۔ (1) انبیاء نے اپنا کام کرتے ہوئے بے پناہ مشکلات کا سامنا کیا۔ ان کا تمسخر اڑایا گیا۔ ان کو تکالیف دی گئیں۔ انہیں جھٹلایا گیا۔ اُن کے راستے میں مخالفتوں کے پہاڑ کھڑے کئے گئے۔ طاغوتی طاقتوں نے اپنی جھوٹی انا بچانے کے لئے ان کے ستانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ مظالم ڈھائے، کسی کو آگ میں پھینکا، کسی کو آرے سے چیرا گیا، قتل کی کوششیں کی گئیں مگر ان عظیم شخصیات کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہیں آئی اور اشاعت تعلیم و تبلیغ کے لئے یہ حضرات آخری سانس تک کوشاں رہے۔

رول ماڈل کے طور پر چونکہ تمام انبیاء پر ایمان لانا ہمارے ایمان کا حصہ ہے لہٰذا اس کا مطالعہ اس سے حاصل ہونے والے اسباق اور اُن کے پیغام میں موجود ہدایت کو سمجھنا اور انہیں رول ماڈل کے مقام پر رکھ کر رہنمائی حاصل کرنا ایک اُستاد کے منصب کے شایان شان ہے۔ چند انبیاء کے واقعات سے حاصل اسباق مختصراً پیش خدمت ہیں۔ مزید مطالعہ کے لئے قرآن مجید، حدیث شریف اور دیگر کتب سے استفادہ فرمائیں۔

2.2.1) بحیثیت استاد انبیاء کے لئے تفویض کار

دُنیا کی سب سے سچی کتاب قرآن مجید کے مطابق انبیاء کو چار کام تفویض کئے گئے۔ وہ

1) مسند احمد حنبل

کچھ یوں ہیں۔

بیت اللہ کی تعمیر کے وقت حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ اپنے رب سے دُعا کرتے ہیں: ''اے رب ہمیں اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری اولاد میں سے ایک اُمت کو اپنا فرمانبردار بنا، حج کے آداب سکھا اور ہمیں معاف فرما اور اے اللہ ان میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو تیری آیات ان پر تلاوت کرے، تیری کتاب کی تعلیم دے اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کو سنوارے، بے شک تو بڑا زبردست حکمت والا ہے''۔(1)

سورۃ ص آیت 20 کے مطابق حضرت داؤد کے بارے میں ہے کہ:

''ہم نے اس کی حکومت کو قوت بخشی اور اُسے حکمت دی اور قوتِ فیصلہ بخشی''۔

دوسرے مقام پر مزید فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے داؤد کو ملک، حکمت اور علم عطا کیا''۔ (2)

حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں فرمایا گیا کہ وہ کتاب وحکمت کی تعلیم اور تورات و انجیل کی تعلیم دیں گے۔(3)

اسی طرح سورۃ آل عمران میں آنحضرت ﷺ کے بارے میں فرمایا گیا کہ:

''اہل ایمان پر اللہ کا احسان ہے کہ اس نے ان میں سے ہی ایک رسول مبعوث کیا جو ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے ان کا تزکیۂ نفس کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اس سے قبل یہ جماعت مومنین صریح گمراہی کا شکار تھی''۔ (4)

تقریباً یہی پیغام سورۃ الجمعہ آیت 2 میں بھی فرمایا گیا ہے۔

مندرجہ بالا آیاتِ قرآنی کا خلاصہ کریں تو اس سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ انبیاء کا کام:

- اللہ کی آیات کی لوگوں کے سامنے تلاوت کرنا
- کتاب وحکمت کی تعلیم دینا

---

1) القرآن: البقرہ، آیت 129

2) القرآن: البقرہ، آیت 251

3) القرآن: ال عمران، آیت 48، مائدہ، آیت 110

4) القرآن: ال عمران، آیت

- لوگوں کو سنوارنا اور درست راستے پر چلانا
- لوگوں کا تزکیۂ نفس کرنا اور ان کو گمراہی سے بچانا ہے

بعض مفسرین نے اِس کام کو تلاوت آیات، تعلیم کتاب، تعلیمِ حکمت اور تزکیۂ نفس قرار دیا ہے۔ دُنیا میں آنے والے تمام انبیاء کا مشن یہی تھا اور انبیاء کے بعد یہ کام اساتذہ، علماء، امامین کر رہے ہیں۔

2.2.2) قرآن مجید میں کچھ انبیاء کا احوال

قرآن مجید میں کچھ انبیاء کا احوال وذکر موجود ہے اُن کے اسماء عمر اور حوالہ کے بارے میں کچھ معلومات پیش خدمت ہے۔

	نام	قرآن مجید میں ذکر	عمر	زمانہ
1	حضرت آدمؑ	25	930 سال	......
2	حضرت ادریسؑ	2	365 سال	......
3	حضرت نوحؑ	43	950 سال	3232 ق م
4	حضرت ہودؑ	25	265 سال	2200 ق م
5	حضرت صالحؑ	9	586 سال	2400 ق م
6	حضرت ابراہیمؑ	69	125 سال	2160 ق م
7	حضرت لوطؑ	27		2120 ق م
8	حضرت اسماعیلؑ	12	137 سال	2074 ق م
9	حضرت اسحقؑ	17	180 سال	2060 ق م
10	حضرت یعقوبؑ	16	147 سال	2000 ق م

11	حضرت یوسفؑ	27	110 سال	1927 ق م
12	حضرت ایوبؑ	4	145 سال	1700 ق م
13	حضرت شعیبؑ	10	882 سال	1600 ق م (تقریباً)
14	حضرت موسیٰؑ	136	125 سال	1520 ق م
15	حضرت ہارونؑ		123 سال	1523 ق م
16	حضرت یوشعؑ	1	110 سال	1400 ق م
17	حضرت داؤدؑ	16	77½ سال	1034 ق م
18	حضرت سلیمانؑ	17	150 سال	992 ق م
19	حضرت الیاسؑ	3		900 ق م
20	حضرت ذوالکفلؑ	2		
21	حضرت یونسؑ	4		800 ق م
22	حضرت عذیرؑ	1		600 ق م
23	حضرت زکریاؑ	7	207 سال	100 ق م
24	حضرت یحییٰؑ	5	95 سال	01 قبل مسیح
25	حضرت عیسیٰؑ	25		1ء
26	حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ	5	63 سال	571ء

2.2.3) ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو احسن تقویم پر پیدا فرمایا، اس میں اپنی روح پھونکی۔ اسماء سکھائے اور فرشتوں سے سجدہ کروا کر اشرف المخلوقات بنا دیا۔ پھر اماں حوا کو پیدا فرمایا اور جنت میں بھیج دیا، ہر قسم کی آزادی دی مگر ایک درخت کا پھل کھانے سے روکا۔ شیطان کے

بہکاوے پر وہ پھل کھالیا تو اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر زمین پر بھجوا دیا مگر توبہ قبول فرمالی۔

حضرت آدم کے امتیازات اور اساتذہ کے لئے اس واقعہ میں عبرت و حکمتیں

① اللہ نے زمین پر اپنا خلیفہ بنایا۔

② حضرت آدم کو تمام نام سکھا کر علمی برتری عطا فرمائی جس سے انسان اشرف المخلوقات بنا۔

③ اللہ تعالیٰ نے اپنے دست مبارک سے پیدا فرمایا اور احسنِ تقویم پر بنایا۔

④ اللہ تعالیٰ نے آدم میں اپنی روح ڈالی جو کہ انسانی جسم کا اعلیٰ ترین حصہ ہے۔

⑤ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ ابلیس کے سجدہ نہ کرنے پر اُسے مردود ٹھہرایا اور فرمایا تو مردود ہے یہاں سے نکل جا اور تجھ پر قیامت کے دِن تک لعنت برسے گی۔(1)

⑥ آدمؑ کو سجدہ نہ کرنے پر ابلیس لعین و مردود ٹھہرا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے تکبر کو ناپسند فرمایا ہے جبکہ خطا سرزد ہونے پر حضرت آدمؑ بارگاہ ایزدی میں نہایت شرمندگی کے ساتھ عجز وانکساری سے معافی کا طلبگار ہوا تو وہ مقرب خاص ہوا۔

⑦ ابلیس نے قیامت تک اولادِ آدم کو گمراہ کرنے کی اجازت مانگی تو اللہ نے اپنے بندوں سے فرمایا کہ شیطان کی راہ پر نہ چلو، وہ تمہارا کھلا دُشمن ہے۔

⑧ اللہ تعالیٰ نے جنت کے ممنوعہ پھل کھانے پر آدمؑ و حواؑ کو جنت سے نکال دیا مگر ان کی توبہ قبول فرمالی، آج بھی اللہ تعالیٰ غلطی پر نادم ہونے والوں کو بخش دیتے ہیں۔ یعنی اللہ نے انسان کو توبہ واستغفار کا ہتھیار عطا فرمایا ہے۔

⑨ حضرت آدمؑ و اماں حواؑ نے نہایت عاجزی سے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی۔ اے ہمارے رب ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا اور اگر تو ہماری مغفرت نہ کرے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو واقعی ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے"۔(2)

⑩ حضرت آدم کو عزت صرف علم کی وجہ سے ملی۔

---

1) القرآن: الحجر، آیت 35,34

2) القرآن: الاعراف، آیت 237/7

2.2.4) ہابیل وقابیل

قرآن مجید میں ہابیل اور قابیل کا قصہ بیان ہوا ہے۔ ہابیل اور قابیل نے قربانی پیش کی۔ اللہ تعالیٰ نے ہابیل کی قربانی قبول اور قابیل کی قبول نہ فرمائی۔ جس پر غصہ میں آکر قابیل نے ہابیل کو قتل کی دھمکی دی تو ہابیل نے کہا وہ جو چاہے کرے میں اپنے بھائی پر ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔ اس کے باوجود قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا۔

ہابیل کا یہ طرزِ عمل حکمت و دانائی سے پُر ہے، اس طرح صبر و تحمل سے ہابیل عارضی جان تو دے بیٹھا مگر قیامت تک اپنے لئے اچھائی، مظلومیت، ذکرِ خیر اور اعلیٰ کردار کا حقدار بن گیا جبکہ قابیل فعلِ بد کا مرتکب بُرائی ونفرت کی علامت بن گیا جس نے حسد اور انسانی قتل کر کے اللہ کی نافرمانی کی اور جب بھائی کو قتل کر دیا تو پھر کوے سے سبق سیکھ کر اسے دفن کر دیا۔ اس واقعہ سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ اللہ کی راہ میں بہتر مال کی قربانی کرنی چاہئے۔ نیز اس واقعہ سے انسان کی بے حسی ولاعلمی کا اندازہ بھی ہوتا ہے کہ وہ کوے سے بھی نادان نکلا۔

2.2.5) حضرت ہود علیہ السلام

حضرت ہود علیہ السلام کا ذکر بھی قرآن مجید کی تین سورتوں میں سات جگہ آیا ہے۔ آپ کی ہستی وقار و متانت کا مکمل مجسمہ تھی۔ آپ کی تبلیغ ٹھوس، واضح اور طرزِ استدلال بڑا مدلل و موثر تھا۔ آپ نے قوم کی درشتی، تمسخر اور استہزاء کا جواب صبر وضبط سے دیا اور پھر بھی قوم کی بھلائی کے متلاشی رہے۔ اخلاص اور حسن نیت جو ہر اُستاد و معلم کا خاصہ ہے، آپ کی ہر بات سے عیاں تھے۔ آپ نے ہر سخت سے سخت الزام کے جواب میں قوم کے ساتھ جھگڑے اور ٹکراؤ سے گریز کیا۔ یہی آپ کی حکمت و دانائی کا مظاہرہ تھا۔(1)

آپ نے قوم سے معاندانہ رویہ اختیار نہیں کیا اور آپ نے واضح طور پر فرما دیا کہ میں اس کام کے سلسلہ میں کسی مادی مفاد یا اجر و معاوضہ کا طالب نہیں ہوں۔(2)

---

1) مسعود احمد شاہ، رسولِ حکمت، ص 26

2) القرآن: ہود، آیت 51/11

کیونکہ قومِ عاد مادہ پرست اور مالی مفاد کو سامنے رکھنے والی تھی۔ جس میں آپ کو مبعوث فرمایا گیا تھا۔ حضرت ہودؑ کے واقعہ سے اساتذہ کے لئے درج ذیل اسباق اہم ہیں۔

① حضرت ہود نے قومِ عاد کو سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر وہ اپنے آباواجداد کی اندھی تقلید کی عادی، باطل طریقوں اور بت پرستی کو نہ چھوڑنے والی تھی۔ لہٰذا حضرت ہودؑ کی دلائل وبراہین سے بھرپور دعوت انہیں راہِ حق پر نہ لا سکی بلکہ الزام لگایا کہ

"اے ہود! تو ہمارے لئے کوئی دلیل تو لایا نہیں اور ہم تمہارے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ ہم تجھ پر ایمان لانے والے ہیں بلکہ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تجھے آسیب لگا دیا ہے۔ (1) لہٰذا جب دلائل وبراہین سے حق واضح کرنے کے بعد انہوں نے حق قبول نہ کیا تو سنت الٰہی کے مطابق ان کو سزا دی گئی اور قوم عاد پر عذاب نازل ہوگیا۔

② حضرت ہودؑ نے اس مقدس فرض کی ادائیگی میں تلخی کا جواب نرمی سے دیا اور بدتہذیبی کا جواب اخلاق سے دیا۔ ہمیشہ نرم خو اور شیریں بیان رہے۔ (2)

③ تمام انبیاء، مصلحین قوم اور اساتذہ کی طرح حضرت ہودؑ نے خدمت تعلیم بغیر معاوضہ ادا کی۔ قرآن مجید کے مطابق انہوں نے قوم سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ "اے میری قوم میں تم سے اس کی کوئی اُجرت نہیں مانگتا، میرا اَجر اس کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے، پھر تم عقل سے کام نہیں لیتے ؟(3)

④ حضرت ہودؑ نے اپنی قوم کو اے میری قوم کہہ کر احسن انداز میں مخاطب فرمایا۔ یہ اساتذہ وانبیاء کا طریقہ ہے۔ علاوہ ازیں آپ نے قوم کو اسراف وفضول خرچی سے بچانے کے لئے میانہ روی اور اعتدال کا درس دیا اور فالتو بے فائدہ اور غیر پیداواری

1) القرآن: ہود، آیت 53/11

2) ابوالفداء ابن کثیر الاشقی، قصص الانبیاء، ص 131

3) القرآن: ہود، آیت 15/11

عمارات کی تعمیر سے روکا۔ آپ نے واضح طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کیا۔ (1)

⑤ آپ نے اللہ تعالیٰ پر واضح بھروسے کا اظہار فرمایا جو ہر داعی، نبی اور معلم کا خاصہ ہے۔ آپ نے فرمایا: "میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں اللہ کے سوا ان سب سے بے زار رہوں، جنہیں تم شریک بنا رہے ہو، اچھا تم سب مل کر میرے حق میں بدی کر لو اور مجھے بالکل مہلت نہ دو۔ (2)

⑥ آپ نے قوم کو توبہ واستغفار پر آمادہ کرنے کی کوشش فرمائی۔ اللہ سے ڈرنے والے ہی توبہ کرتے ہیں۔ توبہ و استغفار سے اللہ کا قرب، رزق میں برکت، گناہوں کی معافی اور کام میں لگن پیدا ہوتی ہے۔ اس سے خود احتسابی کا عمل آسان ہو جاتا ہے۔

2.2.6) حضرت ادریس علیہ السلام

آپ کا یونانی نام طرفیس، عبرانی نام حنوک، عربی نام اخنوع اور قرآن کریم کے مطابق ادریس تھا۔ تورات میں اور قرآن مجید کی سورۃ مریم اور سورۃ انبیاء میں آپ کا ذکر ہے۔ آپؑ دُنیا میں علم نجوم، ریاضی، فن کتابت، کپڑا سینے اور ناپ تول کے اجزاء کے موجد تھے۔ (3)
انبیاء میں سب سے پہلے آپؑ نے ہجرت فرمائی۔

تیسری صدی تک یہ خیال رہا ہے کہ آپ صاحب کتاب تھے اور صحیفہ ادریسؑ کا وجود تسلیم کیا جاتا تھا۔ (4) آپؑ کو بھی آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا۔

قرآن مجید میں حضرت ادریس کو صابر، نیک اور سچا قرار دیا گیا ہے۔ (5)

---

1) ابوالفداء ابن کثیر الاشقی، قصص الانبیاء، ص 131
2) القرآن: ہود، آیت 54-55/11
3) محمد جمیل احمد، محفل انبیاء، ص 25,24، تفسیر قرطبی، جلد اول، ص 117
4) شیریں زادہ خدوخیل، عہد رسالت کا نظامِ تعلیم و عصر حاضر، ص 454
5) القرآن: انبیاء، آیت 86,85، مریم، آیت 57,56

امام ابن اسحاق ؒ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ادریسؑ نے سب سے پہلے قلم سے لکھا۔(1)

آپؑ حضرت آدمؑ حضرت شیثؑ کے بعد تیسرے نبی ہیں۔آپؑ کے اسوہ سے اساتذہ کو سبق ملتا ہے کہ کردار کے حوالہ سے ایک اُستاد کو سچا، نیک اور صابر ہونا چاہئے۔علم حاصل کرنا اور اُس کو آگے پھیلانا چاہئے۔تدریس میں جدت اختیار کرنی چاہئے اور تحریر کے حوالہ سے مہارت وصلاحیت حاصل کرنے اور طلبہ تک منتقل کرنے کی سعی وجہد کرنا چاہئے۔

2.2.7) حضرت نوح علیہ السلام

آپ اللہ کے پہلے رسول تھے، نبی اور رسول کا امتیازی فرق یہ ہے کہ ہر صاحب وحی نبی ہوتا ہے لیکن رسول کے لئے صاحب وحی ہونے کے علاوہ صاحب شریعت ہونا لازمی ہے۔ آپؑ کو آدم ثانی بھی کہا جاتا ہے۔

آپ نے 950 سال کی عمر پائی اور اللہ کا پیغام انسانوں تک پہنچاتے رہے، آپ نے اپنی تعلیم وتبلیغ کے لئے دلیل کا طریقہ اپنایا۔قرآن مجید میں آپؑ کا ذکر پنتالیس مقامات پر آیا ہے۔جب قوم نے آپ کو نہ مانا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو کشتی بنانے کا حکم دیا اور قوم کو سیلاب میں غرق کردیا۔

قوم نے کہا کہ تم جھوٹے ہو، ہم جیسے انسان ہو،تم رسول اور اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے کیسے ہوسکتے ہو، اگر اللہ چاہتا تو ہدایت کے لئے فرشتہ بھیج دیتا۔آپ نے فرمایا کہ اگر تم فرشتے ہوتے تو اللہ تمہاری ہدایت کے لئے فرشتہ بھیجتا چونکہ تم انسان ہو لہٰذا مجھے تمہاری ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہے۔

قوم نے کہا کہ تم ہمارے بتوں کا انکار کرتے ہو تم گمراہ اور دیوانے ہو، آپؑ نے فرمایا میں دیوانہ نہیں، اللہ تعالیٰ نے مجھے دولت ایمانی سے نوازا ہے اور نورِ بصیرت دیا ہے، میرا مقصد تمہاری بھلائی اور ہدایت ہے، ایسا نہ ہو کہ تم پر عذاب نازل ہوجائے۔(2)

---

1) ابن اسحٰق، البدایہ والنہایہ، جلد 1، ص 92 بحوالہ امام ابوالفداء ابن کثیر دمشقی، ص 66

2) القرآن: ہود، آیت 33,32

قوم کے پاس عقل ودلیل کا ہتھیار ختم ہوگیا اور آپ کو سنگسار کرنے کی دھمکی دی گئی۔ آپ نے پیغمبرانہ استقامت عظمت کردار اور اللہ تعالیٰ پر توکل کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا، میں صرف اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھتا ہوں، اگر تم میرے ساتھ دشمنی کرنا چاہتے ہوتو اپنے تمام حمایتوں اور مددگاروں کو بلالو اور اپنے کئے پر عمل کرگزرو، پھر دیکھو میرا خدا تم پر کیسے عذاب نازل کرتا ہے۔

قوم نے کہا اگر تم سچے ہوتو ہم پر عذاب نازل کرو، آپ نے فرمایا کہ عذاب نازل کرنا میرے اختیار میں نہیں، وہ تو جب اللہ چاہے گا نازل کردے گا۔

جب عذاب آیا اور طوفان شروع ہوگیا اور ایک تندور سے پانی اُبل پڑا تو آپ نے اپنے نافرمان بیٹے ''یام'' سے کہا کہ بیٹا کفار کو چھوڑ کر میرے ساتھ کشتی میں آجاؤ تو اس نے انکار کردیا اور اُس نے کہا میں کسی پہاڑ پر چڑھ کر پناہ لے لوں گا۔ یکا یک ایک لہر اُٹھی اور وہ غرق ہوگیا، محبت پدری کے تحت حضرت نوحؑ نے فریاد کی الٰہی آپ نے میرے گھر والوں کو بچانے کا وعدہ فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ نافرمان تھا، اس لئے تمہارے گھر والوں میں شامل نہیں تھا، اس پر حضرت نوحؑ نے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگی اور تسلیم ورضا کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا۔ میں پناہ مانگتا ہوں ایسی چیز کا آپ سے سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں ہے۔ اگر تو مجھے نہیں بخشے گا اور رحم نہیں کرے گا تو میں تباہ ہوجاؤں گا۔

کشتی کوہِ اراوت کی چوٹی جودی پر ٹھہر گئی۔ کشتی سے اترنے کے بعد آپ نے پھر تبلیغ وارشاد اور قوم کی تعلیم وتربیت کا سلسلہ جاری رکھا اور روزگار کے لئے زراعت کا پیشہ اپنایا۔

حضرت نوح علیہ السلام کا طرزِ استدلال، اندازِ تبلیغ ودعوت اور بے لوثی و بے غرضی، اساتذہ کے لئے مشعل راہ ہے۔

① آپ توحید الٰہی کے سب سے پہلے دعوت دینے والے تھے۔ آپ نے ساڑھے نوسو سال تک دعوت وتعلیم دی۔

② مسلسل جدوجہد کے سلسلہ میں آپ نے قوم کی طرف سے ملنے والی تکالیف ومصائب

پر صبر و تحمل سے کام لیا اور تمام تکالیف برداشت کیں۔

③ قرآن مجید میں ہے کہ "اے میرے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو تیری طرف دن رات بلایا۔ پھر میں نے انہیں با آواز بلند بلایا اور بے شک میں نے انہیں اعلانیہ بھی کہا اور چپکے چپکے بھی"۔(1) (یہ طریقہ تعلیم کی طرف اشارہ ہے)

④ قوم نے آپؑ سے تند و تلخ سوالات بدتہذیبی و بدتمیزی سے کئے۔ آپ کو جھٹلایا۔ غریب پیروکاروں پر طعن و تشنیع کیا مگر آپ نے اس کا جواب نرمی اور شیریں زبانی سے دیا۔ آپ نے فرمایا کہ "اے میری قوم مجھ میں تو ذرا بھی گمراہی نہیں اور میں رب العٰلمین کا رسول ہوں"۔(2)

⑤ آپ نے حق کی راہ میں آنے والی مشکلات، استہزا، ٹھٹھہ، مشکلات اور تکالیف کے باوجود اپنے کارِ منصبی کو جاری رکھا اور ثابت قدمی سے قائم رہے۔

⑥ آپ نے قوم کو اللہ کی نعمتیں یاد دلائیں، احسانات کا ذکر کیا اور دلیل سے بات کر کے خالق کائنات کی طرف دعوت دی۔

⑦ آپؑ نے راہِ حق میں بیوی اور بیٹے کو بھی چھوڑ دیا اور ان کا غم برداشت کیا، یعنی ایمان کے بغیر رشتہ داری فائدہ مند نہ ہوگی۔

⑧ حضرت نوحؑ کے قصے میں قرآن مجید میں ہے کہ "اور ان میں چاند کو خوب جگمگاتا بنایا ہے اور سورج کو روشن چراغ بنایا ہے۔ یعنی آج کی سائنسی حقیقت کہ چاند کی روشنی جگمگاہٹ ہے اور سورج شعلہ زن چراغ ہے۔ (3)

⑨ حضرت نوح کی دعوت میں امیر و غریب کی طبقاتی کشمکش اور حق و باطل کی معرکہ آرائی نظر آتی ہے، لہٰذا اساتذہ و انبیاء کو مشکلات کا مقابلہ حوصلہ سے کرنا چاہئے اور صبر و تحمل،

---

1) القرآن: نوح، آیت 9.8.5.71

2) القرآن: الاعراف، آیت 61/7

3) القرآن: نوح، آیت 16/71

استقامت و استقلال اور مضبوط ارادہ وعزم وثبات سے اپنا کام جاری رکھنا چاہئے۔(1)

⑩ حضرت نوحؑ نے تقریباً ساڑھے نو سو سال اللہ کا پیغام پہنچانے کی جدوجہد کی، مگر صرف اسی (80) لوگ ایمان لائے لہٰذا عزم و ہمت اور حوصلے سے اپنا کام جاری رکھنا چاہیے نہ کثرت پر یقین رکھنا چاہئے اور نہ قلتِ افراد سے پریشان ہونا چاہئے۔

⑪ جب آزمائشیں اور مشکلات حد سے بڑھ جائیں تو جیسا کہ حضرت نوحؑ نے فرمایا۔ اے میرے رب میں بے بس ہوں، میری مدد کر۔ (2) اور آنحضرت محمدﷺ نے قنوتِ نازلہ مانگنے کا حکم فرمایا ہے۔ اگر اُستاد کو ناکامی کا خطرہ ہو تو اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنی چاہیے۔

⑫ حضرت نوحؑ کا بیٹا بُری صحبت میں پڑ کر گمراہ ہوا۔ اپنے طلبہ کو بُری صحبت سے بچانے کی پوری کوشش کرنی چاہئے۔

⑬ استقلال و استقامت سے جب انسان اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر کھڑا ہو جاتا ہے تو آخری کامیابی حق کو نصیب ہوتی ہے اور باطل تمام طاقت کے باوجود شکست کھا جاتا ہے۔

2.2.8) حضرت صالح علیہ السلام

آپ کا ظہور 2400 قبل مسیح میں ہوا۔ آپ کو پیغمبرانہ عظمت و استقامت، آپ کی تبلیغ وارشاد اور تعلیم و تربیت اور آپ کی قوم کے ردِعمل کی اطلاع قرآن مجید نے دی ہے۔

آپ بڑے حلیم الطبع، دانش مند، صاحب فہم و فراست تھے۔ جب آپ کی قوم نے آپ کی تعلیمات کا انکار کیا اور شبہ کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا۔ تمہارے انکار کا سبب صرف تمہارا قیاس گمان اور شبہ ہے لیکن میری دعوت کی بنیاد علم، یقین اور نور بصیرت پر ہے۔ یہ کام پورے علم، پورے عرفان اور یقین کی روشنی میں کر رہا ہوں۔ ظاہر ہے کہ علم والا اور بے علم، اندھیرا اور روشنی اور نابینا و بینا برابر نہیں ہو سکتے۔ میں جو کچھ سچ کہہ رہا ہوں اس پر ایمان لے

---

1) ابوالفداء ابن کثیر دمشقی، قصص الانبیاء، ص 100

2) القرآن: القمر، آیت 10/54

آؤ اور نیک عمل اختیار کرو۔ (1)

قوم نے آپ کو جھٹلایا اور کہا کہ تم تو ہم جیسے آدمی ہو، آخر قوم نے آپ سے معجزہ طلب کیا تو آپ کی دعا سے پہاڑ سے ایک اونٹنی نکلی، بعد میں قوم نے اس اونٹنی کو قتل کر دیا اور حضرت صالح کے قتل کا بھی ارادہ کیا جس پر اس نافرمان قوم پر عذاب آ گیا۔ حضرت صالح کی قوم ثمود تھی، ان کا کہنا تھا حضرت صالح (2) پر ایمان لانے والے لوگ غریب ہیں، خدا ہم پر مہربان ہے کیونکہ ہم ان پر مالی و عددی برتری رکھتے ہیں۔ اس پر آپ اور آپ کے ساتھی نہ اُلجھتے تھے اور نہ ہی اپنے اندر اس استدلال سے کوئی کمزوری یا ایمان میں کمی پاتے تھے اور فطرت کے رموز سے آشنا تھے۔ (3) لہٰذا حضرت صالح نے قوم کی رہنمائی اور تعلیم و تربیت و تبلیغ کا کام جاری رکھا۔ حتیٰ کہ حجت تمام ہوگئی اور ان پر عذاب الٰہی آ گیا۔ حضرت صالح کے واقعہ سے درج ذیل اسباق حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

① حضرت صالحؑ نے اپنی قوم کے لوگوں کو احسن انداز میں اللہ کی نعمتیں شمار کروائیں، ان کے گھر زرخیز زمینوں وغیرہ کا ذکر کر کے اطاعت الٰہی کی دعوت دی۔ بتوں کی پوجا سے روکا اور توبہ کی تلقین فرمائی۔

② آپؑ نے اپنی قوم سے نرم لہجے اور نرم الفاظ میں گفتگو فرمائی۔ دلیل سے بات کر کے اللہ کی اطاعت پر آمادہ کرنے کی کوشش فرمائی اور اپنے فرض کی ادائیگی یعنی تبلیغ اور تعلیم کا واضح ذکر فرمایا۔

③ قرآن مجید کی سورۃ الشعراء میں یوں ذکر ہے کہ "اور قومِ ثمود نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جب ان کو ان کے بھائی صالح نے کہا تم ڈرتے کیوں نہیں؟ میں تو تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔ سو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں اس کا تم سے بدلہ نہیں مانگتا،

---

1) محمد جمیل احمد، محفل انبیاء، ص 61

2) محمد جمیل احمد، محفل انبیاء، ص 41

3) مسعود احمد شاہ، رسول حکمت، حکمت بالغہ، ص 26

میرا بدلہ اللہ رب العالمین کے ذمہ ہے۔ (1)

④ حضرت صالح کی قوم نے آپ کا پیغام ماننے کی بجائے کٹ حجتی کی اور کچھ لوگوں کو تیار کیا کہ رات کو شب خون مار کر آپؑ کو شہید کر دیں۔ اس سے قبل وہ معجزہ والی اونٹنی کو قتل کر چکے تھے، فسادی لوگ تعداد میں کم یعنی صرف نو افراد تھے مگر باقی تمام قوم اس ظلم میں ان نو کے ساتھ تھی اور حق کے مخالف عذاب کا شکار ہوئے۔

⑤ قوم نے حضرت صالحؑ کو جھوٹا اور خود پسند کہا اور راہِ ہدایت کا انکار کیا اور رکیک ذاتی حملے کئے مگر آپ نے حوصلے سے اپنا کام جاری رکھا۔ حالانکہ ان کی قوم نے عذاب کا مطالبہ کیا تھا۔

⑥ جب قوم صالحؑ پر عذاب آ گیا تو حضرت صالحؑ نے اس پر افسوس کا اظہار فرمایا کیونکہ نبی یا معلم اپنی قوم اور طلبہ کا ہمدرد ہوتا ہے اور اپنے کام کے بہتر نتائج نہ نکلنے پر پریشان ضرور ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر یوں آیا ہے کہ "پھر صالح ان سے ناامید پھرے اور کہا اے میری قوم میں نے تم کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا اور تمہاری خیر خواہی کی مگر تم خیر خواہوں کو دوست نہیں رکھتے"۔ (2)

2.2.9) حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام

سر چارلس کے مطابق آپ کا سن ولادت 2160 قبل مسیح اور سن وفات 1985 قبل مسیح ہے، تورات کے مطابق آپ نے 175 سال کی عمر پائی۔ (1) آپؑ کے دور تک قبائلی نظام ختم ہو کر بادشاہت قائم ہو چکی تھی۔ آپ سے پہلے کے انبیاء کو بت پرست اور دولت مند لوگوں سے واسطہ پڑتا تھا، آپ نے صاحب اقتدار لوگوں کے گروپ کے ساتھ ساتھ بت پرست اور مطلق العنان بادشاہ سے بھی مقابلہ کیا۔

آپ دلیل و براہین سے بات کرتے تھے۔ مثلاً اپنے والد آذر سے آپ کا مکالمہ ہوا تو آپ نے فرمایا:

---

1) القرآن: الشعراء، آیت 141-145/26

2) القرآن: الاعراف، آیت 79/7

"اے والد ماجد آپ کو کیا ہوا کہ اپنے ہی ہاتھوں کے بنائے ہوئے بتوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان"۔ (1)

"یہ تماثیل کیا ہیں جن کے آگے تم سجدہ ریز ہوتے ہو۔ کیا یہ تمہیں نفع و نقصان پہنچانے کی سکت رکھتے ہیں"۔ (2) قوم اس استدلال کا جواب نہ دے سکی، پھر آپ اپنے رب کریم کے اوصاف گنواتے ہیں:

"میرا رب کریم جہان کا رب ہے، جس نے مجھے پیدا کیا اور ہدایت دی، جس نے میرے لئے سامان رزق فراہم کیا۔ جب میں بیمار ہو جاؤں تو شفا دیتا ہے۔ جو مجھے موت دے کر پھر زندہ کرے گا۔ مجھے اس سے توقع ہے کہ انصاف کے دن میری تقصیریں معاف کردے گا۔ آپ حلم اور رحم دلی کے پیکر تھے، آپ کی دعائیں اس کی دلیل ہیں۔ آپ کا بت توڑ کر بڑے بت کے کندھے پر کلہاڑا رکھ دینا اور پھر دلیل سے گفتگو کرنا اور بتوں کو مجبور محض ثابت کر دینا اور خدائے واحد کا پیغام دینا، آپ کی حکمت و درس اور دانائی کی اعلیٰ مثال ہیں۔

پھر آپ کا مباحثہ نمرود سے ہوتا ہے تو آپ فرماتے ہیں میرا خدا وہ ہے جو موت و حیات دیتا ہے، اس پر نمرود کہتا ہے کہ میں زندہ شخص کو موت دے سکتا ہوں اور کسی موت کے منہ میں جانے والے کو بچا سکتا ہوں، گو یہ دلیل کمزور تھی مگر آپ بحث میں نہ الجھے اور برہان قاطع لائے اور فرمایا میرا خدا وہ ہے جو سورج کو مشرق سے نکالتا اور مغرب میں غروب کرتا ہے، تم سورج کو مغرب سے نکال کر دکھاؤ اس پر نمرود لاجواب ہو گیا۔

حضرت ابراہیم سے دین حنیف کی بنیاد رکھی گئی، مسلمان حج اور قربانی کے اکثر معاملات میں اُن کی پیروی کرتے ہیں، آپ خلیل اللہ تھے اور آنحضرتؐ کی آمد بھی دُعائے خلیل ہے۔

آپ کی زندگی کے اہم نکات جو اساتذہ کے لئے مشعل راہ ہیں درج ذیل ہیں:

① آپ نے اللہ تعالیٰ سے نیک اولاد طلب فرمائی اور اس کے لئے دُعا فرمائی۔

② آپ نے حضرت اسماعیل کو نماز قائم کرنے کے لئے مکہ کی غیر ذی زرع وادی میں بسایا

1) القرآن: انعام، آیت 74، مریم، آیت 41 تا 48

2) محمد جمیل احمد، محفل انبیاء، ص 59

جو کہ دنیاوی لحاظ سے تو گھاٹے کا سودا تھا مگر قربِ حرم عظیم سعادت تھی اور انسانیت کے لئے لازوال نعمت ثابت ہوئی۔

③ خدا پر بھروسہ کے ساتھ ساتھ جب آپؑ نے حضرت اسماعیلؑ اور اُن کی والدہ کو مکہ کی بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑا تو کھجور کا تھیلا اور پانی کا مشکیزہ ساتھ رکھا یعنی وسائل کی ضرورت کو محسوس فرمایا اور پھر اُن کے لئے پھلوں کے رزق کی دُعا بھی فرمائی اور ساتھ شکر واطاعت کے لئے یہ کچھ طلب فرمایا۔ ساتھ ساتھ رزق میں برکت کی دُعا بھی فرمائی۔ نیز اس شہر کو امن والا شہر بنانے کی دُعا بھی فرمائی۔ صالح ماحول اور اپنی اولاد کو بتوں کی پوجا اور شر سے بچنے کی دُعا بھی فرمائی۔ اولاد کو جو کچھ کہا، اس پر خود عمل کیا، نماز اور شکر کا اہتمام کیا۔ اہل خانہ کی خبر گیری اور بیٹے کے لئے صابرہ وشاکرہ بیوی کی خواہش و کوشش فرمائی۔ تعمیر کعبہ میں حضرت اسماعیلؑ کو شریک کیا۔ اپنی نسل کے لئے امامت کا منصب طلب فرمایا، حضرت اسماعیل کو حکم ربانی پر قربان کرنے لگے تو پہلے ان سے مشورہ فرمایا۔ تعلیم وتزکیہ کے لئے اپنی نسل سے بعثت رسولؐ کی دُعا فرمائی۔ آپ آخیر عمر تک اولاد کو وعظ ونصیحت فرماتے رہے اور انہیں درست راستے پر چلنے کی تلقین کرتے رہے۔

④ حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت رحمدل اور رحمت وشفقت والے تھے۔ آپ کی طبیعت کی نرمی محبت وشفقت، رحمت ومؤدب اور نرم خوئی کی وجہ سے آپ ایک اچھے داعی اور بہتر معلم ثابت ہوئے۔ دُعائے خلیل کو اللہ تعالیٰ نے اسی رحمدلی کی وجہ سے قبول فرما کر مکہ کو امن والا شہر بنایا۔

⑤ آپ نے عقیدہ توحید کی راہ میں تمام مخالفتیں برداشت کیں۔ سب سے پہلی مخالفت آپ کے والد آذر کی تھی۔ جس کا کاروبار ہی بت تراشی تھا۔ آپ نے بڑے تحمل سے والد کی دھمکیوں کو برداشت کیا۔ جب آپ کو آگ میں پھینکا گیا۔ آپ نے بڑے صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ اللہ کے شکر گزار بندے تھے۔ اللہ

تعالیٰ نے آپ کو بڑھاپے میں اولاد دی۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اولاد کی قربانی کا حکم ہوا آپ بغیر کسی جھجک کے لئے تیار ہو گئے۔

⑥ دلائل وبراہین سے پرتاثیر انداز میں حق کو ثابت کیا۔ نمرود جو کہ خدائی کا دعویدار تھا اور جب آپ نے بت توڑ دیئے تو قوم نے آپ سے مناظرہ کیا تو آپ نے بڑے منطق انداز میں فلسفیانہ دلائل دیئے۔ ان مشاہداتی دلائل وبرہان سے آپ نے حق کو ایسے واضح کیا کہ کافر لاجواب ہو گئے۔

⑦ آپ نے اپنے مشرک رشتہ داروں سے بھی اچھائی اور بھلائی کا سلوک کیا۔

⑧ کائنات سے مثالیں تلاش کر کے دلیل دینا، آپ نے کائنات پر بہت غور وفکر کیا اور مشرک قوم کو بھی دعوت دی۔ سورج، چاند اور ستاروں کے طلوع وغروب اور عروج وزوال کے حوالہ سے آپ نے کفار کا بطلان کیا اور اللہ تعالیٰ کی موجودگی کو ثابت کیا۔

⑨ آپ کے ذاتی اوصاف میں سے آپ دین حنیف کے بانی ہیں۔ دین اسلام کے سالار اعظم ہیں۔ آپ بہت مہمان نواز تھے۔ معانقہ کی سنت بھی آپ ہی نے جاری کی۔

⑩ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ عظمت ورفعت پر آپ غیر متزلزل ایمان رکھتے تھے آپؑ کو آگ میں پھینکا گیا تو آپؑ نے کسی غیر اللہ سے مدد طلب نہ فرمائی۔

⑪ تفکر، تدبر، مناظرہ، بحث، صبر رحم دلی، نرم خوئی، شجاعت ودلیری، ایثار وقربانی، مستقل مزاجی، کائنات سے دلائل دینا اور دلیل کے ہتھیاروں کو آپ نے تعلیم وتبلیغ کے لئے استعمال فرمایا۔

(2.2.10 حضرت اسحٰق علیہ السلام

حضرت اسحٰقؑ کے بارے میں قرآن مجید میں ہے کہ آپ صاحب علم ودانش، بنی صالح، ہادی برحق اور صاحب قوت وبصیرت تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام آپ حضرت اسحاقؑ کے بیٹے تھے۔ آپ کا ذکر قرآن مجید میں دس دفعہ آیا ہے۔ عبرانی میں آپ کا نام اسرائیل تھا جس کا عربی ترجمہ عبداللہ یعنی اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے۔ آپ سے ہی بنو اسرائیل کے بارہ قبیلے وجود میں آئے۔

2.2.11) حضرت یعقوب علیہ السلام

قرآن مجید میں آپ کا سب سے زیادہ ذکر حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ آیا ہے۔ آپ نے حضرت یوسفؑ کا خواب کہ گیارہ ستارے اور شمس و قمر آپؑ کے سامنے سجدہ کر رہے ہیں کو دوسرے بھائیوں سے خفیہ رکھنے کو کہا۔ آپؑ کی اس نصیحت میں حکمت و دانائی پوشیدہ تھی۔ جب بھائی حضرت یوسفؑ کو شکار پر جاتے ہوئے ساتھ لے گئے اور واپسی پر بھیڑیے کا حضرت یوسفؑ کو کھا جانے کا بہانہ کیا تو آپ نے فرمایا۔ ''مجھے تمہاری گھڑی ہوئی کہانی پر اعتبار نہیں تاہم میں صبر جمیل کرتا ہوں اور اللہ سے مدد کا طالب ہوں'' یعنی واضح شہادت جب تک نہ ہو کسی پر بھی الزام عائد کر کے دشمنی مول نہ لینی چاہئے۔

جب برادرانِ یوسف غلہ لینے مصر جاتے ہیں تو آپ ایک تدبیر فرماتے ہیں، جس سے حکمت و دانائی واضح ہے، وہ یہ کہ جب مصر میں داخل ہوں تو مختلف دروازوں سے اور الگ الگ داخل ہونا۔ یعنی مصریوں کی توجہ کا مرکز نہ بن جائیں۔ یہ آپ کی احتیاطی تدبیر تھی یعنی اللہ پر یقین و ایمان کے ساتھ احتیاطی تدابیر اختیار کرنا عقلمندی اور فراست ہے۔

حضرت یعقوبؑ صبر و رضا، توکل علی اللہ اور عظمت کردار کا نمونہ تھے۔ آپ نے مصر میں وفات سے پہلے اپنے تمام بیٹوں کو جمع کر کے پوچھا یعنی حجت قائم کی کہ میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ سب نے کہا اس خدائے واحد کی جو ابراہیمؑ کا، اسماعیلؑ کا اور اسحٰقؑ کا اور آپؑ کا خدا ہے۔ یہی حجت آنحضرتؐ نے بھی خطبۂ حجۃ الوداع کے موقع پر بھی فرمائی۔

2.2.12) حضرت یوسف علیہ السلام

حضرت یوسفؑ کا تذکرہ قرآن مجید میں ملتا ہے۔ اس قصہ سے دانائی و حکمت کے بہت سے پہلو واضح ہوتے ہیں۔ قرآن مجید اس قصے کو احسن القصص قرار دیتا ہے۔ آپ کا زمانہ 927 قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے۔

آپ کو بھائیوں نے کنویں میں ڈالا جب قافلے والوں نے آپؑ کو نکالا تو آپؑ نے خاموشی اختیار کی ورنہ آپؑ کے والد محترم تک پہنچا دیتے۔ قافلہ نے آپ کو مصر لے جا کر غلام

کی حیثیت سے بیچ دیا تو آپ نے وہاں بھی اپنے خاندان کی بزرگی واحترام کے بارے میں کچھ نہ بتایا بلکہ عمل وکردار سے اپنے آپ کو ایسا ثابت کیا کہ غلام ہونے کے باوجود ہر کوئی آپؑ کا احترام کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اس میں آپؑ کے پسندیدہ اطوار اور اخلاق حسنہ کا دخل تھا جس پر رئیس مصر نے آپؑ کو اپنی ریاست، دولت اور گھریلو معاملات کا نگران بنا دیا جس پر آپؑ مستقبل کے لئے جہانبانی وجہانداری کی تربیت حاصل کرنے کے قابل ہوئے۔

قرآن مجید کے مطابق آپ کی خوبیوں میں ایک خوبی تاویل الاحادیث تھی، یعنی آپ بات کی تہہ تک پہنچ جاتے تھے کہنے والے کا کوئی پہلو آپ سے مخفی نہ ہوتا تھا۔ دوسرا تعبیر رویا میں آپ ماہر تھے یعنی آپؑ معاملہ فہم، زیرک، مردم شناس اور عقل سلیم کے مالک تھے۔ یہی صلاحیتیں ایک اُستاد کی بنیادی صلاحیتیں ہیں۔ آپ نفسیاتی علم سے واقف تھے، اس کا اظہار اس وقت ہوا جب عزیز مصر کی بیوی زلیخا نے آپ کو خود سپردگی کے عالم میں دعوتِ گناہ دی تو آپ نے دلیل سے فرمایا:

''اے احسان فراموش عورت تیرا تو اُس شخص سے زندگی کا ساتھ ہے اور وہ تیرا مربی ومحسن ہے تو اپنے مربی ومحسن کی امانت میں خیانت کرنا چاہتی ہے مگر میں نہیں''۔

اس واقعہ میں واقعاتی شہادت حضرت یوسف کے حق میں تھی کیونکہ جب آپ پر زلیخا نے الزام تراشی کی تو آپ نے مکمل سکون واطمینان کا مظاہرہ کیا۔ آپ نے الزام نہیں لگایا صرف اتنا کہا کہ ''اس عورت نے مجھے میرے نفس کے بارے میں پھسلایا''۔ واقعاتی شہادت قمیض کا پیچھے سے پھٹنا ثابت ہوا۔ آپ نے گناہ سے بچنے کے لئے قید وبند کی زندگی وتکالیف کو ترجیح دی۔

آپ نے جیل میں بھی تعلیم وتربیت کا کام جاری رکھا۔ وہ قیدی جنہوں نے آپ کے علم وصداقت کا شہرہ سن رکھا تھا آپ ان کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی تعلیم دیتے ہیں۔

حضرت یوسفؑ کے احسن القصص سے حکمت ودانائی سے بھرپور اساتذہ کے لئے مندرجہ ذیل نکات سوچ کے لئے راستہ متعین کرتے ہیں:

① آپ نے صبر اور حوصلے سے مشکل حالات کا مقابلہ کیا۔

② آپؑ نے اپنے ساتھ ظلم کرنے والے بھائیوں کو معاف فرما دیا اور اسی معافی کا حوالہ فتح مکہ کے موقع پر آنحضرتؐ نے دیا اور مکہ والوں کو معاف فرما دیا۔

③ اپنے محسن اور مربی عزیز مصر کی عزت کا پاس قوتِ ایمانی اور ضبط نفس سے فرمایا اور اس سلسلہ میں قید و بند کا سامنا خوشدلی سے کیا۔

④ جب قیدیوں نے جیل میں آپؑ سے رابطہ کیا تو آپؑ نے انہیں یہ نہ کہا کہ مجھے بے گناہ قید کیا گیا ہے یعنی ذاتی پرابلم کے بجائے تعلیم وتربیت پر توجہ دی۔

⑤ جس وقت آپؑ نے بادشاہِ مصر کی خواہش پر اُس کے خواب کی تعبیر بتا دی تو بادشاہ نے آپؑ کی رہائی اور ملاقات کا پیغام بھجوایا مگر آپ نے بڑی حکمت کا مظاہرہ کیا، جلد بازی نہ کی اور جیل سے باہر آنے سے انکار کر دیا اور تحقیق کا مطالبہ کیا تاکہ سچائی ثابت ہو جائے اور مستقبل میں آپ پر کوئی الزام نہ رہ جائے یا کوئی آپؑ کے پاکیزہ کردار پر انگلی نہ اُٹھا سکے۔

⑥ جب آپ کی بے گناہی ثابت ہوگئی۔ الزامات کی تحقیق ہوگئی۔ زلیخا نے اپنا قصور تسلیم کر لیا۔ بادشاہ نے آپؑ سے متاثر ہو کر آپؑ کو امانتدار، محسن کا خیال کرنے والا کہا اور آپ کو اپنے اقتدار میں شریک کرنا چاہا، یعنی عہدہ دینا چاہا تو آپ نے اپنی دو خوبیاں بتا کر منصب طلب کیا اور کہا۔ (1)

''اے بادشاہ اپنی مملکت کے خزانوں پر مجھے مامور کر دے کیونکہ میں ان کی حفاظت کر سکتا ہوں اور کام جاننے والا ہوں۔ یعنی امانتداری اور علم کا اظہار فرمایا:

⑦ اہل خاندان اور والد کا احترام آپ نے نہایت عمدہ انداز میں فرمایا۔

⑧ آپؑ نے غرباء اور امراء کی تمیز کے بغیر غلہ تقسیم کیا اور اچھی مینجمنٹ سے غلہ جمع کروایا۔ آپ نے غذائی قلت سے بچنے کے لئے پندرہ سالہ پلاننگ کی۔ یہ لانگ ٹرم پلاننگ ہے اور اس پر احسن انداز میں عمل فرمایا۔

---

1) بحوالہ مسعود احمد شاہ، رسول حکمت

⑨ آپ نے بھائیوں کی ایذا رسانی، کنوئیں میں ڈالنے، غلام بنا کر بیچے جانے، والدین سے جدائی، قید و بند کے مواقع پر جس صبر ورضا کا مظاہرہ کیا۔ اس کے انعام کے طور پر اللہ نے آپ کو مصر کا حاکم بنا دیا اور عزت دی، بھائی جو دشمن تھے، آپ کے سامنے جھک گئے اور والدین مل گئے۔ اس پر قرآن کا حکم ہے کہ: ”جو بھی پرہیزگاری اور صبر کرے تو اللہ تعالیٰ کسی نیکوکار کا اجر ضائع نہیں کرتا“۔ (1)

⑩ آپ کے بھائیوں کے قصہ میں حسد کا بہت عمل دخل ہے اس سے بچنا چاہئے۔ حضرت یوسفؑ نے عدل وانصاف کا بول بالا کیا، اس سے عفوودرگزر اور احسان کا سبق بھی ملتا ہے۔

⑪ پاکیزہ فطرت لوگوں کی خود خدا مدد فرماتا ہے اور انہیں کو ترقی ملتی ہے کہا جاتا ہے کہ یوسف کو عروج کنوئیں میں ڈالے جانے کے بعد ہی ملا تھا۔ یہ سنت ربی ہے کہ مشکل کے بعد راحت ملتی ہے۔ (2)

2.2.13) حضرت ایوب علیہ السلام

پیغمبر ہونے کے علاوہ حضرت ایوبؑ دنیاوی جاہ وجلال اور ماع ومتال کے اعتبار سے اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتے تھے۔ دولت کا نشہ انسان کو مغرور متکبر، سخت دِل اور ظالم بنا دیتا ہے مگر آپ سراپا لطف وکرم، منکسر المزاج، کریم النفس، غریبوں، مظلوموں، بیواؤں اور بے کسوں کے مددگار تھے۔ صبر ایوبی آج تک ضرب المثل ہے۔ آپ نے جس انداز میں خدا پر بھروسہ رکھا، راضی برضا رہے اور صبر وشکر کا اظہار فرماتے رہے وہ ہم جیسوں کی رہنمائی کے لئے ایک اعلیٰ مثال ہے۔ (3)

2.2.14) حضرت موسیٰ علیہ السلام

آپ کا ذکر قرآن مجید میں بڑی تفصیل سے آیا ہے۔ آپ کو کلیم اللہ کہا جاتا ہے۔ اس

1) القرآن: یوسف، آیت 90/12

2) ابوالفداء ابن کثیر الدمشقی، قصص الانبیاء، ص 328

3) سند ایوب بحوالہ ترجمان القرآن، جلد II، ص 488

میں آپ کی پیدائش اور صندوقچے والا واقعہ، فرعون کے گھر میں آپ کی پرورش اسرائیلی اور قبطی کا جھگڑا، آپ کی مدین روانگی اور حضرت شعیبؑ سے ملاقات اور شادی، گلہ بانی ونبوت کا ملنا، معجزات کا ملنا اور مصر واپسی، آپ کا تقویت کے لئے حضرت ہارون کو اللہ تعالیٰ سے طلب کرنا اور فصاحت وبلاغت طلب کرنا، حضرت خضرؑ سے ملاقات اور سیکھنا، مصر میں بنی اسرائیل کو آزاد کرانا اور فرعون سے مقابلہ ومکالمہ، پھر قارون سے حضرت موسیٰ کا مکالمہ اور ذبیحہ جیسے حالات زندگی سے اساتذہ کو رہنمائی ملتی ہے۔

یہودیت کے مذہب کی عمارت احکامِ عشرہ، عہد نامہ قدیم، 34 صحائف اور تالمود پر قائم ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے حالاتِ زندگی سے اساتذہ کو اس طرح رہنمائی ملتی ہے۔

① حضرت موسیٰؑ کو کوہِ طور پر حکم دیا گیا کہ میں تیرا پروردگار ہوں پس اپنی جوتی اتار دے، اس کا مطلب ذہنی اور نفسیاتی تیاری تھا تا کہ وہ منصب نبوت کی اہمیت کو سمجھ سکیں۔

② نبوت دینے سے پہلے معمولی سوالات جیسے موسیٰؑ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ اس پر آپ نے اپنے عصا کے خواص بتائے یعنی اہم پیغام سے پہلے تیاری کا مرحلہ ضروری ہے۔

③ منصب نبوت سونپے جانے اور پھر فرعون کے پاس جانے کا حکم ملنے پر آپ معاملہ فہمی اور زیرک ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے شرح صدر، کام کی آسانی، عقدہ زبان کی کشود فصاحت وبلاغت زبان اور حضرت ہارون کو بطور معتمد اور شریک کار کے طور پر طلب فرمایا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ بخش دیا اور ساتھ ہی فرمایا کہ فرعون سے خطاب کرتے ہوئے سختی سے پیش نہ آنا۔

④ حضرت موسیٰؑ فرعون کے دربار میں جا کر وحی الٰہی سے حاصل کردہ علم، تدبر، تحمل کے ہتھیار سے مطلق العنان فرعون سے مکالمہ کرتے ہیں کہ وہ خداوند زمین وآسمان کے ایلچی بن کر آئے ہیں اور پیغام اللہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو ان کے ساتھ روانہ کردو۔ اس پر فرعون نے اپنے احسانات جو کہ حضرت موسیٰؑ پر کئے تھے، گنوائے تو آپ نے دلیل دی کہ کیا ان احسانات کے بدلے تمہیں بنی اسرائیل کو غلام بنانے کا حق مل جاتا ہے۔

⑤ پھر حضرت موسیٰؑ نے فرعون کے استفسار پر رب کائنات کی بڑی جامع تعریف کی اور کہا

کہ میرا رب وہ ایک پروردگار ہے جس نے دُنیا کی ہر چیز کو وجود بخشا اور پھر ہر طرح کی ضروری قوتیں دے کر اس پر زندگی اور عمل کی راہیں کھول دیں جس نے ہر چیز کو نعمت وجود عطا کی اور پھر سب کو منزل کمال کی طرف چلنے کی راہ دکھائی۔ اس پر فرعون نے کٹ حجتی کی اور کہا کہ پھر پہلوں پر کیا گزری اس پر حضرت موسیٰ نے کہا اگلے لوگوں پر کیا گزری؟ اور ان کے ساتھ خدا کا معاملہ کیا رہا۔ اس کی ذمہ داری نہ مجھ پر ہے نہ تجھ پر، اس کا علم پروردگار کے پاس محفوظ ہے کیونکہ میرا پروردگار بھول چوک اور خطا سے پاک ہے۔ جس نے جو کہا ہے اس کے معاملہ میں کوئی بھول یا ظلم نہ ہے۔ پھر آپ نے رب العٰلمین کے اوصافِ حمیدہ بیان کئے۔ اس استدلال سے فرعون مرعوب ہوا مگر اپنے وزیر ہامان سے کہا کہ میرے لئے بلند عمارت تعمیر کرو تا کہ میں آسمان کی بلندیوں میں جا کر موسیٰ کے رب کا حال معلوم کرسکوں۔ یہ بحث کلاس روم میں طلبہ کے حوالہ سے آج کے اساتذہ کے لئے مشعل راہ ہے۔

⑥ اس کے بعد خوشامدی درباریوں نے آپؑ کو جادوگر کہا اور کہا گیا کہ ان کا مصری جادوگروں سے مقابلہ کروایا جائے جو آپ کے عصا کی وجہ سے شکست کھا گئے اور مسلمان ہو گئے تو پھر بھی فرعون نے ہدایت نہ پکڑی بلکہ جادوگروں کو سزائے موت دے دی، اس کے بعد آپ بنی اسرائیل کو اللہ کے حکم سے مصر لے گئے اور دریا میں ان کے لئے راستے بن گئے، بنی اسرائیل گزر گئے مگر فرعون غرق ہو گیا۔

⑦ حضرت موسیٰ اور حضرت خضرؑ کی ملاقات سفر اور علم کے حوالہ سے بڑی خوبصورت مدلل اور پرمغز بحث کے بعد نتائج یہ نکلتے ہیں کہ حقیقت حال کا علم صرف خدائے تعالیٰ کے پاس ہے اور اللہ نے جو علم حضرت خضرؑ کو دیا وہ حضرت موسیٰ کے پاس نہ تھا اور حضرت خضرؑ سے حصول علم کے لئے ایک نبی کو ان کے بتائے ہوئے طریقے کو اختیار کرنا پڑا۔ یعنی ہر صاحب علم پر فوقیت رکھنے والا دوسرا صاحب علم دُنیا میں موجود ہے اور یہاں استاد شاگرد کے درمیان تعلق کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔

⑧ حضرت موسیٰؑ نے اللہ کے حکم سے اپنی قوم کے لئے تربیتی نظام ترتیب دیا کیونکہ مسلسل غلامی اور حکمرانوں کے ظلم سہتے سہتے بنی اسرائیل کی سوچ فکر، عزت نفس برباد ہوگئی تھی، بزدلی اور خوف خصلت بن گئی تھی۔ جب جہاد کا حکم ملا تو قوم نے انکار کردیا اس پر قوم کو چالیس سال تک صحراؤں اور ریگستانوں میں رہنا پڑا۔ آزادی کی تربیت ملی اور اس سخت کوشی سے نئی نسل جہاد کے لئے تیار ہوگئی۔ اگر طلبہ پر دباؤ نہ رکھیں، سزا نہ دیں، عزت نفس بحال رکھیں تو غیور، آزادی کے متوالے اور قربانی وایثار والے جوان پیدا کئے جاسکتے ہیں۔

⑨ جادوگروں کے واقعہ سے سبق ملتا ہے کہ عقیدۂ توحید انسان کا مضبوط ترین سہارا ہے اور یہ ہر قسم کے خوف، ڈر، بزدلی، بے ہمتی سے نجات دلا کر اطمینان و وقار دلاتا ہے۔ نیز اس سے ثابت ہوا کہ حق ہمیشہ غالب آتا ہے۔

⑩ بنی اسرائیل کے واقعہ سے سبق ملتا ہے کہ ہر قوم اور بچے کا فطری حق آزادی ہے، اس سے محروم فطری صلاحیتوں اور تعلیم سے محرومی ہے۔

⑪ صبر واستقامت، دلیل ومکالمہ، حکمت وتدبر، جرأت وحوصلہ، خدا پر بھروسہ، اس راہِ علم کے مسافروں کے خصوصی ہتھیار ہیں، ساتھ ہی نرمیٔ گفتار، شائستہ انداز گفتگو کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ، اس نے بڑی سرکشی کی ہے، اسے نرمی سے سمجھاؤ، شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے۔ (1)

⑫ اس واقعہ میں قرآن مجید میں موجود بنی اسرائیل کے رویے کا مطالعہ ضروری ہے تاکہ ہم اس سے اجتناب کر کے معاشرہ کو بہتر کرسکیں اور اللہ کے ہاں سرخرو ہوسکیں۔ (2)

2.2.15) حضرت داؤد علیہ السلام

حضرت داؤد اور حضرت سلیمانؑ باپ بیٹا تھے۔ آپ دونوں کا ذکر قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آیا ہے۔ ''ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان باپ اور بیٹے کو مُلک یعنی حکومت، حکمت

1) القرآن: طٰہٰ، آیت 43,44/2

2) ماخذ القرآن، قصص الانبیاء، رسول حکمت، حکمت بالغہ، محفل انبیاء

اور علم عطا کیا تھا''۔

دوسری جگہ حضرت داؤد کے بارے میں فرمایا کہ ''اے داؤد تمہیں اللہ تعالیٰ نے اپنا نائب مقرر کیا ہے لہٰذا تم لوگوں میں انصاف کے ساتھ حکومت کرو اور خواہشات نفسانی پر نہ چلو کہ خواہشات نفسانی تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں گے اور جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹک گئے ان کے لئے سخت عذاب ہے۔

آپ بڑے بہادر اور دلیر تھے۔ قرآن مجید کے مطابق آپ پر زبور نازل ہوئی تھی اور آپ صاحب کتاب پیغمبر تھے۔ آپ بے حد خوش آواز تھے، لحن داؤدی کی اصطلاح آپ ہی کی وجہ سے مشہور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پرندوں کو بولیوں کا علم دیا تھا۔ لوہا آپ کے ہاتھ میں آ کر نرم ہو جاتا تھا۔ آپ اُس سے زرہ بکتر بناتے تھے۔ آپ نے اپنے اوقات کار کو تقسیم کیا، ٹائم ٹیبل کا تصور آپ سے ہی ملتا ہے۔ آپ بہت انصاف پسند تھے۔

2.2.16) حضرت سلیمان علیہ السلام

قرآن مجید میں آپؑ کا ذکر موجود ہے جس کے مطابق آپ ایک بے مثال حکمران ہونے کے ساتھ ساتھ جلیل القدر پیغمبر بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر بے شمار عنایات فرمائی تھیں، جن میں دانش وحکمت، غیر معمولی قوت فیصلہ، اصابت رائے، بے مثال حکومت، تسخیر جنات، منطق الطیر اور تسخیر ہوا شامل ہیں۔ بنی اسرائیل کی حکومت حضرت سلیمانؑ سے پہلے یا بعد میں اتنی وسیع کبھی نہ ہو سکی۔ (1)

آپ نے اپنے دور میں ملکی صنعتوں کو فروغ دیا، تانبے کے اوزار و برتن ڈھالنے کا کارخانہ قائم کیا۔ بین الاقوامی تجارت، بحری بیڑہ تیار کروایا، آپ کے دور میں ملک میں سونے، چاندی کی افراط، آسودگی وخوشحالی تھی۔

قرآن مجید میں ملکہ سبا اور حضرت سلیمانؑ کے واقعہ کا ذکر موجود ہے۔ واقعہ کو آپ سب جانتے ہیں، صرف اس سے اساتذہ کے لئے اہم نکات کا ذکر کرتے ہیں۔

1) محفل انبیاء، ص 160

① حضرت سلیمانؑ کے علم میں جب ملک سبا کے لوگوں کی جاہلیت اور گمراہی و خوشحالی کی خبر پہنچی تو آپ نے ایک خط روانہ فرمایا اور اس خط میں توحید کی تعلیم دی اور ایمان کی دعوت دی۔

② جواب میں ملکہ نے بیش قیمت تحائف دے کر وفد بھیجا۔ حضرت سلیمان نے تحائف قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ثابت کیا کہ معاملہ جوع الارض اور مال وزر کے لالچ کا نہیں بلکہ گمراہی سے ہدایت کا ہے۔ اگر حضرت سلیمان تحائف قبول فرما لیتے تو راہ ہدایت پر ملکہ کو لانے کا سفر کھوٹا ہو سکتا تھا۔ یہی حال اساتذہ کے تحائف قبول کرنے سے ہو سکتا ہے۔

③ ملکہ سبا جس کا نام بلقیس بتایا جاتا ہے۔ حضرت سلیمانؑ سے ملنے کے لئے خود سبا سے روانہ ہوتی ہے۔ اس پر حضرت سلیمان اپنے ہاں اپنے لوگوں کی ایک مشاورتی میٹنگ بلاتے ہیں جس میں ملکہ کو پیغمبرانہ صداقت کی نشاندہی دکھانے کے لئے اس کے شاہی تخت کو منگوانے کی تجویز کو پسند فرماتے ہیں اور حاضرین دربار سے کہتے ہیں کہ کوئی ہے جو ملکہ کے آنے سے پہلے یہ تخت یہاں حاضر کر دے۔ ایک جن نے کہا کہ میں اس اجلاس کی برخواستگی سے پہلے حاضر کر دونگا، اتنے میں ایک صاحب جن کے بارے میں قرآن مجید میں تحریر ہے کہ کتاب الٰہی کا علم رکھتے تھے اور مسلمان مفسرین ان کا نام آصف بن برخیاہ لکھتے ہیں۔ بولے کہ میں پلک جھپکنے میں حاضر کئے دیتا ہوں۔ حضرت سلیمان نے آنکھ بند کر کے کھولی تو تخت موجود تھا۔ گویا کہ صاحب علم اور کتاب و حکمت کا علم رکھنے والے لوگ وہ کام کر سکتے ہیں جو کہ محیر العقول ہیں اور قرآن مجید اس کی گواہی دے رہا ہے۔ یہاں اساتذہ کے لئے اہم بات یہ ہے کہ علم سے ہی تسخیر کائنات اور سپر پاور کی طاقت حاصل ہوتی ہے اور کائنات میں ترقی کی بنیاد بھی علم ہی مہیا کرتا ہے جس کی ابتدا حضرت آدمؑ کے علم الاسماء سے ہوتی ہے اور ہر استاد کلاس روم میں علم کی ترویج کی کوشش میں مصروف ہے۔

④ ملکہ سے حضرت سلیمانؑ کا مکالمہ ودلائل اور گفتگو اساتذہ کے لئے رول ماڈل ہے۔ مثلاً تخت کے بارے سوال، محل کے دیوان خانے کا شیشے کا فرش ملکہ کا پائنچے اٹھا لینا۔ ان دلائل و واقعات سے معبودِ حقیقی کا تصور دے کر ملکہ کو ایمان لانے کے لئے قائل کرنا پیغمبرانہ بصیرت کی اعلیٰ درجہ کی مثالیں ہیں جن کی پیروی سے ہم دلیل اور علم کی طاقت سے طلبہ کی صلاحیتوں کو بہتر کر سکتے ہیں۔

⑤ ملکہ سبا اور حضرت سلیمانؑ اپنی اپنی جگہ مشاورتی میٹنگ بلاتے ہیں جو کہ حکومت چلانے سے لے کر عملی زندگی اور کلاس روم میں مشورہ کی اہمیت کو واضح کرتی ہیں۔

⑥ صاحب کتاب اور صاحب علم کا مقام معاشرے اور دُنیا میں باقی لوگوں سے بہتر ہے لہٰذا کلاس روم گھر، معاشرہ، ملک یا دُنیا میں اُسے اہمیت ملنی چاہئے کیونکہ وہ کام بہتر طور پر کر سکتا ہے۔ حضرت سلیمان کے دور میں علم الکتاب سے مراد تورات تھی اور آج قرآن مجید ہے۔

⑦ حضرت سلیمان کے واقعہ سے تواضع اور انکسار کا درس ملتا ہے۔ علم پر غرور وتکبر، اساتذہ وانبیاء کا شیوہ نہیں ہے۔ نیز شکرگزاری کا درس ملتا ہے کیونکہ شکر نئی نعمتوں کے حصول اور پرانی نعمتوں کے دوام کا ذریعہ ہے۔

2.2.17) حضرت شعیب علیہ السلام

آپ حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے تھے۔ آپ اصحاب مدین یا اصحاب ایکہ میں سے تھے۔ یہ قبیلہ شام کے راستے میں تبوک کے بالمقابل آباد تھا۔ قرآن مجید میں ان کو امام یعنی شاہراہِ اعظم پر آباد بتایا گیا ہے۔

آپ نے اپنی قوم کو بڑی حکمت، استدلال اور دلسوزی کے ساتھ دین حق کی تبلیغ کی، آپ بڑے فصیح وبلیغ مقرر تھے۔ اسی بنا پر آپ کو خطیب الانبیاء کہا جاتا ہے۔ شیریں کلامی، خطابت اور طرز بیان میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ (1) آپ کی قوم خوشحال قوم تھی مگر بت

1) مسعود احمد شاہ، رسول حکمت، ص

پرستی، ناپ تول میں کمی، سود، بددیانتی، دھوکا دہی اور تجارتی قافلوں کو لوٹنا جیسی بُرائیوں میں مبتلا تھی۔(1) حضرت شعیب نے اپنی قوم کو دلیل سے سمجھایا گیا مگر انہوں نے آپ کی بات نہ مانی اور الٹا آپ کے قتل کے درپے ہوگئے۔ آپؑ نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ وہ ان کے اور قوم کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرے۔ اس پر ان پر عذاب نازل ہوا اور وہ تباہ وبرباد ہوگئے۔

آپؑ کی تبلیغ اور تعلیم وتربیت کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح ہے:

"اے میری قوم ایک خدا کی عبادت کرو، اس کے علاوہ کوئی پوجنے کے لائق نہیں، خرید وفروخت میں ناپ تول پورا رکھو، لوگوں کے معاملات میں کھوٹ نہ کرو، ممکن ہے کہ کل تک تم کو ان بداخلاقیوں اور بُرائیوں کا حال معلوم نہ ہو مگر آج تمہارے پاس خدا کی حجت، نشانی اور دلیل آچکی ہے۔ اب یہ جہل ونادانی عفو ودرگزر کے قابل نہیں ہے۔ حق کو قبول کرو اور باطل سے باز آجاؤ۔ یہی کامیابی کی راہ ہے۔ خدا کی زمین میں فتنہ وفساد نہ پھیلاؤ جبکہ اللہ تعالیٰ نے فلاح وخیر کے تمام سامان مہیا کردیئے ہیں۔ اگر تم میں ایمان اور یقین کی صداقت موجود ہے تو سمجھو یہی فلاح وبھلائی کی راہ ہے اور دیکھو ایسا نہ کرو کہ دعوتِ حق کی راہ کو روکنے اور لوگوں کو لوٹنے کے لئے ہر راہ پر جا بیٹھو اور جو ایمان لائے اس کو دھمکیاں دو اور اُسے گمراہ کرنے کی کوشش کرو۔ اے افرادِ قوم اس وقت کو یاد کرو۔ اللہ تعالیٰ کا احسان مانو کہ تم تھوڑے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں امن دے کر تمہاری تعداد کو بیش از بیش کردیا۔

آپ نے اپنے کردار اور عمل سے نمونہ دے کر قوم کو سمجھایا۔ آپ نے توکل علی اللہ کا بہترین نمونہ پیش کیا۔ عدل وانصاف کا پرچار کیا۔ تجارت ولین دین میں دھوکہ دہی وملاوٹ سے روکا۔ آپ نے اصلاح کی کوشش کرکے تعمیر کردار کا فریضہ ادا کیا۔

1) امام ابوالفداء کثیر الدمشقی، قصص الانبیاء، ص 261

آپ نے اپنے عمل سے اپنے کردار کو واضح فرمایا۔

آپ نے پرخلوص اور بے لوث انداز میں تعلیم دی اور تبلیغ فرمائی اور صرف اپنے رب پر بھروسہ کیا۔

2.2.18) حضرت عیسیٰ علیہ السلام

حضرت مریم پاکدامن تھیں، حجرہ بدلنا، چپ کا روزہ، پھل، تربیت، قلم سے قرعہ اندازی، آپ کا لقب روح اللہ تھا، آپ بن باپ کے پیدا کئے گئے۔ آپ بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے۔ آنحضرتؐ سے 571 سال قبل تشریف لائے، آپ صاحب کتاب تھے، آپ پر انجیل نازل کی گئی، اناجیل اربعہ، متی لوقا مرقس یوحنا، عہد نامہ جدید کے نام سے موجود ہیں۔ آپ نے پہلا کلام تکلم فی المھد فرمایا اور کہا: یہ ذکر سورۃ مریم میں موجود ہے۔

"لوگو سن لو میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، مجھے کتاب عنایت کی گئی ہے اور نماز روزے کا حکم دیا گیا۔ دُنیا و آخرت میں باعزت و محترم بنایا گیا ہے۔(1) دوسری جگہ قرآن مجید فرماتا ہے کہ:

"اور اس مریم کو بھی یاد کرو جس نے اپنی عفت کو محفوظ رکھا تو ہم نے ان میں اپنی روح پھونک دی اور ان کو ان کے بیٹے کو اہل عالم کے لئے نشانی بنا دیا"۔(2)

حضرت عیسیٰؑ کی تخلیق قدرت کاملہ کا اظہار ہے۔ اللہ تعالیٰ اسباب و علل کا محتاج نہیں۔ اس نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا جس کی پیدائش میں کسی مرد یا عورت کا حصہ نہیں۔ حضرت حواؑ کو صرف مرد سے پیدا فرمایا۔ حضرت عیسیٰؑ کو بن باپ صرف ماں سے پیدا فرمایا۔ باقی تمام کائنات کو ماں اور باپ سے پیدا فرمایا۔(3)

- حضرت عیسیٰؑ کے معجزات کا ذکر قرآن مجید میں ہے، آپ مٹی کی مورت بنا کر اس میں

---

1) القرآن: مریم، آیت 31,30

2) القرآن: الانبیاء، آیت 91/19

3) امام ابوالفداء، ابن کثیر الدمشقی، ص 606

پھونک مارتے اور وہ زندہ پرندہ بن کر اُڑ جاتا۔ اندھوں کو تندرست وتوانا کر دیتے، مُردوں میں جان ڈال دیتے، کوڑھی کو تندرست فرما دیتے، لوگ جو کچھ گھروں سے کھا کر آتے وہ بتا دیتے۔(1)

- حضرت عیسیٰؑ نے توراۃ کی تصدیق فرمائی اور حضرت محمدؐ کی آمد کی بشارت دی۔(2)
- سورۃ النساء کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کے ہم شکل کو سولی پر چڑھا دیا گیا اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھا لیا۔(3)اس وقت آپ کی عمر 33 سال تھی۔آپ نے تیس سال کی عمر میں تبلیغ شروع کی تھی۔
- حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے سبق کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔
- آپ کے رفع الی اسماء سے بھی یہی سبق ملتا ہے نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں و پیاروں کو بے سہارا نہیں چھوڑتا۔
- حضرت عیسیٰؑ کا گھوارے میں کلام کرنا قدرتِ کاملہ کا عظیم کرشمہ ہے۔(تکلم فی المھد)
- آپ کی پیدائش بھی ایک عظیم واقعہ ہے۔
- حضرت مریمؑ جب حضرت عیسیٰؑ کو لے کر اپنے لوگوں میں واپس آئیں تو باوجود پاکدامنی کے آپ کو بحث ومباحثہ کے بجائے خاموشی کی تلقین کی گئی تاکہ مزید الجھنیں پیدا نہ ہوں اور حکم ہوا کہ بریت ثابت کرنے کے لئے حضرت عیسیٰؑ کی طرف اشارہ کر دیں۔
- حضرت مریم کو جب حمل ہوا تو آپ حجرہ بدل کر الگ تھلگ تنہائی میں چلی گئیں، یعنی اگر نیک عمل کے گرد بھی شکوک قائم ہو جانے کا خوف ہو تو اُسے بھی پوشیدہ اور لوگوں کی نکتہ چینی سے دور رکھنا چاہیے۔

اس وقت دُنیا میں سب سے زیادہ لوگ آپؑ کے پیروکار ہیں۔آپؑ کو رول ماڈل کے طور پر اختیار کرنا اساتذہ کے لئے ضروری ہے۔

---

1) القرآن: ال عمران، آیت 49,48

2) القرآن: صف، آیت 6

3) القرآن: النساء، آیت 155 تا 159

2.2.19) حضرت لقمان علیہ السلام

حضرت لقمان حکیم کو حکمت کا بادشاہ کہا گیا ہے جو کہ استاد کا خاصہ ہے۔

قرآن مجید میں لقمان حکیم کا ذکر دو جگہ آیا ہے اور ایک سورہ کا نام آپ کے نام پر ہے۔

''ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی اور اس کو کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر''۔(1)

اس وقت کو یاد کرو کہ جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: اے بیٹے خدا کا شریک مت بنا کیونکہ خدا کا شریک بنانا بڑا بھاری ہے''۔

ابن کثیر تحریر فرماتے ہیں کہ ''لقمان نبی نہیں تھے، لقمان حکیم و دانا تھے''۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں آپ کا ذکر بطور لقمان حکیم فرما کر انہیں قیامت تک کے لئے ابدی زندگی عطا فرما دی ہے۔ جوامع التاریخ میں لکھا ہے کہ آپ حبشی النسل تھے اور غلام تھے اور شکل کے خوبصورت نہ تھے مگر حکمت و دانائی خوبصورت تھی۔ لقمان کی طرف سے حکمت کا پہلا مظاہرہ اس طرح ہوا جس کا ذکر جوامع التاریخ میں ہے کہ لقمان جس آقا کے غلام تھے، اس کا ایک اور غلام بھی تھا، دونوں باغ کی رکھوالی پر مامور تھے۔ لقمان دیانت دار تھے جبکہ دوسرے غلام نے پھل چرا کر کھایا۔ آقا کو شک ہوا تو اس نے دونوں غلاموں سے پوچھا، دوسرا غلام تو مکر گیا مگر لقمان نے اس کی شکایت نہیں کی بلکہ فرمایا کہ ہم دونوں کو گرم پانی پلا کر دوڑ لگواؤ، اس سے قے آجائے گی اور اصل حقیقت کا پتہ چل جائے گا۔ مالک نے ایسا ہی کیا تو دوسرے غلام کی قے میں سب کچھ باہر آگیا۔ عقل و دیانتداری کے اس مظاہرے پر آقا نے آپ کو آزاد کر دیا۔

جوامع التاریخ میں ہی تحریر ہے کہ آزاد ہونے کے بعد آپ کو حکمت اور تہذیب الاخلاق حاصل ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اختیار دیا کہ چاہیں تو علم و حکمت لے لیں اور چاہیں تو نبوت آپ نے حکمت قبول کی جس میں مواخذہ نہ ہو۔ آپ کی دو کتب حکایات لقمان اور پند نامہ لقمان کا ذکر ملتا ہے۔ وہب بن منبہ کے بقول آپ کو سو آدمیوں کے

1) القرآن: لقمان، آیت

برابر حاسئہ ادراک عطا ہوا تھا۔ آپ نے چار ہزار نصائح پر مشتمل ایک مجموعہ مرتب کیا تھا جو صحیفہ لقمان کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت لقمان نے اپنی نصائح، مواعظ، اقوال و حکایات کے ذریعہ انسانی اخلاق و کردار کے لئے جو ضوابط بیان کئے وہ اساتذہ کے لئے کلاس روم اور ہر صاحب فکر وادراک اور صالح شخص کے لئے عملی زندگی میں ضروری ہیں۔ وہ کچھ یوں ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے:

"لوگوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ، نیکی کی باتیں کیا کرو، فریقین میں لڑائی کی صورت میں انصاف کو مدنظر رکھ کر صلح کراؤ، ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑاؤ، کسی کو بُرے نام سے یاد نہ کرو، بدگمانی نہ کرو، دوسروں کے معاملات میں بے جا مداخلت نہ کرو، غیبت نہ کرو، بے جا خون ریزی نہ کرو، حاجت مندوں کی حاجت پوری کرو، مشکل میں ثابت قدم رہو، غصے میں ہوش سے کام لو، دوسروں کی خوبیوں کا اعتراف کرو، اپنے اصولوں کے پابند رہو اور لوگوں کے گمانوں کو نظر انداز کرو، غلطی کی فوری تلافی کرو، بُرائی سے بچو، یتیموں کا مال مت کھاؤ، عدل وانصاف کرو، اہل قرابت سے عمدہ سلوک سے پیش آؤ، بے حیائی اور سرکشی سے بچو، دوٹوک بات کرو، زنا سے بچو، امانتوں کی پاسداری کرو"۔(1)

2.2.20) خلاصہ

انبیاء کرام نے اس دُنیا میں ہدایت، رہنمائی اور حکمت ودانش اور تعلیمی حوالہ سے جو کام کیا وہ آج کے استاد کے لئے نہ صرف رول ماڈل ہے بلکہ کامیابی کا زینہ بھی، کیونکہ انبیاء کی ہر قدم پر خود اللہ تعالیٰ نے رہنمائی فرمائی ہے۔ انبیاء کرام کو اس دُنیا میں کامیابی ملی ہے لہٰذا یہ (Sucess Stories) ہیں۔ اس کامیابی کے لئے بہت سے پہلو ہیں، آج کے استاد کے لئے چند غور طلب پہلو پیش خدمت ہیں جن پر عمل کر کے آپ کامیاب اُستاد بن سکتے ہیں۔ انبیاء کرام نے اپنا کام کرتے ہوئے علم وحکمت، اللہ پر غیر متزلزل ایمان و بھروسہ، رحمت ورافت،

1) حکایاتِ لقمان، ص 30,29

عمل و کردار، اخلاق حسنہ، دانش اور فہم وفراست، امانت و دیانت، علم یقین اور نور بصیرت، راست گفتاری وشیریں بیانی، صبر وتحمل، حلم ورحم دلی، دلیل و برہان سے پیغام کی ترسیل کی گئی۔

عمدہ طرز استدلال حالات کے مطابق اختیار کیا گیا۔ اعلیٰ کردار کا نمونہ پیش کیا گیا۔

حکمت، تدبر و دانائی کے ساتھ ساتھ فصاحت و بلاغت سے پیغام پہنچایا گیا، مسلسل محنت اور استقامت سے معلمانہ حکمت کے تحت کام کیا گیا۔

سراسر خیر، بھلائی اور اچھائی کے رویہ پر مکمل عمل کیا گیا۔

قول وفعل کی یکجائی سے عمدہ نمونہ فراہم کیا گیا۔

ہمیشہ مظلوم، غریب، پسماندہ کی مدد کی اور ان کا ساتھ دیا۔

بُرائی سے نفرت اور بُرے کو راہ ہدایت پر لانے کی مسلسل کوشش کی گئی۔

وقار، متانت اور اخلاص سے اپنا کام کیا گیا۔

حسن نیت کو ہر وقت سامنے رکھا گیا۔

اپنے کام کے بدلے بے غرض ہو کر مادی مفاد کے بغیر کام کیا گیا۔

تسلیم ورضا، صبر جمیل اور انکساری کو شعار بنایا گیا۔

غیر ضروری ٹکراؤ اور کٹ حجتی سے گریز کیا گیا۔

اتمام حجت کی گئی تا کہ کوئی ابہام نہ رہے اور پیغام واضح ہو۔

کسی بھی نبی نے اپنے کام کا کوئی معاوضہ قوم سے طلب نہیں کیا۔ تمام تعلیم بلا معاوضہ تھی۔

حصول مقصد کے لئے مدد الٰہی کا انتظار صبر وتحمل سے کیا گیا۔

خدائی قوانین اور فطرت کے مطابق سادگی سے تعلیم دی گئی۔

بہترین قوتِ فیصلہ کو اختیار کیا گیا اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے رہنمائی اور مدد طلب کی گئی اور صرف خدا پر بھروسہ کیا گیا۔ خوف خدا و تقویٰ کو بطور معیار اختیار کیا گیا۔

انسانیت سے محبت اور اخلاص کو سامنے رکھا گیا۔

امیر وغریب، چھوٹے بڑے، اپنے پرائے کی تمیز کے بغیر پیغام ربانی پہنچایا گیا۔

امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور عادل صالح معاشرہ کے قیام کی کوشش کی گئی۔

مزید مطالعہ کے لئے کتب

القرآن الکریم

قصص القرآن

ارضِ قرآن

صحیح بخاری

محفل انبیاء

رسولِ حکمت

2.3) (الف) حضرت محمد ﷺ بطور رول ماڈل

انما بعثت معلماء

نبی آخر الزماں ﷺ کا یہ فرمان کہ مجھے استاد بنا کر بھیجا گیا ہے۔ تمام دُنیا کے اساتذہ کے لئے باعث فخر و عزت ہے۔ بہت سی محترم ہستیوں نے آنحضرت ﷺ کی سیرت پر کتب تصنیف فرمائی ہیں اور آپ ﷺ کی زندگی کے ہر پہلو پر گفتگو کی ہے۔ جب آپ ﷺ نے تعلیم و تربیت اور دعوتِ و تبلیغ کا کام شروع کیا تو مکہ میں صرف سترہ لوگ پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ (1) اسی طرح مدینہ میں بھی اٹھارہ یا انیس لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ آنحضرت ﷺ وہ استاد ہیں جنہوں نے ہجرت مدینہ سے حجۃ الوداع کے دس سالوں میں عرب معاشرے میں تعلیمی انقلاب برپا کر دیا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر لاکھوں لوگ موجود تھے جو کہ خواندہ بھی تھے۔ (2)

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو دُنیا میں مثالی انسان کے طور پر مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ نے اپنے عمل سے اپنے آپ کو زندگی کے ہر شعبہ کے لئے مثال ثابت کیا، خاص طور پر چونکہ آپ ﷺ کا کام ایک اُستاد کا کام تھا لہٰذا رول ماڈل کے طور پر آپ ﷺ کی زندگی کا مطالعہ اور اسوہ پر عمل نہ صرف استاد کو کلاس روم بلکہ دُنیا و آخرت کی کامیابی کی ضمانت دیتا ہے۔

یہاں مختصر طور پر آپ ﷺ کے اسوۂ پر بحث رول ماڈل برائے مسلمان اور پھر تعلیمی عمل میں آپ ﷺ کے طریقۂ تدریس کو بحیثیت رول ماڈل کے دیکھا جائے گا۔

الف: اسوۂ رسول ﷺ بحیثیت رول ماڈل برائے اساتذہ و مسلمانانِ عالم۔

ب: آنحضرت ﷺ تعلیمی عمل میں بطور رول ماڈل

---

1) محمد یاسین شیخ، عہد نبوی کا تعلیمی نظام، ص 65، بحوالہ معین الدین ندوی، مہاجرین حصہ اول، ص 34

2) محمد یٰسین شیخ، عہد نبوی کا تعلیمی نظام، ص 57، بحوالہ علامہ شمس بریلوی، سرورِ کونین کی فصاحت (1985ء) مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی، ص 100

الف) اسوۂ رسول ﷺ بحیثیت رول ماڈل برائے اساتذہ و مسلمانانِ عالم

آپ ﷺ نبی آخر ہیں، صدیوں سے انسان و انسانیت آپ ﷺ کے اسوۂ پر عمل پیرا ہو کر دُنیا و آخرت کی کامیابیاں سمیٹ رہی ہے۔ آپ ﷺ نے قافلہ انسانیت کو ایک ایسے راستے پر لگایا جو فلاح و کامیابی کا راستہ ہے۔ بقول نعیم صدیقی:

''آپ ﷺ کی سیرت کے مدرسہ سے ایک حاکم، ایک امیر، ایک وزیر، ایک افسر، ایک ملازم، ایک آقا، ایک سپاہی، ایک تاجر، ایک مزدور، ایک جج، ایک معلم، ایک واعظ، ایک لیڈر، ایک ریفارمر، ایک فلسفی، ایک ادیب، ہر کوئی یکساں درسِ حکمت و عمل لے سکتا ہے۔ وہاں ایک باپ کے لئے، ایک ہم سفر کے لئے، ایک پڑوسی کے لئے، یکساں مثالی نمونہ موجود ہے۔ ایک بار جو کوئی اس درس گاہ تک آ پہنچتا ہے پھر اُسے کسی دوسرے دروازے کو کھٹکھٹانے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ انسانیت جس آخری کمال تک پہنچ سکتی تھی وہ اس ایک ہستی میں جلوہ گر ہے۔ اسی لئے میں اس ہستی کو انسانِ اعظم کے لقب سے پکارنے پر مجبور ہوا''۔(1)

2.3.1) مستقبل کی تیاری کے لئے غور و فکر

بعثت نبوی ﷺ سے قبل آپ ﷺ غارِ حرا میں تشریف لے جاتے تھے۔ غارِ حرا آبادی سے دور اور الگ تھلگ مقام ہے۔

آپ ﷺ کئی کئی دن وہاں عبادت اور غور و فکر میں گزارتے تھے۔ یہ دور آپ کے لئے مستقبل کی تیاری کا دور تھا۔ اس عرصہ میں آپ ﷺ نے گزشتہ انبیاء اور اہل فکر و دانش کے ماضی کے دستور و مثال کے مطابق انسان، اپنی ذات، کائنات، ربِ کائنات، تخلیق کائنات اور دستورِ حیات کے بارے میں انتہائی استغراق سے غور و فکر فرمایا۔ اس استغراق کے لئے تنہائی اور توجہ درکار ہوتی ہے۔ اس طرح کا غور و فکر اہل دانش کے نزدیک کسی بڑے انقلاب اور کام کے لئے لازمی و ضروری ہوتا ہے۔ اس غور و فکر کے ذریعہ سے انسان میں سوچ و کردار کے حوالہ سے

1) نعیم صدیقی، (1974ء) محسنِ انسانیت، اسلامک پبلی کیشنز لاہور، ص 61

پختگی آتی ہے۔ دلیل ورائے کا سفر طے ہوتا ہے اور انسان عملی زندگی کے میدان میں لیڈر شپ کی صلاحیتوں کے ساتھ قدم رکھتا ہے۔ اسی غور و فکر کے عمل کے بعد حضرت جبرائیلؑ پہلی وحی لیکر آتے ہیں جس میں اقراء یعنی پڑھنے کا پہلا حکم نازل ہوتا ہے۔ تعلیم و تدریس، پڑھنے اور پڑھانے سے پہلے اساتذہ پر غور و فکر لازم ہے اور اس نبوی ﷺ طریقہ کار سے استفادہ کر کے اساتذہ اپنے طلبہ کے لئے مشعل راہ بن سکتے ہیں۔ یہی غور و فکر سوچ کو پختگی دیتا ہے یہ پختگی کردار کی تعمیر کرتا ہے اور کردار انسان کی شناخت بناتا ہے اور معاشرتی مقام عطا کرتا ہے اور رول ماڈل کے طور پر دوسروں کو متاثر کر کے معاشرتی و روحانی تبدیلی کی راہ ہموار کرتا ہے۔ نیز انسان کو انسانِ کامل کے مقام پر لے جاتا ہے۔

2.3.2) ترسیل پیغام

آنحضرت ﷺ جب خدائی پیغام کی ترسیل کا فریضہ ادا کرتے ہوئے عملی کام شروع فرماتے ہیں تو آپ ﷺ اپنے پیغام کی ترسیل کے لئے پانچ مراحل طے فرماتے ہیں جو آپ ﷺ کی حکمت کا مظہر ہیں۔

1. پہلے مرحلہ میں قریب کے رشتہ دار اور خاص خاص احباب مثلاً حضرت خدیجہؓ، حضرت ابو بکر صدیقؓ (دوست)، حضرت علیؓ (چچازاد بھائی) کو اسلام کا پیغام پہنچایا۔
2. دوسرے مرحلہ میں آپ ﷺ شہر اور قوم کے تمام لوگوں تک پیغام پہنچانے کی کوشش فرماتے ہیں۔ خاص طور پر بنو ہاشم اور اہل مکہ کی مثال پیش ہے۔
3. تیسرے مرحلہ میں مکہ کے اردگرد کے لوگوں، قبیلوں سے رابطے فرمائے گئے۔ مثلاً طائف کا سفر، قریبی قبائل سے رابطہ کیا گیا۔
4. چوتھے مرحلہ پر عرب کے دور دراز قبائل کی طرف رجوع فرمایا گیا اور ان تک دعوت دین پہنچانے کا فریضہ ادا کیا گیا۔
5. پانچویں مرحلہ پر تمام متمدن اقوام اور بادشاہوں کو دعوت دی گئی اور پھر آخر میں حجۃ الوداع کے موقع پر انٹرنیشنل منشورِ انسانیت جاری کیا گیا۔

مندرجہ بالا پانچ مراحل ہمارے لئے کلاس کی تعلیمی اور عملی زندگی میں باقاعدہ منصوبہ بندی اور تدریج کے عمل کا اظہار ہیں۔ لہٰذا یہ مشعل راہ ہیں اور تعلیمی پلاننگ و عمل کیلئے رہنما اصول مہیا کرتے ہیں۔

2.3.3) رحم دلی، عفوودرگزر، تواضع انکساری

آپ ﷺ نے تمام زندگی کسی سے ذاتی انتقام نہیں لیا۔ صرف اس صورت میں کہ کسی نے احکامِ الٰہی کے خلاف کوئی کام کیا ہو۔(1)

ابتدائے اسلام میں 10 نبوی کو آپ ﷺ طائف گئے، روسائے طائف نے نہ صرف تحقیر آمیز برتاؤ کیا بلکہ شہر کے اوباشوں اور لڑکوں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا، جنہوں نے آپ ﷺ پر پتھر برسائے، آپ ﷺ زخمی ہو گئے اور آپ ﷺ کے جوتے خون سے بھر گئے۔ آپ ﷺ کو ایک باغ میں پناہ لینا پڑی۔ اس موقع پر جبرائیلؑ معہ مَلَكُ الْجِبَال کے حاضر ہوئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ملک الجبال (پہاڑوں کا فرشتہ) کو آپ ﷺ کے پاس بھیجا ہے، آپ ﷺ اس کو حکم دیں۔ ملک الجبال نے سلام کیا اور کہا اگر آپ ﷺ چاہیں "تو میں ان پر اخشب نامی دو پہاڑ گرا دوں" فرمایا نہیں میں تو چاہتا ہوں کہ اللہ ان کی اولاد میں ایسے لوگ پیدا کرے جو اللہ تعالیٰ کو مانیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کریں"۔(2)

دوسری بار 8ھ میں جب آپ ﷺ نے غزوہ طائف میں طائف کا محاصرہ کیا۔ وہاں ایرانی ماہرین کی بنائی ہوئی فصیل اور قلعہ تھا جب اہل شہر منجنیق سے مسلمانوں پر پتھر برسا رہے تھے تو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا مانگ رہے تھے۔ "اے اللہ ان کو سمجھ عطا کر اور ان کو آستانہ اسلام پر جھکا"۔(3)

آپ ﷺ کی اِن دُعاؤں اور رحم دلی کی وجہ سے عروہ بن مسعود جو کہ طائف کے قبیلہ بنو ثقیف سے تھے، مسلمان ہوئے اور 6ھ میں صلح حدیبیہ میں بہت کردار تھا۔ حضرت مغیرہ بن

---

1) امام مسلم بن حجاج، صحیح المسلم

2) سیرۃ خیر الانام، ڈاکٹر حمید اللہ، (مقالہ سیرت) صفحہ 112 تا 116، البخاری، الریاض الانف، ج 4، ص 57

3) بخاری، ابوداؤد

شعبہ کا تعلق بھی بنو ثقیف سے تھا۔ محمد بن قاسم کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا۔ جنگ جسر میں قبیلہ بنو ثقیف کے ساٹھ (60) بہادروں نے لشکر اسلام کا علم اٹھایا اور یکے بعد دیگرے شہید ہوتے گئے مگر اسلامی جھنڈا گرنے نہ دیا۔(1)

قریش نے آپ ﷺ کو گالیاں دیں، راستوں میں کانٹے بچھائے، آپ ﷺ کے جسم مبارک پر نجاستیں و غلاظتیں ڈالیں، گلے میں پھندہ ڈال کر کھینچا، کبھی جادوگر، کبھی کاہن، کبھی پاگل اور کبھی شاعر کہا اور آخر میں آپ ﷺ کو قتل کرنے کے درپے ہو گئے، مسلمان ہونے والوں پر ستم کے پہاڑ توڑے گئے، آپ ﷺ کو اپنا پیارا گھر، قبلہ اور قبیلہ چھوڑنا پڑا اور مدینہ کو ہجرت کرنا پڑی، وہاں بھی بدر، احد اور خندق کی لڑائیاں گواہ ہیں کہ اسلام، مسلمانوں اور آپ ﷺ کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی کوششیں کی گئیں۔

جب مکہ فتح ہو گیا تو آپ ﷺ نے سب کو معاف فرما دیا، یہاں تک کہ ہندہ، حبشی اور عکرمہ جیسے دشمنان کو بھی معاف کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"جو لوگ خلق خدا پر رحم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرتا ہے، جو چیز دُنیا میں ہے اس پر رحم کرو، اللہ تعالیٰ جو آسمان پر ہے تم پر رحم کرے گا"۔(2)

ایک اور موقعہ پر آپ ﷺ نے فرمایا وہ شخص ہمارے گروہ میں سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کا ادب نہ کرے۔

یہ اساتذہ اور طلباء کے حوالہ سے سوچنے کا خصوصی زاویہ نظر ہے۔

ایک دفعہ قبیلہ بنو سعد کے بہت سے مرد اور عورتیں اسیر ہو گئے اور مسلمانوں میں تقسیم کئے گئے۔ بنو سعد حضرت حلیمہ سعدیہ کا قبیلہ تھا۔ حضرت حلیمہ کی بیٹی شیما کو معلوم ہوا تو وہ ان کو چھڑانے آئیں۔ آپ ﷺ نے شیما کا استقبال کیا اور پوچھا کہ کیسے آنا ہوا؟ انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ نے اپنی خالاؤں اور پھوپھیوں کو قید کر لیا ہے۔ آپ ﷺ نے اس تربیت کا لحاظ کرتے ہوئے جو حلیمہ سعدیہ نے آپ کی فرمائی تھی۔ قبیلہ قریش کے حصے کے تمام لوگوں کو اسی وقت رہا کر دیا اور باقی کے لئے سفارش نماز ظہر کے وقت مسلمانوں سے ان الفاظ میں فرمائی:

---

1) حافظ محمد احسن، 100 عظیم مسلم جرنیل، ص 53، دار الشعور مزنگ لاہور

2) امام ابی داؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد

"میری بہن شیماؓ ان قیدیوں کی رہائی کے لئے آئی ہے میں نے قریش کا حصہ تو آزاد کر دیا ہے، اب تم لوگوں سے سفارش کرتا ہوں کہ میری رضاعی بہن کی قوم کو آزاد کر دو"۔

آپ ﷺ کے اِس ارشاد پر بنوسعد کے تمام قیدی رہا کر دیئے گئے۔(1) جن کی تعداد چھ ہزار کے لگ بھگ تھی۔

فتح مکہ کے وقت جب آپ ﷺ شہر میں داخل ہوئے تو بجائے فتح کا غرور کرتے بلکہ آپ ﷺ کا سر اس قدر جھکا ہوا تھا کہ کجاوے سے لگا ہوا تھا۔(2)

مکہ میں ایک خاتون آپ ﷺ پر کوڑا کرکٹ پھینکتی تھی، وہ بیمار ہو گئی تو آپ ﷺ اُس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔

آپ ﷺ حد درجہ متواضع، سادہ مزاج تھے، کبھی مجلس میں پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے، سلام میں سبقت فرماتے، غلاموں، مسکینوں اور غریب لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے، غریب سے غریب آدمی کی عیادت فرماتے، امتیازی نشان پسند نہ فرماتے، اپنے کام خود فرماتے، اپنے کپڑوں میں پیوند خود لگا لیتے۔

ایک دفعہ آپ ﷺ سفر میں تھے، آپ ﷺ کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ گیا۔ آپ ﷺ درست فرمانے لگے تو ایک صحابی نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ میں ٹانک دوں، آپ ﷺ نے انکار فرما دیا اور خود تسمہ ٹانکا۔(3)

ایک بار آپ ﷺ خانہ اقدس سے باہر تشریف لائے، لوگ تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اہل عجم کی طرح تعظیم کے لئے نہ اُٹھو۔ آپ ﷺ جانوروں سے بھی حسن سلوک فرماتے ایک بار کسی نے پرندے کے بچے اس کے گھونسلے سے پکڑ لئے تو آپ ﷺ نے اظہار ناراضگی فرمایا۔

آپ ﷺ مکہ میں تھے اور کہیں جا رہے تھے کہ آپ ﷺ نے ایک بوڑھے غلام کو دیکھا جو کہ اپنے آقا کے باغ کو پانی دے رہا تھا۔ فاصلہ زیادہ تھا اور غلام بوڑھا، لہٰذا اس کے ہاتھ

---

1) سیرت النبیؐ

2) نعیم صدیقی، محسن انسانیت، ص 440　　3) امام احمد بن حنبل، مسند محمد بن حنبل

پاؤں کانپ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے اُسے آرام سے بٹھادیا اور خود باغ کو پانی دیا، جب پانی دے چکے تو غلام سے فرمایا جب تم نے پانی دینا ہو تو ضرورت کے وقت مجھے بلا لیا کرو۔(1)

2.3.4) حکمت و بصیرت

قریش مکہ کعبے کے اندر موجود تھے، ان کے کان باہر کی آوازوں پر لگے ہوئے تھے، اچانک پاؤں کی چاپ سنائی دی، اُن کے دِل دھڑکنے لگے کہ دیکھئے کون سی شخصیت ظاہر ہوتی ہے۔ حضرت محمد ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو اُن کے چہرے خوشی سے کھل اُٹھے۔ نعرہ لگا الامین آ گیا۔ ہمیں منظور ہے۔ آپ ﷺ یہ خطاب سن کر حیران رہ گئے۔ آپ ﷺ کو پورے معاملے کا علم نہ تھا۔

واقعہ یہ تھا جب آپ ﷺ کی عمر 35 سال تھی تو مکہ میں بارشوں سے سیلاب آیا اور چونکہ خانہ کعبہ نشیبی مقام پر تھا تو اس سیلاب سے دیواروں میں دراڑیں پڑ گئیں۔ اہل مکہ پہلے تو ڈرتے رہے کہ اگر ہم خانہ کعبہ کی دیواریں گرائیں گے تو کہیں ہم پر اللہ کا عذاب نازل نہ ہو جائے مگر خانہ کعبہ کو شکستہ حالت میں بھی دیکھ نہ سکتے تھے۔

چار بڑے قبیلوں نے چاروں دیواروں کی تعمیر کا ذمہ لیا اور آخرش الولید نے پہلے اللہ کی عبادت کی، معافی مانگی اور پھر اپنے حصے کی دیوار گرانا شروع کی، جب اُن پر کوئی عذاب نازل نہ ہوا تو باقی قبائل نے بھی اپنے حصے کی دیواریں گرا دیں اور مرمت کا کام شروع ہو گیا، کام میں آنحضرت ﷺ نے بھی حصہ لیا۔ جب مرمت کا ابتدائی کام مکمل ہو گیا تو ہر قبیلے کی خواہش تھی کہ حجر اسود کو وہ اس کی جگہ پر لگائیں، اس سلسلہ میں ہر قبیلہ نے اُسے اپنی آن کا مسئلہ بنا لیا، ٹکراؤ یہاں تک بڑھا کہ دشمنی اور خونریزی جنگ میں تبدیل ہوتی نظر آئی۔ قبیلہ عبدالدار نے تو ایک برتن میں خون ڈال کر اس پر اپنے قبیلے کے لوگوں سے موت کے لئے بیعت لی۔ آخر کار ابو اُمیہ جو کہ اس وقت کا معمر ترین شخص تھا اُس نے تجویز دی کہ کل صبح جو شخص خانہ کعبہ میں داخل ہو جائے اُسے حکم یا ثالث مان لیا جائے، تمام قبائل نے اُسے تسلیم کر لیا، اگلے دِن آنحضرت ﷺ خانہ

1) فقیر محمد ندیم، معلم اخلاق، ص 127

کعبہ میں صبح سویرے تشریف لے آئے، جن کا استقبال بڑی گرم جوشی سے ہوا اور سب نے متفقہ طور پر آپ ﷺ کو ثالث تسلیم کرلیا۔

آپ ﷺ نے ایک چادر منگوائی، اُس پر اپنے ہاتھ سے حجر اسود اُٹھا کر رکھا اور چاروں اہم قبیلوں کے سرداروں کو چادر کا ایک ایک کونہ پکڑا کر کہا کہ اُس کو اٹھا کر مطلوبہ جگہ تک لے جائیں۔ وہاں جا کر آپ ﷺ نے خود حجرِ اسود کو اُٹھا کر اُس کی اصل جگہ پر لگا دیا۔ اس طرح آپ ﷺ کی حکمت سے ایک بڑی جنگ کا خطرہ ٹل گیا اور ہزاروں انسانوں کی جانیں بچ گئیں۔ اس کا مطلب یہ کہ اُستاد کو حکمت کا استعمال کر کے بہتر نتائج کے حصول پر توجہ دینا چاہیے۔

آنحضرت ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے کہ ایک یہودی مسجد کے دروازے پر آ کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا اے مسلمانوں کے نبی یہ دیکھ میرے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا ہے۔ کہتے ہیں تو قسمت اور علم غیب سے بخوبی واقف ہے۔ یہ بتا یہ روٹی کا ٹکڑا جو میرے ہاتھ میں ہے میری قسمت میں ہے کہ نہیں؟

یہودی کے اس گستاخانہ اندازِ گفتگو پر صحابہ کرام برہمؓ ہوئے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ اگر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ روٹی کا ٹکڑا تیری قسمت میں ہے تو وہ پھینک دے گا اور اگر آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ یہ روٹی کا ٹکڑا تیری قسمت میں نہیں ہے تو وہ اُسے کھانا شروع کر دے گا۔

رسول پاک ﷺ نے صحابہ کرام پر نظر ڈالی، انہیں اشارے سے چپ رہنے کو کہا اور پھر یہودی کی طرف رُخ کر کے فرمایا:

''جو کچھ تو کرے گا وہی تیری قسمت میں ہے''۔(1)

حکمت و بصیرت کا یہ اظہار آج کے اساتذہ کو سوچ و فکر کے زاویے مہیا کرتا ہے۔

حضرت جریر بن عبداللہ بجلیؓ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضور ﷺ ایک گھر میں تھے جو صحابہ کرامؓ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ کمرہ حاضرین سے پُر تھا۔

حضرت جریر دروازے پر کھڑے ہو گئے، انہیں دیکھ کر حضور ﷺ نے دائیں بائیں جانب دیکھا، آپ کو بیٹھنے کی کوئی جگہ نظر نہیں آئی، حضور ﷺ نے اپنی چادر اُٹھائی اور اسے لپیٹ

1) محمد شمس الحق، ص 37

کر حضرت جریرؓ کی طرف پھینک دیا اور فرمایا: اس پر بیٹھ جاؤ۔

حضرت جریرؓ نے چادر لے کر سینے سے لگالی اور اُسے چوم کر حضور ﷺ کی خدمت میں واپس کر دیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ آپ کا ایسا اکرام فرمائے، جیسے آپ ﷺ نے میرا اکرام فرمایا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: جب تمہارے پاس کسی قوم کا قابل احترام آدمی آئے تو تم اس کا اکرام کرو۔(1)

2.3.5) ایک اُستاد کیلئے آنحضرت ﷺ کی نصیحتیں

حضرت عمر بن مرۃ جہنیؓ نے نبی اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ مجھے آپ میری قوم کی طرف بھیج دیجئے۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن پر بھی میرے ذریعہ سے فضل فرمادے جیسے آپ کے ذریعے سے مجھ پر فضل فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اُن کو اُن کی قوم کی طرف بطور معلم مبعوث فرمایا اور ''پانچ'' ہدایات دیں۔

1 ''نرمی سے پیش آنا
2 صحیح اور سیدھی بات کہنا
3 سخت کلامی اور بد خلقی سے پیش نہ آنا
4 تکبر نہ کرنا
5 حسد نہ کرنا''

حضرت معاویہ بن حکم سلمیؓ فرماتے ہیں:

''میں ایک مرتبہ آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا تو نماز میں ایک شخص کو چھینک آئی میں نے یَرْحَمُكَ اللهُ کہا۔ تو حضرات صحابہ کرامؓ نے مجھے گھور کر دیکھا میں نے کہا: ''تم مجھے گھور گھور کر کیوں دیکھ رہے ہو؟'' وہ مجھے خاموش کرانے کے لئے اپنی رانوں پر ہاتھ مارنے لگے۔ میں سمجھا: یہ مجھے خاموش کرانا چاہتے ہیں، میں خاموش ہو گیا۔ جب نبی اکرم ﷺ نے نماز ختم کی میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں۔ میں نے اُستاد ہونے کے اعتبار سے

1) سیر الاعلام والنبلاء، ج3، ص42

آپ ﷺ سے کوئی اچھا اُستاد نہ پہلے دیکھا اور نہ بعد میں، تو آپ ﷺ نے مجھے بلایا۔ نہ تو آپ ﷺ نے مجھے ڈانٹا نہ مجھے مارا اور نہ مجھے بُرا بھلا کہا، بلکہ پیار و محبت کے ساتھ فرمایا: ''نماز میں کسی کا بات چیت کرنا صحیح نہیں ہے، یہ نماز صرف تسبیح، تکبیر اور قرأت قرآن کا نام ہے اس میں باتیں کرنا ٹھیک نہیں''۔

علامہ یوسف القرضاوی ؒ لکھتے ہیں:

''آپ ﷺ نے زیادہ سے زیادہ محبت و حکمت کے ساتھ اس کی غلطی پر متنبہ فرما دیا اور یہاں تک نہیں فرمایا کہ تم نے غلط کیا، بُرا کیا''۔ (1)

2.3.6) گروہی تدریس/حلقہ درس

آنحضرت ﷺ ایک بار مدینہ منورہ کی ایک مسجد میں تشریف لے گئے جو بطور درس گاہ استعمال ہوتی تھی۔ اس درس گاہ میں اس وقت ایک قاری قرأت کر رہے تھے اور لوگ سن رہے تھے۔ آپ ﷺ کو دیکھ کر قاری خاموش ہو گئے۔ آپ ﷺ بیٹھے اور اشارہ فرمایا کہ لوگ دائرے کی شکل میں بیٹھیں، لوگ آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق دائرہ بنا کر بیٹھ گئے اور پھر سے سلسلہ درس شروع ہو گیا۔(2)

حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت کے مطابق ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ دو مجلسوں سے گزرے جو مسجد میں منعقد تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، دونوں مجالس (گروہوں) میں سے ایک عبادت میں مصروف ہے اور خدا سے دُعا کر رہی ہے اور اس سے اپنی خواہشیں اور رغبت کا اظہار کر رہی ہے۔ خواہ اس کو دے یا نہ دے اور دوسری مجلس فقہ یا علم کو حاصل کر رہی ہے اور جاہلوں کو علم سکھا رہی ہے۔ پس یہ لوگ بہتر ہیں اور میں بھی معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں، یہ کہہ کر آپ ﷺ بھی اس مجلس میں بیٹھ گئے۔(3)

---

1) مسلم، المساجد و مواضع الصلوٰۃ، باب تحریم الکلام فی الصلوٰۃ، رقم: 537

2) مولانا سعید احمد انصاری، (1940ء)، سیر الصحابہ، دار المصنفین اعظم گڑھ، ص211

3) محمد یاسین شیخ، عہد نبوی کا تعلیمی نظام، ص72

2.3.7) احترام استاد

آنحضرت ﷺ کی ابتدائی تربیت حضرت حلیمہ سعدیہ نے فرمائی اور آپ ﷺ کو دودھ بھی پلایا۔ ایک بار حضرت حلیمہ سعدیہ آپ ﷺ سے ملنے تشریف لائیں تو آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر اُن کا استقبال فرمایا، اپنی چادر اُن کے لئے بچھا دی۔ اپنی تمام مصروفیات ترک کر دیں۔ جب تک وہ موجود رہیں، آپ ﷺ کسی دوسرے کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور جب رخصت ہونے لگیں تو اُن کی خدمت میں تحائف پیش کئے اور دور تک انہیں رخصت کرنے کے لئے ساتھ ساتھ پیدل چلتے رہے۔ یہ بیک وقت ماں اور تربیت کرنے والے استاد کے احترام کا منظر ہے۔

2.3.8) قول و فعل میں مطابقت

ایک خاتون آپ ﷺ کی خدمت میں اپنے بچے کو لے کر حاضر ہوئی اور گزارش کی کہ میرا بچہ گڑ بہت کھاتا ہے۔ آپ ﷺ اُسے نصیحت فرمائیں کہ گڑ کم کھایا کرے۔ آپ ﷺ نے اس خاتون کو دوسرے دن آنے کو کہا۔ دوسرے دن جب وہ خاتون خدمت اقدس میں بچے کو لے کر حاضر ہوئیں تو آپ ﷺ نے بچے سے کہا کہ گڑ کم کھایا کرو اور اس کے حق میں دُعا فرمائی۔ خاتون نے ایک سوال پوچھنے کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے اجازت دی تو خاتون نے پوچھا یا حضرت ﷺ میں کل حاضر ہوئی، اتنی سی بات پر آپ ﷺ نے آج مجھے دوبارہ آنے کو کہا۔ یہ بات تو آپ کل بھی بچے سے کہہ سکتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کل میں نے خود گڑ کھایا تھا، لہٰذا میں اس بچے کو کیسے گڑ کھانے سے روک سکتا تھا۔ قول و فعل کی یہ مطابقت ہی معلمین اور انبیاء کے پیشہ کی جان ہے۔

5 ھ میں غزوہ خندق پیش آیا۔ اس میں یہودیوں اور کفارِ مکہ کا مشترکہ لشکر مدینہ پر حملہ آور ہوا، کفار مکمل منصوبہ بندی اور تیاری کے ساتھ آئے تھے، مکمل وسائل جنگ سے لیس تھے۔ یعقوبی کے بقول کفار کی تعداد بیس ہزار تھی جبکہ مسلمانوں کی تعداد تین ہزار اور بعض حضرات نے پندرہ سو تحریر فرمائی ہے۔ یہودیوں کی تجویز اور منصوبہ یہ تھا کہ مدینہ کی چھوٹی سی فوج کو مدینہ سے دور لے

جا کر خیبر اور دومتہ الجندل کے درمیان گھیر کر معاذ اللہ قتل کر دیا جائے اور پھر مدینہ منورہ کو لوٹ لیا جائے۔(1)

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بصیرت وحکمت دی، آنحضرت ﷺ نے شوریٰ طلب فرمائی تو حضرت سلمان فارسیؓ کی تجویز مدینہ کے گرد خندق کھودنے کی تھی جس کو پسند فرمایا گیا۔ مدینہ کے تمام مسلمانوں کو جگہ کی پیائش کر کے دے دی گئی تا کہ خندق کھودی جاسکے، مسلمانوں کے پاس وسائل کی سخت کمی تھی۔ خندق کی کھدائی کے دوران ایک صحابی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو کہ بھوک سے بے تاب تھے۔ انہوں نے اپنا حال عرض کیا اور پھر پیٹ سے کپڑا اٹھا کر دکھایا کہ انہوں نے پیٹ پر ایک پتھر باندھا ہوا تھا۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے بھی پیٹ سے کپڑا اُٹھا کر دکھایا جہاں دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔

عربوں میں سوسمار (گوہ) کا گوشت کھانے کا عام رواج تھا مگر آپ ﷺ اس کو پسند نہ فرماتے تھے۔ ایک بار کسی نے گوہ کا گوشت تحفے کے طور پر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا مگر آپ ﷺ نے تناول نہ فرمایا۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ یہ گوشت محتاجوں کو نہ کھلا دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا عائشہؓ جس چیز کو تم کھانا پسند نہ کرو دوسروں کو بھی نہ کھلاؤ"۔(2)

آپ ﷺ نے جو تعلیم بھی دی پہلے خود اس کا عملی نمونہ پیش فرمایا، پانچ نمازوں کا حکم دیا، خود آٹھ ادا فرمائیں، مال خرچ کرنے کا حکم دیا تو عام لوگوں کو زکوۃ کا حکم دیا مگر آپ ﷺ اپنی ضرورت کو سادگی سے پورا فرماتے اور تمام دولت ضرورت مندوں میں تقسیم فرما دیتے۔ ایثار وقربانی کا یہ عالم کہ حضرت فاطمہؓ کے بجائے شہر بھر کے بچوں کو مقدم رکھا اور مطالبہ کے باوجود لونڈی یا غلام نہ دیا۔

2.3.9) وعدہ کی پابندی

آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: "جو قوم عہد کر کے فریب کرتی ہے اس پر دشمن غالب ہو جاتا ہے"۔(3)

---

1) بحوالہ ڈاکٹر حمید اللہ سیرت خیر الانام، ص 35

2) مسند احمد، جلد 6　　　3) مشکوۃ شریف

آپ ﷺ نے تمام عمر کسی سے وعدہ خلافی نہیں کی چاہے چھوٹے پیمانے پر ہو یا بڑے پیمانے پر۔ حضرت عبداللہ بن ابی الحمساؓ بیان کرتے ہیں کہ:

"نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے میں نے آنحضرت ﷺ سے ایک معاملہ کیا۔ اس کی قیمت میں سے کچھ میرے ذمے باقی رہا، میں نے اُن سے وعدہ کیا کہ باقی رقم لے کر آتا ہوں، آپ ﷺ میرے آنے تک یہاں بیٹھئے گا۔ آپ ﷺ نے وعدہ فرما لیا، لیکن گھر جا کر میں بھول گیا، تین دن بعد یاد آیا تو دوڑا دوڑا اس جگہ پہنچا۔ آپ ﷺ وہیں تشریف فرما تھے، میں سخت شرمندہ ہوا اور معذرت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں تین دن سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں اگرچہ تم نے مجھے تکلیف دی ہے لیکن میں تمہیں معاف کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ بھی تمہیں معاف فرمائے"۔ (1)

غزوہ بدر کے موقع پر مسلمانوں کی تعداد کم تھی اور مسلمانوں کی بقا کا مسئلہ تھا۔ زندگی و موت کے اس موقع پر دو صحابہ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ اور حضرت ابو حسیلؓ کہیں سے آرہے تھے کہ کفارِ مکہ نے گرفتار کر لئے اور اس شرط پر رہا کیا کہ اس لڑائی میں مسلمانوں اور آنحضرت ﷺ کا ساتھ نہ دیں گے۔ وہ دونوں صحابی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، پورا واقعہ سنایا اور کہا کہ یہ مجبوری کا عہد تھا، ہم جنگ بدر میں مسلمانوں اور آپ کی طرف سے لڑیں گے۔ ایک ایک آدمی کی ضرورت تھی مگر آپ ﷺ نے فرمایا ہرگز نہیں، تم میدان جنگ سے چلے جاؤ اور اپنا وعدہ پورا کرو۔ مسلمان ہر حال میں وعدہ پورا کریں گے۔ ہمیں صرف خدا کی مدد درکار ہے۔ (2)

صلح حدیبیہ میں حضرت ابو جندلؓ اور عتبہ بن اسیدؓ کا مشہور واقعہ تو آپ سب کے علم میں ہے۔

قیصر نے جب اپنے دربار میں آنحضرت ﷺ کی نبوت کا سن کر ابوسفیان سے سوال جواب کئے تو پوچھا کہ کیا محمد (ﷺ) نے کبھی بد عہدی بھی کی۔ ابوسفیان نے جواب دیا آپ ﷺ نے کبھی بد عہدی نہیں کی۔ (3)

---

1) ابوداؤد مسلم

2) جامع ترمذی

3) صحیح بخاری

آپ ﷺ نے نبوت کے بارہویں سال مدینہ کے انصار سے بیعت عقبہ ثانیہ لی اور انصار نے وعدہ لیا کہ ایسا تو نہ ہوگا کہ آپ ﷺ کو مدینہ میں قوت واقتدار حاصل ہو جائے تو آپ ﷺ ہمیں چھوڑ کر اپنے وطن واپس چلے جائیں گے۔ آپ ﷺ نے مسکرا کر فرمایا:

"نہیں تمہارا خون میرا خون ہے تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں"۔ (1)

آپ ﷺ کو مکہ اور خانہ خدا سے بہت محبت تھی مگر جب مکہ فتح ہوا تو آپ ﷺ واپس مدینہ گئے اور اپنے عہد کو نبھاتے ہوئے مدینہ میں ہی وصال فرمایا اور وہیں آپ ﷺ کی قبر انوار ہے۔

ہجرت کے ساتویں سال آپ ﷺ عمرہ کے لئے مکہ گئے۔ کفار کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ کا اور صحابہ کا راستہ روکنے کا فیصلہ ہوا مگر معاہدہ کی وجہ سے مجبور تھے، آپ ﷺ تین دن تک مکہ میں ٹھہرے رہے تیسرے دن کفار نے دو ایلچی آپ کو مکہ سے نکل جانے کے لئے بھیجے۔ انہوں نے کہا کہ ہم آپ ﷺ کو اپنے عہد کا واسطہ دیتے ہیں کہ آپ ﷺ آج ہی مکہ سے نکل جائیں اس پر صحابہ ناراض ہوئے مگر آپ ﷺ نے کُوچ کا اعلان فرما دیا۔ یہ وعدہ کی پابندی پورے عرب میں مشہور ہو گئی، مختلف قبیلوں نے مسلمانوں سے معاہدے کئے اسلام میں داخل ہوئے، اس عہد کی پابندی کے بعد جو کامیابی ملی، اس کے بارے میں ڈاکٹر حمید اللہ رقمطراز ہیں کہ چند محلوں کی شہری مملکت سے جو آغاز ہوا وہ مملکت روزانہ 274 سے بھی زیادہ مربع میل کی اوسط سے وسعت اختیار کرتی رہی اور دس سال میں جب آنحضرت ﷺ کی وفات ہوئی تو دس لاکھ مربع میل کا رقبہ آپ کے زیر اقتدار آ چکا تھا۔ (2)

2.3.10) معیارِ زندگی

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ آ کر مسلسل تین دن کبھی گیہوں کی روٹی نہ کھائی۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ دُنیا سے رحلت فرما گئے۔ حضرت انسؓ کے

1) سیرت خیر الانام دائرہ معارف اسلامیہ (بعض مصنفین نے اسے بعثت عظمیٰ ثالثہ بھی لکھا ہے)

2) حافظ محمد احسن (2010ء) 100 عظیم مسلم جرنیل، ادارہ شعور 37 مزنگ روڈ لاہور، ص 25

بقول آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی خوان پر کھانا نہ کھایا اور نہ ہی باریک آٹے کی روٹی تناول فرمائی۔(1)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت میں بچپن ہی سے حد درجہ وقار، ضبط نفس، حیا اور سوال سے نفرت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسروں سے تو کیا خود اپنے گھر سے بھی مانگ کر کوئی چیز نہیں لیتے تھے۔(2)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب کے گھر پرورش پائی۔ ابو طالب کی خادمہ ان الفاظ میں شہادت دیتی ہے کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی مانگ کر کھانا نہیں کھایا، جب کھانا دیا جاتا کھا لیتے''۔

حضرت ابو طلحہ انصاریؓ ایک بار چند صحابہؓ کے ساتھ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور فاقہ کشی کی شکایت کرتے ہوئے اپنے پیٹ سے کپڑا اُٹھا کر دکھایا، ان میں سے ہر ایک نے اپنے پیٹ پر ایک الگ پتھر باندھ رکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواباً ''اپنے پیٹ سے کپڑا اٹھایا تو صحابہ کرام یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیٹ پر دو پتھر بندھے تھے۔(3)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی کپڑا کبھی تہہ کر کے نہیں رکھا گیا، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس صرف کپڑوں کا ایک ہی جوڑا تھا، دوسرا نہیں کہ اُسے تہہ کر کے رکھا جا سکتا''۔(4)

9ھ میں یمن سے شام تک اسلامی حکومت تھی مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں صرف ایک کھری چارپائی اور چمڑے کا سوکھا مشکیزہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر موٹے موٹے اور بھیڑ کے بالوں کے بنے ہوئے کپڑے پہنتے تھے۔ بستر کمبل کا یا چمڑے کا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ ایسے بوریئے پر آرام فرماتے جس سے جسم پر نشان پڑ جاتے۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر ایک ایک ماہ تک چولہا سرد رہتا۔ دارِ فانی سے اس عالم میں رخصت ہوئے کہ شب وصال چراغ روشن کرنے کے لئے تیل تک نہ تھا۔ پڑوسیوں کے مستعار تیل سے سراج منیر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر دیا جلایا گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تربیت یافتہ شاگردوں اور ساتھیوں کے بارے میں عرض ہے کہ:

مکہ کے متمول تاجر، اول خلیفہ راشد حضرت ابوبکر صدیقؓ کپڑوں کا صرف ایک جوڑا رکھا

---

1) مسلم　　2) سیرت ابن ہشام
3) مسلم　　4) ترمذی

کرتے تھے۔ وصیت کے مطابق انہیں پرانے کپڑوں میں ہی کفن دیا گیا۔

مدینہ منورہ میں قحط کے دوران نڈھال ہو کر گرنے والی ایک بچی کو جب سہارا دے کر اٹھایا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ فاقہ کش بچی فاتح روم و ایران حضرت فاروق اعظمؓ کی پوتی تھیں، اس پر بھی آپؓ نے اہل خاندان کے لئے غلہ کا کوئی خصوصی انتظام نہ فرمایا۔

حضرت عثمان غنیؓ تمام دولت راہِ خدا میں نچھاور کر چکے تھے۔ شہید ہوئے تو مقروض تھے۔ چنانچہ ذاتی اثاثہ فروخت کر کے یہ قرض ادا کیا گیا۔

حضرت علی المرتضیٰؓ اور اُن کے اہل بیت کئی کئی روز تک اس بنا پر فاقوں سے رہتے کہ جو کچھ موجود ہوتا وہ سائلوں کو عطا فرما دیتے۔ خاتونِ جنتؓ کے ہاتھوں پر چکی پیستے پیستے آبلے پڑ جاتے کیونکہ صاحب لولاک ﷺ کی صاحبزادی کے لئے کوئی خادمہ میسر نہ تھی۔(1)

2.3.11) صادق و امین

حضرت ابو طالب نے آپ ﷺ کی پرورش کا ذمہ لیا۔ حضرت ابو طالب کپڑے اور عطر کا کاروبار کرتے تھے۔ مکہ میں ان کی ایک دکان بھی تھی۔ آنحضرت ﷺ اسی ماحول میں پروان چڑھے۔ آپ ﷺ نے نبوت ملنے سے قبل اپنے عہد شباب میں کاروبار کیا اور اسی میں بہت نیک نامی اور عزت کمائی۔ آپ ﷺ نے حضرت ابو طالب کے ساتھ شام و فلسطین کے سفر کئے، اس سے آپ ﷺ کو تجارتی اصول و ضوابط سیکھنے میں مدد ملی۔ پھر آپ ﷺ نے آزاد تجارت شروع فرمادی، اس دوران آپ ﷺ نے جن لوگوں سے لین دین کیا، انہوں نے آپ ﷺ کو انتہائی امین، پابند عہد اور دیانتدار پایا۔ حتیٰ کہ عبداللہ بن ابی الحمساء کے بیان کے مطابق ایک بار آپ ﷺ پاس عہد میں تین روز تک ایک ہی جگہ تشریف فرما رہے۔ آپ کی راست گفتاری، راست بازی کی بنا پر آپ کو الامین اور الصادق کا لقب مل گیا اور یہ زبان زد عوام و خواص ہو گیا۔

آپ کی امانت و دیانت، حسن معاملگی اور ایفائے عہد کی شہرت سن کر حضرت خدیجہؓ نے پیغام بھیجا کہ میرا سامان تجارت لے کر شام جائیں، دوسروں سے دگنا معاوضہ دوں گی، آپ

---

1) تحقیق و ترتیب محمد کامران

ﷺ نے یہ پیشکش قبول فرمالی۔ یہ سفر حضرت خدیجہ کے غلام میسرہ کے ہمراہ کیا گیا۔ یہ سفر بہت کامیاب رہا اور معمول سے زیادہ نفع ہوا۔ حضرت خدیجہؓ نے بھی شکرگزاری کے طور پر وعدے سے زیادہ معاوضہ دیا اور آپ ﷺ کی دیانت وامانت سے متاثر ہو کر تحائف بھی دیئے۔ یہ تجارتی تعلق بعد میں ایک مستقل اور پائیدار تعلق میں تبدیل ہو گیا جو کہ تاریخ اسلام کا اہم واقعہ ہے اور حضرت خدیجہؓ جو اس وقت مکہ کی مالدار خاتون تھیں، ان کی دولت ترویج واشاعت دین وخیر خواہی، غربا مساکین ومظلومین کے لئے استعمال ہوئی۔(1)

2.3.12) صادق ورضائے الٰہی

رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم جب پیدا ہوئے تو آپ ﷺ نے دودھ پلانے کے لئے انہیں اُم بردہ خولہؓ کے سپرد کیا جو کہ مدینہ منورہ کی نواحی بستی میں رہتی تھیں۔ آپ ﷺ اکثر وہاں تشریف لے جاتے اور حضرت ابراہیمؓ کو پیار کرتے، ابراہیمؓ ابھی شیر خوار ہی تھے کہ بیمار پڑ گئے، آپ ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ وہاں تشریف لے گئے۔ ابراہیمؓ کی بیماری کا زور تھا، دمِ آخریں تھا، آپ ﷺ نے انہیں گود میں لے لیا، حالت دیکھ کر آنکھیں نم ہو گئیں، جب انتقال ہو گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اے ابراہیمؓ! ہم تمہاری موت سے غمگین ہیں، آنکھ روتی ہے، دِل اُداس ہے لیکن ہم کوئی بات ایسی نہیں کہتے جس سے ہمارا رب ناراض ہو جائے''۔

حضرت ابراہیمؓ کو دفن کر دیا گیا، اُسی دن سورج کو گہن لگ گیا، بعض لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ ابراہیمؓ کے انتقال کی وجہ سے سورج کو گہن لگا ہے۔ آپ ﷺ نے سُنا تو ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور کہا کہ سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، کسی کی موت اور زندگی سے اُن کو گہن نہیں لگتا۔(2)

ذرا سوچئے آپ ﷺ اگر اُس وقت خاموش رہتے تو آج کی سائنس سورج اور چاند گرہن کے بارے میں کیا کہتی ہے۔

---

1) سیرت خیر الانام، ص 86 تا 88　　2) بخاری

2.3.13) فصاحت و ادب

آنحضرت ﷺ فصاحت و بلاغت کے حوالے سے جو کہ اُستاد کا ہتھیار ہے نہایت اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ جو آنحضرت ﷺ کے رفیق خاص تھے۔ آپؓ نے ایک بار آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں عرب کے تمام قبائل میں گھوما پھرا ہوں اور میں نے اِن قبائل کے فصحاء سے گفتگو کی ہے لیکن میں نے آپ ﷺ سے زیادہ کسی کو فصیح نہیں پایا۔ یہ تعلیم آپ ﷺ کو کس نے دی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے استفسار پر آپ ﷺ نے فرمایا: اُدبنی ربی فاحسن ادبی ''میرے رب نے میری تعلیم اور ادب آموزی کی ہے اور خود ہی ادب سکھایا ہے''۔(1)

آپ ﷺ کو زبان و بیان پر مکمل عبور حاصل تھا، آپ ﷺ عرب کے مختلف قبیلوں کے لہجوں سے واقف تھے، جب وہاں کے لوگ حاضر ہوتے تو آپ ﷺ انہی کے لہجے میں اُن سے گفتگو فرماتے۔ یہ بات زباندانی کے اساتذہ کے لئے بہت اہم ہے۔(2)

آپ ﷺ گفتگو میں الفاظ ٹھہر ٹھہر کر ادا کرتے کہ سننے والا آسانی سے یاد کر لیتا بلکہ الفاظ گنے جا سکتے تھے۔ گفتگو موتیوں کی لڑی جیسی پروئی ہوئی، الفاظ ضرورت سے زیادہ نہ کم، نہ کوتاہ سخن نہ طویل گو، تاکید، تفہیم اور تسہل و حفظ کے لئے الفاظ کو تین بار دہراتے، بعض جگہ کنایہ فرماتے، مکروہ، فحش اور غیر حیادارانہ کلمات سے متنفر تھے۔(3)

آپ ﷺ نے ساری زندگی گھٹیا اور بازاری لفظ استعمال نہ فرمایا اور نہ ہی مصنوعی طرز کی زبان پسند فرمائی۔(4)

آپ ﷺ کو جوامع الکلم (مختصر مگر جامع کلمات) عطا کئے گئے تھے۔ ایسے فقرات مختصر

---

1) محمد یاسین شیخ، عہد نبوی کا تعلیمی نظام، ص 70 (علامہ شمس بریلوی، ص 277) نعیم صدیقی، ص 96

2) محمد یاسین شیخ، عہد نبوی کا تعلیمی نظام، ص 70 (علامہ شمس بریلوی، ص 277) نعیم صدیقی، ص 96

3) نعیم صدیقی، محسن انسانیت، ص 95

4) نعیم صدیقی، محسن انسانیت، ص 94, 95, 96, 97

مگر زیادہ معانی پیش کرتے۔ آپ ﷺ ہمیشہ سے پاکیزہ گفتار تھے، دورانِ گفتگو آپ کے چہرہ مبارک پر مسکراہٹ کھیلتی رہتی تھی۔(1)

آپ ﷺ کی یہ گفتگو کمرۂ جماعت میں اُستاد کی رہنمائی کے لئے ایک اعلیٰ مثال ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کے خطبات (لیکچرز) کی پیروی بھی ضروری ہے۔

2.3.14) خیر سے رغبت اور ظلم کیخلاف عملی شمولیت

آنحضرت ﷺ معلم اعظم کسی پر ظلم ہوتا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ آپ ﷺ کی جوانی کا دور تھا، اہل خیر جمع ہوئے، زبیر بن عبدالمطلب نے تجویز دی اور عبداللہ بن جدعان نے سرپرستی کی۔ تمام حضرات ایک معاہدہ پر متفق ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے بھی جوش و خروش سے اس معاہدہ میں حصہ لیا۔ معاہدہ یہ تھا:

"ملک سے بدامنی دور کریں گے، مسافروں کی حفاظت کریں گے، غریبوں کی مدد کریں گے، اگر مکے میں کسی پر ظلم ہوا تو ہم اُس کی مدد کو دوڑیں گے اور ظالم کو مکے میں نہیں رہنے دیا جائے گا"۔

بعثتِ نبوی کے بعد بھی آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے، میں نے یہ حلف اٹھایا تھا اگر آج بھی کوئی مجھے اس کی دہائی دے تو میں اس کی ضرور مدد کروں گا اور قیمتی سرخ اونٹوں کی قطار کے عوض بھی اس فریضے سے دستبردار ہونے پر آمادہ نہ ہوں گا۔ یہ معاہدہ تاریخ میں حلف الفضول کے نام سے موجود ہے اور اس اچھائی کے حلف کو آپ ﷺ پسند فرماتے تھے۔(2)

اس معاہدہ میں آپ ﷺ کے ساتھ بنو ہاشم، بنو مطلب، بنو اسد اور بنو تمیم کے کچھ صاحبان شامل تھے۔ اس معاہدہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہر صالح فکر شخص اور اُستاد کو اس پہلو پر سوچنا اور عمل کرنا چاہئے۔

2.3.15) شفقت کا انداز

فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ ظہر کا وقت ہو گیا۔ ایک

1) نعیم صدیقی، محسن انسانیت، ص 94, 95, 96, 97

2) المسعودی مروج الذہب، (ڈاکٹر نصیر اے ناصر، ص 90) ص 276 تا 278

وادی میں پڑاؤ ڈالا، حضرت بلالؓ کو حکم ہوا کہ اذان دیں، آپؓ نے اذان شروع کی تو ساتھ والی وادی سے اس کی نقل کرنے کی آواز سنائی دی جو کہ کافی خوبصورت آواز تھی مگر نقل کا انداز تمسخرانہ تھا۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کو بھیجا کہ اذان دینے والے کو لے کر آئیں، وہ پہاڑ کے پیچھے گئے، تین نوجوان تھے ان کو پکڑا اور لا کر خدمت میں حاضر کر دیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا ابھی کس نے اذان دی تھی، نوجوان خوف سے بتا نہ رہے تھے، آپ ﷺ نے سننا شروع کی تو پالیا کہ یہ اذان ابو محذورہ نے دی تھی۔ اس نے اقرار بھی کر لیا۔

آپ ﷺ نے ابو محذورہ کا عمامہ اتارا، اس کے سر پر دست شفقت پھیرا اور دُعا فرمائی:

"اے اللہ! اس بچے میں برکت دے اور اسے اسلام کی ہدایت فرما"۔

آپ ﷺ کی شفقت و محبت اثر کر گئی اور ابو محذورہؓ نے اُسی وقت کلمہ پڑھ لیا، مزید اس کی قسمت جاگ اُٹھی، آپ ﷺ نے اُسے اہل مکہ کا موذن مقرر کر دیا۔ ابو محذورہؓ نے تمام عمر آنحضرت ﷺ کے دست مبارک کے لمس والے بال نہ کٹائے۔ مکہ مکرمہ میں تقریباً تین سو سال تک ابو محذورہؓ کی اولاد بطور موذن اذان دیتی رہی۔ (1)

2.3.16) بچوں کی خیر خواہی اور اُن کے لئے دُعا

آپ ﷺ بچوں کے لئے دُعا فرماتے تھے اور اُن کے سروں پر محبت سے ہاتھ پھیرتے تھے۔

حضرت ابو موسیٰؓ کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو آپ نے دُعا فرمائی۔ حضرت سائب بن یزیدؓ کی خالہ انہیں آپ ﷺ کے پاس لے گئیں تو آپ ﷺ نے دُعا فرمائی۔ حضرت ابو عقیلؓ کے لئے دُعا فرمائی۔ حضرت حسنؓ کے لئے دُعا فرمائی۔ (2)

اس کے علاوہ جب بھی مدینہ میں کسی کے ہاں بچہ پیدا ہوتا تو اکثر اوقات اُسے آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا جاتا۔ آپ ﷺ اس بچے کو زانوؤں پر بٹھا کر جھولا جھلاتے، اُنہیں دُعا دیتے، اسے رسم تحنیک کہا جاتا تھا۔ پھر بچے کا خوبصورت سا نام تجویز فرماتے۔ سیرت کی کتب

1) عبدالمالک مجاہد، (1425ھ) سنہرے اوراق، ص 45,45، دارالسلام لاہور، ریاض
2) پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی، ص 45, 46، بحوالہ صحیح بخاری، کتاب الدعوات

سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ہجرت کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور پھر حضرت عبداللہ بن ابی طلحہؓ کی رسم تحنیک ادا فرمائی اور پھر کھجور کا ٹکڑا منہ میں چبا کر انگلی سے انہیں چوسایا۔(1)

زمانہ جاہلیت میں عرب بچیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے اس قبیح اور ظالمانہ رسم کا خاتمہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے بیٹیوں کی بہتر تربیت کرنے والے کو اپنے ساتھ جنت کی بشارت دی۔ حضرت فاطمۃ الزہرہؓ اور اپنی دیگر بیٹیوں سے آپ کا سلوک بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔

2.3.17) بچوں کی عزتِ نفس و احترام

بچہ تعلیمی دُنیا کی اہم ترین شخصیت ہے اور اُستاد کے پیشہ کا تقاضا بچے کو احترام دینا اور عزت نفس کا خیال رکھنا ہے۔ بچے کی شخصی نمو، کردار کی تربیت اور معاشرے میں عمل کا تعلق اوائل عُمر میں بچے سے کئے جانے والے سلوک پر منحصر ہے۔ اس سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کے اسوۂ کو اساتذہ مثال کے طور پر لے سکتے ہیں۔ چند حوالہ جات پیش خدمت ہیں۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ "اپنی اولاد کی تکریم کرو اور انہیں اچھی تعلیم دو"۔(2)

آپ ﷺ جب بھی خاتونِ جنت حضرت فاطمۃ الزہرا کے ہاں تشریف لے جاتے تو اپنے نواسوں حضرت حسنین کریمینؓ کو ضرور بلواتے، انہیں پیار کرتے، سینے سے چمٹاتے۔ اکثر آپ ﷺ انہیں دوشِ مبارک پر سوار فرما لیتے، جب راہ چلتے کوئی کہتا کہ سواری خوب ہے تو آپ ﷺ فرماتے "سوار بھی تو خُوب ہے"۔(3)

جب آپ ﷺ کو دیارِ غیر سے تحائف موصول ہوتے تو آپ ﷺ اپنے ننھے دوستوں کو کبھی فراموش نہ فرماتے، ایک مرتبہ یمن سے کڑھائی والی شال آئی تو آپ ﷺ نے اُمِ خالدؓ کو بلوایا جو اتنی چھوٹی تھیں کہ بازوؤں میں اٹھا کر لایا گیا۔ اُمِ خالد حبشہ میں پیدا ہوئی تھیں،

1) مراۃ المناجیح، ج6، ص3,2
2) ابن ماجہ، کتاب الادب
3) مراۃ المناجیح (شرح مشکوۃ شریف) ج ہشتم، ص478

آپ ﷺ نے شال اُم خالدؓ کو دے دی اور پھر شال کا خوبصورت پھول مسرت وانبساط کے جذبات کی کیفیت میں دکھایا اور فرمایا۔ سنا جس کا مطلب حبشہ کی زبان میں خوبصورت ہے۔(1)

ایک بار ایک خوبصورت گلوبند تحفے میں آیا، آپ ﷺ نے فرمایا یہ گلوبند میں اُسے دونگا جسے میں سب سے زیادہ پیار کرتا ہوں، پھر آپ ﷺ نے اپنی نواسی امامہؓ کو بلوایا اور اپنے ہاتھ سے یہ گلوبند انہیں پہنایا۔ ایک مرتبہ انہی امامہؓ کو گود میں لے کر آپ ﷺ نے نماز ادا فرمائی۔ اس وقت خواتین بھی مسجد نبوی میں نماز ادا فرماتی تھیں، جب آپ ﷺ کسی بچے کے رونے کی آواز سنتے تو نماز مختصر فرما دیتے تا کہ ماں بچے پر توجہ دے سکے۔

2.3.18) محبت

ایک دفعہ مسجد نبوی میں رسول اللہ ﷺ نماز پڑھا رہے تھے۔ حضرت امام حسینؓ چھوٹے سے تھے۔ آپ ﷺ سجدے میں گئے تو امام حسینؓ آپ ﷺ کی گردن پر چڑھ بیٹھے۔ دیر تک آپ ﷺ سجدے میں رہے۔ لوگ سمجھے آپ ﷺ پر سجدے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نیا حکم آیا ہوگا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے دریافت کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! آج آپ ﷺ نے سجدے میں بڑی دیر لگائی، ہم سمجھے کہ کوئی نئی بات ہوگئی ہے''۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''یہ میرا فرزند مجھ پر سوار ہوگیا تھا۔ مجھے اچھا معلوم نہ ہوا کہ اس کی دل شکنی کروں''۔

لڑکپن کی حدود میں داخل ہونے والے بچے اکثر بڑوں کی محفل میں بیٹھتے ہیں اور اپنے آپ تنہائی اور بے توجہی کا شکار محسوس کرنے لگتے ہیں۔ ایسے مواقع پر آنحضرت ﷺ اُن کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ایک بار ایسی ہی ایک محفل میں ایک لڑکا دائیں طرف بیٹھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ کسی مشروب سے اہل محفل کی تواضع فرمانا چاہتے تھے۔ آپ ﷺ کے دستور کے مطابق تواضع کا عمل دائیں طرف سے شروع کیا جاتا تھا۔ آپ ﷺ نے اس بچے سے اجازت چاہی تا کہ یہ عمل کسی بڑے مہمان کے پاس خاطر کے لئے بائیں طرف سے شروع کیا جا سکے۔ بچے نے اپنے

1) مراۃ المناجیح (شرح مشکوۃ شریف) ج ہشتم، ص 45

حق سے دستبردار ہونا گوارا نہ کیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے تواضع کا عمل اُس بچے سے ہی شروع فرمایا۔(1)

جب آنحضرت ﷺ سفر سے واپس تشریف لاتے تو بڑوں کے ساتھ بچے بھی آپ ﷺ کے استقبال کے لئے شہر سے باہر آجاتے۔ آپ ﷺ ان میں سے ایک یا دو بچوں کو اپنے ساتھ سواری پر بٹھا لیتے، اس طرح وہ بچے خوشی، مُسرت، احساسِ تفاخر اور عزت واحترام کے جذبات لئے آپ ﷺ کے ساتھ شہر میں داخل ہوتے۔

آپ ﷺ بچوں کو سلام میں پہل فرماتے، ساتھ لے جاتے، شریک طعام فرماتے اور آدابِ طعام سکھاتے، بیمار بچوں کی عیادت فرماتے، جس میں غیر مسلموں کے بچے بھی شامل ہوتے تھے، ایک بار آپ ﷺ جنگ حنین سے واپسی پر آرہے تھے۔ موذن نے اذا دی، ابومحذورہ جو کہ ایک یہودی بچہ تھا کا واقعہ پہلے تحریر ہو چکا ہے۔(2)

آپ ﷺ مشرکین کے بچوں سے بھی محبت وشفقت سے پیش آتے تھے۔ مشرکوں کے بچے بھی مسلمان بچوں کی طرح دوڑ دوڑ کر آپ ﷺ کے پاس آتے تھے۔ کفار سے جنگ ہوئی تو آپ ﷺ نے بطور خاص حکم دیا۔ ''دیکھو کسی بچے کو نہ مارنا، وہ بے گناہ ہیں، اِنہیں کوئی تکلیف نہ ہونے پائے، یاد رکھو، جو کوئی بچوں کو دُکھ دیتا ہے خدا اُس سے ناراض ہوجاتا ہے''۔(3)

ایک بار ایک غزوہ میں چند بچے لڑائی کی زد میں آکر مارے گئے، آپ ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ بہت افسردہ ہوگئے کسی صحابی نے کہا ''یا رسول اللہ ﷺ وہ تو مشرکوں کے بچے تھے'' اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

''مشرکوں کے بچے بھی تم سے بہتر ہیں، خبردار بچوں کو قتل نہ کرو، یاد رکھو ہر بچہ اللہ ہی کی فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے''۔(4)

---

1) پنجاب ایجوکیشنل جرنل اگست 1957ء، ص 94

2) مراۃ المناجیح، ج اول، ص 400 تا 402

3) بخاری شریف

4) مسند احمد بن حنبل

حضرت ابورافع بن عمرو غفاری کے چچا بیان کرتے ہیں کہ میں لڑکپن میں انصار کے نخلستان میں جاتا اور درختوں پر پتھر مارتا جس سے کافی پھل خراب ہو جاتا، لوگ پکڑ کر مجھے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے گئے اور میری شکایت کی، آپ ﷺ نے ملائمت سے مجھ سے پوچھا یہ تو بتاؤ تم پتھر کیوں مارتے ہو، میں نے کہا کھجوریں کھانے کے لئے۔ آپ ﷺ نے شفقت سے مجھے پاس بٹھایا اور کہا کہ درختوں پر پتھر نہ مارا کرو جو کھجوریں نیچے از خود گری ہوں وہ چن کر کھالیا کرو۔ پھر آپ ﷺ نے میرے سر پر دست شفقت پھیرا اور دُعا فرمائی۔ ''اے اللہ اس کا پیٹ بھر دے'' مجھ پر اس شفقت کا یہ اثر ہوا کہ پھر میں نے یہ حرکت نہ کی۔ (1)

ایک مرتبہ عید کے دن رسول اکرم حضرت محمد ﷺ تشریف لے جارہے تھے، راستے میں بچے اچھے اچھے لباس پہن کر کھیل کود رہے تھے، ایک بچہ الگ تھلگ کھڑا تھا، کھیل میں کوئی دلچسپی نہیں لے رہا تھا اور اُداس تھا۔ آپ ﷺ اس بچے کے پاس گئے اور اس سے دریافت فرمایا کیا بات ہے کہ آپ کھیل نہیں رہے، اس پر بچے نے بتایا کہ میں یتیم ہوں، میری ماں نے دوسری شادی کرلی ہے اور میری سرپرستی کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا۔ کیا تم اِسے پسند کرتے ہو کہ محمد ﷺ تمہارا باپ ہو، عائشہؓ تمہاری ماں ہوں اور فاطمہؓ تمہاری بہن ہوں، بچہ خوش ہو گیا۔ آپ ﷺ اُسے گھر لائے، اس کے لئے لباس کا انتظام فرمایا اور پھر اُس کی سرپرستی فرمائی۔ (2)

2.3.19) محبت و اخلاق

عکاظ کے میلے میں ایک نوعمر زید بن حارثہؓ بکنے کے لئے آیا تو حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام نے خرید کر اپنی پھوپھی حضرت خدیجہؓ کی نذر کیا اور حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت کے لئے مختص کر دیا، کچھ دنوں کے بعد حضرت زیدؓ کا باپ تلاش کرتے کرتے مکہ مکرمہ آپہنچا تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ ایک ہمسایہ قبیلہ نے ایک لڑائی میں

1) ابوداؤد

2) سیارہ ڈائجسٹ، اخلاقِ رسول نمبر

میرے بیٹے کو گرفتار کر کے بیچ دیا ہے ورنہ وہ آزاد اور سردار قبیلہ کا بیٹا ہے۔لہٰذا جو چاہو فدیہ لے لو میں اُسے آزاد کروا کر گھر لے جانا چاہتا ہوں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس کی گفتگو سے بہت متاثر ہوئے اور فرمایا کہ ایک اس سے بہتر حل ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زیدؓ کو بلایا اور پوچھا کہ کیا وہ اس شخص کو جانتا ہے؟ حضرت زیدؓ نے کہا یہ میرے والد ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ تجھے واپس لے جانا چاہتے ہیں، اگر جانا چاہو تو میں تمہیں آزاد کرتا ہوں۔زیدؓ نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آج تک مجھ سے ایسا مشفقانہ برتاؤ کیا ہے کہ اس سے بہتر ممکن نہیں، میں باپ کے ہاں مالک کی طرح رہنے پر آپ کے ہاں غلام رہنے پر ترجیح دیتا ہوں، اس گفتگو سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت متاثر ہوئے۔اس کا ہاتھ پکڑا، فوراً بیت اللہ شریف میں تشریف لائے اور کمال مہربانی سے اعلان کیا کہ میں زید کو آزاد کرتا ہوں اور اُسے اپنا متبنیٰ بناتا ہوں، باپ دل گیر تو ہوا مگر بچے کے مستقبل سے مطمئن ہو کر اپنے وطن کو لوٹ گیا۔(1)

تاریخ گواہ ہے کہ حضرت زیدؓ تمام عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وفادار رہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ ان سے مہر و محبت، شفقت و رافت کا سلوک فرمایا۔ان کی اولاد کو حقیقی اولاد کی طرح عزیز رکھا۔حضرت زیدؓ نے 55 سال کی عمر میں جنگ موتہ میں 9ھ میں مسلمانوں کے لشکر کی قیادت کرتے ہوئے شہادت پائی۔حضرت زیدؓ کے بیٹے حضرت اُسامہ بن زیدؓ نے بھی بعد از وصال نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں اسلامی لشکر کی قیادت فرمائی جس میں بہت سے جید صحابہ شامل تھے اور آپ کے ماتحت تھے۔یہ مقام محبت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیض خاص تھا۔

2.3.20) یتیم سے حسن سلوک

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جو شخص یتیم کے سر پر محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے ہاتھ پھیرے تو جتنے بالوں پر اس کا ہاتھ گزرے گا، ہر بال کے بدلے میں اس کے لئے نیکیاں ہیں اور جو شخص یتیم لڑکے یا لڑکی پر احسان کرے اور وہ جنت میں اس طرح ہونگے (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو انگلیوں کو آپس میں

1) سیرت خیر الانام، ص 92,91، ابن ہشام، سیرۃ النبیؐ، ص 264

ملا کر دکھایا)۔

اساتذہ یتیم طلبا و طالبات سے نیک سلوک کر کے نیکی کما سکتے ہیں۔

2.3.21) رحمتِ عالم ﷺ

آپ ﷺ نے غصہ اور بدکلامی سے بچنے کی بہت سی احادیث بیان فرمائی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی شخص کشتی جیتنے سے پہلوان نہیں ہوتا، پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے''۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ:

''ایک اعرابی مسجد میں داخل ہوا، آنحضرت ﷺ بھی مسجد میں تشریف فرما تھے، اعرابی نے نماز پڑھی اور پھر دُعا کرنے لگا۔ یا اللہ میرے اور محمد ﷺ کے علاوہ کسی پر رحم نہ فرما۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا تو نے اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت کو محدود اور تنگ بنا دیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد اس نے مسجد میں پیشاب کرنا شروع کر دیا تو لوگ جلدی سے اس کی جانب لپکے، لیکن آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس کو چھوڑ دو۔ اس پیشاب پر پانی کا ایک مٹکا یا ڈول بہا دو، پھر فرمایا تم آسانیاں پیدا کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو، تنگیاں پیدا کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے''۔(1)

ترمذی کتاب الاحکام میں عدل و انصاف کے حوالہ سے تحریر ہے کہ:

''فرمایا آنحضرت ﷺ نے کہ عادل اللہ کا محبوب اور قریب ترین انسان ہے اور ظالم اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نظرِ کرم سے دور ہوتا ہے''۔(2)

آپ ﷺ نے تمام زندگی عدل کو نہیں چھوڑا، آج کے اُستاد کے لئے اس کی اہمیت مسلمہ ہے۔ انصاف تدریس کو بہتر اور مقامِ اُستاد کو ارفع بنا دیتا ہے۔

حضرت طفیل بن عمرو الدوسیؓ نے اپنی قوم کے بارے میں شکایت کی:

1) امام ترمذی، سنن ترمذی، جلد 7، باب 12

2) ترمذی، کتاب الاحکام، باب ماجاء فی الامام العادل، ص 248

اِن کے دِل بہت سخت ہیں اور میں نے انہیں ایمان کی بہت دعوت دی لیکن وہ انکار ہی کرتے رہے، یہاں تک کہ انہوں نے مجھے ہرا دیا۔ آپ ﷺ اُن کے لئے بددُعا کردیں تو آپ ﷺ اُٹھے اور وضو فرمانے کے بعد نماز پڑھی اور ہاتھوں کو آسمان کی طرف اُٹھایا تو ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں ڈر گیا کہ اب تو میری قوم ہلاک ہوجائے گی کہ اگر آپ ﷺ نے اُن کے لئے بددُعا فرمادی تو وہ ہلاک ہوجائیں گے، مگر آپ ﷺ نے دُعا فرمائی:

"اے اللہ! دوس کو ہدایت عطا فرما، اے اللہ! دوس کو ہدایت عطا فرما، اے اللہ! دوس کو ہدایت عطا فرما"۔ پھر میری طرف التفات کر کے فرمایا:

اپنی قوم کی طرف واپس جاؤ، اُن کو اسلام کی طرف دعوت دو اور اُن کے ساتھ نرمی سے برتاؤ کرو"۔

2.3) (ب) آنحضرت ﷺ فنِ تعلیم وتربیت میں بطور رول ماڈل

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

"بے شک تمہارے لئے اللہ کے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ موجود ہے"۔

یہ نمونہ یہ مثال یہ رول ماڈل جہاں تمام دُنیا کے انسانوں کے لئے ہے وہاں خاص طور پر طبقۂ اساتذہ ومعلمین کے لئے آپ ﷺ کے اُسوہ کی پیروی دُنیا وآخرت میں کامیابی کی کلید ہے۔ تعلیم وتعلم اور تربیت کا میدان جس میں آنحضرت ﷺ نے بہت کام کیا اور اس سلسلہ میں آپ کا سفر دارِ ارقم سے شروع ہوتا ہے اور خطبہ حجۃ الوداع تک لاکھوں لوگوں تک علم وتہذیب، اخلاقیات اور اسلامی طرزِ زندگی کی روشنی پہنچائی جاچکی تھی، اس طرح کی مثال اور اس طرز کی مثال دُنیا میں نہیں ملتی۔ آپ ﷺ کا فرمان کہ مجھے معلم بنا کر مبعوث کیا گیا ہے اور انبیاء کے وارث علماء ہوتے ہیں۔ اہل علم اور اساتذہ کے لئے باعث فخر ہے تو آیئے اپنے رول ماڈل اپنے نبی رحمت ﷺ کا اُسوہ تعلیم وتعلم کے سلسلہ میں اختصار کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ تفصیل کے لئے آپ

کتب حدیث اور سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ فرمائیں۔ آنحضرت ﷺ کا عمل بسلسلہ تعلیم و تعلم پیش خدمت ہے۔

- آپ ﷺ عمدہ اخلاق کی تعلیم دیتے تھے۔ فرمایا گیا کہ "میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ بہترین اخلاق کو مکمل کر سکوں"۔ آپ ﷺ نے اس کا عملی نمونہ پیش کیا۔
- بامقصد علم دینے اور سیکھنے کا حکم دیا۔ فرمایا: "اس علم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو جو نفع نہ دے"۔ اس سلسلہ میں جنگ بدر کے قیدیوں اور مختلف زبانوں اور فنون سیکھنے کے لئے ذمہ داری دی۔
- اُستاد اور طالب علم کی توقیر اور عزت کے لئے فرمایا: "اچھا معلم اور متعلم اجر کے لحاظ سے برابر ہیں۔
- آپ ﷺ نے حضرت حلیمہ سعدیہ کا احترام فرمایا اور احترامِ اُستاد و ماں کا عملی ثبوت دیا۔
- ترویج علم کو صدقہ جاریہ قرار دیا اور کتمانِ حق کی ممانعت فرمائی۔ آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے: "جس عالم سے علم کے بارے میں پوچھا گیا اور اُس نے اُسے چھپایا تو قیامت کے دن اُس کے منہ میں آگ کی لگام دی جائے گی۔ آپ ﷺ نے کھلے دِل سے لوگوں کو علم دیا۔
- آپ ﷺ طالب علم کا احترام فرماتے تھے جیسا کہ اصحاب صُفہ کے حوالہ سے واضح ہے۔
- آپ ﷺ جو علم اور حکم دیتے تھے، اس پر خود عمل کرتے تھے۔ (مثلاً بچہ اور گڑ والا واقعہ) یا صلح حدیبیہ کے موقع پر قربانی کرنا اور سر کے بال منڈوانا۔
- آپ ﷺ مخاطب کی ذہنی سطح کے مطابق گفتگو فرماتے تھے، جہاں ضرورت ہوتی، آپ ﷺ بات کو دہراتے تھے اور مختصر گفتگو فرماتے تھے۔ (مثال آپ ﷺ کے خطبات)
- آپ ﷺ نے اکثر مواقع پر سوال کیا، اس سے مخاطب کو سوچنے پر مجبور کر دیا، پھر خود جواب دیا۔ یعنی سوال کو تدریسی ٹیکنیک کے طور پر استعمال فرمایا۔

- آپ ﷺ کی شخصیت موثر دلکش اور دلپذیر تھی۔ آپ ﷺ ہمیشہ سادہ اور صاف ستھرا لباس پہن کر عمدہ نمونہ پیش فرماتے تھے۔
- آپ ﷺ صاف واضح، با مقصد اور مختصر گفتگو فرماتے تھے۔ (مثلاً خطبہ حجۃ الوداع)
- آپ ﷺ کی گفتگو ہمیشہ علم وحکمت اور دانائی سے بھرپور ہوتی تھی۔ آپ ﷺ فصیح اللسان تھے۔ گفتگو تکلف و دوسرے عیوب سے پاک ہوتی، غیر واضح الفاظ استعمال نہ فرماتے۔
- آپ ﷺ صحابہ کرام اور علم سیکھنے والوں سے ہمیشہ خوش اخلاقی، خندہ پیشانی اور خوش طبعی سے پیش آتے اور نرم وشیریں لہجہ میں گفتگو فرماتے تھے اور طلب علم کے لئے آنے والوں کا استقبال فرماتے تھے۔
- آپ ﷺ لفظوں کی تکرار سے بات ذہن نشین فرماتے تھے۔
- آپ ﷺ دوران تعلیم آسان مثالوں سے وضاحت فرماتے تھے۔ مثلاً کھجور کے درخت کو مسلمان سے تشبیہ دینا۔ آپ ﷺ نے زندگی کے اکثر مشکل مسائل کو مثالوں کی مدد سے سمجھاتے تھے۔ (اس سلسلہ میں احادیث ملاحظہ فرمائیں)
- آپ ﷺ نے پیغام پہنچانے سے پہلے عظیم ترین سچائی کا تعین کیا، پھر غارِ حرا میں تیاری کی اپنی صلاحیتوں کا جائزہ لیا، پھر آپ ﷺ نے اپنا کام شروع فرمایا یعنی اُستاد کے کردار اور اس کے مشن کی سچائی اُسے حوصلہ وعزیمت دیتی ہے مگر اسے تیاری و منصوبہ بندی اور غور وفکر کرنا چاہئے۔
- آپ ﷺ نے پیغام پہنچانے کے لئے اپنے قبیلہ کی دعوت کی۔ میلوں اور حج کے مواقع کو تعلیم وتعلم اور پیغام پہنچانے کے لئے استعمال فرمایا۔
- آپ ﷺ کو اپنی کامیابی کا مکمل یقین تھا مثلاً عثمان بن طلحہ کلید بردارِ کعبہ سے گفتگو۔ بیعت عقبہ میں اہل مدینہ سے وعدہ۔ سراقہ سے کسریٰ کے کنگنوں کا وعدہ اور خندق کھودتے ہوئے روم وایران کی فتح کی خوشخبری علاوہ ازیں یہ فرمان کہ تم عنقریب

دیکھو گے کہ ایک عورت تن تنہا قادسیہ سے اس مسجد تک تنہا سفر کرے گی اور بخیریت پہنچے گی۔ یہی کامیابی کا یقین اُستاد کا اثاثہ ہے۔

- اپنے کام سے والہانہ محبت وغیر متزلزل یقین مثلاً جب جناب ابوطالب پر کفار مکہ نے آپ ﷺ کی حمایت ترک کرنے پر دباؤ ڈالا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ خواہ یہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں پر چاند رکھ دیں تو میں اپنے کام سے نہیں ہٹوں گا، یعنی سچائی کو غالب کرنے کا عزم ضروری ہے۔ یعنی اساتذہ کے لئے مایوسی وناامیدی گناہ ہے۔
- آپ ﷺ تعلیم و تربیت فرماتے ہوئے خدائے تعالیٰ کی اعانت طلب فرماتے اور خدا سے ہدایت کی دُعا فرماتے یعنی ہمیں بھی اللہ کی مدد طلب کرنا چاہئے۔
- آپ ﷺ نے تمام زندگی بغیر سزا کے تدریس کی اور کامیابی حاصل کی۔ اساتذہ کے لئے آپ ﷺ کا حکم ہے کہ لوگوں کے لئے آسانیاں پیدا کرو، مشکلات نہ پیدا کرو، ان کو بشارت دینے والے بنو، نفرت دلانے والے نہ بنو"۔
- آپ ﷺ بہت سادہ سلیس اور عام فہم زبان استعمال کر کے گفتگو فرماتے تھے، آپ کا لہجہ متوازن اور معتدل ہوتا تھا۔ آپ ﷺ کبھی چیخ کر نہیں بولے اور گالی نہیں دی۔
- آپ ﷺ اپنے طلبہ کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔
- آپ ﷺ کبھی کبھی ہلکے پھلکے انداز میں مزاح بھی فرماتے تھے۔
- آپ ﷺ نظم وضبط اور ڈسپلن کو پسند فرماتے تھے۔
- آپ ﷺ اپنی گفتگو میں ضرب الامثال اور تشبیہات استعمال فرماتے تھے۔
- آپ ﷺ ہمیشہ مثبت تخلیقی صلاحیتوں کو بیدار کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔
- آپ ﷺ عملی تعلیم پر زور دیتے تھے۔ (مثلاً رسی و کلہاڑی کا واقعہ، علاوہ ازیں آپ ﷺ پہلے خود عملی نمونہ پیش فرماتے تھے۔ مثال: حضرت عائشہؓ کا فرمان کہ آپ ﷺ قرآن مجید کی عملی تفسیر تھے)

- اہم بات کو ذہن نشین کروانے کے لئے لب ولہجہ بدلتے اور الفاظ پر زور دیتے تھے۔
- آپ ﷺ غیر زبانی ابلاغ یعنی حرکات، جذبات اور تاثرات سے پیغام کی ترسیل فرما کر مناسب نتائج حاصل کر لیتے۔ علاوہ ازیں ہاتھوں اور انگلیوں کے اشاروں سے بھی بات واضح فرماتے تھے۔
- آپ ﷺ گفتگو کو واضح کرنے کے لئے خبریہ طریقہ یا اطلاعی طریقہ اختیار فرماتے تھے۔
- آپ ﷺ اپنے طلبہ وصحابہ پر انفرادی توجہ دیتے تھے۔
- اگر مجمع زیادہ ہوتا تو آپ ﷺ لیکچر یا خطبہ کا طریقہ اختیار فرماتے۔
- آپ ﷺ مثال، کہانی یا واقعہ سے توجہ اور آمادگی کا مقصد حاصل کرتے اور بات ثابت کرنے کے لئے مدد لیتے، نیز دلیل کا استعمال فرماتے۔
- آپ ﷺ کی گفتگو کے پیچھے کردار کی طاقت موجود ہوتی، مثلاً حجر اسود کا واقعہ اور قریش کو بلا کر کہنا کہ اگر میں کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے لشکر ہے اور تم پر حملہ کرنے والا ہے تو مان لو گے؟ جواب ملا آپ ﷺ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ آپ ﷺ نے اپنے طلبہ کو بھی ایمان وکردار کی طاقت سے آراستہ فرمایا اور انہیں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لئے تیار فرمایا۔
- آپ ﷺ اپنی تدریس میں مباحثہ کا طریق اختیار فرماتے ہوئے بے تکلفی، عمدہ گفتگو فرماتے، اچھا تعلیمی ماحول بناتے، کسی کی بات نہ کاٹی جاتی، موضوع کے مطابق اور مربوط گفتگو فرماتے۔ شائستہ اصلاح کے اصولوں پر عمل فرماتے۔ ایسی گفتگو فرماتے کہ سامعین مسحور ہو جاتے۔ آپ ﷺ مباحثہ میں جدال احسن یعنی خوشگوار انداز میں تبادلہ خیال کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔
- آپ ﷺ اپنی تدریس وتبلیغ کے دوران سوال وجواب کے طریق سے مکمل استفادہ فرماتے تھے۔ سوال پوچھنے کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ کبھی خود سوال پوچھ کر طلبہ کو آمادگی اور سوچنے کا موقع فراہم کرتے۔ کبھی کبھی اپنے سوال کا خود ہی جواب عطا فرماتے۔

آپ ﷺ کے سوالات مختصر، جامع اور واضح ہوتے تھے۔ جواب اگر غلط ملتا تو درستی فرما دیتے تھے۔ منفی قسم کے سوالات کو ناپسند فرماتے تھے۔

- طلبہ کی عزت واحترام فرماتے، نرمی وخندہ پیشانی سے پیش آتے، توجہ سے ان کی بات سنتے، پیار ومحبت کا سلوک فرماتے، ناپسندیدہ سوال پر تغافل فرماتے اور برداشت کا مظاہرہ فرماتے، خامیوں کو احسن انداز میں دور فرما دیتے، جھڑکتے نہیں تھے، ان کی ضروریات کا خیال رکھتے۔ (اس سلسلہ میں اصحاب صفہ سے آپ ﷺ کا سلوک بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے)
- تدریس کے لئے دِن اور رات کے اوقات کی قید نہ تھی۔ ہر وقت تدریس ہو سکتی تھی۔ آپ ﷺ اپنے طلبہ کو جھڑکتے یا اپنے آپ سے دور نہیں بھگاتے تھے۔
- خواتین کی تعلیم کے لئے ایک مخصوص دن مقرر فرما رکھا تھا۔
- دورانِ تدریس حکمت ودانائی سے کام لیتے اور ہمیشہ فطرت کے اصولوں کے مطابق تدریس فرماتے۔ طلبا کے مزاج اور آرام کا خیال رکھتے۔
- فاصلاتی نظامِ تعلیم کے حوالہ سے بادشاہوں کو خطوط لکھ کر پیغام کی ترسیل فرمائی۔
- لکھنے اور پڑھنے اور تعلیم کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ زیادہ پڑھے لکھے افراد کو زیادہ بہتر ذمہ داری دیتے۔ مثلاً حضرت مصعب بن عمیرؓ اور حضرت معاذ بن جبل کو استاد اور والی بنا کر بھیجا۔
- آپ ﷺ نے پوری زندگی میں مقاصد کے حصول پر زور دیا اور جو مقاصد اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین ہوئے، ان سے ذرہ برابر روگردانی نہیں کی اور کتاب اللہ سے بھی ذرہ برابر نہیں ہٹے اور یہی راستہ ہمارے لئے مقرر فرمایا۔
- آپ ﷺ نے ہمیشہ مفت تعلیم دی، کبھی تعلیم کے عوض کوئی معاوضہ نہیں لیا۔
- آپ ﷺ نے اپنی مادری زبان عربی میں تعلیم دی مگر دیگر زبانوں کے سیکھنے کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ آپ ﷺ نے فصیح اور عمدہ زبان کو فروغ دیا اور عربی کے

مختلف لہجوں کو اختیار فرمایا۔

- مشرکین مکہ سے جانی دشمنی کے باوجود جنگ بدر کے قیدیوں سے مسلمان بچوں کو کتابت سکھانے کا بندوبست فرمایا۔ یعنی اختلاف و دشمنی کے باوجود علم، خیر اور مہارت کے حصول سے نہیں روکا۔
- آپ ﷺ نے ہمیشہ عقل وخرد، حکمت و دانش، فکر و نظر، تجزیہ و مشاہدہ، تحقیق و تلاش کی مہارتوں کو فروغ دیا جس کا نتیجہ خلفائے راشدین کے طرزِ حکمرانی اور مسلمانوں کے عملی تفوق کی صورت میں سامنے آیا۔
- آپ ﷺ کی تعلیم حروف و تحریر کی محتاج نہیں تھی بلکہ زبانِ مبارک سے ادا ہونے والا ہر لفظ قلب میں اُتر جاتا اور روح میں بس جاتا تھا۔ آپ ﷺ بحیثیت معلم انسانیت کی معراج تھے۔(1)
- آپ ﷺ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے عملی تیاری کو بھی نظر انداز نہ فرماتے تھے۔ مثلاً جنگ اُحد میں درہ پر تیر اندوزوں کا تقرر، ہجرت حبشہ کی منصوبہ بندی، ہجرت مدینہ کے لئے حضرت ابوبکر کا انتخاب اور راہبری کے لئے عبداللہ بن اریقط کی خدمات حاصل کرنا، خفیہ راستے کا انتخاب، غارِ ثور کا انتخاب، جنگ خندق میں خندق کھودنا، اسی طرح اکثر معاملات میں بہترین منصوبہ بندی فرما کر نتیجہ کے طور پر اللہ پر توکل فرماتے تھے۔
- آپ ﷺ اہل علم اور ماہرین کی رائے اور مشورہ کو مان کر اس پر عمل فرماتے تھے، مثلاً جنگ بدر میں حباب بن منذرؓ اور جنگ خندق میں حضرت سلمان فارسیؓ کا مشورہ مانا، آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ حکمت مومن کی گم گشتہ میراث ہے جہاں سے ملے لے لو۔
- آپ ﷺ دوران تدریس بدنی سزا نہیں دیتے تھے۔ حضرت انسؓ روایت کرتے

1) معلم اعظم، ص36

ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے کبھی کسی زندہ چیز کو ضرب نہیں لگائی، نہ کسی عورت کو نہ خادم کو اور نہ کسی جانور کو۔(1) آپ ﷺ نے طلبہ کے ساتھ ہمیشہ نرمی کا برتاؤ فرمایا۔

- آپ ﷺ تعلیمی عمل میں اصولِ تدریج کا خیال رکھتے تھے، جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل کو یمن میں اُستاد بنا کر بھیجتے ہوئے ہدایات سے ظاہر ہے۔
- آپ ﷺ دوران تدریس انفرادی اختلافات کا خیال رکھتے تھے۔ ہر شخص کو اس کی ذہنی سطح کے مطابق تعلیم دیتے تھے۔
- آپ ﷺ نے تمام زندگی مثبت اندازِ گفتگو اور تدریس اختیار فرمایا، کبھی غیر معیاری منفی انداز کا کوئی واقعہ، گفتگو، کتب تاریخ وسیرت میں آپ ﷺ سے منسوب نہیں ہے۔ دشمن بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں۔
- آپ ﷺ طلباء میں پہلے آمادگی پیدا فرماتے، صحابہ کو قریب بلا کر بٹھاتے، پھر اپنا رُخ اُس کی طرف فرما کر خاموش فرماتے، اُن سے نگاہیں ملا کر سلسلہ تدریس شروع فرماتے۔
- آپ ﷺ اپنے طلبہ سے قریبی تعلق پیدا فرماتے، اِس کے لئے انہیں نام یا کنیت سے پکارتے، ہاتھ سے چھوتے، مزاح بھی فرماتے اور ان کے لئے دُعا فرماتے اور ان کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔
- آپ ﷺ بعض اوقات لکیریں کھینچ کر شکلیں بنا کر یا مختلف اشیاء کا تقابل کر کے تدریس فرماتے تھے۔
- آپ ﷺ نے اپنی تدریس میں خفیہ یا لیکچر میتھڈ، آسان سے مشکل کا اصول یعنی، اصول تدریج معلوم سے نامعلوم کا اصول، ایک وقت میں ایک مضمون، گروپ ورک، گروہی تدریس، مباحثہ وگروپ ڈسکشن، انفرادی تدریس، عملی طریقہ تعلیم اور تعلیمی عمل کو حقیقی زندگی سے مربوط کرنا، استفہامیہ طریق تدریس، موئید یعنی مانیٹری نائب معلم

1) امام بخاری

کا طریقہ، مثالوں سے تدریس کا طریقہ، نان فارمل طریق تدریس، تجرباتی طریق تدریس اور معاونات کا استعمال فرمایا۔

- آپ ﷺ نے فرمایا: مومن بندہ نہ زبان سے حملہ کرنے والا ہوتا ہے، نہ لعنت کرنے والا، نہ بدگو اور نہ گالی بکنے والا۔(1) آپ ﷺ نے پوری زندگی شاگردوں کے لئے اس پر عمل فرمایا۔
- آپ ﷺ نے اپنی تدریس و تبلیغ میں معاشرتی درجہ بندی کا لحاظ رکھا ہے، گھر یعنی افراد سے شروع کیا۔ مثال حضرت خدیجہؓ و حضرت علیؓ، پھر خاندان، پھر محلہ پھر شہر پھر علاقہ پھر ملک اور پھر بین الاقوام تک اپنا پیغام پہنچایا۔ اُس کے لئے مختلف طریقے اور تیکنیکس استعمال فرمائیں۔
- آپ ﷺ نے پہلے تعمیر کردار پر زور دیا اور پھر کردار کی طاقت کو موثر تدریس کے لئے استعمال فرمایا۔
- جب کوئی طالب علم آپ ﷺ کے پاس آتا تو آپ ﷺ اُسے خوش آمدید کہتے، مسکراتے اور بعض اوقات دُعا بھی دیتے تھے۔
- آپ ﷺ جاہلوں کے منہ لگنے اور اُن سے فضول بحث کرنے سے اجتناب فرماتے تھے اور بُرائی کو اچھائی سے ٹال دیتے تھے۔ مثال بدو نے چادر کھینچی مگر آپ ﷺ نے خیرات کا حکم دیا۔ یعنی جاہلیت کے مقابلہ میں بھلائی کا رویہ اختیار فرمایا۔
- نبی کریم ﷺ اپنے شاگردوں اور صحابہ کی تعریف فرماتے تھے۔ مختلف مواقع پر مختلف صحابہؓ کی تعریف و حوصلہ افزائی فرمائی تھی۔ مثلاً:

ایک مرتبہ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ اہل یمن نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ: ”آپ ﷺ کسی کو ہمارے ساتھ کر دیں جو ہم کو قرآن کریم کی تعلیم دیں“۔

---

1) ترمذی

- آپ ﷺ نے اپنے شاگرد ابو عبیدہ (کی تعریف کرتے ہوئے) یہ کہہ کر ان کے ساتھ کر دیا کہ: "یہ میری اُمت کے امین ہیں"۔(1)
- ایک جگہ پر اپنے مختلف صحابہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: معاذ بن جبلؓ میری اُمت میں حلال وحرام کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ میری اُمت میں فرائض کے سب سے بڑے عالم زید بن ثابتؓ ہیں۔ عبداللہ بن عباسؓ قرآن کے بہترین ترجمان ہیں اور ابوموسیٰ اشعریؓ کو آل داؤد کی شہنائی دی گئی ہے۔ علیؓ قضاء کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ ابوداؤد عبادت میں سب سے آگے اور اس اُمت کے حکیم ودانا ہیں۔ زمین کے اوپر آسمان کے نیچے ابوذرؓ سب سے زیادہ صادق اللہجہؓ ہیں۔(2)
- آپ ﷺ نے اپنے شاگردوں صحابہ کرامؓ کی اجتماعی تعریف بھی فرمائی۔

"میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، جس کی بھی تم اتباع کرو گے ہدایت پاؤ گے"۔

اور انفرادی بھی جس صحابہ میں جو خوبی تھی اس کی تعریف فرمائی اور اس کی داد دی۔

- آپ ﷺ نے تعلیم و تعلم کو فریضہ قرار دیا اور اس میں کوتاہی کو گناہ کہا ہے۔
- آپ ﷺ بے فائدہ علم سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے اور اس سے گریز فرماتے تھے۔
- آپ ﷺ کی شخصیت پُر اثر اور مسحور کن تھی، آپ ﷺ کے شاگرد آپ ﷺ کے صحابہ آپ ﷺ کی طرف کھچے چلے آتے تھے اور آپ ﷺ ان کے دلوں پر راج کرتے تھے۔
- آپ ﷺ صابر اور قانع تھے اور یہی عادات شاگردوں میں پیدا فرمائیں۔ آپ ﷺ انکسار و تواضع سے کام لیتے۔ تکبر آپ ﷺ کو چھو کر بھی نہیں گیا۔ آپ ﷺ حلیم اور بُردبار تھے۔
- آپ ﷺ مختصر الفاظ میں بڑی بات کہہ جاتے، جنہیں جوامع الکلم کہا جاتا ہے۔

---

1) خیر والقرون کی درس گاہیں: ص108

2) خیر القرون کی درس گاہیں، ص116

آپ ﷺ فصیح اللسان تھے۔

- آپ ﷺ نے اپنے صحابہؓ کو ترویج علم کے لئے تیار فرمایا۔
- آپ ﷺ وقفہ دے کر وعظ فرماتے اور لمبی گفتگو سے پرہیز فرماتے تھے اور لوگوں کی اکتاہٹ کا خیال رکھتے تھے۔
- آپ ﷺ فکر مند رہا کرتے تھے، برابر سوچتے رہتے تھے، کسی طرح قرار نہ آتا تھا، دیر تک خاموش رہ کر سوچ وبچار فرماتے تھے، بلاضرورت گفتگو نہ فرماتے، اگر گفتگو کرتے تو اللہ کے نام سے بات شروع کرتے اور اسی پر ختم فرماتے۔(1) یہ آنحضرت ﷺ کا اپنے کام کے حوالہ سے تیاری کا انداز تھا۔
- جب آپ ﷺ اشارہ فرماتے تو پوری ہتھیلی سے اشارہ فرماتے، کسی بات پر تعجب فرماتے تو ہتھیلی پلٹ دیتے، گفتگو کرتے تو ہتھیلی کو ملا لیتے اور دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کے انگوٹھے کے اندرونی حصے پر مارتے، کسی سے ناراض ہوتے تو چہرے پر ناگواری ظاہر فرماتے، غصہ کی وجہ سے اس شخص سے نہ ملتے، خوش ہوتے تو نگاہیں نیچی فرما لیتے، آپ ﷺ کی ہنسی زیادہ سے زیادہ مسکراہٹ ہوتی، جس میں آپ ﷺ کے دانت برف کے دانوں کی طرف بڑے حسین نظر آتے۔(2) یہ آنحضرت ﷺ کا غیر زبانی ابلاغ کا انداز تھا جو اساتذہ کے لئے ضروری ہے۔
- آپ ﷺ بعض اوقات نقشے بنا کر لکیروں کے ذریعے سے تعلیم دیتے تھے، یعنی تعلیمی معاونات کا استعمال فرماتے تھے، حضرت جابر بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے زمین پر ایک لکیر بنائی اور فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے پھر دائیں اور بائیں جانب دو دو لکیریں بنائیں اور فرمایا یہ شیطان کے

---

1) رواۃ حسن بن علیؓ از ہند من ابی ہالہ، شیخ عبدالفتح، ابوغدہ، ترجمہ مفتی ثناءاللہ، اساتذہ کے لئے نایاب تحفہ، ادارۃ الانوار بنوری ٹاؤن کراچی، ص 34

2) شیخ، ابوالفتح ابوعصر، (2008ء)، ص35 بحوالہ شمائل ترمذی، ص 143,141

راستے ہیں۔ آپ ﷺ نے بیچ والی لکیر پر ہاتھ رکھا اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔(1)

''اور یہ کہ میرا سیدھا راستہ یہی ہے تم اس پر چلنا اور مختلف راستوں پر مت چلنا کہ اللہ کے راستے سے الگ ہو جاؤ، ان باتوں کا اللہ تم کو حکم دیتا ہے تا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ''۔(2)

- اسی طرح چوکور خانہ بنا کر خاکے سے باہر لکیر بنا کر انسان اور انسانی خواہشات کے حوالہ سے آپ ﷺ نے وضاحت فرمائی۔

اسی طرح آپ ﷺ نے دائیں ہاتھ میں سونا اور بائیں ہاتھ میں ریشم لیا اور لوگوں کو دکھا کر فرمایا یہ دونوں چیزیں میری اُمت کے مردوں کے لئے حرام اور عورتوں کے لئے حلال ہیں۔

- بعض اوقات آپ ﷺ گزشتہ اقوام کے عبرت انگیز واقعات سنا کر تعلیم دیتے تھے۔
- آپ ﷺ تعلیم دینے کے لئے پہلے ذہنی فضا تیار فرماتے پھر تعلیم دیتے تھے۔
- تعلیم کے سلسلہ میں والدین کو مساوات کا حکم فرمایا اور پڑوسیوں کو بھی تعلیم دینے کا حکم دیا۔
- دارِ ارقم اور صفہ کے نام سے تعلیمی ادارے قائم فرمائے، مدینہ میں نو مساجد تعلیم و تعلم اور عبادت کے لئے بنوائیں۔

آپ ﷺ کے اسوۂ اور تعلیمی طریقہ کو رول ماڈل کے طور پر اختیار کر کے تدریس میں کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔

1) مسند احمد، جلد 3، ص 397

2) القرآن: انعام: 153

2.4) صحابہ کرامؓ بطور رول ماڈل

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے والے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دینے والے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بالواسطہ علم حاصل کرنے والے اور حالت ایمان میں دُنیا سے رخصت ہونے والوں کو ہم صحابہ کرامؓ کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ خیر القرون اور یہ حضرات خیر الامۃ ہیں۔

قرآن مجید کے مطابق ''اور جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی، اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جنہوں نے (مہاجرین) کو جگہ دی اور ان کی مدد فرمائی۔ یہی لوگ سچے مومن ہیں ان کے لئے بخشش اور عزت کا رزق ہے۔(1)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق:

''میری اُمت کی سب سے بہترین جماعت میرے عہد کے لوگ ہیں''۔(2)

ایک اور جگہ فرمایا کہ:

''لوگوں میں سب سے پاکیزہ دِل، سب سے زیادہ گہرا علم رکھنے والے اور سب سے کم تکلف کرنے والے ہیں''۔

یہ بارگاہِ نبوی اور آغوشِ نبوت کی پروردہ شخصیات، مدرسہ نبوی کے تربیت یافتہ، دارِ ارقم، صفہ و مسجد نبوی سے علمی روشنی حاصل کرنے والے عظیم انسان جنہوں نے علم و کردار کے حوالہ سے بلند مقام پایا اور تربیت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد وقت کی سپر طاقتوں سے ٹکرا گئے اور دُنیا کا نقشہ بدل دیا۔ ان صحرا نشینوں نے دُنیا کو نئی تہذیب و تمدن سے آشنا کیا۔ وہ عرب جہاں اسلامی تعلیمی و علمی تحریک سے قبل صرف سترہ لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے، دُنیا کو حکمت و علم کے خزانے بانٹنے والے بن گئے۔

ان صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم، افعال و اسوہ کو دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیکھا اور اس

---

1) القرآن: الانفال، آیت 74

2) البخاری

پر تن من دھن نچھاور کر کے عمل کیا۔انبیاء کے بعد اسلامی تعلیمات کے مطابق صحابہ کرامؓ کا مقام ہے۔

صحابہ کرامؓ نے آنحضرت ﷺ سے سیکھ کر اسلام کا پیغام پھیلایا اور اس سلسلہ میں کسی صلہ کی پرواہ نہیں کی۔ جب ہم جماعت صحابہ کی بات کرتے ہیں تو اس میں السابقون الاولون، ایمان لانے والے، تصدیق کرنے والے، مال، جان اور اولاد کی قربانی دے کر استقامت سے اسلام کو تقویت دینے والے، ہجرت حبشہ، بیعت عقبہ، ہجرت مدینہ، مواخات والے مہاجرین وانصار، دفاعِ نبوت والے، جنگ بدر، اُحد وخندق والے، کاتبان وحی وزبانِ رسالت سے قرآن سننے والے، اصحاب عشرہ مبشرہ، بیعت رضوان والے، فتح مکہ والے، جنگ حنین میں ثابت قدم رہنے والے، غزوہ موتہ وتبوک میں حصہ لینے والے اور حجۃ الوداع میں شریک اصحاب درجہ بدرجہ بہتر مقامات رکھتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے خود ان صاحبان کو قرآن کی تعلیم دی، حکمت سکھائی اور ان کا تزکیہ فرمایا۔

اس جماعت صحابہ کے کردار اخلاق اور کارناموں سے روح کو غذا، نفس کو تہذیب اور عقل کو روشنی ملتی ہے۔ اس جماعت نے اسلامی پیغام پھیلایا، قرآن وحدیث کی تعلیم دی، اسلامی اقدار کو فروغ دے کر عمل صالح کا نمونہ پیش کیا۔ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ ''تم میری سنت کو اور میرے بعد ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو''۔(1)

بنیادی طور پر صحابہ کرام پیروی رسول اور پیغامِ رسول کی تعلیم وترویج کرنے والے تھے، لہٰذا اساتذہ کے لئے بطور رول ماڈل مطالعہ ضروری ہے تدریسی زندگی میں ان کی پیروی بہت لازمی ہے۔ چند صحابہ کرام کے چند واقعات مشتہ از خروارے کے طور پر پیش خدمت ہیں۔ تفصیل کے لئے اسلامی تاریخ کا مطالعہ فرمائیں۔ ان صحابہ کرام کا کردار و علمی حوالہ بطور رول ماڈل پیش ہے۔

2.4.1) قرآن مجید اور صحابہ کرامؓ

صحابہ کرام کا عظیم شرف یہ ہے کہ انفرادی واجتماعی طور پر دُنیا کی سب سے سچی کتاب قرآن

1) ابوداؤد، ج3، ص201

مجید میں ان کے حوالہ سے آیات نازل ہوئیں جو قیامت تک رہیں گی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ	توبہ:40
حضرت سعد بن ابی وقاصؓ	العنکبوت:8
حضرت بلالؓ، حضرت خباب بن ارتؓ حضرت مقداد بن عمرؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ	انعام:52
حضرت خباب بن ارتؓ	مریم:70,77
نابینا صحابی واستاد حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ	عبس: دس آیات اور النساء:95
حضرت حمزہ بن جندبؓ	النساء:100
حضرت صہیب رومی	البقرہ:207
حضرت علیؓ، حضرت حمزہؓ، حضرت عبیدہ بن حارث	حج:19
حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ	احزاب:22
حضرت زید بن ارقمؓ	التوبہ:74
حضرت ابوطلحہؓ اور ان کی اہلیہ کے لئے	الحشر:9
حضرت عبداللہ بن سلام وساتھیوں کے لئے	الاحقاف:10
حضرت سلمان فارسیؓ کے لئے	محمد:38
حضرت کعب بن مالکؓ، حضرت بلال بن امیرؓ، حضرت مرارہ بن ربیعؓ	توبہ:118
حضرت عبیدہ بن جراحؓ، حضرت مصعب بن عمیرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت حمزہؓ، حضرت عبیدہ بن حارثؓ	المجادلہ:22

2.4.2) یارِ غار کی اسلامی و علمی خدمات

آپؓ کا نام عبداللہ کنیت ابوبکر اور دیگر القاب میں خیر البشر بعد الانبیاء، یارِ غار، ثانی اثنین، عتیق، صدیق (سچا) صاحب (ساتھی) اتقی (متقی) آوّاہ (نرم دِل) کا ذکر تاریخ وحدیث کی کتب میں ملتا ہے۔

آپؓ کی زندگی جاہلی دور سے ہی بلند و پاکیزہ اخلاق کا نمونہ تھی۔ جرمانہ، دیت اور مالی تعاون کی نگہداشت کا شعبہ آپ کے پاس تھا۔

آپؓ علم انساب کے ماہر تھے۔ عرب تاریخ پر آپ کو عبور حاصل تھا۔ آپؓ نے سب سے زیادہ آنحضرت ﷺ سے کسب فیض کیا اور اکثر مواقع پر آپ ﷺ کے ساتھ رہے۔ ہر مشکل وقت میں حضرت ابوبکرؓ آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک رہے۔ آپؓ حکمت وبصیرت، موثر سوچ وفکر، بہترین ذکاوت، سنجیدہ وباوقار تھے۔ سب سے پہلے اسلام لائے اور حضرت خدیجہؓ کے بعد آپؓ کی دولت سے اسلام کو تقویت ملی۔ آپؓ نے بہت سے غلاموں کو جو مسلمان ہو گئے تھے۔ درہم ودینار دے کر آزاد کروایا۔ آپؓ کی دعوت سے اہم ترین لوگ مسلمان ہوئے۔ آپؓ کے سر پر بھی مٹی ڈالی گئی اور آنحضرت ﷺ کو بچاتے ہوئے ایک بار تو خانہ کعبہ میں اتنا مارا گیا کہ جان کے لالے پڑ گئے۔ بے ہوش ہو گئے، گھر لایا گیا جب ہوش میں آئے تو آنحضرت ﷺ کی خیریت دریافت کی، جب تک آپ ﷺ کو دیکھ نہ لیا، کھانا نہ کھایا۔ آپؓ نے دوبار ہجرت بھی کی۔

آپؓ تمام کام اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی کے لئے کرتے تھے۔ کسی تعریف یا صلے کی تمنا نہ فرماتے۔

رسول اللہ ﷺ کے زیر سایہ آپؓ کی عملی وعلمی تربیت ہوئی۔ قرآن مجید کو آپؓ نے حفظ کیا اور اپنی زندگی میں قرآن پر عمل کر کے دکھایا، آپؓ بلیغ خطیب تھے اور آپؓ کو لوگوں تک معانی کو خوبصورت انداز میں پہنچانے کا ملکہ حاصل تھا۔ آپؓ مختلف جگہ دعوت سے قبل آنحضرت ﷺ کا تعارف کروایا کرتے تھے اور اس کے لئے بہترین انداز اختیار کرتے۔

آپؓ کو آنحضرت ﷺ نے اپنی زندگی میں امیر حج اور امام مقرر فرمایا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے آپؓ کا ذکر فرمایا ہے۔ آپؓ ہجرت غارِ ثور اور بدر میں سائبان پر آنحضرت ﷺ کے ساتھی تھے۔ ہجرت کے موقع پر حضرت علیؓ اور آپؓ نے اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالا۔ آپؓ کے پورے خاندان نے ہجرت کے موقع پر اہم کردار ادا کیا۔

آپؓ نے پوری زندگی کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ آپؓ صاحب رائے اور عمدہ کردار کے مالک تھے۔ ہمیشہ درست مشورہ دیتے۔ آپؓ نے غزوہ تبوک میں گھر کا سارا اثاثہ عطیہ میں دے دیا۔ آنحضرت ﷺ کی وفات پر جب تمام صحابہ بددل، غمگین اور پریشان تھے تو آپؓ نے خطاب فرمایا:

''تم میں سے جو شخص محمد ﷺ کی پرستش کرتا تھا تو وہ جان لے کہ وہ وفات پا چکے ہیں اور جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا تو یقیناً اللہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے، کبھی نہیں مرے گا''۔

اس طرح آپؓ نے دلیل سے بات کی اور قرآن مجید سے استدلال فرمایا۔ اس پر جو لوگ فرطِ غم سے نڈھال تھے اور حیران و ششدر تھے، ہوش میں آئے۔ اس کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ کا واقعہ ہوا، جہاں آپؓ کی علمیت سامنے آئی اور تمام مسلمانوں نے آپؓ کی بیعت کر لی۔ آپؓ نے احکام قرآنی اور حدیث نبوی کے مطابق منہج خلافت قائم کی۔ آپؓ کے گورنر روزانہ صبح اپنے اپنے علاقوں میں مساجد میں درس دیتے تھے اور آپؓ مسجد نبوی میں اکثر خطاب فرماتے تھے۔ آپؓ نے مملکت میں علم کو فروغ دیا اور عدل و مساوات قائم فرمائی۔ آپؓ کا قول ہے کہ ''سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت ہے''۔

آپؓ نے جرأت سے ارتداد و دیگر فتنوں کا سامنا کیا۔ لشکر اسامہ کی روانگی بھی آپؓ کا کارنامہ ہے۔(1)

1) ڈاکٹر علی محمد، محمد الصلابی، مترجم شمیم احمد حنبل سلفی، سیدنا ابوبکر صدیق شخصیت و کارنامے، الفرقان ٹرسٹ خان گڑھ، مظفر گڑھ

آپؓ کے علم و حکمت سے مسلمانوں نے رہنمائی پائی، آپ کے جغرافیہ، علم مردم شناسی، مینجمنٹ سے آرمی سائنس کو نئی روشنی ملی۔ آپ کے تقویٰ، حب انسانیت سے اسلامی مساوات اقدار کو فروغ حاصل ہوا۔ اس سے عرب کلچر اور اسلامی کلچر وجود میں آیا اور عدل و انصاف کو فروغ ملا۔

حضرت ابوبکرؓ جب خلیفہ بنے تو اگلے دن کپڑوں کا گٹھڑ کندھوں پر رکھا اور بازار پہنچ گئے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے روکا اور حضرت علیؓ کے ساتھ مل کر روزینہ جو کہ تین سو دینار سالانہ اور ایک بکری روزانہ مقرر کر دیا گیا۔ آپؓ نے منبر پر جا کر اس کی منظوری عامۃ المسلمین سے حاصل کی۔(1)

آپؓ بیمار ہو گئے۔ اپنی وفات سے قبل حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بلوایا اور فرمایا۔ میں نے دورانِ خلافت بھوسی دار غلہ (ان چھنا آٹا) کھایا ہے، موٹا لباس پہنا ہے۔ میری دولت میں ایک غلام اور ایک اونٹ کا اضافہ ہوا ہے، جب میری وفات ہو جائے تو یہ عمرؓ کے پاس بیت المال میں بھجوا دینا۔ جب یہ حضرت عمرؓ کو ملے تو وہ رو پڑے اور فرمایا: ''اللہ ابوبکرؓ پر رحم فرمائے، اپنے بعد کے لوگوں کو تھکا دیا''۔(2)

ابن جوزی کے مطابق جب وقت وفات قریب آیا تو فرمایا: عمرؓ نے مجھے نہیں چھوڑا، میں نے دورانِ خلافت بیت المال سے چھ ہزار درہم لئے ہیں۔ لہٰذا میری فلاں زمین و باغ اس کے بدلہ میں بیت المال کو دے دی جائے۔ آپؓ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ کو بتایا گیا کہ جو روزینہ آپؓ نے دورانِ خلافت بیت المال سے لیا تھا، یہ زمین اس کے عوض میں خلیفہ اول نے بیت المال کو دی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''اللہ آپ پر رحم فرمائے، آپ نے چاہا کہ کوئی آپ پر انگلی نہ اٹھا سکے''۔(3) اس کے بعد آپؓ نے وصیت فرمائی کہ آپؓ کو پرانے کپڑوں میں دفنا دیا جائے، نئے کپڑوں کی زندوں کو زیادہ ضرورت ہے۔(4) یہ صاحب علم و عمل خلیفہ کا کردار تھا۔

---

1) الریاض المنضرۃ فی مناقب العشرۃ، ص291

2) طبقات ابن سعد، ج3، ص48-146

3) ابن جوزی، المنتظم، ج4، ص127

4) محمود شاکر، تاریخ اسلامی، خلفائے راشدین، ص103، المکتب اسلامی ریاض سعودی عرب

2.4.3) حضرت ابوبکرؓ کا پہلا خطبہ خلافت

انتخابِ خلافت سے فارغ ہونے کے بعد دوسرے روز مسجد میں بیعت عامہ ہوئی اور حضرت ابوبکرؓ نے منبر پر بیٹھ کر ان الفاظ میں اپنے آئندہ طرزِ عمل کی توضیح فرمائی:

"صاحبو! میں تم پر حاکم مقرر کیا گیا ہوں حالانکہ میں تم سب لوگوں میں بہتر نہیں ہوں، اگر میں اچھا کام کروں تو تم میری مدد کرو اور اگر بُرائی کی طرف جاؤں تو مجھے سیدھا کرو، صدق امانت ہے اور کذب خیانت ہے، تمہارا ضعیف فرد بھی میرے نزدیک قوی ہے، یہاں تک کہ میں اس کا حق واپس دلا دوں (ان شاء اللہ) اور تمہارا قوی مرد بھی میرے نزدیک ضعیف ہے، یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق دلا دوں۔ جو قوم جہاد فی سبیل اللہ کو چھوڑ دیتی ہے، اس کو خدا ذلیل وخوار کر دیتا ہے اور جس قوم میں بدکاری عام ہو جاتی ہے، خدا اس کی مصیبت کو بھی عام کر دیتا ہے، میں خدا اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کروں تو تم میری اطاعت کرو لیکن جب خدا اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کروں تو تم پر اطاعت لازم نہیں۔ اچھا! اب نماز کے لئے کھڑے ہو جاؤ، خدا تم پر رحم کرے"۔(1)

2.4.4) حضرت ابوبکرؓ اور جمع وتدوین قرآن

حضرت زید بن ثابت انصاریؓ فرماتے ہیں، جنگ یمامہ کے فوراً بعد حضرت ابوبکرؓ نے ایک روز مجھے بلوا بھیجا، جب میں آپ کی خدمت میں پہنچا تو وہاں حضرت عمرؓ بھی تشریف فرما تھے، حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے فرمایا کہ عمرؓ نے آ کر ابھی مجھ سے یہ کہا ہے کہ جنگ یمامہ میں قرآن کریم کے حفاظ کی ایک بہت بڑی جماعت شہید ہو گئی ہے اور اگر مختلف مقامات پر قرآن کریم کے حفاظ اسی طرح شہید ہوتے رہے تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں قرآن کریم بھی اُٹھ نہ جائے، اس لئے میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنے حکم سے قرآن کریم کو جمع کروانے کا کام شروع کریں، میں (حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں) نے عمرؓ سے کہا کہ جو کام رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیاتِ

1) خلفائے راشدین از شاہ معین الدین ندوی، ص بحوالہ 41 صحیح بخاری

مبارک کہ میں نہیں کیا، کیا وہ ہم کیسے کر سکتے ہیں؟ عمرؓ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم! یہ کام بہت ہی بہتر ہے، اس کے بعد بار بار عمرؓ مجھ سے یہی کہتے رہے، یہاں تک کہ مجھے اس معاملہ میں شرح صدر ہو گیا اور اب میری رائے بھی وہی ہے جو عمرؓ کی ہے۔

اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے فرمایا تم نوجوان اور سمجھ دار آدمی ہو، ہمیں تمہارے بارے میں کوئی بدگمانی نہیں ہے، تم رسول اللہ ﷺ کے سامنے کتابت وحی کا کام بھی کرتے رہے ہو، لہٰذا تم قرآن کریم کی آیات کو تلاش کر کے ایک جگہ جمع کرو۔

حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! یہ بہت عظیم کام تھا، اگر یہ حضرات مجھے پہاڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کا حکم دیتے تو مجھ پر اس کا اتنا بوجھ نہ ہوتا جتنا اس کام کا، جس کے لئے انہوں نے مجھ سے کہا، میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ وہ کام کیسے کر رہے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا؟ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، خدا کی قسم! اس کام میں اُمت کی بھلائی ہے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ بار بار مجھ سے یہی کہتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی طرح میرا سینہ بھی کھول دیا اور میں نے اس عظیم کام کرنے کی حامی بھر لی۔ چنانچہ میں نے قرآنی آیات کو جمع کرنا شروع کیا اور چمڑے کے پارچوں، شانہ کی چوڑی ہڈیوں، کھجور کی چھالوں اور لوگوں کے سینوں سے قرآن حکیم کو جمع کیا۔(1)

2.4.5) حضرت ابوبکرؓ کا خدمت حدیث و تحقیقی طرزِ عمل

ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں دادی کی وراثت کا جھگڑا پیش ہوا، چونکہ قرآن مجید اس کے متعلق خاموش ہے، اس لئے آنحضرت ﷺ کا طرزِ عمل دریافت کرنا پڑا، حضرت مغیرۃ بن شعبہؓ موجود تھے۔ انہوں نے کہا میں جانتا ہوں کہ آپ ﷺ دادی کو چھٹا حصہ دیتے تھے، احتیاطاً پوچھا کوئی گواہی پیش کر سکتے ہو؟ حضرت محمد بن مسلمہؓ نے کھڑے ہو کر اس کی تصدیق کی تو اسی وقت حکم نافذ کر دیا۔

ایک روایت کے مطابق حضرت ابوبکرؓ نے تقریباً پانچ سو احادیث جمع فرمائی تھیں لیکن

1) سیرت ابوبکر صدیق، ص98، بحوالہ صحیح بخاری

وفات کے کچھ دنوں پہلے اس خیال سے ان کو ضائع کر دیا کہ شاید اس میں کوئی روایت خلاف واقعہ ہو تو یہ بار میرے سر رہ جائے گا، بایں ہمہ انہوں نے احادیث کے متعلق نہایت حزم واحتیاط سے کام لیا، صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے خاص طور پر فرمایا:

تم لوگ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایسی حدیثیں بیان کرتے ہو، جن میں تم خود ہی اختلاف رکھتے ہو، تمہارے بعد جو لوگ آئیں تو ان میں اور بھی سخت اختلاف واقع ہوگا، اس لئے رسول اللہ ﷺ سے کوئی روایت نہ کرو اور جو کوئی تم سے سوال کرے تو کہہ دو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب ہے، اس کے حلال کو حلال سمجھو اور اس کے حرام کو حرام قرار دو۔

لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ انہوں نے مطلقاً روایت کا دروازہ بند کر دیا بلکہ ان کی غرض صرف یہ تھی کہ جب تک کسی حدیث کی صحت پر کامل یقین نہ ہو، روایت نہ کرنا چاہئے، چنانچہ وہ خود بھی اس پر عمل پیرا تھے اور جب کسی روایت کی پوری تصدیق ہو جاتی تھی، اس کو بغیر پس وپیش کے قبول فرما لیتے تھے۔(1)

2.4.6) حضرت ابوبکرؓ کی بصیرت ودانشمندی

ایک مرتبہ مرض الوفات کے وقت رسول اللہ ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور ایک مفصل خطبہ دیا اور فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک بندہ کو دُنیا اور عقبیٰ کے درمیان اختیار دیا لیکن اس نے عقبیٰ کو دُنیا پر ترجیح دی، حضرت ابوبکرؓ یہ سن کر رونے لگے اور عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ)! میرے ماں باپ آپ پر قربان، اس پر لوگوں کو سخت تعجب ہوا کہ رونے کا کون سا موقع ہے، کہنے لگے ان بڑے میاں (ابوبکر) کو دیکھو کہ رسول اللہ ﷺ تو اطلاع دے رہے ہیں کہ اللہ نے ایک بندے کو دُنیاوی مال ومتاع اور اخروی لذتوں کے درمیان اختیار دیا کہ ان میں سے جس کو چاہے اختیار کرے اور یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمارے ماں باپ آپ (ﷺ) پر قربان۔

چند روز بعد جب آنحضرت ﷺ کی وفات ہوئی تو پتہ چلا کہ بندہ سے مراد خود ذاتِ

---

1) خلفائے راشدین از شاہ معین الدین ندوی، بحوالہ تذکرۃ الحفاظ

اقدس تھی اور ابوبکر ہم میں سے سب سے زیادہ دانشمند تھے (کہ اشارۂ نبوی ﷺ کو فوراً سمجھ گئے)۔

پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''لوگوں میں سب سے زیادہ صحبت (وخدمت) اور مال خرچ کرنے والے ابوبکر ہیں، اگر میں بجز خدا کسی کو جانی دوست بناتا تو ابوبکر کو بناتا مگر اسلامی اخوت ہے جو ان کے ساتھ سب سے زیادہ ہے، مسجد میں کسی کی کھڑکی نہ رہے بجز ابوبکر کی کھڑکی کے''۔(1) آپؓ نے مرتدین اور منکرین زکوٰۃ سے لڑائیاں لڑ کر مکمل اسلام کو نافذ کیا اور اسلامی تعلیمی نظام کو تقویت دی۔

2.4.7) حضرت عمرؓ کا انکسار

بخاری شریف میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ پر حملہ ہوا اور زخمی ہو گئے، وصال کا وقت قریب آیا تو آنحضرت ﷺ کے روضہ مبارک میں دفن کے لئے جگہ مانگی۔ اپنے بیٹے حضرت عبداللہؓ کو حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس بھیجا تو انہیں ان الفاظ میں پیغام دیا۔

ام المومنین عائشہؓ کے پاس جاؤ، ان سے عرض کرنا عمرؓ سلام پیش کرتا ہے اور ہاں دیکھو، امیر المومنین کا لفظ استعمال نہ کرنا کیونکہ اب میں امیر المومنین نہیں ہوں۔

حضرت عبداللہؓ حضرت عائشہؓ کے پاس آئے، وہ رو رہی تھیں۔ حضرت عمرؓ کا سلام کہا اور پیغام پہنچایا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا اس جگہ کو میں اپنے لئے محفوظ رکھنا چاہتی تھی، لیکن آج میں عمرؓ کو اپنے آپ پر ترجیح دیتی ہوں، واپس جا کر حضرت عبداللہؓ نے خبر دی، آپؓ نے فرمایا یہی سب سے بڑی آرزو تھی، پھر فرمایا جب میری روح قبض ہو جائے تو چارپائی پر میری نعش لے جانا، دروازہ پر ٹھہر کر دوبارہ اجازت طلب کرنا، اگر اجازت مل جائے تو ٹھیک ورنہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میری حاکمانہ حیثیت کی بنا یہ جازت نہ دی گئی ہو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور پھر آپؓ کو روضہ رسول (ﷺ) میں دوبارہ حضرت عائشہؓ کی اجازت

1) جمع الفوائد، ص286، بحوالہ صحیح بخاری

کے بعد دفن کیا گیا۔

تاریخ الخلفاء کے مطابق حضرت عمرؓ نے فرمایا:

''میں اللہ تعالیٰ کے مال کو اپنے لئے مالِ یتیم تصور کرتا ہوں، اگر مجھے ضرورت نہ ہوئی تو میں اس میں سے کچھ بھی نہ لوں گا اور اگر ضرورت محسوس ہوئی تو دستور کے موافق استعمال کروں گا اور ممکن ہوا تو میں اس کی ادائیگی کرونگا''۔(1)

آپؓ بعض اوقات ایسا لباس زیب تن فرماتے جس پر تیس تیس پیوند لگے ہوتے۔

حیاتِ صحابہ میں تحریر ہے کہ یہ حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے آخری زمانے کی بات ہے کہ ایک روز حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے قاصد فتح کی بشارت لے کر دربارِ خلافت میں حاضر ہوئے۔ وہ اپنے ساتھ مسلمانوں کے بیت المال کے لئے اس مالِ غنیمت کا خُمس بھی لائے تھے جس کو غازیانِ اسلام نے حاصل کیا تھا۔ جب وہ تمام چیزیں حضرت عمرؓ کے سامنے رکھی گئیں تو انہیں دیکھ کر حیران وششدر رہ گئے۔ ان چیزوں میں کسریٰ کا وہ تاج تھا جو موتیوں سے مرصع تھا، اس کے وہ کپڑے تھے جن کے اوپر زردوزی کا کام ہوا تھا، اس کا وہ پٹکا جس میں جواہرات اور ہیرے جڑے ہوئے تھے، ان کے وہ کنگن تھے، جن کی مثل کسی آنکھ نے کبھی نہیں دیکھی تھی اور ان کے علاوہ دوسری بے شمار قیمتی اور نفیس چیزیں تھیں۔ حضرت عمرؓ اس قیمتی خزانے کو ایک چھڑی سے جو ان کے ہاتھ میں تھی، الٹ پلٹ کر رہے تھے، پھر انہوں نے اپنے گرد وپیش کے لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔''جن لوگوں نے اس امانت کو ادا کیا ہے، یقیناً وہ انتہائی امانت دار لوگ ہیں''۔

خلیفہ کی یہ بات سن کر حضرت علی ابن ابی طالبؓ نے جو اس وقت وہاں موجود تھے۔ ان سے کہا:''اے امیر المؤمنین! آپ نے لوگوں کے اموال پر دست درازی سے احتراز کیا، اسی لئے آپ کی رعایا بھی ان سے مجتنب رہی، اگر آپ ان کا مال غلط طریقے سے کھاتے تو وہ بھی کھاتی''۔

1) تاریخ الخلفاء، ص139

2.4.8) حضرت عمرؓ اور احترام عدلیہ

حضرت شعبیؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ کے درمیان کھجور کے ایک درخت کے بارے میں جھگڑا ہو گیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا آؤ! اپنے فیصلے کے لئے کسی کو ثالث مقرر کر لیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابتؓ کو اپنا ثالث بنالیا۔

یہ دونوں حضرات حضرت زیدؓ کے پاس گئے، حضرت عمرؓ نے فرمایا، ہم آپ کے پاس اس لئے آئے ہیں تا کہ آپ ہمارے درمیان فیصلہ کر دیں، حضرت زیدؓ نے حضرت عمرؓ کی تعظیم کرتے ہوئے اپنے سرہانے بٹھانا چاہا اور کہا، امیر المؤمنین! یہاں تشریف رکھیں، حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا یہ پہلا ظلم ہے جو آپ نے اپنے فیصلہ میں کیا ہے میں تو اپنے فریق مخالف کے ساتھ بیٹھوں گا۔ حضرت ابیؓ نے اپنا دعویٰ پیش کیا جس کا حضرت عمرؓ نے انکار کیا، حضرت زیدؓ نے حضرت ابیؓ سے کہا، قاعدہ کے مطابق مدعا علیہ کو قسم کھانا پڑتی ہے لیکن میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ امیر المؤمنین کو قسم کھانے کی زحمت نہ دیں، حضرت عمرؓ نے اس رعایت کو قبول نہ کیا بلکہ قسم کھا کر کہا زید صحیح قاضی تب بن سکتے ہیں جب ان کے نزدیک عمر اور ایک عام مسلمان برابر ہو۔(1)

2.4.9) حضرت عمرؓ اور انصاف کی حکمرانی ومساوات

یہ ان دنوں کا واقعہ ہے جب حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بصرہ کے گورنر تھے، امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے دو صاحبزادے حضرت عبداللہؓ اور حضرت عبید اللہؓ کسی مہم کے سلسلے میں عراق تشریف لے گئے، جب اپنے کام سے فارغ ہوئے تو واپسی پر بصرہ میں آئے اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے پاس پہنچے۔ انہوں نے دونوں حضرات کا بڑی خوشدلی کے ساتھ استقبال کیا اور ان کی خوب خاطر تواضع کی۔ پھر جب وہ مدینہ منورہ روانہ ہونے لگے تو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے ان سے فرمایا کہ اے بھتیجو! میرے پاس صدقے کا کچھ مال ہے، جس کو امیرا لمومنین کی خدمت میں بھیجنا مقصود ہے۔ آپ ایسا کریں کہ یہ مال مجھ سے لے لیں اور اس سے

1) حیاۃ الصحابہ، ج2، ص129، بحوالہ ابن عساکر

تجارت کا مال خرید کر لے جائیں، مدینہ منورہ پہنچ کر سامان کو فروخت کر دیں اور اس سے جو منافع بھی حاصل ہو، وہ آپ رکھ لیں اور جو اصل ہے۔ وہ امیر المومنین کی خدمت میں پہنچا دیں۔ حضرت عبداللہؓ اور حضرت حضرت عبیداللہؓ نے فرمایا کہ کہیں یہ نہ ہو کہ اس بات سے امیر المومنین ہم سے ناراض ہو جائیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے فرمایا آپ فکر نہ کریں، میں اس کے بارے میں امیر المومنین کو اطلاع بھجوا دیتا ہوں، چنانچہ دونوں صاحبزادگان نے وہ مال لیکر اس سے تجارت کا سامان خریدا اور مدینہ منورہ میں لاکر فروخت کر دیا، اس طرح سے بہت زیادہ منافع حاصل ہوا۔

اس کے بعد وہ گورنر بصرہ کی طرف سے بھیجا جانے والا اصل مال لیکر حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ آپ کے گوش گزار کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، مجھے صرف یہ بتاؤ کہ گورنر بصرہ نے تمام فوج کے ساتھ یہی معاملہ کیا ہے؟ بیٹوں نے عرض کیا ابا جان! سب کے ساتھ تو یہ معاملہ نہیں کیا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ گورنر بصرہ نے میرے بیٹے سمجھ کر تمہارے ساتھ یہ رعایت برتی ہے۔ صاحبزادگان نے عرض کیا یہی بات ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے حکم فرمایا کہ اصل رقم اور منافع دونوں بیت المال میں جمع کروا دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا تا کہ انصاف کی حکمرانی میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آنے پائے۔(1)

2.4.10) مسجد کی جگہ کی خرید میں حضرت عمرؓ کا رویہ

حضرت سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ارادہ فرمایا کہ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کا گھر لے کر مسجد نبوی میں شامل کر دیں، حضرت عباسؓ نے انہیں گھر دینے سے انکار کر دیا، حضرت عمرؓ نے کہا میں تو یہ گھر ضرور لوں گا، حضرت عباسؓ نے کہا کہ حضرت ابی بن کعبؓ سے فیصلہ کروا لو۔ حضرت عمرؓ نے کہا ٹھیک ہے۔ چنانچہ دونوں حضرات ابی بن کعبؓ کے پاس آئے اور سارا قصہ بیان کیا۔

1) سیرت عمر فاروق، ص 146، بحوالہ ابن عساکر

حضرت ابیؓ نے کہا کہ اللہ نے حضرت سلیمانؑ کی طرف وحی بھیجی کہ وہ بیت المقدس کی تعمیر کریں، وہ زمین ایک آدمی کی تھی۔ حضرت سلیمانؑ نے وہ زمین اس سے خریدی، جب اسے قیمت ادا کرنے لگے تو اس آدمی نے کہا جو قیمت تم مجھے دے رہے ہو وہ زیادہ بہتر ہے یا جو زمین تم مجھ سے لے رہے ہو وہ زیادہ بہتر ہے؟ حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ جو زمین میں تجھ سے لے رہا ہوں وہ زیادہ بہتر ہے تو اس پر اس آدمی نے کہا کہ میں اس قیمت پر راضی نہیں ہوں۔ پھر حضرت سلیمانؑ نے پہلے سے زیادہ قیمت کی پیشکش فرمائی۔

اس آدمی نے حضرت سلیمانؑ کے ساتھ دو تین مرتبہ اس طرح کیا۔ ایک قیمت مقرر کر کے پھر اس سے زیادہ کا مطالبہ کر دیتا۔ آخر حضرت سلیمان نے یہ شرط لگائی کہ تم جتنی قیمت کہہ رہے ہو میں اتنے خریدتا ہوں لیکن تم بعد میں یہ نہ پوچھنا کہ زمین اور قیمت میں سے کون سی چیز اچھی ہے، چنانچہ اس کی بتائی ہوئی قیمت پر خریدنے لگے تو اس نے بارہ ہزار قنطار سونا قیمت لگائی (ایک قنطار چار ہزار دینار کو کہتے ہیں) حضرت سلیمان کو یہ قیمت بہت زیادہ لگی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی اگر تم اسے یہ قیمت اپنے پاس سے دے رہے ہو پھر تو تم جانو اور اگر تم ہمارے دیئے ہوئے مال سے دے رہے ہو تو پھر تم اسے اتنا راضی کر دو کہ وہ راضی ہو جائے۔ چنانچہ حضرت سلیمانؑ نے ایسا ہی کیا۔

پھر حضرت ابیؓ نے فرمایا کہ میرا فیصلہ یہ ہے کہ حضرت عباسؓ اپنے گھر کے زیادہ حق دار ہیں، اگر ان کا گھر مسجد میں شامل کرنا ہی ہے تو پھر جس طرح راضی ہوں ان کو راضی کیا جائے۔ اس پر حضرت عباسؓ نے کہا جب آپ نے میرے حق میں فیصلہ کر دیا ہے تو میں اب یہ گھر مسلمانوں کیلئے صدقہ کرتا ہوں۔(1)

2.4.11) حضرت عمرؓ کا عدل اور صحابہ کرام کی انسانیت نوازی

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ کے دربار عدل وانصاف میں دو نوجوان ایک نوجوان کو پکڑ کر

1) حیاۃ الصحابہ، ج2، ص131، بحوالہ کنز العمال

حاضر ہوئے۔ دونوں نوجوانوں نے پکڑے ہوئے نوجوان پر فرد جرم عائد کی کہ اس نے ہمارے باپ کو قتل کر دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس نوجوان کی طرف دیکھا اور اس سے پوچھا کہ اے نوجوان! تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟ کیا واقعی تم نے ان دونوں کے والد کو قتل کیا ہے؟

نوجوان نے عرض کیا اے امیر المومنین! بلاشبہ مجھ سے یہ قصور سرزد ہوا ہے اور میں نے غصہ کی حالت میں ایک پتھر اٹھا کر ان کے والد کو مارا جس کے لگنے سے وہ ہلاک ہو گیا۔ لیکن اللہ جانتا ہے کہ میرا ارادہ اسے قتل کرنے کا ہرگز نہیں تھا۔ آپؓ نے اس کی بات سن کر فرمایا اے نوجوان! اب چونکہ تم نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا ہے اس لئے اسلامی اصولوں کے مطابق ضروری ہے کہ تجھ سے قصاص لیا جائے۔ اس نوجوان نے خاموشی سے اپنا سر جھکا دیا۔ اب ان دونوں نوجوانوں سے دریافت کیا گیا کہ وہ اپنے والد کے بدلے میں کیا چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہم جان کے بدلے جان لیں گے، چنانچہ فیصلہ ہو گیا کہ وہ نوجوان جان کے بدلے جان پیش کرے۔

اس نوجوان نے فیصلہ سن کر حضرت عمرؓ سے عرض کیا۔ یا امیر المومنین! میں قصاص کے لئے حاضر ہوں۔ ایک بات گوش گزار کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے اُسے اپنی بات کہنے کی اجازت عطا فرمائی۔

اس پر اس نوجوان نے کہا میرا ایک چھوٹا بھائی ہے جو کہ ابھی نابالغ ہے، میرے مرحوم والد نے مرنے سے پہلے کچھ سونا میرے سپرد کیا تھا اور مجھے وصیت کی تھی کہ جب وہ بالغ ہو جائے تو میں اس کے سپرد کر دوں۔ میں نے اس سونے کو ایک مقام پر دفن کیا ہوا ہے جس کا علم میرے سوا اور کسی کو بھی نہیں ہے، اگر وہ سونا اس کو نہ ملا تو میں سمجھتا ہوں کہ روز قیامت اس کی ذمہ داری مجھ پر ہو گی، اس لئے مجھے کم از کم اتنی مہلت دے دی جائے تا کہ میں امانت اس کے حقدار تک پہنچا آؤں، اس مقصد کے لئے مجھے تین دن کے لئے ضمانت پر رہا کر دیا جائے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے اس نوجوان کو فرمایا کہ میں تمہاری درخواست قبول کرتا ہوں لیکن تمہاری ضمانت کون دے گا کہ تم تین دن کے بعد قصاص کے لئے حاضر ہو جاؤ گے؟ اس وقت دربار فاروقی میں بے شمار لوگ اس منظر کو دیکھ رہے تھے، بڑے بڑے جید صحابہ کرامؓ بھی تشریف

فرماتے، اس نوجوان نے دربار میں کھڑے سب لوگوں کی طرف نظر دوڑائی کہ شاید کوئی اس کا جاننے والا ہو جو اس کی ضمانت دے دے۔ اچانک اس کی نظر حضرت ابوذر غفاریؓ پر ٹھہر گئی اور اس نے حضرت ابوذر غفاریؓ کی طرف اشارہ کر کے کہا یہ میری ضمانت دے دینگے۔ حضرت عمرؓ نے دریافت فرمایا! اے ابوذر غفاریؓ! کیا تم اس نوجوان کی ضمانت دیتے ہو؟ انہوں نے فرمایا بلاشبہ میں اس نوجوان کی ضمانت دیتا ہوں کہ یہ تین دن کے بعد حاضر ہو جائے گا۔

دونوں مدعی نوجوان نے حضرت ابوذر غفاریؓ کی ضمانت پر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے تین دن کے لئے نوجوان کو رہا کر دیا، جب تیسرا دن آیا تو دونوں مدعی پھر حضرت عمرؓ کے دربار میں پیش ہو گئے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ بھی موجود تھے، دربار میں پہلے سے زیادہ لوگوں کا ہجوم تھا، بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرامؓ بھی آ موجود ہوئے تھے، لوگوں میں یہ چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں کہ وہ نوجوان اپنی جان بچانے کے لئے چکر دے گیا ہے۔ کون بے وقوف ہو گا جو اس طرح بچ جانے کے بعد خود ہی اپنی جان دینے کے لئے آ جائے گا۔ جوں جوں وعدہ ختم ہونے کا وقت آتا جا رہا تھا، تشویش بڑھتی جا رہی تھی، مجرم کا دور دور تک کوئی پتہ نہ تھا۔

دونوں مدعی نوجوانوں کو اس بات پر سخت غصہ چڑھا ہوا تھا کہ حضرت ابوذر غفاریؓ نے ضمانت دیکر ان کے باپ کے قاتل کو بھگا دیا ہے۔ جب ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو انہوں نے آگے بڑھ کر کہا اے ابوذر! ہمارا مجرم کہاں ہے؟ حضرت ابوذر غفاریؓ نے بڑے ہی حوصلے اور پرسکون لہجے میں فرمایا، اگر تیسرے دن کا مقررہ وقت گزر گیا اور وہ نوجوان حاضر نہ ہوا تو اللہ کی قسم! میں اپنی ضمانت ضرور پوری کروں گا۔ دربار فاروقی میں سناٹا چھایا ہوا تھا اور مقررہ وقت کے پورا ہونے کا انتظار ہو رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے بھی یہ فیصلہ سنا دیا کہ اگر مجرم نہ آیا تو حضرت ابوذر غفاری کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جو اسلامی شریعت کے مطابق ضامن کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

اس فیصلے کو سن کر جید صحابہ کرامؓ بھی پریشان ہو گئے اور دوسرے سب مسلمان بھی تشویش

میں مبتلا ہو گئے۔ بعض لوگوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے کہ اگر وہ نوجوان نہ آیا تو حضرت ابوذر غفاریؓ سے قصاص طلب کر لیا جائے گا۔ چنانچہ لوگوں نے مقررہ وقت گزرنے سے پہلے ہی دونوں مدعی نوجوانوں کو اس بات پر راضی کرنے کی کوشش شروع کر دی کہ وہ کسی طرح خون بہا قبول کرنے پر راضی ہو جائیں لیکن انہوں نے خون بہا لینے سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ ہم خون کے بدلے میں خون ہی چاہتے ہیں۔

اسی اثناء میں ایک طرف سے شور اٹھا، لوگوں نے دیکھا کہ وہ مجرم بھاگتا ہوا چلا آ رہا ہے۔ وہ پسینے میں شرابور دوڑتا ہوا حاضر ہو گیا، آتے ہی سب کو سلام کیا اور عرض کیا کہ اے امیر المومنین! میں اپنے چھوٹے بھائی کو اپنے ماموں کے حوالے کر آیا ہوں اور اس کی امانت بھی ان کو بتا دی ہے، اب آپ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کا فرمان پورا کریں، میں حاضر ہوں۔ تمام مجمع پر سکتہ طاری تھا۔

اچانک لوگوں کے درمیان میں سے نکل کر حضرت ابوذر غفاریؓ آگے بڑھے اور فرمایا۔ اے امیر المومنین! میں جانتا بھی نہ تھا کہ یہ نوجوان کون ہے اور کس جگہ کا رہنے والا ہے اور نہ ہی میں نے اس دن سے پہلے اس کو کبھی دیکھا تھا لیکن جب اس نے سب لوگوں کو چھوڑ کر مجھے اپنا ضامن بنایا تو مجھے یہ اچھا معلوم نہ ہوا کہ میں اس کا دل توڑوں اور پھر مجھے اس کی شکل وصورت نے اس بات کا یقین دلا دیا تھا کہ یہ نوجوان اپنے وعدہ کی ضرور پاسداری کرے گا، اس لئے میں نے اس کی ضمانت دے دی۔

نوجوان کے حاضر ہو جانے پر دربار فاروقی میں موجود لوگوں کے چہروں پر خوشی کے آثار نمودار ہو گئے تھے اور سب لوگ نوجوان کے وعدے کی پاسداری پر عش عش کر رہے تھے، وہ دونوں مدعی نوجوان بھی اس نوجوان کے اس فعل سے متاثر ہو گئے تھے، چنانچہ انہوں نے با آواز بلند عرض کیا، اے امیر المومنین! ہم اپنے باپ کا خون معاف کرتے ہیں، یہ آواز سن کر سب لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ حضرت عمر فاروقؓ بھی یہ منظر دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا، اے

نوجوانو! تمہارے باپ کا خون بہا میں بیت المال سے ادا کروں گا، نوجوانوں نے جواب دیا، امیر المومنین! ہم نے صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر اپنے ملزم کو معاف کیا۔

حضرت عمرؓ نے اپنے دور میں تعلیمی نظام میں نئی اصلاحات متعارف کروائیں۔

2.4.12) حضرت عثمان غنیؓ

آپؓ کو ذوالنورین کہا جاتا ہے۔ آپ بہت سخی تھے، مختلف مواقع پر آپؓ نے اسلام کے لئے اپنے مال کا بے دریغ اور کھلے دِل سے استعمال فرمایا۔ جنگ تبوک میں نصف فوج کے اخراجات اور ساتھ ساتھ نوسو پچاس اونٹ اور گھوڑوں کا بندوبست فرمایا۔ آپؓ نے بئر رومہ خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف فرمایا اور بہت سے غلام آزاد فرمائے۔ آپؓ نے بیت المال سے اپنے گزارہ کے لئے کچھ نہیں لیا۔ آپؓ نے اپنی جان دے دی مگر حرمِ نبوی میں خون بہانا پسند نہ فرمایا۔

آپؓ نے قرآن مجید کی نقلیں کروا کر تمام مملکتِ اسلامیہ میں بھجوائیں، اس مصحف عثمانی پر تمام اُمت متفق ہوئی۔ آپؓ کے لئے بیعت رضوان منعقد ہوئی، جس کا قرآن مجید میں ذکر یوں ہے کہ:

"اللہ مومنوں سے راضی ہو گیا ہے جب انہوں نے درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کی"۔

2.4.13) حضرت عثمانؓ اور بئر رومہ کی خریداری

مدینہ آنے کے بعد مہاجرین کو پانی کی سخت تکلیف تھی، تمام شہر میں صرف بئر رومہ ایک کنواں تھا جس کا پانی پینے کے لائق تھا لیکن اس کا مالک ایک یہودی تھا اور اس نے اس کو ذریعہ معاش بنا رکھا تھا، حضرت عثمانؓ نے اس عام مصیبت کو ختم کرنے کے لئے اس کنویں کو خرید کر وقف کر دینا چاہا، سعی بلیغ کے بعد یہودی صرف نصف حق فروخت کرنے پر راضی ہوا، حضرت عثمانؓ نے بارہ ہزار درہم میں نصف کنواں خرید لیا اور یہ شرط قرار پائی کہ ایک دن حضرت عثمانؓ کی باری ہوگی اور دوسرے دِن اس یہودی کے لئے یہ کنواں مخصوص رہے گا۔

جس روز حضرت عثمانؓ کی باری ہوتی تھی اس دن مسلمان اس قدر پانی بھر کر رکھ لیتے تھے کہ دو دن تک کے لئے پانی کافی ہوتا تھا۔ یہودی نے دیکھا کہ اس سے اب کچھ نفع نہیں ہو سکتا تو وہ بقیہ نصف بھی فروخت کرنے پر راضی ہو گیا، حضرت عثمانؓ نے آٹھ ہزار درہم میں خرید کر اسے عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا، اس طرح حضرت عثمانؓ کے فیضِ کرم کا اسلام میں یہ پہلا ترشح تھا جس نے توحید کے تشنہ لبوں کو سیراب کیا۔(1)

2.4.14) حضرت عثمانؓ اور مسجد نبوی کی توسیع

نبی اکرم ﷺ کے مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد آپ ﷺ نے محسوس فرمایا کہ مسجد تنگ ہو رہی ہے کیونکہ نمازیوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے، مسجد کے پڑوس میں ایک شخص کا مکان تھا، آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ اس مکان کو خرید کر مسجد میں شامل کر لیا جائے، چنانچہ ایک روز آپ ﷺ نے اپنے خطبہ میں صحابہ کرام کو اس کی ترغیب دی اور جنت کا وعدہ فرمایا، جس پر سیدنا عثمانؓ نے بیس یا پچیس ہزار درہم میں وہ مکان خرید لیا اور آپ ﷺ کو اطلاع دی، آپ ﷺ بہت خوش ہوئے اور سیدنا عثمانؓ کو جنت کی خوشخبری دی۔

29ھ میں سیدنا عثمانؓ نے اس میں مزید توسیع فرمائی اور سیدنا ابوبکرؓ کا وہ مکان جس کا دروازہ جناب رسالت پناہ ﷺ نے مسجد نبوی میں آنے جانے کے لئے کھلا رکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی، خرید کر مسجد نبوی میں شامل کر لیا اور چونا اور منقش پتھروں سے بڑے خوبصورت انداز میں اسے تعمیر کروایا۔(2)

2.4.15) حضرت علیؓ کا ایثار

ہجرت کی رات حضرت علیؓ نے حضور نبی اکرم ﷺ کے بستر پر سو کر ایثار کا بے نظیر نمونہ پیش کیا۔ اس رات کفار نے حضور نبی اکرم ﷺ کو شہید کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے

---

1) خلفائے راشدین از شاہ معین الدین ندوی، ص 169، بحوالہ طبقات ابن سعد، ج 3

2) سیرت عثمانؓ بحوالہ ابن اثیر، ج 3

حضرت علیؓ اور اپنے رسول ﷺ کے درمیان برادری قائم فرمائی۔ حضرت علیؓ نے اپنے قتل اور موت کو پسند فرمایا اور وہ حضور ﷺ کی جگہ پر سو گئے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے جبرائیل اور میکائیل کو حکم دیا کہ وہ حضرت علیؓ کو محفوظ رکھیں۔ حضرت علیؓ کے اس ایثار پر ان کی شان میں آیت کریمہ ہے کہ:

"لوگوں میں سے کون ہے جو اپنی جان کو خدا کی رضا کے لئے فروخت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ مہربان ہے"۔ (1)

حضرت علیؓ نے ایک بار حضرت امام حسینؓ کو نصیحت و وصیت فرمائی جو کہ تمام اساتذہ کے لئے زادِ راہ ہے۔ آپؓ نے فرمایا:

"اے میرے بیٹے! اپنے نفس کو ترازو بنالے جو تیرا اور غیر کا معاملہ تیرے سامنے درست تول دے، دوسرے کے لئے بھی وہی پسند کر جو اپنے لئے کرتا ہے۔ اگر تو چاہتا ہے کہ تیرے ساتھ احسان کا سلوک کیا جائے تو دوسروں سے بھی احسان کا سلوک کر جو چیز تو دوسروں کی ناپسند کرتا ہے، اپنے میں سے بھی اُسے نکال دے تو لوگوں سے راضی رہ، لوگ تجھ سے راضی رہیں گے، وہ بات منہ سے نہ نکال جس کا تجھے علم نہیں، وہ بات نہ کر جس کے لئے تو چاہتا ہے کہ لوگ تیرے بارے میں کہیں۔ (2)

2.4.16) خانوادۂ رسول ﷺ کا ایثار

نزہتہ المجالس میں تحریر ہے کہ ایک بار حضرت علیؓ کے گھر میں شدید فاقہ تھا۔ آپؓ نے ایک یہودی سے اُون لیا تا کہ سیدہ فاطمہ الزہراؓ اُسے بنیں جب بُن چکیں تو اس کا تین صاع گیہوں ملا۔

پہلے دِن ایک صاع گیہوں حضرت فاطمہ نے پیسا اور روٹیاں پکائیں جب حضرت علیؓ اور آپؓ بچوں سمیت کھانے بیٹھیں تو ایک مسکین نے دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا:

1) سید علی ہجویری، کشف المحجوب، ترجمہ محمد علی چراغ، 2000ء، بنذیر سنز 60 اے، اُردو بازار لاہور، ص 149
2) اسلامی حکایات، ص 236

''اے اہل بیت نبوت میں مسکین ہوں، مجھے کچھ کھلاؤ''۔

چنانچہ وہ چند روٹیاں جو پکی تھیں، اُسے دے دی گئیں۔

دوسرے دن سیدہ فاطمہ نے پھر ایک صاع غلہ پیسا اور روٹیاں پکائیں۔ جب کھانے کے لئے سارا گھرانہ تشریف فرما ہوا تو پھر کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا:

''اے اہل بیت نبوت میں یتیم ہوں اور بھوکا ہوں، خدا کے نام پر مجھے کھلاؤ''۔

ساری روٹیاں اُسے دے دی گئیں اور وہ دُعا دیتا چلا گیا۔

تیسرے دِن سیدہ ؓ نے پھر ایک صاع گیہوں پیسا، روٹی بنائی جب سب کھانے کے لئے بیٹھے تو پھر کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور صدا لگائی۔ اے اہل بیت نبوت میں بھوکا ہوں اور اسیر ہوں مجھے کچھ کھلاؤ، پھر ساری روٹیاں اُسے دے دی گئیں اور سب لوگوں نے پانی پی کر رات گزاری۔(1)

2.4.17) حضرت علیؓ اور غلبہ انصاف

حضرت علیؓ بن ربیعہؒ کہتے ہیں حضرت جعدہ بن ہبیرہ نے حضرت علیؓ کی خدمت میں آکر کہا۔ اے امیر المومنین! آپؓ کے پاس دو آدمی آئیں گے، اِن میں سے ایک کو تو اپنی جان سے بھی زیادہ آپ سے محبت ہے یا یوں کہا اپنے اہل وعیال اور مال ودولت سے بھی زیادہ محبت ہے اور دوسرے کا بس چلے تو آپ کو ذبح کردے، اس لئے آپ دوسرے کے خلاف پہلے کے حق میں فیصلہ دیں۔ اس پر حضرت علیؓ نے حضرت جعدہ کے سینہ پر مکہ مارا اور فرمایا اگر یہ فیصلے اپنے آپ کو راضی کرنے کے لئے ہوتے تو میں ضرور ایسا کرتا، لیکن یہ فیصلے تو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے ہوتے ہیں، اس لئے میں تو حق کے مطابق فیصلہ کروں گا، اب وہ فیصلہ چاہے جس کے حق میں ہو جائے۔(2)

---

1) اسلامی حکایات، ص207

2) حیاۃ الصحابہ، ج2، ص147، بحوالہ کنز العمال، ج3

2.4.18) حضرت علیؓ اور احترام عدلیہ

حضرت شعبی بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ ایک مرتبہ بازار تشریف لے گئے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک نصرانی ایک زرہ بیچ رہا ہے۔ حضرت علیؓ نے اس زرہ کو پہچان لیا اور فرمایا یہ زرہ میری ہے۔ چلو میرے اور تمہارے درمیان مسلمانوں کا قاضی فیصلہ کرے گا اور ان دنوں مسلمانوں کے قاضی شریح تھے، حضرت علیؓ نے ہی ان کو قاضی بنایا تھا، جب قاضی شریح نے امیر المومنین کو دیکھا تو اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے اور حضرت علیؓ کو اپنی جگہ بٹھایا اور خود ان کے سامنے اس نصرانی کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ حضرت علیؓ نے کہا اے شریح! اگر میرا فریق مخالف مسلمان ہوتا تو میں اس کے ساتھ بیٹھتا لیکن میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ان (غیر مسلم ذمیوں) سے مصافحہ نہ کرو اور ان کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو اور ان کے بیماروں کی بیمار پرسی نہ کرو اور ان کی نماز جنازہ نہ پڑھو اور ان کو راستے کے تنگ حصے پر چلنے پر مجبور کرو، انہیں چھوٹا بنا کر رکھو، جیسا اللہ تعالیٰ نے انہیں چھوٹا بنایا ہے۔ اے شریح! میرے اور اس کے درمیان فیصلہ کرو۔

حضرت شریح نے کہا اے امیر المومنین! آپ کیا کہتے ہیں؟ حضرت علیؓ نے کہا یہ زرہ میری ہے، کافی عرصہ پہلے یہ کہیں گر گئی تھی۔ حضرت شریح نے کہا اے نصرانی تم کیا کہتے ہو؟ اس نے کہ میں یہ نہیں کہتا، امیر المومنین غلط کہہ رہے ہیں لیکن یہ زرہ میری ہے۔ حضرت شریح نے کہا میرا فیصلہ یہ ہے کہ یہ زرہ اس سے نہیں لی جا سکتی کیونکہ آپ کے پاس کوئی گواہ نہیں۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ قاضی شریح نے ٹھیک فیصلہ کیا ہے۔ اِس پر اس نصرانی نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ انبیاء والے فیصلے ہیں کہ امیر المومنین اپنے ماتحت قاضی کے پاس آئے اور اس قاضی نے امیر المومنین کے خلاف فیصلہ کیا، اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ زرہ آپ کی ہے، آپ کے پیچھے میں چل رہا تھا آپ کے خاکی رنگ کے اونٹ سے گری تھی جسے میں نے اٹھا لیا تھا اور پھر اُس نصرانی نے کلمہ شہادت۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ پڑھا اس پر حضرت علیؓ نے کہا جب تم مسلمان ہو ہی گئے ہو تو اب یہ زرہ تمہاری ہے اور

اسے ایک گھوڑا بھی دیا۔(1)

2.4.19) حضرت علیؓ اور مقدمہ کا فیصلہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ دو شخص قریش کی ایک عورت کے پاس آئے اور دونوں نے اس کے پاس ایک سو دینار امانت رکھے اور دونوں نے یہ کہا کہ یہ ہم میں سے کسی ایک کو مت دینا، جب تک ہم میں سے دوسرا بھی ساتھ نہ ہو، ایک سال گزر جانے کے بعد ان میں سے ایک شخص آیا اور اس عورت سے کہا کہ میرے ساتھی کا انتقال ہو گیا، وہ دینار واپس کر دیجئے، اس نے انکار کر دیا اور کہا تم دونوں نے یہ کہا تھا کہ ہم میں سے کسی ایک کو نہ دینا۔ جب تک دوسرا ساتھی نہ ہو۔ اس لئے تجھے تنہا کو نہ دوں گی۔

اب اس شخص نے اس عورت کے متعلقین اور پڑوسیوں کو تنگ کر دیا اور وہ اس عورت سے بار بار کہتے رہے یہاں تک کہ اس نے دینار اس کو دے دیئے۔ اب ایک سال گزرا تھا کہ دوسرا شخص آیا اور اُس نے دیناروں کا مطالبہ کیا۔ عورت نے کہا تیرے ساتھی نے میرے پاس آ کر یہ بیان کیا کہ تو مر چکا ہے، وہ سب دینار مجھ سے لے گیا۔

اب دونوں یہ مقدمہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں لائے۔ آپؓ نے اِس کا فیصلہ کرنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ عورت نے کہا میں آپؓ کو خدا کی قسم دیتی ہوں کہ آپؓ خود فیصلہ نہ کریں اور ہم کو علیؓ کے پاس بھیج دیں، چنانچہ حضرت علیؓ کے پاس دونوں کو بھیج دیا گیا، حضرت علیؓ نے فوراً پہچان لیا کہ دونوں نے مل کر عورت کے ساتھ فریب کیا ہے، آپؓ نے اس شخص سے یہ فرمایا کہ تم دونوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم میں سے کسی ایک کو مت دینا، جب تک دوسرا ساتھی موجود نہ ہو؟ اُس نے کہا بیشک کہا تھا۔ فرمایا کہ تمہارا مال تمہارے پاس ہے جاؤ دوسرے ساتھی کو لے آؤ تا کہ تمہیں تمہارا مال دے دیا جائے۔(2)

1) حیاۃ الصحابہ، ج1، ص307، بحوالہ ترمذی وحاکم

2) لطائف علمیہ، ص39

2.4.20) ایک پیچیدہ مقدمہ اور حضرت علیؓ

یہ واقعہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہ کے دور مبارک کا ہے۔ دو مسافر کافی چلنے کے بعد تھک گئے تو انہیں شدت سے بھوک محسوس ہوئی، دونوں ایک سایہ دار درخت کے نیچے اطمینان سے بیٹھ گئے اور اپنے اپنے توشے دستر خوان پر رکھ دیئے۔ ایک کے پاس پانچ روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس تین۔ ابھی کھانا شروع بھی نہیں کیا تھا کہ ایک تیسرا مسافر پاس سے گزرا، اُس نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا اور اُسے کھانے کی دعوت دی۔ وہ بے تکلف ہو کر شریک ہو گیا۔ تینوں نے روٹیاں برابر کھائیں۔

کھانا کھانے کے بعد وہ صاحب کھڑے ہوئے اور ان دونوں کے پاس آٹھ درہم رکھتے ہوئے کہا۔ میں نے آپ دونوں صاحبان کا جو کھانا تناول کیا ہے اس کے عوض یہ درہم رکھ لیجئے۔ وہ صاحب تو دام دے کر چلے گئے مگر ان دونوں حضرات کے درمیان بٹوارے کا تنازع (جھگڑا) شروع ہو گیا، جن صاحب کے پانچ روٹیاں تھیں، ان کا کہنا تھا کہ پانچ درہم میرے اور تین تمہارے، انہوں نے یہ فیصلہ شاید اس لئے کیا کہ وہ سمجھ رہے تھے، رقم دینے والے آٹھ درہم اس لئے دیئے کہ ہر روٹی کے عوض ایک درہم دیا جائے، اس لئے پانچ روٹی کے مالک اپنے حق میں پانچ درہم رکھنا چاہتے تھے اور دوسرے صاحب کو تین روٹی کے عوض تین درہم دینا چاہتے تھے۔ مگر دوسرے صاحب تین درہم لینے کے لئے تیار نہ تھے، اُن کا کہنا تھا کہ یہ درہم دونوں کو ایک ساتھ دیئے گئے ہیں، اس لئے اس کے برابر حصے کیجئے، اس طرح میرے حصے میں چار درہم آنے چاہئیں۔ وہ چار درہم لینے کے لئے بضد تھے۔ آخر گفت و شنید سے مسئلہ حل نہ ہو سکا تو وہ امیر المومنین حضرت علیؓ کی بارگاہ میں فیصلے کے لئے حاضر ہوئے۔ دونوں نے پورا واقعہ تفصیلاً بیان کر دیا۔

پورا واقعہ سننے کے بعد آپؓ نے تین روٹی والے سے فرمایا کہ جب تمہارا ساتھی تمہیں تین درہم دے رہا ہے تو تم تین درہم پر راضی ہو جاؤ لیکن وہ چار پر ہی اڑ گیا۔ آپؓ نے اُس سے فرمایا ویسے وہ تمہیں تین درہم دیکر تم پر احسان ہی کرنا چاہتا ہے، ورنہ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ تمہیں

ایک ہی درہم ملنا چاہیئے۔اس شخص نے بہت ہی ادب سے کہا سبحان اللہ! اگر انصاف کا یہی تقاضا ہے تو اس کی وجہ مجھے بتایئے، میں اسے قبول کروں گا۔

حضرت علیؓ نے اُسے سمجھاتے ہوئے فرمایا روٹیاں آٹھ تھیں اور کھانے والے تین، ظاہر ہے کہ تین پر آٹھ برابر تقسیم نہیں ہوتے۔اس لئے مانا یہ جائے گا کہ سب نے برابر روٹیاں کھائی ہیں تو سب کو مساوی کرنے کے لئے روٹیوں کے حصے یا ٹکڑے بنائے جائیں۔ ہر روٹی کو تین ٹکڑوں میں تقسیم کیا جائے۔اس طرح آٹھ روٹیوں کے چوبیس (24) ٹکڑے ہوئے، اس حساب سے ہر شخص نے روٹی کے آٹھ ٹکڑے کھائے۔اب چونکہ تمہاری تین روٹیاں تھیں، اس لئے اس کے نو ٹکڑے ہوئے۔جس میں سے آٹھ ٹکڑے تم نے کھا لئے، باقی بچا ایک ٹکڑا جو تیسرے شخص نے کھایا۔تمہارے ساتھی کے پاس پانچ روٹیاں تھیں۔ان کے پندرہ ٹکڑے ہوئے جن میں سے آٹھ ٹکڑے اُس نے خود کھائے، باقی بچے سات ٹکڑے جو تیسرے صاحب نے کھائے، معلوم ہوا کہ اس شخص نے تمہاری روٹی کا صرف ایک ہی ٹکڑا کھایا، اس لئے تمہارا حق صرف ایک درہم ہے اور تیسرے نے اس کی روٹی کے سات ٹکڑے کھائے، اس لئے اس کا حق سات درہم ہے، وہ شخص اسی فیصلہ پر راضی ہوگیا۔(1)

2.4.21) حضرت علیؓ اور خودداری

حضرت صالح کمبل فروشؒ کہتے ہیں کہ میری دادی جان نے یہ بیان کیا کہ میں نے ایک مرتبہ دیکھا کہ حضرت علیؓ نے ایک درہم کی کھجوریں خریدیں اور انہیں اپنی چادر میں ڈال کر (اپنے دوش پر) اٹھانے لگے تو میں نے یا کسی نے ان سے کہا کہ اے امیر المومنین! آپ کی جگہ میں اٹھالیتا ہوں، حضرت علیؓ نے فرمایا: لا ابو الصیال احق ان یحمل نہیں! میں نے یہ کھجوریں بچوں کے لئے خریدی ہیں، اس لئے بچوں کا باپ ہی انہیں اُٹھانے کا زیادہ حقدار ہے۔(2)

1) بکھرے موتی، ج3، ص28، بحوالہ تاریخ الخلفاء

2) حیاۃ الصحابہ، ج2، ص712، بحوالہ الادب المفرد

2.4.22) حضرت ابن عمرؓ کا بھوکا رہنا

حضرت ابن سیرینؒ کہتے ہیں ایک آدمی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کیا میں آپ کے لئے جوارش تیار کروں؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ، نے پوچھا جوارش کیا چیز ہوتی ہے۔ اس آدمی نے کہا اگر آپ کسی دن کھانا اتنا زیادہ کھالیں کہ سانس لینا بھی مشکل ہو جائے اور پھر اس جوارش کو استعمال کر لیں تو اس سے اس کھانے کو ہضم کرنا آسان ہو جائے گا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا میں نے تو چار ماہ سے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا اور یہ اس وجہ سے نہیں کہ مجھے کھانا ملتا نہیں ہے۔ کھانا تو بہت ہے لیکن میں حضرت عمرؓ کے ساتھ رہا ہوں، جو ایک وقت پیٹ بھر کر کھانا کھاتے تھے اور دوسرے وقت بھوکے رہتے تھے۔ (1)

2.4.23) اسلامی فوج کا بے مثل کردار

حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں مسلمان بیت المقدس کی فتح کے لئے کوشاں تھے کہ وہاں کے علماء و احبار کی خواہش کے مطابق حضرت عمر فاروقؓ بذات خود مدینہ منورہ سے محاذ جنگ پر تشریف لائے۔ بیت المقدس کے علماء و احبار جو خود اگرچہ حضرت عمر فاروقؓ پر نور الٰہی اور حقیقت کے آثار نمایاں دیکھ کر دل سے ان کے قائل ہو چکے تھے مگر اپنی قوم کو مسلمانوں کے بلند اخلاق کا قائل کرانے کے لئے یہ بات پیش کی کہ ہم بیت المقدس کا بڑا بازار نہایت آراستہ و پیراستہ کرتے ہیں۔ اس بازار سے اسلامی فوج ایک مرتبہ گزر جائے۔ اس طرف سے داخل ہو کر اس طرف نکل جائے۔ چنانچہ یہ بات طے ہوگئی اور ان لوگوں نے شہر کا بازار خوب آراستہ کیا اور اس میں ہر قسم کی اشیاء مہیا کیں اور ہر ایک مکان پر ایک ایک خوبصورت حسینہ و جمیلہ عورت کو بٹھا دیا اور بازار کو مردوں سے بالکل خالی کر دیا اور عورتوں کو حکم دیا کہ اسلامی فوج بازار میں داخل ہو تو وہ جس چیز کو خواہش کریں۔ ان کو بلا قیمت بے تامل دے دیں اور بے حجابانہ ملاطفت و ناز و ادا سے پیش آئیں اور ان کو اپنی طرف مائل کریں اور یہ سب انتظام مکمل ہو جانے کے بعد پھر مسلمانوں سے کہا گیا کہ اسلامی فوج کو اس بازار سے گزرنے کا حکم دیا جائے۔ اُدھر اسلامی فوج بازار سے گزرنے کے لئے

1) طبقات ابن سعد

تیار ہوئی تو سپہ سالار نے قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی۔

قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ

''مومنوں سے فرما دیجئے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں''۔

اس ایک آیت کے سنانے کا یہ اثر دکھایا کہ اسلامی فوج بازار میں نظریں نیچی کئے ہوئے داخل ہوئی اور کسی ایک سپاہی نے بھی آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھا کہ یہاں کیا ہے اور کون ہے؟ اور وہ خدا کے خائف بندے اسلامی شان کے ساتھ ایک طرف سے بازار میں داخل ہوئے اور دوسری طرف سے نکل گئے۔ اس کا بیت المقدس کے شہریوں پر بہت مثبت اثر ہوا۔

2.4.24) ہونا ہے تمہیں خاک سب خاک سمجھنا

حضرت عمرؓ نے حضرت سعید بن عامرؓ کو حمص کا امیر (گورنر) بنایا، ایک عرصہ بعد اہل حمص حضرت عمرؓ کے پاس آئے تو آپؓ نے ان سے کہا ''اپنے فقراء کے نام لکھ دو تا کہ ہم ان کی مدد کر سکیں''۔ انہوں نے فقراء حمص کے نام لکھ کر پیش کئے تو ان میں ایک نام سعید بن عامرؓ کا تھا، پوچھا، ''کون سعید بن عامر؟'' کہا ''ہمارا امیر'' پوچھا، ''تمہارا امیر فقیر ہے؟'' کہا، ''جی ہاں! کئی دن گزر جاتے ہیں اور ان کے گھر آگ نہیں جلتی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر رونے لگے اور ایک ہزار دینار ان کے لئے بھیجے۔

جب وہ دینار ان کو ملے تو یک دم ''انا للہ...'' پڑھنے لگے، بیوی نے کہا کیا بات ہے، امیر المؤمنین انتقال کر گئے؟ کہا ''معاملہ اس سے بھی بڑھ کر ہے، دُنیا میرے پاس آنے لگی، فتنہ میرے پاس آنے لگا، مجھ پر چھانے لگا'' کہنے لگی ''اس کا تو حل ہے، راہ خدا میں تقسیم کر دیجئے'' چنانچہ اگلے دن وہ ساری رقم مجاہدین میں تقسیم کر دی۔(1)

2.4.25) جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

حضرت حسینؓ اور ان کے باپ شریک بھائی محمد بن حنفیہؒ ماں کی طرف نسبت ہے جو بنو

1) اسد الغابۃ، ج2، ص763

حنفیہ سے تھیں) میں کسی بات پر تلخی پیدا ہوگئی اور دونوں آپس میں ناراض ہو کر چل دیئے، محمد بن حنفیہؒ نے گھر پہنچ کر درج ذیل مضمون پر مشتمل ایک مکتوب حضرت حسینؓ کی خدمت میں روانہ کیا:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

محمد بن علی کی طرف سے اس کے بھائی حسین بن علی کی طرف ''سلام مسنون کے بعد آپ کو ایسا مقام و مرتبہ اور شرف و فضیلت حاصل ہے جس تک میری رسائی ممکن نہیں، اس لئے کہ میری والدہ بنو حنفیہ کی ایک خاتون ہیں اور آپ کی والدہ فاطمہ الزہراؓ دختر رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں، اگر میری والدہ جیسی عورتوں سے زمین بھر جائے، پھر بھی آپ کی والدہ کے برابر نہیں ہو سکتیں، لہٰذا اس مقام و مرتبہ کی بنا پر میرا مکتوب پڑھتے ہی مجھے راضی کرنے میرے ہاں چلے آیئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ جس فضیلت کو پانے کے لئے آپ مجھ سے زیادہ حقدار ہیں، میں اس میں پہل کر جاؤں، والسلام''۔

اُدھر حضرت حسینؓ نے جب خط پڑھا تو فوراً محمد بن حنفیہؒ کے گھر آئے اور انہیں راضی کیا، باہمی رضامندی کا یہ کس قدر انوکھا انداز ہے۔(1)

2.4.26) قیدی اساتذہ

غزوہ بدر مسلمانوں کے لئے زندگی و موت کا مسئلہ تھا۔ دشمنانِ دین و ایمان اپنے کثیر لشکر کے ساتھ مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کے لئے چڑھ دوڑے مگر اللہ تعالیٰ نے فتح مبین عطا فرمائی اور کفار مسلمانوں کی قید میں آ گئے۔ اُس دور کی عرب روایات کے مطابق جنگی قیدیوں کو قتل کر دیا جاتا تھا مگر اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک منفرد فیصلہ فرمایا جو علمی ترقی اور علمی دُنیا کے لئے مختلف قسم کا تھا۔ صاحب حیثیت قیدیوں کے لئے چار ہزار درہم زرِ فدیہ طے ہوا اور جو باقی بچے، اُن میں سے پڑھے لکھے قیدیوں کو الگ کر لیا گیا۔ ان سے کہا کہ مسلمانوں کے بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھائیں۔ اس کے بدلے میں ان کی جان بخش دی جائے گی۔ اس طرح حرمت جان

1) رفیق المسلم فی الآسفار، ص 32

کے حوالہ سے اور اشاعت علم کے حوالہ سے نئی مثال قائم ہوئی اور بدترین دشمنوں سے بھی اشاعت علم کا کام لیا گیا۔ اس ابتدائی علم کے بعد مسلمانوں نے اپنے علم کو مزید بڑھایا۔ ان قیدیوں سے مسلمانوں نے کوفی رسم الخط میں لکھنا سیکھا۔(1)

ایک قیدی کو تعلیم کے لئے دس دس بچے دیئے گئے، بعض روایات میں بارہ کا ذکر بھی ملتا ہے۔(2) اس واقعہ سے اسلام کے ابتدائی دور میں علم کو درہم و دینار کا متبادل، مقام اُستاد اور علم کی اہمیت کا تعین کرنے میں مدد ملتی ہے۔

جنگ بدر کے قیدیوں سے، مسلمانوں کے تعلیم حاصل کرنے کے فیصلے نے مسلمانوں میں تعلیم کے حوالے سے خاص رویوں کو فروغ دیا۔ پہلا یہ کہ علم کے حوالے سے تعصب کی حوصلہ شکنی کی گئی۔ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ حکمت مومن کی گم گشتہ میراث ہے جہاں سے ملے لے لو۔ دوسرا یہ کہ اُستاد کے لئے عمر کی کوئی قید نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اور مکحولؒ سے روایت ہے کہ بوڑھا آدمی جوان سے علم حاصل کرنے سے نہ شرمائے، تیسرا صلاحیت اور علم کو معیار مانا گیا اور قبائلی، نسلی و قومی تعصب کا خاتمہ ہو گیا۔ اس طرح ایک وسیع المشرب علمی معاشرہ کی بنیاد رکھ دی گئی۔

2.4.27) طلب علم میں انکساری

حضرت عبداللہ بن عباسؓ آنحضرت ﷺ کے چچازاد تھے۔ بعد کے دور میں اور ابتدائی اسلام کے بہت بڑے مفسر اور عالم تھے۔ وہ اتنے ماہر اُستاد تھے کہ اُن کا خطاب بحر العلوم تھا۔ اُن کے حصولِ علم کا واقعہ تواریخ میں مرقوم ہے کہ آپ علم حاصل کرنے میں قطعاً ہچکچاہٹ یا جھجک محسوس نہ کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے ایک آزاد کردہ غلام جن کا نام حضرت اسلمؓ تھا اور ابو رافعؓ کے نام سے مشہور تھے۔ حضرت عباسؓ ان کی خدمت میں مع کاتب حاضری دیتے اور پوچھتے کہ فلاں وقت، فلاں دِن، آنحضرت ﷺ نے کیا ارشاد فرمایا۔ ابو رافع بتاتے جاتے اور

1) محمد حسین خان زبیری، مشاہیر کے تعلیمی نظریے، ا ا، ایڈلفن آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی

2) محمد یاسین شیخ، عہد نبوی کا تعلیمی نظام، ص 89,88

کاتب قلمبند کرتے جاتے۔(1)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو قرآن کا حقیقی ترجمان سمجھا جاتا تھا۔ آپ علم دین کے ماہر تھے۔ شعر وشاعری، صرف ونحو، تاریخ اور ریاضی کے مشہور اُستاد تھے۔(2) آپ کو شعر وشاعری سے خاص شغف تھا۔ آپ شاعری کے سلسلہ میں دو غیر مسلم افراد حزمہ بن قیس انصاری اور ابو قیس سے رجوع کیا کرتے تھے۔ یہ دونوں حضرات اس وقت راہب تھے لیکن بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔(3)

آپؓ کے بارے میں ابن عبدالبر اندلسی تحریر فرماتے ہیں کہ اُن کے خطبات درس سننے کے لئے لوگ دور دراز سے آیا کرتے تھے، آپ ہفتہ میں ایک دن قرآن، دوسرے دن فقہ، تیسرے دن صرف ونحو، چوتھے دِن تاریخ عرب اور پانچویں دِن شعر وشاعری کا درس دیتے تھے۔ قرآن کی مشکل سے سمجھ آنے والی عبارتوں کی تشریح کے لئے قدیم شعرائے عرب کے کلام سے مثالیں پیش کرتے۔ وہ اکثر فرماتے کہ جب کبھی قرآن مجید سمجھنے میں مشکل پیش آئے تو الفاظ وتراکیب کے حوالہ سے اس کا علم شعرائے عرب کے کلام میں تلاش کیا جائے کیونکہ وہ عرب قوم کا صحیفہ ہے۔(4)

2.4.28) حضرت ابی بن کعبؓ

حضرت ابی بن کعبؓ معروف صحابی اور اُستاد تھے، آپؓ کا تعلیم وتعلم سے لگاؤ مثالی تھا۔ آپؓ کو شام میں تعلیم دینے اور کتابت کے لئے بھیجا گیا، آپؓ کے ساتھ کچھ دوسرے صاحبان بھی تھے، اُنہیں اہل شام خورد ونوش کی اشیاء پیش کرتے تھے۔ ان اصحاب میں حضرت ابی بن کعبؓ واحد شخص تھے جنہوں نے اس معاوضہ کو قبول نہ فرمایا اور اپنے کھانے

1) شاہ معین الدین ندوی، (1952ء)، "مہاجرین" حصہ دوم، III ایڈیشن، دارالمصنفین اعظم گڑھ، ص 248

2) سید امیر علی (1984ء) سپرٹ آف اسلام، ترجمہ از ہادی حسین III ایڈیشن، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور

3) ابن عبدالبر اندلسی، جامع بیان العلم وفضلہ مترجم عبدالرزاق کانپوری (1977ء) العلم والعلماء ادارہ اسلامیہ لاہور

4) سید امیر علی، سپرٹ آف اسلام (1984ء) ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور

پینے کا بندوبست خود فرمایا۔(1)

اس طرح آپ مسجد نبوی میں درس دیتے تھے اور طلبہ کبھی کبھار معمولی نوعیت کے تحائف آپؓ کی خدمت میں پیش کر دیتے تھے اور آپ قبول کر لیا کرتے تھے۔ جب آپؓ کو آنحضرت ﷺ کے اس واضح حکم کی خبر ملی کہ طالب علموں سے کچھ نہیں لینا چاہئے تو آپ نے آئندہ تحائف لینے سے انکار کر دیا۔ حضرت ابی بن کعبؓ قرآن کی قرأت بہت عمدہ کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے آپؓ کی قرأت کو پسند فرمایا اور اکثر آپؓ سے قرآن سنا کرتے تھے، آپ دمشق میں گئے تو دمشق کے لوگوں نے آپ کی قرأت کے انداز کو اختیار کیا، پھر یہ سٹائل اتنا مقبول ہوا کہ دوسرے علاقوں کے لوگوں نے بھی اختیار کر لیا۔ آپؓ جس ادارے سے وابستہ رہے، وہ قرأت کی تدریس میں مرکزی حیثیت اختیار کر گیا۔ آپؓ نے قرأت کی تدریس میں رسمی انداز سے ہٹ کر اپنی کوششوں اور جستجو سے نئے انداز اور طرزِ ادائیگی کو فروغ دیا، لہٰذا آپ کو اس فن کا ماہر تسلیم کیا جاتا تھا۔(2)

آپؓ نے اپنے آپ کو درس و تدریس کے لئے مکمل طور پر وقف کر دیا تھا، معین الدین ندوی اس سلسلہ میں رقمطراز ہیں کہ:

''آپ مسجد نبوی میں درس دیتے تھے، اس سلسلہ میں وقت کا تعین کر لیا تھا اور تدریس کے بعد دوسرے کام بھی کرتے تھے۔ البتہ نماز کی ادائیگی کے لئے پابندی سے مسجد نبوی میں حاضر ہوتے، اکثر ایسا ہوا کہ نماز کے بعد صحابہ کرام نے علم حاصل کرنے کی خواہش کی اور آپ نے پڑھانا شروع کر دیا، ایک بار بھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے مقررہ وقت کے بعد کسی کو تعلیم دینے سے انکار کیا ہو۔ باقی تمام صحابہ کرام کا بھی یہی معمول تھا، کبھی بھی معاوضہ، وقت اور ذاتی مسائل اُن کے راستے کی رکاوٹ نہیں بنے''۔(3)

1) مولانا سعید انصاری، (1938ء)، سیر انصار، دار المصنفین اعظم گڑھ، ص 166,165

2) محمد طفیل، نقوش، (1983ء) رسول نمبر جلد IV، ادارہ فروغِ اُردو لاہور

3) محمد یامین شیخ، عہد نبوی کا تعلیمی نظام، ص 137

2.4.29) حضرت عبداللہ بن عمرؓ

حضرت علامہ عبداللہ بن عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض یافتہ اساتذہ میں سے تھے، آپ فنا فی العلم اور اپنے دور کے مخلص ترین اساتذہ میں تھے۔ آپ نے پندرہ سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہ کر کسب فیض کیا۔ آپ نے بڑے فکر و تدبر سے علم حاصل کیا، آپ نے سورۃ البقرہ پر چودہ برس تک تحقیق فرمائی۔ آپ اپنی جوانی کے دور میں بھی قرآن فہمی میں کمال حاصل کر چکے تھے۔ قرآن، حدیث، فقہ اور تفسیر آپ کے خاص شعبے تھے۔ آپ کے پیشہ وارانہ لگاؤ (Commitment) کا یہ حال تھا کہ آپ کو کئی بار انتظامی عہدوں کی پیشکش ہوئی مگر آپ نے اسے قبول نہ فرمایا، تمام زندگی آپ مدینہ منورہ میں درس دیتے رہے۔ اس طرح پوری زندگی درس و تدریس میں گزار دی۔ (1)

2.4.30) حضرت ابوداؤدؓ

حضرت ابوداؤدؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ اساتذہ میں سے تھے اور تدریس قرآن کریم کے ماہر تھے۔ آپ حافظ قرآن بھی تھے۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں آپؓ کو شام میں بھیجا گیا، وہاں آپؓ نے جامع مسجد دمشق میں اپنا حلقہ درس قائم کیا اور با قاعدہ اساتذہ کی ایک جماعت آپ کے ماتحت تدریس کا فریضہ سرانجام دیتی تھی، جس میں آپ کی زوجہ محترمہ بھی تھیں۔ جب یہ اساتذہ کوئی مشکل محسوس کرتے تو رہنمائی اور جواب کے لئے حضرت ابوداؤدؓ سے رجوع کیا جاتا۔ بعد میں جامع دمشق کو علمی حوالے سے معروف مقام حاصل ہوا۔ (2)

اور تدریس قرآن کے حوالے سے درس اعظم کی حیثیت حاصل کی۔

2.4.31) حضرت حرام بن ملحانؓ

معلم اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ ایک معلم حضرت حرام بن ملحانؓ (مالک)

---

1) شاہ معین الدین ندوی، ص 13

2) مولانا سعید احمد انصاری، (1438ء) سیر انصار، ایڈیشن II، دار المصنفین اعظم گڑھ، ص 195

تھے۔ جورات کے وقت درس دیا کرتے تھے۔ آپؓ دن میں مسجد نبوی میں پانی بھر کر رکھا کرتے تھے اور باقی وقت میں جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور انہیں فروخت کرتے تھے۔ اس قدر محنت و مشقت سے حاصل ہونے والی معمولی سی آمدنی سے آپ اپنی ذاتی ضروریات پوری کرتے تھے اور جو کچھ بچ جاتا تھا۔ اُسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیا کرتے تھے۔ بہت سی روایات ملتی ہیں جن سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ آپ اپنی قلیل آمدنی سے کچھ نہ کچھ پس انداز کر کے اصحابِ صفہ، طلبا اور دوسرے محتاجوں کی غذائی ضروریات پوری کرتے تھے۔ (1، 2)

2.4.32) مشکلات میں تدریس (حضرت ابن مکتومؓ)

مسلمانوں کے ابتدائی دور کے اساتذہ جنہوں نے مسجد نبوی سے آنحضرت ﷺ کے دور میں درس و تدریس کا آغاز فرمایا۔ ایک صحابی حضرت ابن مکتومؓ تھے۔ آپؓ نابینا تھے۔ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے۔ قرآن مجید حفظ فرمایا اور مسجد نبویؐ میں لوگوں کو قرأت سکھانا شروع کی۔ آپؓ کا سب سے بڑا اعزاز یہ تھا کہ آپؓ نے تیرہ بار آنحضرت ﷺ کی نیابت کے فرائض ادا کئے۔ جن میں مسجد نبوی میں امامت کا فریضہ بھی شامل ہے۔ (3)

حضرت ابن مکتوم ان صحابہ و اساتذہ میں سے تھے جن کے لئے وحی نازل ہوئی۔ ایک بار ابن مکتومؓ آنحضرت ﷺ سے کسی علمی معاملے میں کچھ پوچھنے کے لئے حاضر ہوئے۔ اسی دوران کسی دوسرے شخص نے آپ ﷺ سے گفتگو شروع کر دی اور آنحضرت ﷺ کی توجہ اُم مکتومؓ سے ہٹ گئی۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سب پر یکساں توجہ دینے کی طرف متوجہ کیا۔ (4) اس طرح حضرت ابن مکتوم کا شمار اُن عظیم اساتذہ میں ہوتا ہے جن کے لئے وحی الٰہی نازل ہوئی۔

1) بحوالہ مولانا سعید احمد انصاری، (1948ء) سیر انصارؓ (حصہ اول و دوم) دار المصنفین اعظم گڑھ، ص 319

2) محمد یاسین شیخ (1995ء) عہد نبوی کا تعلیمی نظام، غضنفر اکیڈمی پاکستان کراچی، ص 130

3) حبیب الرحمن شیروانی، علمائے سلف و نابینا علماء، بحوالہ محمد یاسین شیخ، ص 80

4) محمد یاسین شیخ، عہد نبوی کا تعلیمی نظام (1995ء) غضنفر اکیڈمی کراچی، ص 99

2.4.33) حضرت عبادہ بن صامتؓ

شبلی نعمانی حضرت عبادہ بن صامتؓ کا ذکر فرماتے ہیں۔ آپؓ کا شمار اُن ابتدائی پانچ صحابہ کرام میں ہوتا ہے جنہوں نے قرآن مجید حفظ کرلیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبادہؓ کو مسجد نبوی میں قرآن کی تعلیم دینے کے لئے مقرر فرمایا۔(1)

2.4.34) اساتذہ کا باقاعدہ تقرر (عمرو بن حزم انصاریؓ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس یمن سے بنی حارث بن کعب کا وفد حاضر ہوا۔ اس وفد کی واپسی کے بعد آپ نے عمرو بن حزم انصاریؓ کو یمن کا والی اور معلم مقرر فرمایا۔ اس تقرر کے بعد دربارِ نبوی سے باقاعدہ تحریری تقرر نامہ جاری ہوا جس میں یہ وضاحت تھی کہ آپؓ لوگوں کو قرآن کریم کی تعلیم دیں گے اور ارکانِ اسلام سکھائیں گے۔ اسی طرح 10ھ میں ابی بن کعبؓ کو ایک وفد کے ساتھ بطور معلم روانہ فرمایا اور انہیں پابند کیا گیا کہ آپؓ ان لوگوں کو شرائط اسلام سکھائیں گے اور یہ شرائط تحریری طور پر ان کو دی گئیں۔(2)

اسی طرح حضرت بلالؓ اور خالد بن ولیدؓ کا تقرر فرمایا گیا۔

2.3.35) حضرت معاذ بن جبلؓ

آپ اسلام کے ابتدائی دور کے بہترین اساتذہ میں سے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں کافی عرصہ گزارا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علم حاصل کیا۔ آپؓ کو یمن بھیجنے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باقاعدہ طور پر آپؓ کا انٹرویو لیا اور پھر سلیکشن ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا وہاں فیصلے کیسے کرو گے؟

حضرت معاذ نے جواب دیا۔ کتاب اللہ سے۔

---

1) شبلی نعمانی الفاروق (　) ص54

2) ابن جریر طبری، تاریخ طبری، حصہ اول مترجم سید محمد ابراہیم، نفیس اکیڈمی کراچی، ص462

آنحضرت ﷺ نے پھر پوچھا۔ اگر قرآن میں نہ پاؤ تو پھر کیا کرو گے؟

حضرت معاذؓ نے جواب دیا۔ پھر سنتِ رسول اللہ (ﷺ) سے۔

آنحضرت ﷺ نے پھر پوچھا۔ اگر قرآن و سنت سے جواب نہ ملے تو پھر؟

حضرت معاذؓ نے جواب دیا۔ پھر میں اجتہاد سے فیصلہ کروں گا۔

اس انٹرویو کی بنا پر حضرت معاذ کا تقرر بطور قاضی و معلم یمن میں ہو گیا۔ اسی انٹرویو کی بنا پر مسلمانوں کو اصولِ فقہ متعین کرنے میں رہنمائی ملی۔(1)

حضرت معاذ کو نو مسلموں کو قرآن کی تعلیم دینے کی اہم ذمہ داری اور قضاۃ بھی ملی۔ آپؓ کا انتقال 18ھ میں ہوا، آپؓ کے بارے میں حضرت عمرؓ یوں رائے دیتے ہیں کہ: ''عورتیں معاذؓ جیسا انسان پیدا کرنے سے عاجز ہیں۔ اگر معاذ نہ ہوتے تو عمرؓ کی ہلاکت یقینی تھی''۔ علمی معاملات میں اکثر حضرت عمرؓ حضرت معاذؓ سے رہنمائی حاصل کرتے تھے۔

2.4.36) پہلا مسلمان اُستاد (حضرت مصعب بن عمیرؓ)

وہ بہت خوبصورت اور امیر والدین کا بیٹا تھا۔ نئی نئی پوشاکیں پہننا اور سب سے مہنگا عطر استعمال کرنا اُس کا شوق تھا۔ گفتگو میں مٹھاس، اتنا ذہین اور مدلل گفتگو کرنے والا کہ ہر مجلس کی جان بن جاتا۔ عزم ارادہ و دھن کا پکا تھا۔ نڈر تھا سوائے ماں کے کسی سے نہ ڈرتا تھا۔

مسلمان ہوا تو والدہ نے رسیوں سے باندھ دیا، مارا پیٹا اور تمام حربے اسلام سے ہٹانے کے لئے آزمائے لیکن وہ دین اسلام پر قائم رہے۔ دو بار ہجرت حبشہ کی، پھر مکہ واپس آ گئے۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ٹاٹ کا لباس پہنا ہوا تھا۔ دیکھ کر صحابہ کرام کی آہیں نکل گئیں۔ آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو شفقت سے فرمایا، مکہ میں ان سے زیادہ والدین کا لاڈلا کوئی نہ تھا، ساری سہولتیں اور آسائشیں میسر تھیں مگر ساری نعمتیں اللہ اور رسول اللہ (ﷺ) کے لئے چھوڑ دیں۔ ماں نے پھر قید کرنا چاہا تو آنحضرت ﷺ کے پاس چلے آئے۔ مدینہ منورہ میں کچھ لوگ مسلمان ہو گئے تھے، وہاں کے لوگوں کی تربیت و تعلیم کے لئے ایک معلم کی ضرورت

1) سعید انصاری، سیر انصاری (1948ء)، IIIایڈیشن، دار المصنفین علی گڑھ، ص 112

تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کا تقرر اُستاد کے طور پر فرما دیا۔ یہ حضرت مصعب بن عمیرؓ تھے۔ مسلمانوں کے پہلے اُستاد۔

آپؓ نے مدینہ میں بڑی محنت، اخلاص، اخلاق اور جدوجہد سے اسلام کا پیغام پھیلایا۔ آپؓ کو تین فرائض سونپے گئے تھے۔

الف) لوگوں کو قرآن کریم کی تعلیم دیں۔

ب) اِسلام کی تعلیم دیں۔

ج) مسجد میں اِمامت کے فرائض ادا کریں۔

آپؓ اپنے کام میں حد درجہ مخلص اور محنتی تھے، اگلے سال تک آپؓ کی تعلیم کے نتیجہ میں تقریباً ۷۲ افراد نے اسلام قبول کرلیا۔ اہل مدینہ آپ کی خدمات کے معترف تھے لہٰذا مدینہ میں آپ کو حُبَر یعنی نیک عالم اور علامہ کے نام سے پکارا جاتا تھا اور آپ کا دوسرا نام المقریٔ یعنی پڑھانے والا اُستاد بھی تھا۔ آپؓ مسلمانوں کے ابتدائی دور کے اساتذہ کی شان ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ: ''لوگ ہمارے پاس دور دراز ملکوں سے علم دین سیکھنے آئیں گے، اُن کے بارے میں میری وصیت ہے کہ بھلائی سے پیش آنا''۔ اس فرمان کی روشنی میں حضرت مصعب بن عمیرؓ کے طریقہ تدریس کے بارے میں کئی شہادتیں تاریخ سے ملتی ہیں۔

مدینہ میں جا کر آپؓ ابوامامہ اسعد بن زرارہؓ کے گھر مقیم ہوئے۔ حضرت ابوامامہ نے اپنا گھر مدینے میں تعلیم و تدریس کے لئے پیش کر دیا تھا، اس پر مدینہ کے لوگ حضرت ابوامامہؓ کو بہت دُعائیں دیتے تھے۔ ابن اسحاق سے روایت (جسے شیخ یاسین نے اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے) ہے کہ ایک دِن حضرت مصعبؓ اور ابوامامہؓ مدینے کے ایک باغ میں کنویں کے پاس بیٹھے لوگوں کو سمجھا رہے تھے کہ اُسید بن حضیر وہاں پہنچے، اُن کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی، اُسید نے ڈانٹ کر کہا کہ تم جاہلوں کو گمراہ کرنے آئے ہو فوراً یہاں سے بھاگ جاؤ۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ نے اس کا بُرا نہ مانا اور بڑے تحمل سے اُسید سے کہا کہ تم یہاں بیٹھو میں تم سے ایک بات کہتا ہوں، اگر اچھی ہو تو قبول کرنا ورنہ جو جی میں آئے اُس پر عمل کرنا۔ اُسید بیٹھ گئے آپؓ نے اسلام کے بارے میں بتایا جسے سن کر وہ متاثر ہوئے اور اسلام قبول کرلیا۔ اُن کے بعد ابوامامہؓ کے خالہ زاد بھائی سعد

بن معاذ بھی وہاں انتہائی غصے کے عالم میں پہنچے لیکن وہ بھی حضرت مصعبؓ کے حسن سلوک سے متاثر ہوئے اور اسلام قبول کرلیا۔ حضرت مصعب نے نرم گفتگو، خوش اخلاقی اور شائستہ انداز سے اِن حضرات کو اسلامی تعلیمات کی طرف مائل کیا۔(1)

بدر کے میدان میں مسلمانوں کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں تھا۔ اُحد میں بھی آپ علم بردار تھے۔ جب گھاٹی والے معاملہ کی وجہ سے مسلمان تتر بتر ہوئے تو حضرت مصعبؓ ثابت قدم رہے۔ ابن قیمہ لیثی آگے بڑھا اور آپؓ کے دائیں ہاتھ پر وار کیا۔ آپؓ نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا، اُس نے بائیں ہاتھ پر وار کیا اور وہ بازو کٹ گیا تو آپؓ نے کٹے ہوئے بازوؤں کے ساتھ جھنڈا اپنے سینے سے لگا لیا۔ اُس نے نیزے کا وار کیا، آپؓ زمین پر گر گئے اور شہید ہو گئے تو جھنڈا حضرت علیؓ نے سنبھال لیا۔ آپؓ آنحضرت ﷺ کے ہم شکل تھے اس لئے آنحضرت ﷺ کی شہادت کی افواہ پھیلی۔ جب شہدا کو دفن کرنے لگے تو حضرت مصعبؓ کے لئے کفن میسر نہ تھا، ایک چھوٹی سی چادر تھی جس کو سر پر ڈالتے تو پاؤں ننگے رہ جاتے، پاؤں پر ڈالتے تو سر ننگا رہ جاتا۔ آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی گئی، آپ ﷺ تشریف لائے، اپنے پیارے ساتھی اور شاگرد کی نعش پر کھڑے ہو گئے آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"مومنوں میں کچھ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کے ساتھ وعدے کو سچا کر دکھایا۔ مصعب میں نے تمہیں مکے میں دیکھا تھا، تم سے زیادہ نفیس لباس اور تم سے زیادہ خوبصورت بال کسی کے نہیں تھے اور اِس وقت میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ تم بکھرے ہوئے بالوں کے ساتھ ایک معمولی چادر میں لپٹے ہوئے ہو"۔

پھر آپ ﷺ نے تمام شہدا کی طرف دیکھا اور فرمایا: "اللہ تعالیٰ کا رسول گواہی دیتا ہے کہ تم قیامت والے دِن شہدا میں اٹھائے جاؤ گے"۔ مصعبؓ کے سر کو چادر سے ڈھانکنے اور پاؤں کو اذفر گھاس سے ڈھانکنے کا حکم دیا۔(2) خدائے تعالیٰ اِس پاک طینت اُستاد کا مقام بلند فرمائے۔ (آمین)

---

1) بحوالہ محمد یاسین شیخ، ص 124

2) عبدالملک مجاہد، (1425ھ) سنہری اوراق، دارالسلام ریاض سعودی عرب، ص 127 تا 134

2.4.37) عشقِ بلاخیز کا قافلۂ سخت جان
حضرت عبداللہ بن حذافہؓ

حافظ ابن حجرؒ نے "الاصابہ" میں حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کے مناقب میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں رومیوں سے جنگ کے دوران آپ چند مسلمانوں کے ساتھ گرفتار ہوئے، شاہ روم نے ان سے کہا کہ آپ نصرانی بن جائیں تو میں آپ کو اپنی حکومت میں شریک کرلوں گا لیکن حضرت عبداللہ بن حذافہؓ نے نصرانیت قبول کرنے سے انکار کردیا، جس کی وجہ سے شاہ روم نے انہیں تختہ دار پر باندھ کر حکم دیا کہ ان پر تیر برسائے جائیں لیکن جب دیکھا کہ آپ کے چہرے پر کسی قسم کے خوف کے آثار نہیں ہیں تو وہاں سے انہیں اتارا اور حکم دیا کہ دیگ میں پانی گرم کرکے کھولتے ہوئے پانی میں انہیں ڈال دیا جائے، اس میں ڈالنے کے لئے جب انہیں دیگ کے قریب لے جایا گیا تو رونے لگے، شاہ روم نے رونے کی وجہ پوچھی تو فرمانے لگے:

"اس لئے رو رہا ہوں کہ میری تمنا ہے کہ میری سو جانیں ہوں اور ہر جان قربانی کا اس طرح نذرانہ پیش کرکے اپنے رب کے حضور حاضر ہوں"۔

شاہ روم کو بڑی حیرت ہوئی، کہنے لگا "تم میرے سر کو بوسہ دیدو، میں تمہیں چھوڑ دوں گا" فرمانے لگے "صرف مجھے نہیں، میرے ساتھیوں کو بھی" شاہ روم نے کہا، ٹھیک ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن حذافہؓ نے ان کے سر کو بوسہ دیا اور شاہ روم نے حسب وعدہ تمام مسلمان قیدیوں کو آزاد کردیا۔ حضرت فاروق اعظمؓ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آ کر حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کے سر کو بوسہ دیا۔(1)

2.4.38) ایک آشیانے کیلئے (حضرت عمرو بن عاصؓ)

مشہور صحابی حضرت عمرو بن عاصؓ نے مصر کو فتح کرنے کے لئے وہاں کے ایک قلعے کے سامنے ایک بڑا خیمہ نصب کیا تھا، پیش قدمی کا ارادہ فرمایا تو اس خیمے کو اکھاڑ کر ساتھ لے جانا چاہا لیکن جب اکھاڑنے کے لئے آگے بڑھے تو دیکھا کہ خیمے کے اوپر کی جانب ایک کبوتری نے انڈے

---

1) الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ج2، ص296، 297، رقم الترجمہ: 4622

دے رکھے ہیں اور ان پر بیٹھی ہے، خیمہ اکھاڑنے سے یہ انڈے ضائع ہو جاتے۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے فرمایا کہ اس کبوتری نے ہمارے خیمہ میں پناہ لی ہے، اس لئے اس خیمے کو اس وقت تک باقی رکھو جب تک یہ بچے پیدا ہو کر اڑنے کے قابل نہ ہو جائیں، چنانچہ خیمہ باقی رکھا گیا۔(1)

2.4.39) حضرت ارقم بن ابی ارقمؓ

اسلام کا پہلا تعلیمی ادارہ، مدرسہ اور تربیت گاہِ اصحاب رسول ﷺ دارِ ارقم تھا جسے دار السلام بھی کہا گیا۔ یہ گھر حضرت ارقمؓ کا تھا جو کوہِ صفا کی بلندی پر تھا اور الگ تھلگ تھا۔ اس گھر سے حرم کعبہ، دار لندوہ اور مکہ میں ہونے والی تمام سرگرمیوں کو دیکھا جا سکتا تھا۔ اس گھر میں مسلمان خفیہ طور پر تعلیم و تربیت حاصل کرتے اور عبادت کرتے تھے۔ اسی گھر میں حضرت امیر حمزہؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے اسلام قبول فرمایا۔ حضرت ارقمؓ نے چھ افراد کے بعد اسلام قبول کرنے کی سعادت حاصل کی۔ امام ذہبی کے بقول "حضرت ارقمؓ خاندانِ قریش کے ایک دانشور سپوت تھے"۔

نبوت کے چوتھے سال جب دعوتِ اسلام منظر عام پر آئی تو مشرکین مکہ اُسے روکنے کے لئے سرگرم ہو گئے، مسلمان ہونے والوں کو اذیتیں دی جاتیں، جینا حرام کر دیا جاتا، نفرت کا نشانہ بنایا جاتا، کوششیں کی جاتیں کہ اہل ایمان دعوتِ حق سے دستبردار ہو جائیں، ابو جہل و دیگر کفار آنحضرت ﷺ کا پیچھا کرتے، ٹوہ لگاتے اور غریب مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے جاتے، مسلمان خفیہ طور پر عبادت کرتے۔ ان حالات میں جبکہ مکہ کا بچہ بچہ دشمن اسلام تھا۔ حضرت ارقمؓ نے اپنا گھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تعلیم و تربیت و عبادت کے لئے پیش فرما دیا اور کسی خطرے کو خاطر میں نہ لائے اور اس طرح دارِ ارقم اسلام کی پہلی تعلیمی درسگاہ کا اعزاز حاصل کر گیا۔ حضرت عمرؓ اسی گھر میں اسلام لائے تو مسلمانوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور خانہ کعبہ میں اعلانیہ عبادت کرنے لگے۔ حضرت ارقمؓ نے نہ صرف اپنا گھر نبی کریم ﷺ کے تصرف میں دیا بلکہ خود کو اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ اور اسلام کے لئے وقف فرما دیا۔ آپؓ آنحضرت ﷺ کے ہر حکم کی تعمیل کرتے تھے۔ آپؓ نے ہجرت کی، جنگ بدر، اُحد اور خندق میں شامل رہے، آپؓ کو

1) جہان دیدہ، ص140

زکوٰۃ وصول کرنے پر مامور فرمایا گیا۔ 83 سال کی عمر میں وفات پائی۔

2.4.40) حضرت ثوبانؓ کی بے نیازی

سیدنا ثوبانؓ صحابیِ رسول (ﷺ) تھے۔ ایک دن آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا:

"جو شخص مجھے ایک چیز کی ضمانت دے، میں اُسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں، میں نے کہا میں اس کی ضمانت دیتا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا لوگوں سے کبھی کسی چیز کا سوال نہ کرنا"۔

اس کے بعد حضرت ثوبانؓ کا یہ طرزِ عمل تھا کہ وہ سواری پر سوار ہوتے کوڑا اگر جاتا تو کسی سے نہیں کہتے تھے کہ مجھے پکڑاؤ بلکہ خود سواری سے نیچے اترتے اور اُسے اُٹھاتے۔

2.4.41) محبت رسول ﷺ (حضرت زبیر بن عوامؓ)

حضرت زبیر بن عوامؓ کی عمر صرف گیارہ سال تھی جو کہ لڑکپن میں شمار ہوتی ہے اور شعوری اعتبار سے کم ہوتی ہے۔ آپؓ نے مکہ میں یہ افواہ سنی کہ قریش نے رسول اللہ (ﷺ) کو گرفتار کرلیا ہے۔ اسی وقت اپنی تلوار نیام سے نکالی، ننگی تلوار لے کر اس عزم سے نکلے کہ جس نے رسول اللہ (ﷺ) کو گرفتار کیا ہے اُسے قتل کر دوں گا یا خود اس کے ہاتھوں قتل ہو جاؤں گا۔ تلاش کرتے کرتے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں جا پہنچے، آپ ﷺ نے سبب دریافت فرمایا۔ جواب سن کر مسرور ہوئے اور حضرت زبیرؓ کے لئے دُعائے خیر فرمائی۔ اسے حاکم نے روایت کیا ہے اور یہ پہلا موقع تھا جب مکہ میں کوئی تلوار اللہ کی راہ میں اور نبی اکرم ﷺ کی محبت میں بے نیام ہوئی۔

2.4.42) طلب علم (حضرت جابر بن عبد اللہؓ)

- حضرت جابر بن عبد اللہؓ نے ایک حدیث دریافت کرنے کے لئے اونٹ خریدا، ایک ماہ کا سفر کر کے شام پہنچے اور قصاص کے بارے میں حدیث سن کر واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ آپؓ نے عہد نبوی میں احادیث پر مشتمل ایک صحیفہ ترتیب دے رکھا تھا۔[1]
- دوسری بار حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے بڑھاپے میں ایک حدیث کی سماعت کے لئے

1) محمد اقبال کیلانی، فضائل صحابہ کرام، حدیث پبلی کیشنز شیش محل روڈ لاہور، ص40

مدینہ منورہ سے مصر کا سفر کیا۔ مصر میں حضرت عتبہ بن عامرؓ سے ملاقات کی اور فرمایا میں تم سے ایک حدیث پوچھنے آیا ہوں۔ جن لوگوں نے یہ حدیث آنحضرت ﷺ سے سنی تھی ان میں سے اب میرے اور آپ کے علاوہ کوئی زندہ نہیں ہے۔ مجھے بتائیں مومن کا پردہ رکھنے والی حدیث آپ نے آنحضرت ﷺ سے کن الفاظ میں سنی تھی۔ حضرت عقبہؓ نے کہا میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ ''جو شخص دُنیا میں کسی مومن کے عیب پر پردہ ڈالے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دِن اُس کے عیب پر پردہ ڈالے گا''۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ نے حدیث مبارکہ سنی، اُونٹ کا کجاوہ بھی نہ کھولا اور واپس مدینہ پلٹ آئے۔(1)

2.4.43) حضرت ابوہریرہؓ کا حافظہ

عربوں میں ذہانت و حافظہ بلا کا تھا جو کہ علمی ترقی کے لئے بنیاد بنا۔ حضرت ابوہریرہؓ اصحاب صفہ میں سے تھے آپ سے بہت زیادہ احادیث مروی ہیں، اس پر اس دور کے صاحبانِ اقتدار کو اعتراض رہا۔ دمشق کے حاکم مروان بن حکم کو بھی اس پر اعتراض تھا۔ امتحان لینے کی غرض سے حضرت ابوہریرہؓ کو بلایا اور اپنے سیکرٹری سے کہا پردے کے پیچھے بیٹھ جاؤ اور جو احادیث حضرت ابوہریرہؓ بیان فرمائیں۔ لکھ لو۔ مروان نے حضرت ابوہریرہؓ سے بہت سی احادیث سنیں، مجلس برخواست ہونے کے بعد سیکرٹری سے کہا یہ مجموعہ احادیث اپنے پاس محفوظ کرلو۔ ایک سال گزرنے کے بعد مروان نے دوبارہ حضرت ابوہریرہؓ کو بلایا، اپنے سیکرٹری کو وہ مجموعہ دے کر پردے کے پیچھے بٹھادیا اور کہا کہ میں اُنہی موضوعات پر اور وہی احادیث سنوں گا، تم تقابل کرتے رہنا کہ ابوہریرہؓ کن الفاظ میں احادیث بیان کرتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ نے وہ تمام احادیث دوبارہ اس طرح سنائیں کہ نہ ان میں سے کسی لفظ کا اضافہ کیا نہ کمی کی۔ اس کے بعد مروان کو اطمینان ہوگیا اور پھر حضرت ابوہریرہ پر کبھی اعتراض نہ کیا۔(2)

---

1) محمد اقبال کیلانی، فضائل صحابہ کرام، حدیث پبلی کیشنز شیش محل روڈ لاہور، ص40

2) محمد اقبال کیلانی، فضائل صحابہ کرامؓ، ص55

2.4.44) دور نبوی میں مسلمان اساتذہ کا تقرر اور اُن کی قربانیاں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے فرمان "اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا" کے مطابق اپنے صحابہ کرام کی تعلیم وتربیت شروع کی، اس طرح آپ سے پڑھے ہوئے اور تربیت یافتہ صحابہ کی ایک جماعت تیار ہوگئی جو کہ اسلامی تعلیمات اور قرآن مجید کی مزید تدریس کا فریضہ احسن انداز میں ادا کرنے کے قابل تھی۔

سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کا تقرر مدینہ منورہ کے لئے فرمایا۔ جنہوں نے اپنا کام احسن انداز میں سرانجام دیا اور مدینہ میں تعلیم وتربیت کا مثالی ماحول قبل از ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ترتیب دیا۔ ہجرت مدینہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارہ اساتذہ کا بطور نقیب تقرر فرمایا۔(1)

جنہوں نے درس وتدریس کا فریضہ بہت اچھے انداز میں نبھایا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس معلمین قبیلہ عضل وقارہ کے کہنے پر بھجوائے جن کا ذکر آگے واقعہ رجیع کے عنوان کے تحت آئے گا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ستر معلمین / صحابہ کا وفد نجد بھجوایا جنہیں بیر معونہ کے مقام پر شہید کر دیا گیا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبادہ بن صامتؓ کو مسجد نبوی میں قرآن کی تعلیم دینے کے لئے مقرر فرمایا۔(2) اسی طرح آپ نے عمرو بن حزم انصاریؓ، حضرت بلالؓ، حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو بطور اُستاد مختلف علاقوں میں روانہ فرمایا۔(3) آیئے اب واقع رجیع وبیر معونہ کے شہید معلمین کا تذکرہ پڑھتے ہیں۔

2.4.45) واقعہ رجیع وشہید اساتذہ

دوسو دشمنان کا لشکر جن کا تعلق قبیلہ بنو عیان سے تھا جن میں سے سو تیر انداز ہیں اور ایک سو نیزوں اور تلواروں سے مسلح ہیں۔ دس اساتذہ صاحبان کو گھیرے میں لے کر کھڑے ہیں۔ یہ دس صاحبان ایک ٹیلے پر موجود ہیں۔ دشمنان نے کہا کہ نیچے اُتر آؤ ہم تم کو امان اور پناہ دیتے ہیں۔

1) قاضی سلیمان منصور پوری، رحمت للعالمین، ج اول، ص 101
2) شبلی نعمانی، الفاروق، ص 54
3) ابن جریر طبری، تاریخ طبری، ص 462

تین صاحبان نے اعتبار کیا اور نیچے اُتر آئے جبکہ ان صاحبان کے امیر نے نیچے اُترنے اور کفار کی پناہ لینے سے انکار کر دیا اور لڑ کر شہادت قبول کی، سات افراد شہید ہو گئے جبکہ تین نیچے اترنے والے صاحبان کی کفار نے مشکیں باندھنا شروع کر دیں، اُن میں سے ایک زید بن طارقؓ نے یہ قبول نہ کیا اور اسے بدعہدی قرار دیا اور لڑ کر شہید ہو گئے جبکہ دو صاحبان حضرت زید بن دشنہؓ اور خبیب بن عدیؓ گرفتار ہو گئے۔

ان صاحبان کے امیر کا نام عاصم بن ثابتؓ تھا۔ یہ صاحبان اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے اور ان کو دشمنان دین کے گھیرنے کی وجہ یہ تھی کہ قبیلہ عضل اور قارہ کے کچھ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور استدعا کی کہ ہمارے قبیلے نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ دین سکھانے کے لئے کچھ معلمین بھجوا دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس اساتذہ کو بھجوا دیا، راستے میں بدعہدی کی اور بنولحیان کے لوگوں کو کہہ کر حملہ کروا دیا۔ اس واقعہ کو اسلامی تاریخ میں واقعہ رجیع کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

امیر اساتذہ حضرت عاصمہ بن ثابتؓ جنگ اُحد میں بہت بہادری سے لڑے تھے اور سلافہ بخت سعید کے دو نوجوان بیٹوں کو قتل کیا تھا، اس پر سلافہ نے حضرت عاصمؓ کے سر کے لئے سو اونٹ کا انعام رکھا اور یہ منت مانی کہ اُنؓ کے سر میں شراب پیوں گی۔ قبیلہ ہذیل کے کچھ لوگ حضرت عاصمؓ کا سر لینے روانہ ہو گئے۔

لڑائی سے قبل حضرت عاصمؓ نے خدا سے دو دُعائیں مانگیں، ایک تو یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ہو جائے اور دوسری یہ کہ اے اللہ میں تیرے دین کی حفاظت کر رہا ہوں تو میرے جسم کی کافروں سے حفاظت فرما۔ اللہ نے آپؓ کی دونوں دُعائیں قبول فرمالیں۔ وہ اس طرح کہ بذریعہ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر ہو گئی، دوسری اس طرح کہ حضرت عاصمؓ کی شہادت کے بعد جب کفار آپؓ کا سر کاٹنے کے لئے آپؓ کی لاش کی طرف بڑھے تو اچانک زنبوروں (بھیڑوں) نے آپؓ کی لاش کو ڈھانک لیا اور کسی کو نزدیک نہ آنے دیا۔ کفار نے سوچا رات کو بھیڑیں چلی جائیں گی تو سر کاٹ لیں گے مگر رات کو سیلاب آیا اور حضرت عاصمؓ کی لاش بہا

کر لے گیا۔ یوں کفار بے نیل ومرام رہے اور اللہ نے اپنے پیارے بندے اور دورِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اُستاد کی دُعا قبول فرما کر لاج رکھ لی۔ اس طرح اللہ نے مرنے کے بعد بھی حضرت عاصمؓ کی حفاظت فرمائی۔

ان اساتذہ کے گروہ میں دوسرے صحابی اور اُستاد حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ تھے۔ گروہ مشرکین نے مکہ لاکر حضرت خبیبؓ کو حارث بن عامر کے بیٹوں کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ حارث بن عامر حضرت خبیب کے ہاتھ سے جنگ بدر میں مارا گیا تھا، لہٰذا حارث کے بیٹوں نے باپ کا بدلہ لینے کے لئے آپؓ کو خریدا۔

جب آپؓ کو شہید کرنے کے لئے حرم کعبہ کی حدود سے باہر تنعیم لے گئے اور بہت سے تماشائی ساتھ تھے۔ آپؓ نے شہادت سے قبل دو رکعت نماز نفل کی اجازت طلب کی جو مل گئی۔ آپؓ نے نماز ادا فرمائی پھر فرمایا کہ میں نے نماز جلد پڑھ لی تاکہ تم یہ نہ سمجھو کہ میں موت کے ڈر سے ایسا کر رہا ہوں۔ آپؓ کو سولی پر چڑھا کر شہید کیا گیا اور آپؓ کی نعش کو سولی پر لٹکتا ہوا چھوڑ دیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیرؓ اور حضرت مقدادؓ کو حضرت خبیبؓ کی نعش اتار لانے کے لئے مکہ روانہ فرمایا۔ یہ دونوں حضرات جب تنعیم پہنچے تو دیکھا کہ چالیس آدمی پہرہ دے رہے ہیں اور سولی کے اردگرد پڑے ہیں۔ حضرت زبیرؓ اور مقدادؓ نے ان لوگوں کو غافل پا کر نعش سولی سے اتار دی اور گھوڑے پر رکھ کر روانہ ہو گئے، نعش چالیس دن پرانی تھی مگر بالکل تروتازہ تھی۔ کفار کی آنکھ کھلی تو نعش کو نہ دیکھ کر تلاش شروع کی۔ بالآخر حضرت زبیرؓ اور مقدادؓ تک پہنچ گئے۔ حضرت زبیرؓ نے نعش کو گھوڑے سے اتار کر زمین پر رکھا تو فوراً زمین شق ہوئی اور نعش کو نگل گئی، اسی وجہ سے حضرت خبیب بلیغ الارض کے نام سے مشہور ہیں۔

حضرت زیدؓ کو صفوان بن اُمیہ جس کا باپ اُمیہ بن خلف حضرت زیدؓ کے ہاتھوں جنگ بدر میں مارا گیا تھا نے باپ کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے خریدا۔ صفوان نے اپنے غلام نسطاس کے ساتھ آپ کو حرم کی حدود سے باہر تنعیم میں قتل کرنے کے لئے بھیج دیا۔ قتل کا تماشا دیکھنے کے لئے قریش کی ایک جماعت تنعیم میں جمع ہو گئی۔ جن میں ابوسفیان بن حرب بھی تھا۔ جب آپؓ کو قتل کے

لئے سامنے لایا گیا تو ابوسفیان نے کہا اے زید تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم اس کو پسند کرو گے کہ تم کو چھوڑ دیا جائے اور محمد ﷺ کو تمہارے بدلہ میں قتل کر دیں اور تم اپنے گھر میں آرام سے رہو تو حضرت زیدؓ نے جھنجلا کر جواب دیا کہ مجھ کو یہ بھی گوارہ نہیں کہ محمد ﷺ کے پیر میں کانٹا یا پھانس چھبے اور میں گھر میں بیٹھا رہوں۔ اس پر ابوسفیان نے کہا کہ میں نے کسی کو کسی کا اس درجہ محب، دوست اور جانثار نہیں دیکھا۔ جتنا کہ محمد ﷺ کے محب و جانثار ہیں۔ اس کے بعد حضرت زیدؓ کو شہید کر دیا گیا۔(1)

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

آنحضرت ﷺ کو ان اساتذہ و معلمین صحابہ کی شہادت کا بہت صدمہ ہوا۔ آپ ﷺ کو بذریعہ وحی اس کی اطلاع مل چکی تھی۔ 6ھ کو آپ ﷺ شہداء رجیع کا بدلہ لینے کے لئے دو سو صحابہ کے ساتھ بن لحیان پر حملہ کے لئے روانہ ہوئے۔ بنولحیان خبر پاتے ہی پہاڑوں میں جا چھپے۔ آپ ﷺ نے دو روز قیام فرمایا اور پھر بغیر کسی جدال و قتال کے واپس تشریف لے آئے۔

2.4.46) واقعہ بیر معونہ و شہید اساتذہ

مسلمان معلمین، اساتذہ اور صحابہ کی شہادت کا دوسرا واقعہ اسی سال یعنی 4ھ میں پیش آیا۔ عامر بن ابوالبراء آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ اگر آپ (ﷺ) اپنے چند معلمین، اصحاب اہل نجد کی طرف دعوتِ اسلام کی غرض سے بھجوا دیں تو میں اُمید کرتا ہوں کہ وہ اس دعوت کو قبول کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اہل نجد سے اندیشہ اور خطرہ ہے۔ ابو براء نے کہا کہ میں ضامن ہوں۔ آپ ﷺ نے ستر صحابہ کرام کو منذر بن عمرو ساعدیؓ کی قیادت میں روانہ فرما دیا۔ اِس گروہ کے تمام معلمین نہایت مقدس اور پاکباز تھے۔ درس قرآن، قیام اللیل اور تہجد میں رات گزارتے تھے۔

آنحضرت ﷺ نے ایک خط عامر بن طفیل کے نام جو قبیلہ بنو عامر کا رئیس اور ابو براء کا

1) محمد حسین ہیکل حیاتِ محمدؐ، ترجمہ سیرت الرسولؐ (1964ء) مترجم محمد وارث کامل مکتبہ کاروان لاہور، ص 381 تا 383

بھتیجا تھا لکھ کر حضرت حرام بن ملحانؓ کے سپرد فرمایا۔ جب وہ خط لے کر عامر بن طفیل کے پاس گئے تو اُس نے خط دیکھنے سے پہلے ہی حضرت حرام بن ملحان کو شہید کرنے کا اشارہ کیا۔ اُس نے پیچھے سے نیزہ مارا، آپؓ کی زبان سے جو آخری الفاظ نکلے۔ وہ یہ تھے کہ اللہ اکبر۔ قسم ہے کعبہ کے پروردگار کی میں کامیاب ہو گیا۔

عامر بن طفیل نے اپنے قبیلہ کو باقی معلمین کے قتل پر ابھارا، مگر اُس کے چچا کے پناہ دینے کی وجہ سے بنی عامر نے انکار کر دیا۔ تو اُس نے شیبہ بنی سلیم، عصیہ، رعل اور ذکوان سے امداد چاہی تو ان سب نے مل کر تمام صحابہ کو بلاقصور شہید کر ڈالا۔

دو صحابہ آنحضرت ﷺ کے پاس بچ کر پہنچے اور خبر دی کہ آپ ﷺ کو اس قدر صدمہ ہوا کہ تمام عمر کبھی اتنا صدمہ نہیں ہوا۔ ایک مہینہ تک آپ ﷺ صبح کی قنوت میں ان لوگوں کے لئے بددُعا فرماتے رہے۔

اس طرح اڑسٹھ کے قریب قیمتی صحابہ و معلمین نے راہِ خدا میں ترویج علم و تبلیغ کے لئے جان قربان فرمائی۔(1)

2.4.47) عثمان بن مظعونؓ

''جب عثمان بن مظعون، ولید بن مغیرہ کی پناہ میں داخل ہو کر امن سے رہنے لگے تو انہوں نے ایک اور صحابہؓ کی حالت پر غور کیا اور انکی تکالیف کو دیکھ کر ان کو غیرت آئی اور دِل میں کہا کہ میرا ایک مشرک کی پناہ میں رہنا نہایت نامناسب ہے جبکہ میرے اور بھائی سختی اور تکلیف میں مبتلا ہیں تو پھر میں بھی ان کے ساتھ شریک ہوں تو بہتر ہے۔ چنانچہ یہ خیال کر کے ولید بن مغیرہ کے پاس گئے اور کہا اے ابوعبد شمس تمہاری پناہ کو میں تمہاری طرف واپس کرتا ہوں۔ ولید نے کہا کیوں اے بھتیجے کیا سبب ہے؟ اگر تو ایسا کرے گا تو ضرور میری قوم کے لوگ تجھ کو ایذاء دیں گے۔ عثمان نے کہا مجھ کو فقط خدا کی پناہ کافی ہے، اس کے سوا اور کسی کو پناہ میں نہیں چاہتا۔ ولید نے کہا تو پھر مسجد میں چل کر اعلانیہ طور سے میری پناہ کو تم واپس کرو۔ جیسے کہ میں نے اعلان کے ساتھ تم کو پناہ دی تھی۔ راوی کہتا ہے چنانچہ عثمانؓ اور ولید دونوں مسجد الحرام میں آئے اور ولید نے پکار کر کہا

1) محمد ادریس کاندھلوی (2007ء)، سیرت مصطفیٰؐ، ص 323، 324، زمزم پبلشرز کراچی

کہ اے لوگو! یہ عثمانؓ میری پناہ کو واپس کرنے آیا ہے۔ عثمانؓ نے کہا یہ سچ کہتا ہے۔ میں نے اس کو وفادار اور وفا کا نبھانے والا پایا۔ مگر میں خود اس کی پناہ واپس کرتا ہوں کیونکہ خدا کے سوا کسی کی پناہ مجھ کو درکار نہیں ہے۔ یہ کہہ کر عثمانؓ وہاں سے چلے آئے اور لبید بن ربیعہ بن مالک بن جعفر بن کلاب مشہور شاعر قریش کی ایک مجلس میں بیٹھا ہوا اپنے شعر سنا رہا تھا۔ چنانچہ ایک شعر اُس نے یہ کہا:

الا کل شیء ما خلا اللہ باطل

یعنی خبردار ہر ایک چیز سوا خدا کے باطل ہے۔

عثمان بن مظعون نے فرمایا تو نے سچ کہا پھر لبید نے مصرعہ ثانی کہا۔

و کل نعیم لامحالۃ زائل

اور ہر ایک نعمت لامحالہ زوال پذیر ہے۔

عثمانؓ نے کہا یہ تو نے غلط کہا کیونکہ جنت کی نعمتیں زوال پذیر نہیں ہیں۔ لبید نے کہا اے قریش یہ شخص اگر مجھ کو تکلیف دے گا تو پھر میں کیسے بیان کر سکتا ہوں۔ قریش میں سے ایک شخص نے کہا کہ یہ ایک جاہل شخص ہے اور چند جاہل بھی اس کے ساتھ ہیں۔ یہ ہمارے قومی مذہب سے جدا ہو گئے ہیں۔ اس کے کہنے کا تم بُرا نہ مانو۔ عثمانؓ نے اس شخص کو جس نے ان کو جاہل کہا تھا جواب دیا اور باتوں سے ہاتھا پائی کی نوبت پہنچی۔ اس شخص نے عثمان کے ایک ایسا طمانچہ مارا جس سے ان کی آنکھ کو سخت تکلیف پہنچی۔ ولید بن مغیرہ بھی پاس ہی کھڑا ہوا دیکھ رہا تھا۔ کہنے لگا اے بھتیجے! اگر تو میری پناہ میں رہتا تو تیری آنکھ کو یہ صدمہ نہ پہنچتا۔ عثمانؓ نے کہا واللہ یہ آنکھ جو میری صحیح وسالم ہے یہ بھی اس دُکھ کی آرزومند ہے جو اس آنکھ کو خدا کی راہ میں پہنچا ہے اور بے شک میں اب اس ذات پاک کی پناہ میں ہوں جو تجھ سے بدرجہا باعزت اور بااختیار ہے۔ ولید نے کہا اے بھتیجے میں پھر تجھ سے کہتا ہوں کہ میری پناہ میں آجا۔ عثمانؓ نے کہا۔ ہرگز نہیں"۔(1)

---

1) ابن ہشام، ابو محمد عبدالملک، سیرۃ النبی ﷺ، مترجم سید یٰسین علی حسن نظامی دہلوی، ج1، ص243

2.4.2) مدرسۂ نبوت ﷺ کی تربیت یافتہ خواتین بطور رول ماڈل

آنحضرت ﷺ نے جہاں عرب معاشرے کی تعلیم و تربیت فرمائی، وہاں بناتِ اسلام کو بھی علم کی روشنی سے محروم نہیں رکھا۔ سب سے پہلی خاتون حضرت خدیجہؓ ہیں جو خواتین میں سب سے پہلے نورِ ایمان سے مشرف ہوئیں۔ آنحضرت ﷺ نے برملا آپؓ کی مالی معاونت اور معاشرتی تفوق کا اظہار فرمایا ہے جس سے تبلیغ و ترویج اسلام میں فائدہ پہنچا۔

یاد رہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب اپنا تعلیمی سفر شروع کیا تو مکہ میں صرف سترہ اور مدینہ میں بیس کے لگ بھگ افراد لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ قرآن مجید عرب معاشرہ کی پہلی کتاب تھی۔ کسی لائبریری کا وجود نہیں تھا۔

علم کے مختلف ڈسپلن یا مضامین کا وجود نہیں، زمین زیادہ تر بنجر اور بے آب و گیاہ، زمین اور انسان اخلاقیات سے مبرا، ان حالات میں جو سفر شروع کیا تو اپنے پیروؤں کو ہر طرح کی معاشیات، دین، سائنس، ٹیکنالوجی اور طریق تدریس تک سکھا ڈالے اور دُنیا کی سپر پاور کی بنیاد رکھ دی۔ یہ حیرت انگیز کام تھا۔ علمی معاشرہ کی بنیاد رکھ دی گئی۔ خواتین نے بھی بڑھ چڑھ کر ترویج علم میں حصہ لیا۔

جہاں اسلام کی تعلیمی تحریک سے مردوں کو فائدہ پہنچا، وہاں خواتین نے بھی استفادہ کیا اور اسلامی معاشرہ کی تعمیر میں حصہ لیا۔ چند اُمہات المؤمنین اور صحابیات کی علمی خدمات بطور رول ماڈل کا تذکرہ کیا جاتا ہے جس کے لئے زیادہ تر استفادہ مولانا اسحاق بھٹی کی کتاب اسلام کی بیٹیوں سے کیا گیا ہے۔ تفصیل کے لئے اسلامی تاریخ کا مطالعہ ضروری ہے۔

2.4.2.1) حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ

آپؓ کا اسم گرامی خدیجہ ہے، آپ کے القاب صدیقہ، طاہرہ، کبریٰ اور اُم المساکین ہیں۔ آپ ابتداء ہی سے اس درجہ نیک فطرت اور عفت مآب تھیں کہ اس تاریکی کے زمانے میں بھی طاہرہ کے لقب سے پکاری جاتی تھیں اور لوگوں نے بلحاظِ سیادت، شرافت اُن کو سیدۃ النساء قریش کا گراں بہا تمغہ دیا تھا۔(1)

1) مولوی نذیر احمد، اُمہات الامہ، ص 49، شمسی پریس دہلی

آپؓ مکہ کی امیر ترین خاتون تھیں۔ تمام قریش کی دولت ایک طرف ہو اور آپؓ کی دولت دوسری طرف برابر تھی۔ آپ کا مال تجارت اسی ہزار اونٹوں پر لادا جاتا تھا جو آپؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہبہ کر دیا۔ آپؓ نے تمام روسائے عرب کو ٹھکرا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقد کیا۔ آپؓ پچیس سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مونس وغمگسار رہیں، سب سے پہلے اسلام لائیں۔ آپؓ کی دولت اسلام کی تبلیغ واشاعت میں کام آئی۔ آپؓ نے سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی۔ حضرت ابراہیمؓ کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام اولاد آپؓ کے بطن سے تھی۔ آپؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تین سال کا عرصہ شعب ابی طالب میں گزارا اور صبر واستقامت سے تکلیفیں برداشت کیں۔ آپؓ نے آنحضرت سے مل کر دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکمل ساتھ دیا۔ آپ کے اسلام قبول کرنے سے اسلام کا ابتدائی تعارف بہتر ہوا۔ شادی کے وقت آپؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزاج کے مطابق غریبوں، محتاجوں اور ناداروں کے لئے لنگر کا انتظام کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ سے سلام بھیجا۔ یہ وہ اعزاز ہے جو حضرت خدیجہؓ کے علاوہ کسی کو عطا نہیں ہوا۔ آپؓ کی وفات کے سال کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عام الحزن یعنی غم کا سال قرار دیا۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا کردار اِس بات کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ آپ یقیناً ایک شریک کار نبوت اور رازدار نبوت تھیں کیونکہ اِس بات پر تمام سیرت نگار متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے ابتدائے وحی کی کیفیت سے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کو آگاہ فرمایا تھا۔ علامہ حلبی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے زملونی زملونی۔ مجھے کپڑا اوڑھا دو۔ مجھے کپڑا اوڑھا دو۔ چنانچہ فوراً آپ کو کپڑا اُوڑھا دیا گیا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خوف اور گھبراہٹ دور ہوگئی۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کو تمام واقعہ بتلایا اور فرمایا مجھے اپنی جان کا خوف ہو گیا اور امتاع کی روایت کے مطابق مجھے اپنی عقل کی طرف سے خطرہ ہو گیا ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے جواب میں عرض کیا۔ ہر گز نہیں۔

خوش خبری ہو آپ ﷺ کو۔ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز رسوا نہیں کرے گا کیونکہ آپ رشتہ داروں کی خبر گیری کرتے ہیں، سچی بات کہتے ہیں، دوسروں کے لئے مصیبت اور پریشانیاں اُٹھاتے ہیں، بیکس مفلسوں کی امداد کرتے ہیں"۔

جب آنحضرت ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا تو معاشرے کے رویوں میں بھی تبدیلی آئی اور دن بدن آنحضرت ﷺ کے دشمنوں کی تعداد میں اضافہ ہونا شروع ہوا۔ ایسے حالات میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ اپنے کردار و عمل کے ذریعے ایک غمگسار اور مددگار ساتھی کی صورت میں سامنے آئیں۔ طاہر القادری ان حالات میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی سیرت کو یوں نمایاں کرتے ہیں۔

"دُنیا میں ہر درجے اور ہر مقام و مرتبے کے لوگ ہوتے ہیں۔ چنانچہ جن کی روحیں پاک، دِل خلوص سے لبریز اور خدا اور رسول ﷺ اور قرآن اور دین کی محبت سے سرشار ہوتے ہیں وہ ایک لگن، مقصد اور جذبہ و جوش لے کر اس کے گروہ میں شامل ہوجاتے ہیں اور ہر قسم کے ایثار و قربانی کا یقین دلاتے ہیں۔ محبت خدا اور رسول ﷺ کی خاطر گردنیں کٹانے تک کا وعدہ کرتے ہیں اور وقت آنے پر ایسا کر کے دکھا بھی دیتے ہیں اور خدا اور رسول ﷺ کی بارگاہ میں سرخرو ہوتے ہیں"۔

پھر آگے چل کر آپ لکھتے ہیں:

"حضرت خدیجہؓ مصطفوی انقلاب کے ہراول دستے کی ایک ایسی ہی مخلص اور انتھک کارکن تھیں جنہوں نے اس وقت ساتھ دیا جب دشمنی کی آندھیاں چل رہی تھیں اور اس وقت ایمان لائیں جب فضا کفر سے آلودہ تھی۔ مشن کے فروغ کی خاطر ساری دولت اس وقت صرف کی، جب سرمائے کی سخت ضرورت تھی۔ غرض ہر میدان میں اور ہر طرح سے بھرپور تعاون کیا اور تحریک کے مقاصد کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیا۔ حضور ﷺ نے ان جذبات کی اس طرح قدر افزائی فرمائی کہ حضرت خدیجہؓ کی قربانیوں کو ہر موقع پر سراہا، شاندار لفظوں میں ان کا ذکر کیا اور کبھی ان کی مساعی کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیا۔ جب بھی یاد آئیں تو آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور ان کا کوئی عزیز آ گیا تو اسے خوب نوازا۔(1) حضرت عائشہؓ راوی ہیں۔

1) حلبی، علامہ علی ابن برہان الدین، اُم السیر سیرۃ حلبیہ، مترجم مولانا اسلم قاسمی، ص 123

ربما ذبح الشاۃ ثم یقطعھا اعضاء ثم یبعثھا فی صدائق خدیجۃ

''بسا اوقت آپ ﷺ بکری ذبح فرماتے، پھر اُس کے ٹکڑے کر کے حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں کے گھروں میں بھیج دیتے تھے''۔ (1)

طاہر القادری اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''سیدہ خدیجہؓ نے روز اول ہی سے اپنی چاہتیں نچھاور کر دیں اور وفاؤں کے انمٹ نقوش ثبت کرنا شروع کر دیئے۔ بہت جلد حضور ﷺ نے محسوس فرما لیا کہ سیدہ خدیجہؓ کے روپ میں صحن خانہ میں خلوص و وفا اور محبت والفت کی ایک دلکش تصویر چلتی پھرتی ہے۔ لازوال خوشیوں اور شفقتوں نے اس پیکر حسین کا روپ دھار لیا ہے۔ ایثار و قربانی، استقامت و استقلال اور عقیدت و مروت کی ساری قدریں ان کی ذات میں ڈھل گئی ہیں۔ وہ ایک وفا شعار بیوی ہی نہیں بلکہ آلام وشدائد کی کٹھن ساعتوں میں غمگسار دوست بھی ہیں اور حوصلوں کو جواں رکھنے والی ایک ایسی مددگار ہستی ہیں جن کے عزائم ناقابل شکست اور فکری توانائیاں ناقابل تسخیر ہیں جن پر ہر حال میں بھروسہ کیا جا سکتا ہے''۔ (2)

حضرت جبرائیلؑ اللہ کا پیغام لے کر آتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ:

''یا رسول اللہ ﷺ! اپنے رب کی طرف سے اور میری طرف سے حضرت خدیجہ کو سلام پہنچایئے اور انہیں خوشخبری دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جنت میں موتیوں کا بنا ہوا ایک محل مخصوص کیا ہے جس میں کوئی شور نہیں ہوگا اور نہ کوئی کوفت۔ حضرت اُم المومنین نے جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ ہی سلام ہے ساری سلامتیاں اسی سے ہیں۔ جبرئیل پر سلام ہو اور یا رسول اللہ آپ پر سلام ہو، نیز اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہوں''۔ (3)

جب کہ سلمان ندوی نے اس حدیث سے یہ مراد لیا ہے:

1) ڈاکٹر طاہر القادری، سیرت رسول، ج3، ص95 تا 97
2) ڈاکٹر طاہر القادری، سیرت الرسول، ج3، ص91
3) پیر کرم شاہ، ضیا النبی، ج دوم، ص224

''حضرت خدیجہؓ حضرت عائشہؓ کے زمانہ میں گو زندہ نہ تھیں، لیکن آنحضرت ﷺ کے قلب مبارک میں ان کی یاد ہمیشہ زندہ رہی، آپ ﷺ اکثر حضرت عائشہؓ سے ان کا ذکر خیر کیا کرتے، وہ خود بیان کرتی ہیں کہ جس قدر خدیجہؓ پر مجھ کو رشک آتا تھا، کسی دوسری بی بی پر نہیں آتا تھا اور یہ اس لئے کہ آپ ﷺ اس کو بہت یاد کیا کرتے تھے اور سال میں ایک مرتبہ ان کی طرف سے قربانی کرتے تھے اور ان کی تمام سہیلیوں کو تحفہ بھیجتے تھے''۔ (1)

2.4.2.2) اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ

عائشہ نام، صدیقہ اور حمیرا لقب، اُم عبداللہ کنیت تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ بیت ابوبکر کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ اسلام کے دور اول ہی میں نور اسلام سے منور ہو گیا تھا اور حضرت عائشہ ان خوش بخت خواتین میں سے ہیں جن کی تربیت خالص اسلامی ماحول میں ہوئی۔

نہایت سخی اور فیاض تھیں۔ ایک دن روزے سے تھیں اور گھر میں سوائے ایک روٹی کے اور کچھ نہ تھا۔ اتنے میں ایک مسکین عورت آئی اور اُس نے سوال کیا۔ خادمہ کو حکم دیا کہ جو روٹی گھر میں پڑی ہے، اُسے کھلا دو۔ اس نے عرض کیا آپ روزہ کس چیز سے افطار کریں گی؟ فرمایا اللہ مالک ہے، شام ہوئی تو کسی نے بکری کا گوشت بھجوا دیا، لونڈی کو بلا کر کہنے لگیں۔ لو کھاؤ، یہ تیری روٹی سے بہتر ہے۔

ایک مرتبہ ان کے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ایک لاکھ درہم بھیجے۔ حضرت عائشہؓ اُس دن روزے سے تھیں۔ تمام درہم اسی وقت راہ خدا میں تقسیم کر دیئے۔ شام ہوئی تو اُم ذرہ نے کہا: ام المومنین! اس رقم سے روزہ افطار کرنے کے لئے کچھ گوشت ہی لے لیا ہوتا۔ فرمایا تم نے بھی تو پہلے توجہ نہیں دلائی۔ آپؓ کی علمی تربیت خود آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمائی۔

علمی بصیرت اور فقاہت کے اونچے درجے پر فائز تھیں۔ بڑے بڑے صحابہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر بعض نہایت مشکل اور پیچیدہ مسائل دریافت کرتے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں ہم اصحاب محمد (ﷺ) کو کوئی ایسی مشکل بات کبھی پیش نہیں آئی، جس کا حل ہم نے

1) سید سلیمان ندوی، سیرت عائشہؓ، ص 67، ادارہ اسلامیات، لاہور

حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا ہو اور ہمیں اس کے بارے میں معلومات نہ حاصل ہوئی ہوں۔ ہم نے جب بھی کسی عقدہ کشائی کے لئے ان کے باب عالی پر دستک دی تو ہمیں ذہنی تسکین اور قلبی تسلی حاصل ہوئی۔

عروہ بن زبیرؓ کہتے ہیں: میں نے فقہ، طب اور شاعری میں حضرت عائشہؓ سے زیادہ کسی کو عالم نہیں پایا۔ یہی عروہ اپنے باپ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ بسا اوقات حضرت عائشہؓ ساٹھ ساٹھ اور سو سو شعر کے قصیدے زبانی سنا دیا کرتی تھیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے صاحبزادے ابو سلمہ جو ایک جلیل القدر تابعی تھے، کہتے ہیں:

"میں نے حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر سنت نبوی ﷺ کا عالم، فقاہت دین کا ماہر اور آیات قرآن مجید کی شان نزول اور فرائض کا جاننے والا اور کسی کو نہیں پایا"۔ عطا بن الرباح کا قول ہے: "حضرت عائشہ سب سے زیادہ فقیہہ، سب سے زیادہ ماہر مسائل اور سب سے زیادہ صاحب الرائے تھیں"۔ مسروق جو مشہور تابعی ہیں، کہتے ہیں: "بخدا میں نے بڑے بڑے صحابہ کو حضرت عائشہؓ سے فرائض و وراثت کے مسائل دریافت کرتے دیکھا ہے"۔ امام زہری فرماتے ہیں: "حضرت عائشہؓ تمام لوگوں سے زیادہ عالم تھیں۔ اکابر صحابہؓ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فصاحت و بلاغت میں بھی اونچا مقام رکھتی تھیں۔ ادب و خطابت میں بھی ان کا پایہ بلند تھا۔ کہتے ہیں اس باب میں حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ کے سوا وہ تمام صحابہ سے ممتاز تھیں۔ ان کی بعض تقریریں ادب اور زور کلام کے اعتبار سے شاہکار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ نہایت شیریں کلام اور فصیح اللسان تھیں۔

جامع ترمذی میں موسیٰ بن طلحہؓ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے زیادہ کسی کو فصیح اللسان نہیں دیکھا۔ بعض احادیث میں جہاں حضرت عائشہؓ کے اصل الفاظ مروی ہیں، ادب و حسن بیان نے بات کہیں سے کہیں پہنچا دی ہے۔ مثلاً آغاز وحی کے ضمن میں فرماتی ہیں۔

آنحضرت ﷺ جو خواب دیکھتے، وہ سپیدہ صبح کی طرح نمودار ہو جاتا۔

آنحضرت ﷺ پر جب کیفیت وحی طاری ہوتی تو جبین مبارک پر عرق کے قطرے ظاہر ہو جاتے۔ اس کیفیت کو حضرت عائشہؓ ان الفاظ میں ادا کرتی ہیں:

''یعنی پیشانی پر موتی ڈھلکتے تھے''۔

واقعہ افک میں انہیں راتوں کو نیند نہیں آتی تھی۔اس کا اظہار اس طرح کرتی ہیں:

''میں نے سرمہ خواب نہیں لگایا''۔

آل رسول اللہ ﷺ سے انتہائی محبت کرتی تھیں اور ان کی بے حد مداح تھیں۔ جامع ترمذی میں ہے۔ راوی کہتا ہے میری موجودگی میں حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ عورتوں میں سب سے زیادہ فضیلت کس کو حاصل ہے؟ اور کون خاتون آنحضرت ﷺ کو زیادہ عزیز تھیں؟

فرمایا: فاطمہؓ!

پھر سوال ہوا: مردوں میں سے یہ اعزاز کس کو حاصل ہے؟

کہا: فاطمہ کے شوہر علیؓ کو۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فہم مسائل میں نہایت بلند مرتبے پر فائز تھیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''اہل خانہ مردے پر روتے ہیں تو اس سے مردے کو عذاب ہوتا ہے''۔ حضرت عائشہؓ نے یہ روایت سنی تو اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ فرمایا: اصل معاملہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے دیکھا کہ ایک یہودی عورت کی میت پر اس کے اعزہ واقارب رو رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ لوگ رو رہے ہیں اور اسے عذاب ہو رہا ہے۔ آپ ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ اس کے غلط اعمال کی سزا اُسے مل رہی ہے۔ پھر حضرت عائشہؓ نے فرمایا قرآن مجید کا ارشاد ہے:

ولا تزر وازرۃ وزر اخری O

''یعنی کوئی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھاتا''۔

یہ نہیں کہ رونے کی وجہ سے اُسے عذاب ہو رہا ہے بلکہ اس میت کو اپنے ان گناہوں کا عذاب ہو رہا ہے جن کا ارتکاب دُنیا میں اس سے ہوتا رہا ہے۔

(2.4.1.3) اُم المومنین حضرت حفصہؓ

حضرت حفصہؓ حضرت عمر فاروقؓ کی بیٹی تھیں۔ حضرت حفصہؓ پیکر زہد وتقویٰ اور اخلاق

حسنہ کا بہترین نمونہ تھیں۔قائم اللیل اور صائم النہار تھیں، اصابہ کی روایت کے مطابق وہ وفات کے وقت بھی روزہ سے تھیں۔اختلاف ونزاع سے سخت نفرت کرتی تھیں۔ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ البتہ ان کے شاگردوں اور ان سے سماع حدیث کرنے والوں کی تعداد اچھی خاصی ہے۔ان خوش بخت حضرات میں خود ان کے بھائی اور جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عمرؓ، بھتیجے حمزہ بن عبداللہؓ، صفیہ بنت ابوعبیدؓ (جو ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمر کی بیوی تھیں)، حارثہ بن وہب، مطلب بن وادعہ، ام مبشر انصاریہ اور حارث بن عبدالرحمن رضوان اللہ علیہم اجمعین شامل ہیں۔حضرت حفصہؓ سے ساٹھ احادیث مروی ہیں، جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور اپنے والد محترم حضرت عمرؓ بن خطاب سے روایت کیں۔ان میں سے چار مشترکہ طور پر تھیں۔

2.4.2.4) اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ

صلح حدیبیہ کے موقعے پر حضرت اُم سلمہؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھیں۔صلح کے بعد آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو قربانیاں کرنے کا حکم دیا لیکن لوگ اس قدر افسردہ اور دل شکستہ تھے کہ آنحضرت ﷺ کی آواز پر ایک شخص بھی اپنی جگہ سے نہ اٹھا۔قربانیاں کرنے کا حکم آپ ﷺ نے تین مرتبہ دیا مگر لوگ بالکل خاموش رہے۔اس کی وجہ یہ تھی کہ معاہدے کی تمام شرائط بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں اور وہ اس سے مغموم و متاثر تھے۔ اتنے میں آنحضرت ﷺ اُٹھے اور حضرت اُم سلمہؓ کے خیمے میں تشریف لے گئے اور ان سے لوگوں کی خاموشی کی شکایت کی۔انہوں نے کہا آپ ﷺ کسی سے کچھ نہ کہیں۔بس صرف یہ کریں کہ باہر نکل جائیں، خود قربانی کریں اور احرام اتار کر بال منڈوائیں۔چنانچہ آپ ﷺ نے کسی کو کچھ کہنے کی بجائے خود یہ کام شروع کر دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام لوگوں نے وہی کچھ کیا جو حضور ﷺ نے کیا اور اس میں اس درجہ تیزی کا ثبوت دیا کہ قربانیوں اور حجامت کے لئے لوگ ایک دوسرے سے آگے بڑھ رہے تھے۔

جنگ خیبر میں حضرت اُم سلمہؓ، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھیں۔اس جنگ میں انہوں نے مجاہدین کی خدمت انجام دی۔

آیت تطہیر جس میں اہل بیتؓ کی طہارت اور اُن کے تقدس کا ذکر کیا گیا ہے، حضرت اُم سلمہؓ کے مکان پر نازل ہوئی۔

حضرت اُم سلمہؓ بڑی عالمہ اور محدثہ تھیں۔ اُن سے روایت کرنے والوں میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ اور تابعینؒ شامل ہیں۔ بہت سی روایات ان سے مروی ہیں۔ اصابہ میں ہے کہ حضرت اُم سلمہؓ اصابت رائے، فقہ واجتہاد اور علم وتدبر میں سب پر فوقیت رکھتی تھیں۔ قرآن مجید بالکل اس لہجے اور ترتیل سے پڑھتی تھیں جس طرح رسول اللہ ﷺ تلاوت فرماتے تھے۔ ہر مہینے تین دن سوموار، جمعرات، جمعہ کو روزہ رکھتی تھیں۔ نہایت فیاض تھیں۔ سائل کو دروازے سے خالی ہاتھ نہ لوٹاتی تھیں۔ غریب کی مدد کرتی تھیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر سختی سے پابند تھیں۔ ان کے واقعات وحالات کی فہرست طویل بھی ہے اور سبق آموز بھی۔

2.4.2.5) اُم المومنین حضرت زینبؓ

اِن کا نام زینب اور لقب اُم المساکین تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ازواج رسول میں اگر کوئی میری برابری اور ہم سری کا دعویٰ کر سکتی ہیں تو وہ حضرت زینبؓ ہیں۔ یہی وہ معزز خاتون ہیں جن کی وجہ سے بہت سی اصلاحات ہوئیں اور پرانی رسوم کی جڑیں کٹیں۔ غلام اور آزاد میں مساوات پیدا ہوئی اور خود خاندان بنو ہاشم میں اس مساوات کی بنیاد رکھی گئی۔ ان کی وجہ سے حالات بالکل بدل گئے اور حضور ﷺ نے اصلاح احوال کے لئے اللہ کے حکم کے مطابق کئی اہم قدم اٹھائے۔

حضرت زینبؓ خود اپنے ہاتھ سے کام کرتی تھیں۔ وہ چمڑے کی دباغت کا فن جانتی تھیں اور جو کچھ اس سے آمدنی ہوتی وہ سب مسکینوں، یتیموں اور مستحق لوگوں میں تقسیم کر دیتیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، فیاضی اور رحم دلی میں حضرت زینبؓ کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ طبقات ابن سعد میں منقول ہے کہ وہ متوکل علی اللہ، فراخ دست، قانع اور تنگ دستوں کی پشت پناہ تھیں اور یتامیٰ ومساکین کی بے حد مدد کرتی تھیں۔ ان کی فیاضی کا یہ عالم تھا کہ حضرت عمرؓ ان کو بارہ ہزار درہم سالانہ بیت المال سے دیتے تھے اور وہ سب خرچ کر دیتی تھیں۔ ایک مرتبہ انہوں نے یہ رقم ان کی خدمت میں بھیجی تو فرمایا:

"اے اللہ! آئندہ یہ مال مجھ تک نہ پہنچنے پائے کیونکہ یہ فتنہ ہے"۔

پھر یہ ساری رقم مستحقین میں تقسیم فرما دی۔ حضرت عمرؓ کو اس کا علم ہوا تو حاضر خدمت ہوئے۔ سلام کیا۔ دیر تک دروازے پر کھڑے رہے اور عرض کیا، آپؓ نے جو کچھ فرمایا ہے مجھے اس کی اطلاع ہوگئی ہے۔ آپؓ نے وہ سارا مال ضرورت مندوں کو تقسیم کر دیا ہے۔ آپؓ کے پاس تو کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ واپس جا کر اخراجات کے لئے ایک ہزار درہم اور بھیجے، وہ بھی تقسیم کر دیئے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، دین کے معاملے میں تقویٰ وطہارت میں، صداقت و معاملہ فہمی میں، صلہ رحمی میں، سخاوت اور ایثار نفس میں، زینبؓ سے بڑھ کر کوئی عورت میں نے نہیں دیکھی۔

الاستعیاب میں علامہ ابن عبدالبر نے ان کے بارے میں حضرت عائشہؓ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے شرعی اور دینی معاملات میں حضرت زینبؓ سب سے بڑھی ہوئی تھی۔ دوسری جگہ فرماتی ہیں، اللہ تعالیٰ زینب پر اپنی رحمتوں کی بارش کرے، وہ بلاشبہ دُنیا کی بے مثال خاتون تھیں۔ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر سے اس کا نکاح کیا اور ان کی وجہ سے قرآن کی آیات نازل ہوئیں اور بہت سے احکام بارگاہِ الٰہی سے بھیجے۔

طبقات ابن سعد میں مذکور ہے کہ وفات سے قبل حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے یہ وصیت کی تھی کہ میں نے اپنا کفن خود ہی تیار کیا ہے، ممکن ہے حضرت عمرؓ میرے لئے کفن بھیجیں، اگر انہوں نے بھیجا تو ایک کفن صدقے میں دے دینا۔

نماز جنازہ حضرت عمرؓ نے پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ انہوں نے یہ بھی وصیت کی تھی کہ مجھے اسی چار پائی پر قبر تک پہنچایا جائے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچایا گیا تھا۔ اس سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کو یہ شرف حاصل ہوا تھا۔

حضرت زینبؓ سے گیارہ حدیثیں مروی ہیں، ان کے راویوں میں حضرت اُم حبیبہؓ اور زینب بنت ابی سلمہؓ شامل ہیں۔

2.4.2.6) اُم المومنین حضرت اُم حبیبہؓ

اُم المومنین حضرت اُم حبیبہؓ سے بھی احادیث مروی ہیں جو صحاح کی کتابوں میں مذکور ہیں اور جن کی تعداد 25 کے قریب ہے۔ ان سے روایت کرنے والوں کی تعداد بھی خاصی ہے۔

جن میں صحابہ بھی ہیں اور تابعین بھی۔

حضرت اُم حبیبہؓ نہایت عابدہ وزاہدہ تھیں۔ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ جو شخص بارہ رکعت روزانہ نفل پڑھے گا، اس کے لئے جنت میں ایک گھر تیار کیا جائے گا۔اس فرمان کا یہ اثر ہوا کہ خود فرماتی ہیں میں ہمیشہ بارہ رکعت نفل پڑھتی ہوں، پھر ان کے شاگرد اور شاگردوں کے شاگرد بھی ہمیشہ بارہ رکعت نفل پڑھتے رہے۔

ان کے والد ابوسفیان کا انتقال ہوا تو خوشبو لگائی اور فرمایا رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ کسی پر تین روز سے زیادہ افسوس نہ کیا جائے، البتہ شوہر اس سے مستثنٰی ہے۔اس کے لئے چار مہینے دس دن سوگ منایا جائے۔

رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس کے مقابلے میں کسی عزیز یا رشتے دار کو ترجیح نہ دیتیں، نہ کسی کی رعایت کرتیں، اس ضمن میں ایک واقعہ قابل ذکر ہے جو بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ایک مرتبہ ان کے والد ابوسفیان حالت کفر میں مدینہ منورہ آئے۔ان کی آمد کا مقصد رسول اللہ ﷺ سے ملنا اور میعاد صلح میں توسیع کے بارے میں گفتگو کرنا تھا۔وہ مدینہ آئے تو بیٹی کے پاس بھی گئے۔ حضرت اُم حبیبہؓ کے مکان میں داخل ہوئے تو رسول اللہ ﷺ کا بستر بچھا ہوا تھا۔اس پر بیٹھنے کے لئے آگے بڑھے۔حضرت اُم حبیبہ جلدی سے اٹھیں اور آنحضرت ﷺ کا بستر اُلٹ دیا۔ابوسفیان کو یہ بات ناگوار گزری۔انہوں نے غصے کے عالم میں کہا یہ کیا حرکت ہے؟ یہ بستر تمہارے نزدیک مجھ سے زیادہ عزیز ہے؟ کہا جی ہاں! یہ دُنیا کی سب سے مقدس ہستی پیغمبر خدا ﷺ کا بستر ہے، اس کو صاف ومطہر رکھنا ضروری ہے۔آپ کفر کی آلودگیوں سے ملوث اور شرک کی گمراہیوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔میرے لئے ممکن نہیں کہ میں آپ کو رسول اللہ ﷺ کے بستر پر بیٹھنے کی اجازت دوں، آپ بے شک میرے باپ ہیں لیکن کافر اور مشرک ہونے کی وجہ سے نجس اور غیر طاہر ہیں۔آپ کا آنحضرت ﷺ کے بستر پر بیٹھنا آنحضرت ﷺ کے باب میں سوئے ادب ہے، جس کا ارتکاب میری موجودگی میں ہرگز نہیں ہوسکتا۔

ابوسفیان غصے سے بھر گئے اور کہا:

تو میرے بعد بہت خرابیوں میں مبتلا ہو گئی ہے۔

لیکن حضرت اُم حبیبہ نے باپ کے غصے کی کوئی پرواہ نہیں کی۔

2.4.2.7) اُم المومنین حضرت صفیہؓ

رسول اللہ ﷺ سے حضرت صفیہؓ بدرجہ غایت محبت رکھتی تھیں۔ آنحضرت ﷺ بیمار ہوئے تو ازواج مطہرات مزاج پرسی کے لئے حضرت عائشہؓ کے مکان پر تشریف لائیں۔ آنحضرت ﷺ کی تکلیف کو دیکھ کر حضرت صفیہؓ بہت مغموم ہوئیں اور کہا یا رسول اللہ ﷺ کاش آپ ﷺ کی تمام بیماریاں مجھے مل جائیں اور آپ ﷺ تندرست ہو جائیں۔

یہ سن کر ازواج مطہرات ان کی طرف دیکھنے لگیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا واللہ یہ سچ کہتی ہیں، یعنی ان کی یہ بات تصنع اور بناوٹ سے خالی ہے۔

نہایت فیاض اور فراخ دست تھیں۔ اپنا ایک ذاتی مکان تھا۔ وہ بھی صدقے میں دے دیا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی زوجہ محترمہ کی حیثیت سے مدینہ منورہ آئیں تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور تمام ازواج مطہرات میں سونے کی بالیاں تقسیم کیں۔

نہایت عقل منداور حدیث کی عالمہ تھیں۔ لوگ ان سے بہت سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ ان کا مکان عورتوں کے ایک مدرسے بلکہ دارلعلوم کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ ایک خاتون صہیرہ بنت جعفر کا بیان ہے کہ وہ حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ گئیں تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ان سے ملنے کے لئے حاضر ہوئیں۔ وہاں پہنچیں تو دیکھا کہ کوفہ کی متعدد خواتین ان سے مختلف مسائل دریافت کر رہی ہیں اور وہ سب کے جواب نہایت متانت اور تحمل سے دے رہی ہیں۔

ان سے متعدد احادیث مروی ہیں۔ روایت کرنے والوں میں امام زین العابدین، کنانہ، مسلم بن صفوان، یزید بن مصعب اور اسحاق بن عبداللہ بن حارث خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

2.4.2.8) ام المومنین حضرت میمونہ بنت حارثؓ

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بڑی عالمہ، عابدہ وزاہدہ اور سمجھ دار خاتون تھیں۔ فقہ واجتہاد میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔ ان کے بارے میں طبقات ابن سعد کی آٹھویں جلد میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول درج ہے۔

حضرت میمونہؓ ہم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والی اور صلہ رحمی کا اہتمام رکھنے والی خاتون ہیں۔
بے حد عقل مند اور صاحب بصیرت و دانش خاتون تھیں۔ مسائل پر گہری نظر رکھتی تھیں اور مسائل شرعیہ کے بارے میں غور وفکر کے تمام پیمانے ان کے سامنے رہتے تھے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیجئے کہ ایک مرتبہ ایک عورت بیمار پڑ گئی، اس نے نذر مانی کہ شفایاب ہوگئی تو بیت المقدس کا سفر کروں گی اور وہاں جا کر نماز پڑھوں گی۔ چند دنوں کے بعد صحت یاب ہوگئی اور بیت المقدس کے سفر پر روانہ ہونے کی تیاری شروع کر دی۔ رخصتی سلام کے لئے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی اور درخواست دُعا کی۔ انہوں نے ساری بات سنی تو فرمایا:

''دیکھو تمہیں معلوم ہے مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا کتنا اجر ملتا ہے۔ مسجد نبوی اللہ کی ایک انتہائی مقدس جگہ ہے اور اس کے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی تعمیر کردہ ہے۔ اس میں نماز پڑھی جائے تو دوسری مسجدوں سے ہزار گنا زیادہ ثواب ملتا ہے۔ تم اتنا دور دراز کا سفر کرنے کی بجائے مدینہ میں ہی رہو اور مسجد نبوی میں نماز پڑھ لو۔ اس سے اللہ کے نزدیک زیادہ مستحق اجر و ثواب قرار پاؤ گی۔

حضرت میمونہؓ سے احادیث بھی مروی ہیں جن کی تعداد چھیالیس ہے۔ بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے 72 روایات مروی ہیں جن میں سات صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہیں۔ ان روایات سے یہ حقیقت نمایاں ہو جاتی ہے کہ فقاہت اور علمی بصیرت میں ان کا پایہ بہت بلند تھا۔

حضرت میمونہؓ کے تلامذہ اور ان سے روایت کرنے والوں کی تعداد بھی خاصی ہے۔ جن میں حضرت عبداللہ بن عباس، عبدالرحمٰن بن سائب، عبداللہ بن شداد بن ہاد، عطاء بن یسار، عبداللہ بن سائب، ان کے بھانجے یزید بن اضم عبیداللہ خولانی، سلمان بن یسار، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، عبیدہ بن سائق اور عالیہ بنت سبیع ایسے عظیم المرتبت حضرات شامل ہیں۔ پھر آگے ان کے شاگردوں در شاگردوں کا سلسلہ بڑا وسیع ہے۔

2.4.1.9) خاتونِ جنت حضرت فاطمہ الزہراءؓ

حضرت فاطمہؓ رسول اللہ ﷺ کی سب سے پیاری صاحب زادی تھیں۔ ان کے نکاح کے وقت تقریباً پورا عرب آپ ﷺ سے مرعوب تھا۔ گرد و پیش کے علاقوں میں آپ ﷺ کا

اثر ورسوخ پھیل چکا تھا اور حالات انتہائی شان دار مستقبل کا پتا دے رہے تھے لیکن دُنیا کے سب سے بڑے انسان نے اپنی سب سے پیاری بیٹی اور سیدۂ خواتین عالم کو جو جہیز دیا وہ کیا تھا؟ اس کا تذکرہ سیرت و تاریخ کی بہت سی کتابوں میں کیا گیا ہے۔ ان سب کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بیٹی کا جہیز مندرجہ ذیل اشیا پر مشتمل تھا۔

① مصری کپڑے کا ایک بستر جس میں اون بھری گئی تھی۔
② ایک منقش پلنگ یا تخت۔
③ چمڑے کا ایک تکیہ، جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔
④ مٹی کے دو برتن یا گھڑے تا کہ ان میں پانی بھر کر رکھا جائے۔
⑤ ایک مشکیزہ۔
⑥ ایک پیالہ۔
⑦ ایک چکی۔ آٹا یا ستو وغیرہ پیسنے کے لئے۔
⑧ ایک جائے نماز۔
⑨ دو چادریں۔
⑩ چاندی کے دو بازو بند۔

حضرت فاطمہؓ سے اٹھارہ روایت کتب احادیث میں مروی ہیں جو ان سے جلیل القدر صحابہ نے روایت کیں اور وہ ہیں حضرت علی بن ابی طالب، حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت اُم کلثوم، حضرت سلمٰی، حضرت اُم رافع اور حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہم۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت فاطمہؓ کو جن فضائل و مناقب سے نوازا، اس کی مثال نہیں ملتی۔ صداقت و راست گوئی میں حضرت فاطمہؓ کا کوئی جواب نہ تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔

میں نے فاطمہ سے بڑھ کر اور کسی کو راست گو نہیں دیکھا، البتہ ان کے والد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مستثنیٰ ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے تشریف لاتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ کے مکان پر جاتے۔ اس کے بعد اپنے گھر تشریف لے جاتے۔ ایک تابعی نے اُم المومنین حضرت عائشہ

صدیقہؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ کس کو محبوب رکھتے تھے؟

اُم المومنین نے جواب دیا: عورتوں میں فاطمہ کو اور مردوں میں ان کے شوہر کو۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ''میں نے نشست و برخاست، عادات و خصائل، طرز گفتگو اور انداز کلام میں رسول اللہ ﷺ کے مشابہ فاطمہ سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا۔ وہ تمام مشاغل حیات میں آنحضرت ﷺ کی اتباع کرتی تھیں۔ حضرت فاطمہؓ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس آتیں تو آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے''۔

حضرت عائشہؓ ہی کا فرمان ہے کہ: میری آنکھوں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد فاطمہ سے بہتر کسی کو نہیں دیکھا۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں فاطمہؓ میرے جسم کا ٹکڑا ہے، جو اس کو ناراض کرے گا وہ مجھے ناراض کرے گا''۔

حضرت اُم سلمہ کہتی ہیں: ''رفتار و گفتار میں رسول اللہ ﷺ کا بہترین نمونہ فاطمہؓ تھیں۔ حضرت فاطمہؓ کی شکل وصورت میں آنحضرت ﷺ سے بہت ملتی جلتی تھی''۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پانچ بچے پیدا ہوئے۔ حسن، حسین، محسن، اُم کلثوم اور زینب۔ محسن کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔ حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت زینب اور حضرت اُم کلثوم رضوان اللہ علیہم آپ کی تربیت کی وجہ سے تاریخ کی مشہور ترین شخصیتیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ سب حضرات انتہائی محبوب تھے۔ حسنین کریمین کے کردار کی تعمیر آپ کا کارنامہ ہے۔

2.4.2.10) حضرت عاتکہؓ بنت عبد المطلب

حضرت عاتکہؓ بنت عبد المطلب رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی تھیں۔ یہ ایک جلیل القدر اور عظیم المرتبت خاتون تھیں۔ سیرت و تاریخ کی کتابوں میں ان کا ذکر کیا گیا۔ مثلاً ابن سعد نے طبقات میں، ابن عبد البر نے الاستعیاب میں، حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں، ابن ہشام نے اپنی تصنیف میں طیفور میں بلاغات النساء میں ان کے متعلق بیان کیا ہے اور اچھے الفاظ میں ان کا تذکرہ فرمایا ہے۔

خاندان عبد المطلب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ فصاحت و بلاغت اور ادب و شعر میں ان کا مقام بڑا بلند تھا۔ اس خاندان کا ہر فرد اس باب میں امتیازی حیثیت رکھتا تھا۔ ان کی عورتیں بھی اس

میدان میں بہت آگے تھیں اور مرد بھی۔ کسی قافلے میں ان کا اگر کوئی رکن شامل ہوتا تو زبان سے پہچان لیا جاتا کہ یہ بنو ہاشم سے تعلق رکھتا ہے۔ جہاں یہ حضرات اخلاق و کردار میں ممتاز تھے وہاں فصاحت و بلاغت میں بھی بہت سی خصوصیات کے حامل تھے۔ زبان کی باریکیوں اور فن کی نزاکتوں سے پوری طرح آگاہ تھے۔ حضرت عاتکہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بھی اس موضوع پر دست گاہ رکھتی تھیں اور مختلف اصناف شعر میں انہیں عبور حاصل تھا۔ ان کے قصیدے، مرثیے اور مدحیہ اشعار سیرت و رجال کی کتابوں میں مذکور ہیں اور واضح طور سے بتاتے ہیں کہ اس سلسلے میں وہ کس درجہ مہارت رکھتی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ کی مدح کرتے ہوئے کہتی ہیں۔ محمد ﷺ جس طرح حسن و جمال میں بے مثال ہیں، اسی طرح عمل و اخلاق میں بھی عدیم النظیر ہیں۔ یہ چاند کی طرح چمکتے ہوئے چہرے والا، خوب رو جوان عاقل و فہیم بھی ہے اور بہادر و شجاع بھی۔ ان کا باطن بھی اسی طرح پاک اور صاف ہے جس طرح ان کا ظاہر اجلا اور بے داغ ہے۔ سخاوت اور جود ان کی فطرت میں داخل ہے اور کم زور کی اعانت اور مسکین کی دست گیری ان کا معمول۔ اللہ نے ان کو نبوت کے لئے چن لیا ہے، اس لئے کہ یہی اس منصب بلند کے حق دار تھے۔ ان کی مجلس میں اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور فرشتے ان پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ وہ خوش قسمت لوگ ہیں جنہوں نے ان کی رفاقت اختیار کی اور ان کی ہم نشینی کو اپنے لئے ضروری ٹھہرایا۔ تم دیکھتے نہیں کہ ان کے لئے فوز و فلاح مقدر ہو چکی ہے اور انجام کار انہی کی جیت ہوگی۔ یہ اللہ کے سچے نبی ہیں اور یہ ایک ایسا اعزاز ہے جس میں بے شمار برکتیں پنہاں ہیں۔ محمد ﷺ کے مخالف یقیناً ناکام رہیں گے، انبیاء کے مخالف ہمیشہ ذلیل ہوتے ہیں۔ اگر کامیابی چاہتے ہو تو محمد ﷺ کی تابعداری کرو، ان کی تابعداری میں ہی کامیابی کا راز مضمر ہے"۔

لوگو! خیرات و حسنات کی طرف دوڑو کہ تمہارے پیغمبر کا یہی ارشاد ہے:

"تم اللہ کو سجدہ کرو، اس کے رسول اس کے سامنے سر جھکاتے ہیں"۔

جس کا دِل رسول اللہ کی محبت سے خالی ہے وہ دُنیا اور آخرت دونوں میں ناکام رہے گا۔

غرض حضرت عاتکہؓ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا ایک باعظمت خاتون تھیں اور فصاحت وبلاغت اور ادب وشعر میں اونچے درجے پر فائز تھیں۔

2.4.2.11) حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب

حضرت صفیہؓ جناب عبدالمطلب کی بیٹی اور آنحضرت ﷺ کی پھوپھی تھیں۔ ادب وشعر، فصاحت وبلاغت، عمل وکردار، جرات وشجاعت، حسب نسب اور مجد وشرف کے اعتبار سے یہ اہل عرب میں ایک خاص امتیاز کی حامل خاتون تھیں۔ ریگستان عرب میں جب اسلام کی شمع روشن ہوئی اور انہوں نے اسلام قبول کیا، اس وقت یہ چالیس سال کی تھیں۔

آنحضرت ﷺ کی ذات ستودہ صفات سے صفیہ رضی اللہ عنہا کے دو رشتے تھے، ایک پھوپھی ہونے کا خونی رشتہ اور دوسرا اسلام کا لازوال رشتہ۔ اس لئے آپ ﷺ سے ان کو انتہائی محبت تھی۔ جنگ اُحد میں حضرت صفیہؓ بھی شریک تھیں۔ جب مسلمانوں پر آثار ہزیمت ظاہر ہوئے اور وہ بھاگنے لگے تو صفیہؓ نیزہ پکڑ کر راستے میں کھڑی ہو گئیں۔ بھاگنے والوں اور میدان جنگ سے باہر نکلنے والوں کے سینے پر نیزے کی انی مارتی تھیں اور پکار پکار کر کہتی تھیں۔

"تم میدان جنگ سے بھاگ رہے ہو، حالانکہ رسول اللہ ﷺ یہاں موجود ہیں، تمہیں احساس ندامت نہیں ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ کو میدان میں چھوڑ کر فرار کی راہیں تلاش کر رہے ہو؟"

جنگ اُحد میں ان کے بھائی حضرت حمزہؓ کو شہید کر دیا گیا تھا۔ حضرت حمزہؓ آنحضرت ﷺ کے حقیقی چچا اور بہت بڑے معاون تھے۔ نہایت بہادر اور شجاع تھے۔ مخالفین اسلام نے حضرت حمزہ کو شہید کر کے ان کی لاش کے ٹکڑے کر دیئے تھے اور ہندہ نے انتہائی غصے میں ان کا کلیجہ نکال کے چبا ڈالا تھا۔ حضرت صفیہؓ جب میدان اُحد میں زیادہ آگے بڑھ گئیں تو آنحضرت ﷺ نے ان کے بیٹے زبیرؓ سے کہا انہیں آگے بڑھنے سے روکو، حمزہؓ کی لاش انتہائی دردناک حالت میں پڑی ہے۔ بھائی کے ٹکڑے دیکھ کر ان کی قوت صبر جواب دے جائے گی اور یہ رونا دھونا شروع کر دیں گی۔ چنانچہ زبیرؓ نے ان کو روکا اور عرض کیا:

"امی رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ آگے نہ جایئے یہیں سے واپس ہو جایئے"۔

نہایت دلیری سے بولیں: "بیٹا تم مجھے کیا ایسی نئی بات بتانے آئے ہو جس کا مجھے علم نہیں۔

مجھے معلوم ہے میرے بھائی کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اس کی لاش کے ٹکڑے دور دور پھینک دیئے گئے ہیں اور ہندہ نے جوش غضب میں اس کا کلیجہ نکال کر چبا ڈالا ہے لیکن مجھے اس کا کوئی غم نہیں۔ اسلام اسی قسم کی قربانیوں کا طالب ہے۔ اس کو زندہ رکھنے اور دین کی اشاعت عام کرنے کے لئے ضروری ہے کہ موت اور زندگی کے فرق کو دِل سے نکال دیا جائے۔ جب تک زندگی موت سے ہم آغوش نہیں ہوگی، اشاعت اسلام کی طویل اور پر خطر وادیوں کو طے نہیں کیا جاسکے گا۔ میرے بھائی کو اگر قتل کیا گیا ہے تو کوئی بات نہیں، یہ اشاعت اسلام کے لئے ضروری تھا۔ یہ راہ اسلام کی قربانی ہے، اسے دیکھ کر میں خوش ہوں گی۔ میرے لئے اس سے زیادہ مسرت کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ میرے بھائی کو راہ خدا میں شہید کر دیا گیا ہے۔ میں خوب جانتی ہوں کہ مجاہد خود ہی زندگی سے کنارہ کش ہوتا اور موت کو دعوت دیتا ہے۔ اس پر اظہار افسوس کرنا اس کی بہادری کی توہین اور جذبہ جہاد کی اہانت ہے"۔

زبیرؓ نے واپس جا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حضرت صفیہؓ کے جذبات پہنچائے تو آپ ﷺ نے حمزہؓ کی لاش دیکھنے کی اجازت دے دی اور فرمایا اس کے راستے سے ہٹ جاؤ، چنانچہ صفیہؓ گئیں، بھائی کی لاش کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں کو دیکھا، دُعائے مغفرت کی اور بغیر کچھ کہے اور زبان پر حرف شکایت لائے اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر واپس لوٹ گئیں۔

حضرت صفیہؓ نے رسول اللہ ﷺ کا مرثیہ بھی کہا جس کے دو شعر یہ ہیں:

"یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کی ذات گرامی ہماری اُمیدوں کا مرکز تھی۔ آپ ﷺ ہم پر احسان فرماتے تھے اور ظلم و جفا سے دور رہتے تھے۔ آپ ﷺ رحیم، ہادی اور معلم تھے۔ آج جس قدر بھی آپ ﷺ پر ہو سکتا ہے رونا چاہئے"۔

2.4.2.12) حضرت اُم سلیم بنت ملحانؓ

حضرت اُم سلیم مضبوط عزم وارادے کی خاتون تھیں۔ انہوں نے بہت سی صحابیات کی طرح متعدد لڑائیوں میں داد شجاعت دی اور مردوں کے دوش بدوش شریک جہاد رہیں۔ حدیث کی مشہور کتاب صحیح مسلم کی دوسری جلد میں ہے کہ رسول پاک ﷺ جنگوں میں حضرت اُم سلیم اور

انصار کی چند عورتوں کو ساتھ رکھتے تھے۔ جب مسلمان مصروف جہاد ہوتے تو یہ عورتیں (مجاہدین کو) پانی پلاتیں اور زخمیوں کو مرہم پٹی کرتی تھیں۔

حضرت اُم سلیم عاقل وباکمال، حاضر دماغ ونکتہ شناس اور عالم حدیث وذی فراست خاتون تھیں۔ مسائل کا صاف ستھرا ذوق رکھتی تھیں۔ لوگ مسائل دریافت کرنے کے لئے ان کی طرف رجوع کرتے اور مشکل امور میں ان سے مشورہ لیتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت زید بن ثابت کے درمیان ایک مسئلے میں اختلاف ہوا تو انہوں نے انہی کو حکم بنایا تھا۔ مشاہیر صحابہ میں سے حضرت انس، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابوسلمہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم نے ان سے احادیث روایت کی ہیں۔

2.4.2.13) حضرت اُم الدرداؓ کی حسن نیت

حضرت اُم الدرداؓ مشہور صحابیہ تھیں۔ علم وفہم والی اور علم وفضل میں ان کا درجہ بہت بلند ہے۔ ایک بار حضرت عونؓ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دیر تک علمی گفتگو کرتے رہے۔ جب گفتگو کرتے کرتے بہت دیر ہوگئی تو حضرت عونؓ کو احساس ہوا۔ آپؓ نے معذرت چاہتے ہوئے کہا۔ آپؓ ہماری باتوں سے اکتائیں تو نہیں؟ تو حضرت اُم الدرداؓ نے فرمایا: عونؓ! کیا کہا میں تو ہر کام شروع کرتے وقت عبادت کی نیت کرلیتی ہوں اور خود کو عبادت میں سمجھتی ہوں، لیکن علمی گفتگو تو میری اصل غذا ہے۔ یہ تو میرا بہترین مشغلہ ہے جو لطف مجھے اس میں آتا ہے کسی چیز میں بھی نہیں آتا۔

ڈاکٹر احمد شلبی آپ کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ ''صحابیہ اُم الدرداؓ ایک لڑکے کے پڑھنے اور لکھنے کے لئے ایسی ایک تختی پر کچھ حکیمانہ اقوال لکھ دیا کرتی تھیں۔ (1)

یعنی آپؓ اِس دور میں بچوں کو پڑھنا، لکھنا اور عقل وفہم، بصیرت اور عمدہ اخلاق سکھاتی تھیں اور بچوں کی تربیت فرماتی تھیں۔

---

1) ص19

2.5) تابعین بطور رول ماڈل

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لئے بیٹھے ہیں، اپنی آستینوں میں

جس نے بحالتِ ایمان ایک یا ایک سے زیادہ صحابہ سے ملاقات کی ہو اُسے تابعی کہا جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

''سب سے بہتر لوگ میرے زمانے کے ہیں (صحابہ) پھر وہ جو ان سے متصل ہیں (تابعین) پھر وہ جو ان سے متصل ہیں (تبع تابعین)۔

صحابہ کرامؓ مکتب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تربیت یافتہ اور شاگرد تھے تو تابعین نے صحابہ کرام سے علم سیکھا اور پھر اس علم کو عملی طور پر اطراف واکنافِ عالم میں پھیلایا۔ یہ حضرات کردار، علم وعمل کے حوالہ سے اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ ان کی کوششوں سے اسلامی معاشرہ بامِ عروج پر پہنچا۔ ان حضرات نے علم وعمل کے میدان میں بہترین نمونہ چھوڑا۔ علمی، عملی اور دینی واخلاقی لحاظ سے یہ مسلم طبقہ اساتذہ کے لئے رول ماڈل ہیں۔ مسلمان سکالرز کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دورِ تابعین کا اختتام 150ھ اور تبع تابعین کا 220ھ میں ہوتا ہے۔ اس باب میں عبدالرحمٰن رافت پاشا کی کتاب حیات تابعین کے درخشاں پہلو سے استفادہ کیا گیا ہے۔(1)

چند تابعی اساتذہ میں مشہور شخصیات میں قاضی شریحؒ، امام زہریؒ، ابراہیم نخعیؒ، سالم بن عبداللہؒ، سعید بن مصیبؒ، سعید بن جبیرؒ، امام زین العابدینؒ، محمد بن سیرینؒ، عطا بن ابی رباحؒ، سیدہ حفصہ بنت سیرینؒ، عمرہ بنت عبدالرحمٰن، ام درداء الصغریٰ شامل ہیں۔ تابعین حضرات کی زندگی کے چند واقعات مشتے از خروارے کے طور پر پیش خدمت ہیں۔

2.5.1) عطا بن ابی رباحؒ

عطا بن ابی رباحؒ مشہور تابعی تھے۔ آپ پہلی صدی ہجری کے آخری دور کے اساتذہ میں

1) عبدالرحمٰن رافت الپاشا، حیاتِ تابعین کے درخشاں پہلو، ترجمہ محمود احمد غضنفر، نعمانی کتب خانہ لاہور

سے تھے۔ آپ فقہ اور حدیث کے استاد تھے۔ مسجد الحرام میں آپ کا حلقہ درس تھا۔ آپ حبشی النسل تھے اور مکہ کی ایک مالدار خاتون کے غلام تھے۔ اس نے آپ کا تقویٰ اور شوقِ علم دیکھ کر آپ کو آزاد کر دیا۔ آزادی ملتے ہی آپ نے بیت اللہ شریف میں ڈیرے ڈال دیئے۔ مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ مسلسل بیس سال تک بیت اللہ شریف میں مقیم رہے، اسی کو اپنا گھر، مدرسہ اور عبادت گاہ سمجھا۔ مشہور صحابہ کرامؓ سے علم حاصل کیا۔

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے 97ھ میں حج کیا۔ دو شہزادے ساتھ تھے۔ طواف سے فارغ ہو کر اپنے وزیر سے پوچھا مفتی اعظم مکہ کہاں ہیں، وزیر نے بتایا کہ خانہ کعبہ کے مغربی جانب نماز ادا کر رہے ہیں، خلیفہ وہاں پہنچا تو دیکھا کہ عطا بن ابی رباحؒ پورے خشوع وخضوع سے نماز ادا کر رہے ہیں اور بہت سے لوگ دائیں بائیں اور پیچھے ان کے انتظار میں بیٹھے ہیں، شہزادے غور سے اس شخص کو دیکھ رہے ہیں جس کی گفتگو سننے کا اشتیاق بہت سے لوگوں کو ہے۔ جب انہوں نے سلام پھیرا تو امیر المومنین نے مودبانہ انداز میں سلام کیا۔ انہوں نے بڑی بے نیازی سے سلام کا جواب دیا۔ امیر المومنین نے حج کے مسائل دریافت کرنا شروع کئے، انہوں نے ہر سوال کا مدلل اور تفصیلی جواب دیا۔ جب تمام مسائل دریافت کر لئے تو امیر المومنین نے ان کا شکریہ ادا کیا اور چل پڑے۔ شہزادوں نے دریافت کیا۔ ابا جان آپ نے جس شخص سے مسائل دریافت کئے وہ معمولی سا آدمی معلوم ہوتا ہے اس نے نہ تو آپ کی پرواہ کی اور نہ ہی تعظیم بجالایا، خلیفہ نے کہا میرے بیٹو یہ عظیم شخصیت اپنے علم، عمل اور تقویٰ کی وجہ سے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کی مسند کا وارث ہے۔ علم حاصل کرو علم ایک کمینے شخص کو معزز بنا دیتا ہے، گمنام کو شہرت عطا کرتا ہے اور غلام کو بادشاہ بنا دیتا ہے۔

سیدنا عطا بن ابی رباح کو اپنے نفس پر مکمل کنٹرول حاصل تھا، انہیں اپنے وقت کا بہت احساس تھا۔ انہوں نے کبھی بھی کسی فضول بات یا فضول کام میں اپنا وقت ضائع نہیں کیا۔ انہوں نے دولتِ دنیا سے ہر ممکن اجتناب کیا، سادہ لباس پہنتے تھے جو کہ کم قیمت ہوتا تھا۔ ایک بار ہشام بن عبدالملک کے دربار میں گئے۔ خلیفہ سے کہا کہ ہر وقت اپنے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو، یاد رکھو تمہیں اکیلا پیدا کیا گیا ہے تم اکیلے ہی مرو گے اور اکیلا ہی اٹھایا جائے گا، اللہ کی قسم کوئی بھی ان درباریوں میں تمہارے ساتھ نہ ہو گا۔ ہشام رونے لگا آپ اُسے روتا چھوڑ کر وہاں سے اُٹھ کر

چل دیئے۔ جب محل سے باہر نکلے تو خلیفہ کا بھیجا ہوا شخص ایک تھیلی لے کر آیا اور کہا کہ امیر المومنین نے آپ کے لئے بھیجی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ افسوس صد افسوس، میں نے یہ باتیں ذاتی طور پر نہیں کی اور سورۃ الشعراء کی یہ آیات پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے:

''اس پر میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو پروردگار عالم پر ہے''۔

یہ کہا اور تھیلی لینے سے انکار کر کے محل سے باہر آ گئے۔

آپ نے 105 سال عمر پائی۔ عمر بھر علم اور عمل کو اپنا سرمایہ حیات سمجھا۔ ساری زندگی نیکی اور تقویٰ کے ساتھ گزاری۔ آپ نے ستر حج کئے اور مسلسل اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور جہنم سے پناہ مانگتے رہے۔

آپ کے علم سے ہر خاص وعام نے فائدہ حاصل کیا۔ امام ابوحنیفہؒ اپنے وقت کی بہت بڑی علمی شخصیت تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ مناسک حج کی ادائیگی کے دوران مجھے عجیب وغریب صورتحال سے دوچار ہونا پڑا جس کی طرف ایک حجام نے میری توجہ دلائی۔ وہ اس طرح کہ میں طواف اور سعی سے فارغ ہو کر حجام کے پاس گیا تا کہ حجامت بنوا کر احرام کھول دوں۔ میں نے حجام سے پوچھا: ''حجامت کے کتنے پیسے لوگے''؟ اُس نے برجستہ جواب دیا: ''اللہ آپ کی رہنمائی فرمائے، عبادت کی قیمت نہیں لگائی جاتی، بیٹھو جو میسر ہو دے دینا''۔

میں یہ سن کر شرمندہ ہوا اور بیٹھ گیا۔ اِس نے قبلہ رُخ ہو کر بیٹھنے کے لئے کہا۔ یہ سن کر مجھے اور زیادہ شرمندگی محسوس ہوئی۔ میں قبلہ رُخ ہو کر بیٹھا اور سر کی بائیں جانب حجام کی طرف کر دی۔ تو اِس نے کہا جناب دائیں طرف کیجئے تو میں نے سر کی دائیں طرف اِس کے قریب کر دی، اِس نے میری حجامت بنانا شروع کی اور میں تعجب اور حیرت میں ڈوبا ہوا خاموشی سے اپنی حجامت بنوا رہا تھا۔ تو اِس نے کہا جناب آپ خاموش کیوں بیٹھے ہیں۔ آپ باآواز بلند ''اللہ اکبر'' کہیں۔ میں نے اللہ اکبر کہنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ حجامت سے فارغ ہو گیا اور اُسے پیسے ادا کر دیئے۔ جانے لگا تو اُس نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا! اب گھر جا رہا ہوں تو اِس نے مجھے کہا! حضرت، پہلے دو رکعات نفل پڑھ لیں، اِس کے بعد جہاں چاہیں تشریف لے جائیں۔ میں نے دو رکعات نماز نفل ادا کی اور اپنے دِل میں کہا! یہ حجام تو کوئی جید عالم معلوم ہوتا ہے، نماز سے فارغ ہو کر میں اس کے پاس گیا اور پوچھا کہ یہ باتیں آپ نے کہاں سے حاصل کیں۔ اِس نے کہا کہ

اللہ آپ کی زبان مبارک کرے۔ مفتی اعظم مکہ سیدنا عطاء بن ابی رباحؒ سے میں نے یہ علم حاصل کیا اور میں نے بہت سے لوگوں کو اِن مسائل کی طرف توجہ دلائی ہے۔

2.5.2) سیدنا عروہ بن زبیرؒ

سیدنا عروہ بن زبیرؒ سیدنا فاروق اعظمؓ کی وفات سے ایک سال پہلے ایک عالی شان اور معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اِن کے والد محترم سیدنا زبیر بن عوامؓ حواری رسول معظم ﷺ تھے اور انہیں اسلام کی سربلندی کے لئے سب سے پہلے تلوار اُٹھانے کا اعزاز حاصل ہوا اور یہ اِن دس صحابہ کرامؓ میں سے ایک تھے جنہیں دُنیا میں جنت کی بشارت دی گئی، اِن کی والدہ ماجدہ سیدنا صدیق اکبرؓ کی بیٹی سیدہ اسماءؓ تھیں جو ذات النطاقین کے لقب سے مشہور ہوئیں۔ اِن کے نانا سیدنا صدیق اکبرؓ تھے جنہیں خلیفہ رسولؐ اور رفیق غار ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ اِن کی دادی سیدہ صفیہؓ بنت عبدالمطلب تھیں جو رسول اقدسؐ کی پھوپھی تھیں۔ اِن کی خالہ سیدہ عائشہؓ کی جب وفات ہوئی، انہیں دفن کرنے کا وقت آیا تو پہلے یہ قبر میں اُترے، لحد کو اپنے ہاتھوں سے درست کیا۔

عروہ بن زبیرؒ نے بیت اللہ کے پاس بیٹھ کر تمنا کا اظہار کیا تھا کہ انہیں علم میسر ہو۔ یہ علم حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہوئے اور وہ جلیل القدر صحابہ کرام جو اس وقت حیات تھے۔ اِن کے گھروں کے چکر لگانے لگے، اِن کے پیچھے نمازیں پڑھتے، اِن کی مجلسوں میں بیٹھتے، اِن سے کتاب و سنت کا علم حاصل کرتے، انہوں نے سیدنا علیؓ، سیدنا عبدالرحمان بن عوفؓ، سیدنا زید بن ثابتؓ، سیدنا ابوایوب انصاریؓ، سیدنا اسامہ بن زیدؓ، سیدنا سعید بن زیدؓ، سیدنا ابوہریرہؓ، سیدنا عبداللہ بن عباسؓ، سیدنا نعمان بن بشیرؓ اور اپنی خالہ سیدہ عائشہؓ سے قرآن و حدیث کا علم حاصل کیا اور اِن کے حوالے سے متعدد احادیث کی روایت کا اعزاز حاصل کیا۔ یہاں تک کہ مدینہ منورہ کے اِن سات فقہاء میں ان کا شمار ہونے لگا جن سے لوگ دینی مسائل دریافت کرنے کے لئے رجوع کیا کرتے اور حکمران رعایا سے متعلق دینی اور دُنیاوی امور نپٹانے کے لئے اِن سے تعاون کیا کرتے تھے۔ وہ اپنے بیٹوں کو تواضع، انکساری، حسن سلوک، خوش گفتاری اور خندہ پیشانی سے رہنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ وہ یہ بھی فرمایا کرتے!

میرے بیٹو! حکمت و دانائی کے ضمن میں یہ بات طے شدہ ہے جس کی بات میں مٹھاس ہو، چہرے پر ہر دم مسکراہٹ کی چمک ہو، وہ لوگوں میں اِس شخص سے زیادہ پسند کیا جاتا ہے جو اِن پر بے دریغ مال خرچ کرتا رہتا ہے، جب دیکھتے کہ لوگ عیش و عشرت کی طرف مائل ہو رہے ہیں اور ناز و نعم کے دلدادہ ہو چکے ہیں تو انہیں شاہ امم، سلطانِ مدینہؐ کی سادہ اور مصائب و مشکلات سے بھرپور زندگی یاد دِلاتے۔ مدینہ منورہ میں رہنے والے ایک معروف تابعی جناب محمد بن منکدرؒ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عروہ بن زبیرؒ مجھے ملے۔ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا!

اے ابوعبداللہ!

میں نے کہا: جی۔ فرمایا: میں ایک دفعہ اماں عائشہؓ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ انہوں نے مجھے دیکھ کر فرمایا بیٹا!

میں نے کہا جی! اماں حضور!

فرمایا: اللہ کی قسم! شاہ امم سلطان مدینہؐ کے گھر چالیس چالیس راتیں آگ نہیں جلتی تھی، نہ چراغ روشن ہوتا اور نہ چولہا جلتا۔ میں نے ادب سے عرض کیا: اماں حضور!

تو پھر کس طرح آپ کا گزارہ ہوا کرتا تھا۔

فرمایا!

بس کھجور اور پانی سے ہم گزارہ کیا کرتے تھے۔

2.5.3) سیدنا ایاس بن معاویہ مزنی رحمۃ اللہ علیہ

آپ مشہور اُستاد اور قاضی تھے۔ جب سیدنا ایاس بن معاویہؒ کو قضاء کا منصب سونپا گیا تو عدالتی فیصلوں میں اِن کی جانب سے کئی ایک ایسے موقف کھل کر سامنے آئے جو اِن کی ذہانت کی فراوانی، حُسن تدبیر اور حقائق سے پردہ ہٹانے کی کمال صلاحیت پر دلالت کرتے ہیں۔ اِن میں سے ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔ ایک مرتبہ دو شخص ایک مقدمہ لے کر اِن کے پاس عدالت میں آئے اِن میں سے ایک نے دعویٰ کیا کہ میں نے اپنے ساتھی کو کچھ مال بطور امانت دیا تھا جب میں نے واپسی کا مطالبہ کیا تو اس نے مال دینے سے انکار کر دیا۔ ایاس بن معاویہ نے مدعا علیہ سے امانت

کے متعلق پوچھا تو اِس نے کہا: میں نے مال لیا ہی نہیں، یہ جھوٹ بول رہا ہے اور مجھے بدنام کر رہا ہے۔ اگر اِس کے پاس کوئی دلیل ہے تو پیش کرے ورنہ میں قسم دینے کے لئے تیار ہوں۔ میں بے گناہ ہوں، یہ سراسر مجھ پر الزام ہے۔ سیدنا ایاس بن معاویہ نے خداداد بصیرت سے بھانپ لیا، یہ قسم کے ذریعے اپنے ساتھی کے مال کو ہڑپ کرنا چاہتا ہے۔ قاضی ایاسؒ نے مدعی سے پوچھا تو نے اِسے کس جگہ اپنا مال بطور امانت دیا تھا؟

اُس نے کہا کہ یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک بڑا درخت ہے، ہم نے اِس کے سائے میں بیٹھ کر پہلے کھانا کھایا اور پھر میں نے اپنا مال اِس کے سپرد کیا۔

قاضی ایاسؒ نے کہا: تم ابھی وہاں جاؤ، شاید تمہارا مال وہاں کہیں پڑا ہوا ہو، اِس جگہ کا جائزہ لے کر سیدھا میرے پاس آجانا اور مجھے صورتحال سے آگاہ کرنا۔ یہ حکم پا کر وہ شخص اِس جگہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

قاضی ایاسؒ نے مدعا علیہ سے کہا: اپنے ساتھی کے واپس آنے تک میرے پاس بیٹھے رہو، وہ چپ سادھ کر بیٹھ گیا۔ قاضی ایاس دیگر مقدمات نپٹانے میں مصروف ہو گئے لیکن مقدمات کی سماعت کرتے ہوئے دزدیدہ نگاہوں سے گاہے گاہے مدعا علیہ کی طرف بھی دیکھ لیتے۔ اِس طرح وہ اِس کے چہرے کے تاثرات معلوم کرنا چاہتے تھے۔ جب اِس نے دیکھا کہ یہ شخص بالکل آرام وسکون سے بیٹھا ہوا ہے۔ اِس کے چہرے پر کوئی خوف و ہراس نہیں، قاضی سماعت کے دوران یکدم اِس شخص کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا آپ کا کیا خیال ہے کہ وہ اِس جگہ پہنچ گیا ہو گا جہاں اِس نے مال تیرے سپرد کیا تھا؟ اِس نے بے خیالی میں جواب دیا نہیں، وہ جگہ یہاں سے کافی دُور ہے۔ ابھی وہ راستے میں جا رہا ہو گا۔ قاضی نے غضبناک ہو کر کہا: اے کمبخت! کمینے! تو مال لینے سے انکار کرتا ہے اور اس جگہ کا اعتراف کرتا ہے جہاں تو نے مال لیا تھا۔ بخدا تو خائن، جھوٹا اور بددیانت ہے۔ وہ اچانک یہ حملہ دیکھ کر خوف سے کانپنے لگا اور اِس نے اپنے جُرم کا اعتراف کر لیا اور امانت واپس کر دی۔

سیدنا ایاس بن معاویہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذہانت اور فہم و فراست کا ایک اور واقعہ مشہور ہے۔ کوفہ میں ایک شخص لوگوں کے سامنے اپنی خیر خواہی، وسعت ظرفی، تقویٰ، اور اخلاق کا پرچار کیا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ لوگ اِس کی تعریف کرنے لگے۔ جب اِس کا اعتماد پوری طرح لوگوں کے

دِلوں میں بیٹھ گیا تو لوگ جب سفر پر جاتے تو اپنا مال بطور امانت اِس کے پاس رکھ کر جاتے، بعض لوگ مرتے وقت یہ وصیت کر جاتے کہ ہمارا مال اِس کے سپرد کر دیا جائے اور یہی ہماری اُولاد کا سرپرست ونگران ہوگا۔ اِس کی شہرت سن کر ایک شخص نے اپنا بہت سا مال اِس کے پاس بطور امانت رکھ دیا، چند دنوں کے بعد جب اسے ضرورت پڑی تو اِس نے اپنے مال کی واپسی کا مطالبہ کیا، لیکن اِس نے دینے سے انکار کر دیا۔ اِسے یہ صورت حال دیکھ کر بڑا صدمہ ہوا اور یہ مقدمہ قاضی کی عدالت میں پیش کر دیا۔ قاضی نے مقدمہ پیش کرنے والے سے پوچھا: کیا مدعا علیہ کو یہ معلوم ہے کہ تم میرے پاس آئے ہو۔ اِس نے کہا: نہیں، قاضی نے کہا: آج جاؤ اور کل میرے پاس آنا اور ساتھ ہی مدعا علیہ کو بلانے کے لئے پیغام بھیجا۔ وہ قاضی کا پیغام سنتے ہی عدالت میں آیا۔ قاضی نے اِسے بڑے اعزاز واکرام سے بٹھایا اور کہا: جناب میں نے آپ کی بڑی شہرت سنی ہے۔ آپ لوگوں کی خدمت کا اہم فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ میں نے آپ کو اِس لئے بلایا کہ میرے پاس ایسے یتیموں کا کثیر مقدار میں مال ہے جن کا کوئی وارث نہیں۔ میں چاہتا ہوں یہ مال آپ کے سپرد کر دوں، جب وہ بڑے ہو جائیں تو آپ اِن کے حوالے کر دینا۔ کیا اتنی بڑی مقدار میں مال رکھنے کا آپ کے پاس انتظام ہے؟ کس طرح اِسے سنبھالیں گے؟

کیا گھر میں ایسا مضبوط گودام ہوگا جس میں مال ضائع نہ ہو؟ کیا یہ مال آپ سنبھالنے کے لئے تیار ہیں؟ اِس نے بڑے طمطراق سے کہا: کیوں نہیں جناب، مجھے اللہ نے پیدا ہی عوام کی خدمت کے لئے کیا ہے، بندہ عاجز اِس خدمت کے لئے بخوشی تیار ہے۔

قاضی نے کہا بہت خوب، مجھے آپ سے یہی توقع تھی۔ آپ ایسا کریں کہ کل کے بعد میرے پاس آجانا اور ساتھ دو مزدور بھی لیتے آنا۔ اِس نے کہا: بہت اچھا، یہ کہہ کر وہ اپنے گھر چلا گیا۔

دوسرے دِن وعدے کے مطابق مدعا علیہ قاضی ایاس کے پاس آیا۔ قاضی نے اِسے کہا جاؤ آج اِس شخص سے جا کر اپنے مال کا مطالبہ کرو۔ اگر وہ انکار کرے تو اِس سے کہنا کہ میں تیری شکایت قاضی کے پاس لے کر جا رہا ہوں، اِس نے ایسے ہی کیا۔ جا کر اِس سے اپنے مال کا مطالبہ کیا۔ اِس نے حسب سابق مال دینے سے انکار کر دیا۔ اِس نے کہا تم میرا مال نہیں دو گے تو میں تمہاری شکایت قاضی کے پاس کروں گا۔ جب اِس نے قاضی کا نام سُنا تو فوراً ٹھنڈا پڑ گیا۔ اِسے

اپنے پاس بٹھایا، اِس کی منت کی، مال واپس کیا اور کچھ مزید مال دے کر اِسے خوش کرنے کی کوشش کی تا کہ قاضی کو اِس بات کا علم نہ ہو۔ وہ اپنا مال لے کر سیدھا قاضی کے پاس گیا۔ اِس کا شکریہ ادا کیا اور بتایا کہ اُس نے میرا حق واپس کر دیا ہے، اللہ آپ کو جزائے خیر عطا کرے، جب وعدے کے مطابق وہ شخص تیسرے روز قاضی کے پاس مزدور لے کر حاضر ہوا تو اُسے دیکھتے ہی قاضی اِس پر برس پڑا اور کہا کمبخت! تو نے دُنیا کمانے کے لئے دین کو جال بنا رکھا ہے، تجھے شرم آنی چاہئے۔ یہ جبہ و دستار اور یہ گھناؤنا کردار، تف تیری عقل پر، جاؤ میری آنکھوں سے دور ہو جاؤ اور ابھی جا کر سب لوگوں کی امانتیں واپس کر دے، ورنہ تجھے ایسی سزا دوں گا جسے تیری آئندہ نسلیں بھی یاد رکھیں گی۔ وہ ہانپتا کانپتا ہوا واپس گیا اور سب کے مال فوری طور پر واپس کرنے لگا۔ اِن سے معافی مانگنے لگا، تب جا کر لوگوں کو اِس کی اصلیت کا علم ہوا۔

2.5.4) سیدنا حسن بصریؒ

ایک بار آپ سرِ منبر حجاج بن یوسف کے خلاف بول رہے تھے تو ان کے ایک خیر خواہ نے کہا حضرت بس کیجئے کیوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔

سیدنا حسن بصریؒ نے اِس نیک دِل شخص سے کہا: میرے بھائی اللہ تعالیٰ نے اہلِ علم سے یہ پیمان لیا تھا کہ وہ ظالم کے منہ پر بغیر کسی خوف کے حق بات کا پرچار کرتے رہیں گے اور کبھی اس راہِ وفا میں جفا کا گزر نہیں ہونے دیں گے۔ یہی ہمیشہ حق والوں کا وطیرہ رہا ہے اور یہی فریضہ آج میں ادا کر رہا ہوں۔

گورنر ابن ہبیرہ نے خط لکھ کر حضرت حسن بصریؒ، ابن سیرینؒ اور امام شعبیؒ کو طلب کیا اور کہا ''امیر المومنین یزید نے مجھے ایک ایسا حکم لکھ بھیجا ہے کہ اگر اس پر عملدرآمد کرتا ہوں تو دین و ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے اور اگر عمل نہ کروں تو جان سے جانے کا خوف ہے ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟ امام ابن سیرینؒ اور امام شعبیؒ نے جواب میں ایسی بات کہی جس میں مصلحت کا لحاظ کیا گیا تھا، لیکن حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا:

''اے ابن ہبیرہ! اللہ تجھے یزید سے بچا سکتا ہے مگر یزید تجھے اللہ سے نہیں بچا سکتا، اے ابن ہبیرہ! یزید کی اطاعت کرنے میں اللہ سے ڈرو اور اللہ کی اطاعت کرنے میں یزید کا

خوف مت کر۔ ''اے ابن ہبیرہ! عنقریب موت کا فرشتہ تجھے تیرے تخت سے اتار کر تیرے محل کی وسعت وکشادگی میں لے جائے گا، پھر تجھے وہاں سے نکال کر تجھے تیری قبر کی تنگی وتاریکی میں پہنچادے گا، اس وقت سوائے تیرے عمل کے کوئی چیز تجھے نجات نہیں دلا سکتی، اے ابن ہبیرہ! خالق کی نافرمانی کر کے مخلوق کی اطاعت کرنا روا نہیں''۔ (1)

آپؒ بصرہ میں آباد ہو گئے تھے۔ آپؒ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد تھے۔ علم میں مہارت کی وجہ سے لوگ دیوانہ وار آپ کے پاس آتے تھے۔ آپ کی زبان سے نکلنے والی حکمت ودانش کی باتوں کو لوگ سرمایہ حیات سمجھتے تھے اور آپؒ کی سیرت کو اپنانے کی کوشش کرتے۔ 80 سال کی عمر میں یکم رجب 110ھ کو آپ نے اپنی جان اللہ کے سپرد کی۔ صبح جب یہ خبر بصرہ میں پھیلی تو کہرام مچ گیا، آپ کو غسل دیا گیا، کفن پہنایا گیا، مرکزی مسجد میں نماز جنازہ پڑھائی گئی جس میں زندگی کا بیشتر حصہ بطور معلم، داعی، عالم اور مبلغ کی حیثیت سے گزارا۔ تمام لوگ آپ کے جنازے کے ساتھ گئے، اس روز مرکزی مسجد میں عصر کی نماز نہیں پڑھائی گئی کیونکہ تمام لوگ آپ کے جنازہ کے ساتھ تھے۔ شہر میں کوئی فرد نہیں رہا تھا۔ (2)

2.5.5) قاضی شریح

آپ مشہور تابعی استاد اور قاضی تھے۔ آپ کے بے لاگ فیصلوں کی بڑی دھوم ہے۔ آپ کے فیصلے علم وخرد پر مشتمل ہوتے تھے۔

سیدنا شریح القاضیؒ اور حضرت عمرؓ کا مقدمہ

امیر المومنین سیدنا عمر بن خطابؓ نے ایک بدوی سے گھوڑی خریدی، اسے قیمت ادا کی، اِس پر سوار ہوئے اور چل دیئے۔ ابھی تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ وہ لنگڑانے لگی۔ آپ اِسے واپس موڑ کر اِس شخص کے پاس لے آئے جس سے وہ خریدی تھی۔

فرمایا: یہ گھوڑی واپس لے لو، یہ لنگڑاتی ہے۔

1) عیون الاخبار، ج2، ص373

2) محمود احمد غضنفر، حیات تابعین کے درخشاں پہلو، ص110

بدوی نے کہا: امیر المومنین! میں یہ واپس نہیں لوں گا، کیونکہ میں نے صحیح حالت میں آپ کو فروخت کی تھی۔ امیر المومنین سیدنا عمرؓ نے فرمایا: چلئے فیصلے کے لئے کسی کو منصف مقرر کرلیں جو میرے اور آپ کے درمیان عدل و انصاف کی بنیاد پر فیصلہ کردے۔

بدوی نے کہا: کیا شریح بن حارث کندی کا فیصلہ آپ کو منظور ہوگا؟

سیدنا عمرؓ نے فرمایا: مجھے منظور ہے۔

لہٰذا دونوں فیصلہ کرانے کی غرض سے قاضی شریح کے پاس پہنچے۔ انہوں نے پہلے بدوی کی بات پورے اطمینان سے سنی، پھر سیدنا عمرؓ سے کہا: امیر المومنین کیا یہ گھوڑی جس وقت آپ نے خریدی تھی، صحیح سالم تھی۔ فرمایا: ہاں!

قاضی شریحؒ نے کہا: امیر المومنین! جو چیز آپ نے درست حالت میں خریدی، اُسے اب اپنے پاس رکھئے یا پھر اسی حالت میں واپس کیجئے جس حالت میں آپ نے اِسے خریدا تھا۔

امیر المومنین نے قاضی شریحؒ کی طرف بڑے تعجب سے دیکھا اور فرمایا: کیا یہ فیصلہ انصاف پر مبنی ہے؟ قاضی شریحؒ نے کہا: حق بات اور عدل و انصاف کا تقاضا یہی ہے۔

سیدنا عمرؓ نے فرمایا: مجھے آپ کا یہ فیصلہ سن کر دِلی خوشی ہوئی، اب آپ کوفہ تشریف لے جائیں کیونکہ میں نے آپ کو وہاں کا رئیس القضاۃ مقرر کردیا ہے۔ آپ کے بے لاگ فیصلے نے مجھے متاثر کیا۔ بلاشبہ آپ جیسا نڈر اور باصلاحیت شخص ہی اِس اہم منصب پر فائز ہوسکتا ہے۔

سیدنا شریح القاضیؒ اور حضرت علیؓ کا مقدمہ

ایک روز سیدنا علیؓ کی دِل پسند اور قیمتی زرہ گم ہوگئی، تھوڑے ہی عرصے کے بعد انہوں نے ایک ذمی شخص کو دیکھا کہ وہ زرہ بازار میں بیچ رہا ہے۔

سیدنا علیؓ نے اِسے دیکھتے ہی پہچان لیا اور فرمایا: ارے یہ زرہ میری ہے، ایک رات دورانِ سفر راستے میں مجھ سے گر گئی تھی، ذمی نے کہا: امیر المومنین! یہ میری زرہ ہے، اِس لئے کہ یہ میرے قبضے میں ہے، سیدنا علیؓ نے فرمایا: یہ زرہ میری ہے، میں نے یہ کسی کے ہاتھ فروخت نہیں کی اور نہ ہی یہ بطور تحفہ کسی کو دی ہے کہ اُس پر تو حق ملکیت جتائے۔

ذمی نے کہا: میرے اور آپ کے درمیان کوئی مسلمان قاضی جو بھی فیصلہ کردے مجھے منظور ہے۔

سیدنا علیؓ نے فرمایا: آپ درست کہتے ہیں چلئے ابھی قاضی کے پاس چلتے ہیں۔

دونوں قاضی شریح کے پاس چلے گئے اور وہاں عدالت کے کٹہرے میں جا کھڑے ہوئے۔

قاضی شریحؒ نے سیدنا علیؓ سے پوچھا: آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟

سیدنا علیؓ نے فرمایا: میری پسندیدہ اور قیمتی زرہ پر اِس شخص نے ناجائز قبضہ جما رکھا ہے، یہ زرہ دورانِ سفر مجھ سے گر گئی تھی۔ میرا مطالبہ ہے کہ یہ زرہ مجھے واپس دِلا دی جائے۔

قاضی شریحؒ نے ذمی سے کہا: آپ اِس کے متعلق کیا کہنا پسند کریں گے۔ اس نے کہا: یہ زرہ میری ہے۔ چونکہ اس وقت میرے قبضہ میں ہے اور نہ ہی میں امیر المومنین پر کسی قسم کی کوئی تہمت لگانا چاہتا ہوں۔ قاضی شریحؒ نے حضرت علیؓ کی طرف دیکھا اور اشارہ فرمایا:

امیر المومنین! آپ کے سچا ہونے میں مجھے کوئی شک نہیں، یہ زرہ بلاشبہ آپؓ کی ہے لیکن چونکہ اس وقت مقدمہ عدالت میں ہے، اسے اپنی ملکیت ثابت کرنے کے لئے آپ کو دو گواہ پیش کرنا ہونگے۔ سیدنا علیؓ نے فرمایا: ہاں! میرا غلام قنبرؓ اور میرا بیٹا حسنؓ میرے حق میں گواہی دیں گے۔ قاضی شریحؒ نے کہا: امیر المومنین، غلام کی گواہی آقا کے حق میں اور بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں قابل قبول نہیں ہوسکتی۔

سیدنا علیؓ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا: ''سبحان اللہ'' کیا ایک جنتی آدمی کی شہادت قبول نہیں ہو سکتی۔ کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ حسنؓ اور حسینؓ جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔ قاضی شریحؒ نے کہا: امیر المومنین! یہ درست ہے لیکن میں باپ کے حق میں بیٹے کی گواہی کو جائز نہیں سمجھتا۔ سیدنا علیؓ نے ذمی کی طرف دیکھا اور فرمایا: یہ زرہ اپنے قبضے میں ہی رکھیئے کیونکہ میرے پاس ان کے علاوہ کوئی گواہ نہیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر ذمی نے کہا:

امیر المومنین میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ زرہ آپ کی ہے، پھر وہ کہنے لگا: ہائے اللہ! میں قربان، میں صدقے، آج امیر المومنین اپنے ماتحت قاضی سے فیصلہ کرانے کے لئے پیش ہوا اور قاضی نے سماعت کے بعد فیصلہ میرے حق میں دے دیا۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ دین جو اس قسم کے فیصلے کرنے کا حکم دیتا ہے برحق ہے اور میں آج

اس سے متاثر ہو کر عدالت کے روبرو صدق دِل سے اقرار کرتا ہوں۔ ''اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں اور بلاشبہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں'' ۔کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔

پھر اِس نے عدالت میں اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہا: جناب قاضی! میں صدق دل سے اعتراف کرتا ہوں کہ یہ زرہ امیر المومنین کی ہے۔ میں ایک رات اس لشکر کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا جو صفین کی طرف رواں دواں تھا۔ یہ زرہ اِن کے خاکی رنگ کے اونٹ سے گری جسے میں نے اٹھالیا۔

سیدنا علیؓ نے اس کا بیان سن کر ارشاد فرمایا: چونکہ اب تو مسلمان ہو گیا ہے، لہٰذا یہ زرہ میں نے تجھے بطور تحفہ دی اور اس کے ساتھ ہی یہ عمدہ گھوڑی بھی تجھے بطور تحفہ پیش کرتا ہوں۔

یہ واقعہ پیش آئے زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ یہ بندہ مومن جنگ نہروان کے دن سیدنا علیؓ کی قیادت میں خوارج کے ساتھ دیوانہ وار لڑائی کرتا ہوا جام شہادت نوش کر گیا۔

قاضی شریح ؒ اور بیٹے کا مقدمہ

قاضی شریح ؒ کے دلچسپ فیصلوں میں سے ایک یہ عجیب و غریب اور حیرت انگیز فیصلہ بھی تھا۔ جسے آپ سنیں گے تو عش عش کر اٹھیں گے، ایک دن بیٹے نے کہا: ابا جان! میرے اور فلاں قوم کے درمیان آج جھگڑا ہوا ہے، اگر فیصلہ میرے حق میں ہو تو انہیں گھسیٹ کر عدالت میں لے آؤں اور اگر ان کے حق میں ہو تو میں صلح کر لوں، پھر اپنے باہمی جھگڑے کی ساری تفصیل بیان کر دی۔

آپ نے کہا: جاؤ، انہیں عدالت میں لے آؤ، وہ خوشی خوشی ان کے پاس گیا اور انہیں عدالت میں چلنے کے لئے کہا۔ وہ عدالت میں پیشی کے لئے تیار ہو گئے۔

جب قاضی شریح ؒ کی عدالت میں پہنچے تو انہوں نے مقدمے کی سماعت کے بعد اپنے بیٹے کے خلاف فیصلہ سنا دیا۔ وہ لوگ خوش و خرم واپس ہوئے اور ان کا بیٹا کبیدہ خاطر، افسردہ و شرمندہ منہ لٹکائے ہوئے عدالت سے باہر آیا۔ باپ کا فیصلہ بیٹے کے خلاف، یہ ہے عدل و انصاف کی درخشندہ مثال! جب قاضی شریح ؒ اور ان کا بیٹا گھر پہنچے تو بیٹے نے باپ سے کہا: ابا جان! آپ نے مجھے رسوا کیا۔ اگر میں نے مشورہ نہ لیا ہوتا تو کوئی بات نہ تھی۔ افسوس یہ ہے کہ میں نے آپ سے مشورہ لے کر

عدالت کا رخ کیا اور آپ نے میرے ہی خلاف فیصلہ صادر کر دیا۔ لوگ میرے متعلق کیا سوچتے ہوں گے۔

قاضی شریحؒ نے کہا: بیٹا دُنیا بھر کے لوگوں سے تو مجھے زیادہ عزیز ہے لیکن یاد رکھو اللہ کی محبت میرے دِل میں تیرے پیار پر غالب ہے۔

مجھے اس بات کا اندیشہ تھا اگر میں تجھے مشورے کے وقت بتا دیتا کہ فیصلہ ان کے حق میں ہوگا تو تُو اِن سے صلح کر لیتا اور وہ اپنے حق سے محروم رہ جاتے، اس لئے میں نے تجھے کہا کہ نہیں عدالت میں لے آؤ تا کہ عدل وانصاف سے ان کا حق انہیں مل جائے۔

قاضی شریحؒ اور بیٹے کی ضمانت

ایک مرتبہ قاضی شریحؒ کے لڑکے نے ایک شخص کی ضمانت دی جو منظور کر لی گئی۔ وہ شخص بروقت عدالت میں حاضر ہونے کی بجائے بھاگ گیا۔ قاضی شریحؒ نے اپنے لڑکے کو اس کے بدلے گرفتار کر لیا اور جیل میں ڈال دیا اور جیل میں ہر روز خود کھانا پہنچایا کرتے تھے۔

2.5.6) سعید بن المسیّبؒ اور خلیفہ وقت

سن 19 ہجری میں امیر المومنین ولید بن عبدالملک نے حج کیا۔ رجاء بن حیوۃؒ بھی ان کے ہمراہ تھے۔ جب دونوں مدینہ منورہ پہنچے، اس وقت مدینے کے گورنر سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ تھے۔ گورنر کو ساتھ لیا اور مسجد نبوی کی زیارت کے لئے چل پڑے، امیر المومنین نے مسجد نبوی کو تفصیلاً دیکھنے کی خواہش ظاہر کی کیونکہ یہ اسے طول وعرض میں وسیع کرنا چاہتے تھے، اس لئے پورے غور وخوض کے ساتھ اس کا جائزہ لینا ضروری تھا۔ لہٰذا مسجد میں موجود لوگوں کو باہر نکال دیا گیا تا کہ زیارت میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے۔ سب لوگ مسجد سے باہر چلے گئے لیکن سیدنا سعید بن مسیّب بدستور اپنی جگہ پر بیٹھے رہے، پولیس بھی انہیں اپنی جگہ سے اٹھانے کی جرأت نہ کر سکی۔ صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے مدینے کے گورنر سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ نے سیدنا سعید بن مسیّب کی طرف پیغام بھیجا۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے آپ دوسرے لوگوں کی طرح مسجد سے باہر چلے جائیں تو ہمیں امیر المومنین کو مسجد کی زیارت کرانے میں آسانی ہو جائے گی۔

گورنر کا پیغام سن کر سیدنا سعیدؒ نے فرمایا:

میں مسجد سے اس وقت جاؤں گا جس وقت معمول کے مطابق روزانہ جاتا ہوں۔ ان کی خدمت میں گزارش کی گئی جب امیر المومنین آپ کے پاس سے گزریں تو آپ کھڑے ہو کر سلام کہہ دیں۔ انہوں نے فرمایا: میں یہاں رب العالمین کے سامنے کھڑا ہونے کے لئے آیا ہوں، کسی بندے کے سامنے نہیں۔

گورنر مدینہ جناب عمر بن عبد العزیزؒ کو جب پیغام رساں اور سیدنا سعید بن مسیبؒ کی باہمی گفتگو کا علم ہوا۔ وہ احتیاطاً خلفیہ کے ہمراہ اس جگہ سے کنی کتراتے ہوئے گزرنے لگے۔ جہاں سیدنا سعید بن مسیّب بیٹھے ہوئے تھے اور رجاء بن حیٰوۃ امیر المومنین کو مشغول کئے ہوئے تھے کیونکہ دونوں وزیر اور گورنر خلیفہ کی غصیلی طبیعت سے واقف تھے۔ انہیں اندیشہ تھا کہ کہیں کوئی ناگوار صورتحال پیدا نہ ہو جائے۔

امیر المومنین نے مسجد نبوی میں چلتے چلتے دونوں سے پوچھا: وہ شیخ کون ہیں؟ کیا وہ سعید بن مسیبؒ تو نہیں؟ دونوں نے یک زبان کہا: امیر المومنین! آپ کا اندازہ درست ہے! بالکل وہی ہیں پھر دونوں اس کے علم و فضل اور تقویٰ و طہارت جیسی خوبیوں کا تذکرہ کرنے لگے اور ساتھ ہی یہ کہا اگر انہیں آپ کی آمد کا علم ہوتا تو یہ ضرور اٹھ کر آپ کو سلام کہتے، چونکہ ان کی نگاہ کمزور ہے اس لئے انہیں معذور سمجھیں، امیر المومنین نے کہا: مجھے معلوم ہے لہٰذا اب ہمارا حق ہے کہ ان کے پاس جا کر سلام کہیں۔ مسجد نبوی کے صحن کا چکر لگا کر سیدھے ان کے پاس آئے۔ سلام عرض کیا اور پوچھا شیخ کا کیا حال ہے، انہوں نے اپنی جگہ پر بیٹھے ہی سلام کا جواب دیا اور فرمایا اللہ کا شکر ہے، اس کا بے پایاں مجھ پر احسان ہے، آپ نے پوچھا امیر المومنین کیسے ہیں؟ اللہ آپ کو سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا کرے۔

امیر المومنین نے سیدنا سعید بن مسیبؒ کی طرف سے یہ بے نیازی کا انداز دیکھ کر فرمایا آپ بلاشبہ اُمت مسلمہ کے بقیۃ السلف اور نابغہ عصر ہیں۔

2.5.7) سیدنا عامر بن شراجیل الشعبیؒ

امام شعبیؒ کوفہ میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی لیکن مدینہ منورہ ان کا منظور نظر اور دل

پسند شہر تھا۔ یہ صحابہ کرامؓ سے ملنے اور ان سے کسب فیض حاصل کرنے اکثر وہاں جایا کرتے تھے۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ کا جہاد کی غرض یا سکونت کی خاطر گھر بنانے کے لئے کوفہ اکثر آنا جانا رہتا، اسی طرح انہیں تقریباً پانچ سو صحابہ کرامؓ سے ملنے کا شرف حاصل ہوا۔ بہت سے صحابہ کرامؓ سے حدیث روایت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، جن سے زید بن ثابتؓ، سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ، سیدنا ابو سعید خذریؓ، سیدنا نعمان بشیرؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا عبداللہ بن عباسؓ، سیدنا عدی بن حاتمؓ، سیدنا ابو ہریرہؓ، اُم المومنین سیدہ عائشہؓ قابل ذکر ہیں۔

امام شعبیؒ کا حافظہ

امام شعبیؒ روشن دماغ، بیدار دل، باریک بین، زود فہم، قوت حافظہ اور یادداشت میں اللہ کی نشانی تھے۔ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے کبھی کوئی بات کاغذ پر نہیں لکھی اور نہ ہی کبھی ایسا ہوا کہ کسی شخص نے میرے سامنے حدیث بیان کی ہو اور وہ مجھے یاد نہ رہی ہو اور نہ ہی کبھی ایسے ہوا کہ کسی شخص نے مجھے کوئی بات کہی ہو اور میں نے اسے دوبارہ دہرانے کے لئے کہا ہو۔

امام شعبیؒ علم کے دلدادہ اور معرفت حق حاصل کرنے کے مشتاق تھے، وہ علم و معرفت حاصل کرنے میں انتہائی محنت کرتے اور اس کی وجہ سے مصائب و مشکلات کو جھیلتے ہوئے خوشی محسوس کرتے۔

امام شعبیؒ کا انداز بیان

کوفہ کی مرکزی مسجد میں امام شعبیؒ کا ایک علمی حلقہ قائم تھا۔ لوگ اِس میں جوق در جوق شریک ہوتے۔ ایک مرتبہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے مسجد میں امام شعبیؒ کو اسلامی غزوات کی داستانیں تفصیل کے ساتھ نہایت دلپذیر انداز میں بیان کرتے ہوئے غور سے سنا اور فرمایا جو واقعات اور داستانیں یہ بیان کر رہے ہیں ان میں سے بعض کا میں نے خود مشاہدہ کیا لیکن میں اس طرح بیان نہیں کر سکتا جس قدر تفصیل اور دلچسپ انداز میں بیان کر رہے ہیں۔ امام شعبیؒ کی وسعت علمی اور حاضر دماغی کے شواہد بے شمار ملتے ہیں۔

امام شعبیؒ اپنے اعلیٰ مرتبے اور رفعت شان کے باوجود علم و معرفت اور حکمت و دانائی کی بات کسی معمولی آدمی سے بھی سنتے تو اس سے اخذ کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کیا کرتے تھے۔

ایک بدوی آپ کی مجلس میں باقاعدگی سے آیا کرتا تھا لیکن ہمیشہ خاموش بیٹھا رہتا۔ ایک روز امام شعبیؒ نے اس سے پوچھا کیا آپ بولتے ہیں؟ اس نے کہا میں خاموش رہوں تو محفوظ رہتا ہوں، سنتا ہوں تو علم حاصل کرتا ہوں۔

امام شعبیؒ زندگی بھر بدوی کی اس عارفانہ بات کو بار بار دہرایا کرتے اور لطف اٹھاتے۔

2.5.8) سیدنا ابوحازم سلمہ بن دینارؒ

ایک دفعہ ابوحازم سلمہ بن دینارؒ راہ خدا میں جذبہ جہاد سے سرشار سرزمین روم کی طرف جانے والے لشکر اسلام کے ہمراہ چلے۔ جب یہ لشکر سفر کی آخری منزل پر پہنچا تو دشمن سے نبرد آزما ہونے سے پہلے کچھ دیر ستانے اور آرام کرنے کے لئے ایک جگہ پڑاؤ کیا۔ لشکر کا جرنیل بنوامیہ میں سے تھا اس نے ابوحازمؒ کو بلانے کے لئے ایک قاصد بھیجا۔ اس نے آکر پیغام دیا کہ امیر لشکر آپ کو بلاتے ہیں تا کہ آپ ان سے اہم مسائل پر گفتگو کریں اور بعض پیچیدہ مسائل انہیں سمجھائیں، آپ نے امیر لشکر کو تحریری جواب دیا، لکھتے ہیں: امیر لشکر میں نے اہل علم کو دُنیا کی طرف اپنا دین اور علم اٹھا کر لے جاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں پہلا ایسا بدنصیب کہلاؤں؟

اگر آپ کو ضرورت ہے تو مجھے بلانے کی بجائے خود چل کر میرے پاس تشریف لائیے۔

جب امیر لشکر نے خط پڑھا تو خود چل کر ان کے پاس آئے۔ سلام کیا اور بلند درجات کی دُعا دی اور کہا ابوحازم! آپ کی تحریر نے ہمارے دلوں میں ہلچل مچا دی، اس نے آپ کی عزت واحترام کو دُوبالا کر دیا اور ہمارے دِلوں پر آپ کے رعب و دبدبہ کی دھاک بیٹھ گئی اور ہم باادب آپ کے حضور چلے آئے، اللہ آپ کا بھلا کرے ہمیں وعظ و نصیحت کیجئے۔

آپ نے جی بھر کر انہیں وعظ ونصیحت سے نوازا اور فرمایا:

''تم اسے سب لوگوں سے ضرور بیان کرو گے اور اسے چھپاؤ گے نہیں''۔

یاد رکھو علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

پھر امیر کی طرف دیکھا اور فرمایا:

یا امیر! لوگ جو ہم سے پہلے ہو گزرے ہیں، وہ اِس وقت تک صحیح راستے پر گامزن رہے

جب تک حکمران علماء کے پاس علم، عمل اور تقویٰ حاصل کرنے کے لئے دلی شوق و رغبت کے ساتھ حاضر ہوتے رہے۔ پھر ایسے کمینے اور لالچی لوگ آئے جنہوں نے علم حاصل کیا۔ پھر حکمرانوں کے درباروں میں دنیاوی فوائد حاصل کرنے کے لئے جبین نیاز رگڑنے لگے۔

اس طرح حکمران علماء سے بیزار و بے نیاز ہو گئے۔ ایسے علماء ذلیل و خوار ہوئے۔ وہ بیک وقت حکمرانوں اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ سے گر گئے۔ اگر علماء حکمرانوں سے بے نیاز رہتے تو یقیناً حکمران ان کے علم و تقویٰ کی طرف رغبت کرتے لیکن علماء نے حکمرانوں کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا جس سے وہ ان کی نگاہوں میں ذلیل و خوار ہو گئے۔

2.5.9) سیدنا محمد واسع الازدیؒ

آپ استاد اور مجاہد تھے۔ مال غنیمت میں ایک ایسا تاج ملا جس پر سونے سے کڑھائی کی گئی تھی، اسے موتیوں اور جواہرات سے آراستہ کیا گیا تھا، جس پر عمدہ دلکش اور دلآویز نقش و نگار بنائے گئے تھے جس کی چمک دمک دیکھ کر نگاہیں از خود اس میں مرتسم ہو جاتیں، ہر ایک کا دل چاہتا تھا کہ اسے دیکھتا رہے، جرنیل یزید بن مہلب نے اسے ہاتھ میں پکڑ کر اوپر اٹھایا اور پورے لشکر کو دکھاتے ہوئے پوچھا کیا دُنیا میں کوئی ایسا شخص ہے جو اس تاج کو حاصل کرنے کی دلی رغبت نہ رکھتا ہو، سب نے یک زبان ہو کر کہا!

اللہ ہمارے جرنیل کا بھلا کرے، وہ کون ایسا شخص ہوگا جسے یہ تاج مرغوب نہ ہو؟ جس کی آنکھوں کو یہ خیرہ نہ کرتا ہو۔

جرنیل نے کہا: یقیناً! تم عنقریب ایک ایسا شخص دیکھو گے جسے اس تاج میں کوئی دلچسپی نہیں بلکہ اس جیسے ہزاروں تاج اس کے قدموں میں لا کر ڈھیر کر دیئے جائیں، تب بھی وہ ان کی طرف نگاہ اُٹھا کر نہ دیکھے۔ ایسے خدا مست لوگ انسانی معاشرے کے لئے باعث رحمت ہوا کرتے ہیں۔

پھر جرنیل نے اپنے دربان کو حکم دیا۔ ابھی جناب محمد بن واسع ازدیؒ کو ڈھونڈ کر ہمارے پاس لاؤ، دربان حکم پا کر تلاش کے لئے نکلا، اُسے آپ لوگوں سے الگ تھلگ ایک کونے میں عبادت کرتے ہوئے دکھائی دیئے۔ پاس جا کر دیکھا کہ وہ بارگاہ الٰہی میں گریہ وزاری کر رہے

ہیں۔ دربان نے ادب واحترام سے سلام عرض کیا اور جرنیل کا پیغام دیا۔ آپ اس وقت اس کے ساتھ چل پڑے۔ وہاں پہنچ کر امیر لشکر کو سلام کیا اور اس کے پاس بیٹھ گئے، امیر لشکر نے محبت وعقیدت بھرے انداز میں سلام کا جواب دیا۔

پھر اُس نے تاج پکڑا اور کہا: ابوعبداللہ! لشکر اسلام کو یہ قیمتی تاج مال غنیمت میں ملا ہے، میں یہ تاج آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ پورا لشکر میرے اس فیصلے سے خوش ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا: امیر لشکر! کیا آپ مال غنیمت میں سے میرا حصہ اس صورت میں عنایت کرنا چاہتے ہیں؟

کہا ہاں؟ یہ آپ کا حصہ ہے۔

فرمایا: امیر محترم! مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں، اللہ آپ کو جزائے خیر عطا کرے۔

جرنیل نے کہا: میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں یہ تاج آپ کو ضرور لینا ہوگا، جب امیر لشکر نے قسم کھائی تو حضرت محمد بن واسع ازدیؒ نے تاج لے لیا، پھر جرنیل سے اجازت لی اور چلے گئے۔ جو لوگ حضرت محمد بن واسع ازدیؒ کو جانتے نہیں تھے وہ بولے بڑے تعجب کی بات ہے، ہم تو انہیں خدامست بزرگ سمجھتے تھے، عابد اور زاہد گردانتے تھے۔

ہمارے جذبات ان کے متعلق نہایت پاکیزہ تھے لیکن آج ہم یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئے، یہ تو بالکل دنیادار ثابت ہوئے، تاج دیکھ کر ان کی آنکھیں چندھیا گئیں، تاج قبضے میں لیا اور اپنے گھر سدھار گئے، لیکن لشکر اسلام کے جرنیل یزید بن مہلب نے ایک شخص کو کہا ان کے پیچھے پیچھے جائے اور راستے میں جو واقعہ بھی پیش آئے اس کی فوراً واپس آکر مجھے اطلاع دے۔

جناب محمد بن واسع ازدیؒ اپنی دھن میں راستے پر چلے جا رہے تھے، تاج ان کے ہاتھ میں تھا۔ ایک پراگندہ حال پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے فقیر ان کے پاس آیا اور اس نے اللہ کے نام پر سوال کیا۔ شیخ نے اپنے دائیں بائیں اور پیچھے دیکھا، جب انہیں یقین ہو گیا کہ کوئی قابل ذکر شخص ہمیں دیکھ نہیں رہا تو آپ نے فقیر کو وہ قیمتی تاج دے دیا۔ وہ تاج لے کر خوشی سے بغلیں بجاتا ہوا ایک سمت چل دیا اور شیخ یہ بوجھ اپنے کندھوں سے اتار کر سوئے منزل روانہ ہوئے۔

جرنیل کے بھیجے ہوئے آدمی نے فقیر کو پکڑا اور سیدھا جرنیل کے پاس لے آیا اور پوری

داستان سنا دی۔ جرنیل نے فقیر سے وہ قیمتی تاج لے لیا اور اس کے بدلے اتنا مال دیا جس سے وہ خوش ہو گیا، پھر لشکر کی طرف دیکھ کر کہا:

کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ اُمت محمدؐ میں ایک ایسا شخص اب بھی موجود ہے، اس قسم کی قیمتی چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔

2.5.10) سیدنا محمد بن علی بن ابی طالبؒ عرف محمد بن حنفیہؒ

محمد بن حنفیہ سیدنا صدیق اکبرؓ کی خلافت کے آخری ایام میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد محترم سیدنا علیؓ کی نگرانی میں نشوونما پائی اور انہیں علم، زہد اور تقویٰ حاصل کیا، اِن کی قوت و شجاعت کے وارث بنے اور انہیں سے فصاحت و بلاغت کے گر سیکھے۔ وہ بیک وقت جنگ کے بطل جلیل اور میدان خطابت کے عظیم شہسوار تھے۔

جب رات کی تاریکی چھا جاتی، لوگ نیند کے مزے لوٹ رہے ہوتے، یہ مصلے پر کھڑے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہوتے، سجدہ ریز ہوتے، گڑگڑاتے اور آہ وزاریاں کرتے۔

2.5.11) سیدنا طاؤس بن کیسانؒ

یہ ہیں ذکوان بن کیسانؒ جن کا لقب طاؤس تھا، انہیں یہ لقب اس بنا پر دیا گیا کہ وہ حقیقتاً اپنے دور میں تمام علماء کرام سے ممتاز تھے۔ اپنے وقت کے مشہور استاد تھے۔

موسم سرما کے ایک خنک دن صبح سویرے سیدنا طاؤس بن کیسانؒ وہب بن منبہ کے ہمراہ یمن کے گورنر محمد بن یوسف ثقفی سے ملنے گئے۔ دیوان میں بہت سے لوگ اُس کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ سیدنا طاؤس نے آتے ہی وعظ و نصیحت شروع کر دی، گورنر نے اپنے ایک دربان کو حکم دیا کہ ایک قیمتی اور فاخرانہ جبہ لاؤ اور اس واعظ مہمان کے کندھوں پر ڈال دو۔ دربان نے شاہی حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ایک قیمتی عالیشان جبہ سیدنا طاؤس کے کندھوں پر ڈال دیا لیکن انہوں نے کمال حکمت عملی کا مظاہرہ کرتے ہوئے وعظ و نصیحت کے دوران اپنے کندھوں کو جھٹکا دینا شروع کیا، جس سے دھیرے دھیرے جبہ کندھوں سے سرکتا ہوا نیچے گر گیا۔ آپ اسے وہیں چھوڑ کر دربار سے باہر چلے گئے اور اسے دیکھا تک نہیں، جیسے طبیعت پر اس کا وجود بہت گراں گزرا

ہو۔ بے نیازی کا یہ منظر دیکھ کر گورنر ورطۂ حیرت میں پڑ گیا۔ درباریوں کی موجودگی میں ایک واعظ کے ہاتھوں اپنی سبکی سے شرمندہ ہوا۔ غصے سے چہرے کا رنگ سرخ ہو گیا لیکن زبان سے کچھ نہ کہا: جب طاؤس اور اُن کے ساتھی مجلس سے باہر گئے تو ساتھیوں نے طاؤس سے کہا: بخدا! ہمیں گورنر کو غصہ دلانے کی چنداں ضرورت نہ تھی، اگر آپ قیمتی شاہی جبے کا تحفہ قبول کر لیتے تو کیا حرج تھا، اگر آپ اسے اپنے پاس رکھنا نہیں چاہتے تھے تو اسے بیچ کر فقراء و مساکین کی مدد کر دیتے۔ سیدنا طاؤس بولے آپ مجھے یہ کیسا مشورہ دے رہے ہیں۔ اگر آج میں اسے قبول کر لیتا اور فقراء و مساکین میں اسے تقسیم بھی کر دیتا تو کل علماء اپنے حکمرانوں سے تحائف قبول کرنے کے لئے یہ دلیل پیش کرتے کہ طاؤس نے بھی تو تحفہ قبول کیا تھا لیکن وہ فقراء و مساکین میں تقسیم کرنے کی بجائے خود اپنے مصرف میں لاتے۔

یمن کے گورنر محمد بن یوسف نے اسے اپنی توہین سمجھا اور طاؤس سے بدلہ لینے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ اُس نے انہیں شکار کرنے کے لئے ایک خطرناک جال پھینکا، وہ یہ کہ نہایت ذہین، ہوشیار اور چاق و چوبند شخص کو بلا کر کہا کہ یہ دیناروں کی تھیلی طاؤس کے حوالے کر آؤ۔ اگر وہ اسے قبول کرنے سے انکار کرے تو ہر حیلہ استعمال کرنا جس سے وہ یہ تھیلی لینے کے لئے تیار ہو جائے۔ اگر تم اس مشن میں کامیاب ہو گئے اور اس نے یہ تھیلی قبول کر لی تو میں تجھے اپنا مقرب بنالوں گا اور تجھے انعام و اکرام اور خلعت فاخرہ سے نوازوں گا۔ وہ شخص تھیلی لے کر اس بستی کی طرف روانہ ہوا جس میں سیدنا طاؤس رہائش پذیر تھے اور یہ بستی یمن کے دارالحکومت صنعاء کے قریب ہی واقع تھی، یہ شخص وہاں پہنچا، سیدنا طاؤس کے پاس حاضر ہو کر سلام عرض کیا اور نہایت ہی مودبانہ انداز میں عرض گزار ہوا کہ جناب والا! گورنر نے یہ کچھ رقم آپ کے لئے بھیجی ہے۔ اسے شرف قبولیت بخش کر شکریہ کا موقع دیں۔

آپ نے بڑی بے نیازی سے فرمایا: مجھے اس کی ضرورت نہیں، اس نے یہ تھیلی دینے کے لئے ہر حربہ استعمال کیا لیکن انہوں نے اسے قبول کرنے سے قطعاً انکار کر دیا، اب قاصد بے بسی کے عالم میں بیٹھا ہے۔ بے نیازیاں دیکھ کر ورطۂ حیرت میں ہے۔ اپنی ناکامی سے حیران و پریشان ٹکٹکی لگائے مسلسل انہیں دیکھے جا رہا ہے۔

جب اس نے دیکھا سیدنا طاؤوسؒ کی توجہ کسی دوسری طرف ہو چکی ہے، وہ چپکے سے اُٹھا، اُن سے آنکھ بچا کر تھیلی دیوار کے ایک طاقچے میں رکھی اور چلا گیا، گورنر کو جا کر بتایا کہ طاؤوسؒ نے تھیلی قبول کرلی۔ گورنر یہ خبر سن کر بڑا خوش ہوا کہ اب ہمارے جال میں شکار پھنسا، اب میں اس سے پوچھوں گا کہ جناب! اب آپ کی بے نیازی کدھر گئی، کیا محض دربار میں مجھے رسوا کرنے کے لئے تقویٰ کا ڈھونگ رچا رکھا تھا، لیکن وہ خاموش رہا اور اس راز سے آگاہ نہ کیا۔

چند دن گزر گئے تو دربار کے دو قابل اعتماد کارندوں کو طاؤوسؒ کی طرف روانہ کیا اور ان کے ہمراہ اس شخص کو بھی بھیجا جو پہلے انہیں تھیلی دے آیا تھا، انہیں یہ حکم دیا کہ طاؤوسؒ کو میرا سلام کہنا اور انہیں پیغام دینا کہ چند دن پہلے گورنر کی طرف سے دیناروں کی ایک تھیلی غلطی سے آپ کے پاس آگئی، دراصل وہ کسی اور کے لئے تھی اور قاصد غلطی سے آپ کے سپرد کر گیا، وہ برائے مہربانی واپس لوٹا دیجئے تا کہ اصل مقام تک پہنچا دیا جائے۔ سیدنا طاؤوسؒ نے یہ سن کر فرمایا: میں نے کوئی تھیلی لی ہی نہیں، اسے لوٹاؤں کیسے؟ دونوں نے یک زبان کہا آپ نے چند دن پہلے یہ تھیلی وصول کی تھی اور یہ شخص آپ کو تھیلی دے کر گیا ہے۔

سیدنا طاؤوسؒ نے غضب آلود نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور غضبناک لہجے میں اسے سے پوچھا: ارے بتاؤ! کیا میں نے کوئی چیز تجھ سے لی ہے؟

یہ منظر دیکھ کر اُس شخص کے جسم میں کپکپی طاری ہو گئی اور کہنے لگا ہر گز نہیں، بلکہ میں نے آپ کی آنکھ بچا کر تھیلی اس طاقچے میں رکھ دی تھی، انعام اور قرب کے لالچ میں گورنر کو جا کر یہ رپورٹ دی کہ آپ نے یہ تھیلی قبول کرلی ہے، آپ کا اس میں کوئی قصور نہیں، یہ میری غلطی ہے جس کا میں کھلے دِل سے اعتراف کرتا ہوں۔

آپ نے فرمایا: جاؤ، اُس طاقچے میں جا کر دیکھو، وہ دونوں سرکاری نمائندے کیا دیکھتے ہیں کہ طاقچے میں ایک تھیلی پڑی ہوئی ہے اور مکڑی نے اُس پر جالا بن رکھا ہے۔

انہوں نے وہ تھیلی پکڑی اور گورنر کے پاس واپس چلے گئے۔ وہ روئیداد سُن کر انگشت

بدنداں رہ گیا۔

10 ذی الحجہ 106 ہجری کی شام کو سیدنا طاؤوس بن کیسانؒ حجاج کرام کے ہمراہ میدان عرفات سے مزدلفہ کی جانب لوٹ رہے تھے۔ یہ اُن کا چالیسواں حج تھا۔

جب مزدلفہ پہنچے، اس کی پاکیزہ فضا میں پڑاؤ کیا، مغرب اور عشاء نماز ملا کر ادا کی، آرام کی غرض سے ابھی زمین پر دراز ہوئے تھے کہ موت نے آپ کو آلیا اور اپنے خاندان اور وطن سے دور اس حال میں اللہ تعالیٰ کو جا ملے کہ آپ نے احرام باندھا ہوا تھا۔ زبان پر "لبیك اللهم لبیك" کا دلفریب ورد تھا۔ اللہ تعالیٰ سے ثواب کی اُمید نہاں خانہ دِل میں سمائی ہوئی تھی، حج کی وجہ سے گناہوں سے یوں پاک ہو چکے تھے جیسے آج ہی والدہ نے انہیں پیدا کیا ہو۔

جب صبح ہوئی زیارت کرنے والے لوگوں کا اس قدر ہجوم ہو چکا تھا کہ جنازہ اور دفن کے لئے امیر مکہ کو پولیس کی مدد لینا پڑی تا کہ وہ لوگوں کو پیچھے ہٹانے کا فریضہ سرانجام دے اور آپ کے کفن دفن کا اہتمام آسانی سے کیا جا سکے۔ بڑی بھاری تعداد میں لوگ جنازے میں شریک ہوئے، نماز جنازہ پڑھنے والوں میں خلیفہ وقت ہشام بن عبدالملک بھی موجود تھے۔

2.5.12) سیدنا قاسم بن محمدؒ بن ابو بکر صدیقؓ کی تربیت و علم

آپ کے دادا صدیق اکبرؓ ہیں۔ آپ کی والدہ ایران کے آخری حکمران یزدگرد کی بیٹی ہیں۔ آپ کی پھوپھی ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ ہیں۔ ان تمام خصوصیات سے بڑھ کر آپ تقویٰ اور علم کے زیور سے آراستہ تھے۔

یہ ہیں قاسم بن محمد بن ابو بکر صدیقؓ

سات فقہائے مدینہ میں سے ایک.....

اپنے دور کے سب سے بڑے عالم.....

علماء میں سے سب سے بڑھ کر ذہین.....

سب سے بڑھ کر متقی و پرہیزگار.....

سیدنا قاسم اپنے بچپن کی اذیت ناک روئیداد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

جب میرے ابا جان کو مصر میں قتل کر دیا گیا۔

میرے چچا عبدالرحمان بن ابوبکر صدیقؓ تشریف لائے۔

مجھے اور میری چھوٹی بہن کو گود لیا اور مدینہ روانہ ہو گئے۔ جب ہم مدینہ منورہ پہنچے تو میری پھوپھی سیدہ عائشہ صدیقہؓ ہمیں چچا کے گھر سے اٹھا کر اپنے گھر لے آئیں اور اپنی نگرانی میں ہماری پرورش کرنے لگی، میں نے ان سے بڑھ کر کسی ماں یا باپ کو اپنی اولاد پر شفقت کرنے والا نہ دیکھا۔

یہ اپنے ہاتھ سے ہمیں کھانا کھلاتیں اور خود ساتھ نہ کھاتیں، بلکہ جب کھانا ہم سے بچ جاتا تو پھر آپ تناول کرتیں، یہ ہمارے ساتھ اس طرح شفقت سے پیش آتیں، جیسے دودھ پلانے والی ماں اپنے دودھ پیتے بچے پر شفقت و محبت نچھاور کرتی ہے۔ ہمیں نہلاتیں، ہمارے بالوں میں کنگھی کرتیں اور صاف ستھرے، چمکیلے، سفید کپڑے پہناتیں، ہمیں ہر وقت نیکی کرنے کی ترغیب دلاتیں اور کارِ خیر کی تربیت دیتیں، بُرے کاموں سے منع کرتیں اور ان سے باز رہنے کی تلقین کرتی رہتیں۔ قرآن مجید کی آیات کے ذریعے اُس آسان اور عام فہم انداز میں تلقین کرتیں کہ ہم آسانی سے سمجھ جاتے اور ہمیں حدیث رسولؐ کو روایت کرنے کی تربیت دیتیں۔ عیدین میں دل کھول کر ہمیں تحائف سے نوازتیں، 9 ذی الحجہ عرفہ کی شام کو میری حجامت بنواتیں، مجھے اور میری بہن کو نہلاتیں، 10 ذی الحجہ عید کے دن ہمیں نئے کپڑے پہناتیں اور نماز عید پڑھنے کے لئے پیار بھرے انداز میں روانہ کرتیں، جب ہم عید کی نماز سے فارغ ہو کر گھر آتے تو میرے اور میری بہن کے سامنے قربانی کا جانور ذبح کرواتیں۔ اس کے علاوہ علمی طور پر اعلیٰ تربیت دی گئی۔

جب یہ صدیقی نوجوان علم و معرفت کے اعلیٰ و ارفع مقام پر فائز ہوئے تو لوگ ان سے علم حاصل کرنے کے لئے دیوانہ وار اُن کی طرف لپکے اور انہوں نے بھی بڑی فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حصولِ علم کے لئے آنے والوں پر اپنی توجہ مبذول کی۔

یہ ہر روز صبح کے وقت مسجد نبوی تشریف لاتے اور کبھی ناغہ نہ کرتے۔ دو رکعت نماز پڑھتے، پھر یہ روضہ رسولؐ اور منبر کے درمیان اپنی مسند علم پر براجمان ہو جاتے، ہر جانب سے آنے والے طلبہ کا یہاں ہجوم رہتا اور اس کے صاف شفاف میٹھے چشمے سے پیاسے اپنی پیاس بجھاتے اور جی

بھر کر علم و معرفت کے جام نوشِ جان کرتے۔

تھوڑے ہی عرصے میں قاسم بن محمد اور ان کے خالہ زاد بھائی عبداللہ بن عمر مدینہ کے قابل اعتماد امام مشہور ہوئے۔لوگوں کے دِلوں پر ان کی حکومت تھی، حالانکہ یہ حکومت وسلطنت کے کسی عہدے پر فائز نہ تھے۔

لوگوں نے انہیں اپنا سردار بنالیا، کیونکہ یہ تقویٰ وطہارت کے زیور سے آراستہ تھے، ان کا سینہ علم وفقہ سے منور تھا۔ یہ لوگوں سے بے نیاز اور اللہ تعالیٰ کے ہر دم نیاز مند رہتے۔

ایک دن منیٰ میں یہ منظر دیکھا گیا کہ سیدنا قاسم تشریف فرما ہیں، چاروں طرف سے حجاج کرام مسائل دریافت کرنے کیلئے سوالات کرر ہے ہیں، جن مسائل کا انہیں علم تھا وہ جواب دے رہے ہیں اور جن کا علم نہیں تھا، اُن کے متعلق برملا کہہ رہے ہیں، اس مسئلے کا مجھے علم نہیں۔ میں یہ مسئلہ نہیں جانتا۔

لوگوں نے بڑا تعجب کیا۔آپؒ نے انہیں فرمایا: اللہ کی قسم! جو مسائل تم پوچھ رہے ہو، وہ سب کے سب ہم نہیں جانتے۔اگر جانتے ہوتے تو وہ آپ لوگوں سے چھپا کر نہ رکھتے اور نہ ہی دینی مسائل کو چھپانا ہمارے لئے جائز ہے۔اُن کا کہنا تھا کہ میرے نزدیک جاہل کہلانا اِس سے کہیں بہتر ہے کہ وہ نہ جانتے ہوئے بھی لوگوں کو غلط سلط مسائل بتائے۔

2.5.13) سیدنا صلۃ بن اشیم العدوی رحمۃ اللہ علیہ کا اندازِ تعلیم

ایک مرتبہ اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کے ساتھ ان کا کوئی کام نپٹانے کے لئے کہیں جا رہے تھے۔ان کے سامنے ایک خوبصورت گھبرو جوان گزرا۔اس کا تہبند زمین پر گھسیٹتا جارہا تھا۔ اس کی چال ڈھال سے رعونت اور نخوت ظاہر ہورہی تھی۔ساتھی اس کا یہ انداز دیکھ کر بھڑک اُٹھے، قریب تھا کہ اس پر حملہ کر دیتے۔

لیکن آپ آڑے آئے۔آپ نے فرمایا: اسے چھوڑ دیں، اس کے لئے میں کافی ہوں۔

پھر آپ نے ایسے شفقت بھرے انداز سے نوجوان کو بلایا، جس طرح کہ شفیق باپ اپنے لاڈلے بیٹے کو بلاتا ہے یا کوئی مخلص دوست اپنے ساتھی سے محبت بھرے انداز میں مخاطب ہوتا ہے۔

فرمایا: بیٹا! مجھے آپ سے ایک ضروری کام ہے۔ نوجوان ٹھہر گیا اور کہا: چچا جان! فرمائیے کیا کام ہے؟ آپ نے فرمایا:

اپنا تہبند ٹخنوں سے اوپر کرلیں۔

اس سے کپڑا بھی صاف رہے گا۔

تیرا میرا رب بھی راضی ہوگا۔

اور تیرے میرے نبیؐ کی سنت پر عمل ہو جائے گا۔ یہ محبت بھرا انداز دیکھ کر نوجوان شرمندگی سے نہال ہو گیا اور عرض کی۔ چچا جان! چشم ما روشن دِل ماشاد اور فوراً اپنا تہبند ٹخنوں سے اوپر اٹھالیا۔

سیدنا صلۃ بن اشیمؒ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کسی کو سمجھانے کے لئے یہ انداز کس قدر اچھا ہے۔ اگر تم اسے مارتے یا گالی دیتے، تو وہ بھی تمہیں مارتا اور گالی دیتا اور وہ اپنی رعونت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کبھی بھی اپنی چادر کو اُوپر نہ اٹھاتا اور وہ بدستور زمین پر گھسٹتی رہتی۔

2.5.14) سیدنا زین العابدین علی بن حسین بن علی رحمۃ اللہ علیہ کا خوفِ خدا

سیدنا علی بن حسینؒ کے دِل میں قرآنی علم نے گھر کرلیا، اس کے سوا کسی اور علم کی طرف دِل راغب ہی نہ ہوا۔ قرآن مجید کے وعدہ و وعید کی وجہ سے ان کے احساسات میں لرزہ طاری ہو جاتا۔

جب قرآن مجید کی کوئی ایسی آیت پڑھتے جس میں جنت کا تذکرہ ہوتا تو دِل شوق و رغبت سے اس کے حصول کا متمنی ہوتا اور جب قرآن مجید کی ایسی آیت پڑھتے جس میں جہنم کا تذکرہ ہوتا تو ایک گرم اور لمبی سانس لیتے، انہیں یوں محسوس ہوتا جیسے جہنم کی آگ کا دہکتا ہوا شعلہ ان کے دامن میں اتر آیا ہے۔

جب سیدنا علی بن حسینؒ جوانی اور علم کے نکتہ عروج پر پہنچے تو مدنی معاشرے کو ایک ایسا جوان ملا جو بنو ہاشم کے جوانوں میں عبادت اور تقویٰ میں مثالی شان رکھنے والا، فضل و شرف اور اخلاق و کردار میں سب سے بڑھ کر، نیکی اور بردباری میں سب سے آگے، اعلیٰ مقام پر فائز، ان کی عبادت اور تقویٰ کا یہ حال تھا کہ وضو اور نماز کے درمیان ان کے بدن میں کپکپی طاری ہو جاتی اور ان کا جسم مسلسل رعشے کی زد میں آجاتا، جب اس سلسلے میں ان سے بات کی جاتی تو فرماتے: تم پر

بڑا افسوس ہے۔

کیا تم جانتے نہیں کہ میں کس کے سامنے کھڑا ہونے والا ہوں؟

کیا تم جانتے نہیں، کسی کے ساتھ میں سرگوشی کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں؟

اس ہاشمی نوجوان کی نیکی، تقویٰ اور عبادت گزاری سے متاثر ہو کر لوگوں نے اسے زین العابدینؒ کے نام سے پکارنا شروع کر دیا اور اسی نام سے آپ مشہور ہو گئے۔

یہاں تک کہ لوگ ان کے اصلی نام کو بھول گئے۔ غرض یہ کہ لقب اصلی نام پر غالب آ گیا، ان کی سجدہ ریزی اور نماز کے دوران دُنیا کی بے نیازی کی وجہ سے اہل مدینہ اسے ''فنافی سجود'' کا لقب دے دیا۔ اُن کے باطن کی صفائی اور دِل کی پاکیزگی کی وجہ سے لوگوں نے انہیں پاک باز و پاک طنیت شخصیت قرار دے دیا۔ سیدنا زین العابدینؒ کا اِس بات پر یقین تھا کہ عبادت کا مغز ''دُعا'' ہے۔ وہ کعبہ شریف کے پردے سے چمٹ کر گھنٹوں رب جلیل کی بارگاہ میں ''دُعائیں'' کرتے۔ بیت اللہ کے ساتھ کتنی ہی مرتبہ چمٹ کر انہوں نے یہ دُعا کی۔ پروردگار؟ تو نے اپنی بے پایاں رحمت مجھ پر نچھاور کی، مجھ پر اپنے انعام و اکرام کی بے انتہا بارش کی۔ میں بلاخوف و خطر تیری بارگاہ میں التجا کرتا ہوں، محبت و الفت کی بنا پر تجھ سے سوالی ہوں، تیری بارگاہ سے مزید رحمت کا ملتجی ہوں۔ تیرے حقوق کی ادائیگی کیلئے ہمت و طاقت کی التجا ہے۔ الٰہی! میں تجھ سے اس بے چارے گہرے پانی میں ڈوبنے والے کی مانند مانگتا ہوں، جیسے کنارے لگنے کے لئے تیرے سوا کوئی سہارا نظر نہ آتا ہو۔

اُن کی دولت و ثروت ہر لحاظ سے اُن کے لئے مفید و کار آمد ثابت ہوئی۔ رازداری اور پوشیدہ انداز میں صدقہ و خیرات کرنا انہیں بہت محبوب تھا۔ جب رات کا اندھیرا چھا جاتا تو یہ اپنی کمزور کمر پر آٹے کے تھیلے اُٹھاتے اور مدینے کے ان ضرورت مندوں کے گھر چپکے سے چھوڑ آتے جو خودداری کی وجہ سے لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کرتے تھے۔ یہ کام سرانجام دینے کے لئے رات کی تاریکی میں اس وقت نکلتے جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوتے۔

مدینہ منورہ میں بہت سے گھر خوشحالی سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ جنہیں یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ ان کے پاس وافر مقدار میں رزق کہاں سے آتا ہے۔ جب سیدنا زین العابدین علی بن حسینؒ

فوت ہو گئے اور ان لوگوں کے پاس آٹا آنا بند ہوا۔ تب پتہ چلا کہ یہ کہاں سے آتا تھا۔

جب سیدنا زین العابدینؒ کو غسل دینے کیلئے تختے پر رکھا گیا۔ غسل دینے والوں نے پیٹھ پر سیاہ نشان دیکھا تو کہنے لگے یہ کیا ہے؟ انہیں بتایا گیا کہ یہ آٹے کی بوریاں اُٹھانے کی وجہ سے نشان پڑا۔ جو وہ مدینہ کے تقریباً ایک سو گھروں میں پہنچایا کرتے تھے۔ آج یہ فیاضی کے ساتھ خرچ کرنے والے دُنیا سے رخصت ہو گئے۔

2.5.15) سیدنا سالم بن عبداللہ بن عمر رحمۃ اللہ علیہ

فقہائے مدینہ میں سے یہ ایک تھے۔ جن کی طرف مسلمان دینی اور دُنیاوی مشکل مسائل دریافت کرنے کے لئے رجوع کیا کرتے تھے۔ تمام گورنروں کا اپنے قاضیوں کا یہ حکم تھا کہ جب بھی کوئی مقدمہ اِن کے سامنے لایا جائے، تو اس کا فیصلہ دینے سے پہلے فقہائے مدینہ کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ جب قاضیوں کے پاس کوئی مقدمہ لایا جاتا تو پہلے سب مل کر اس پر غور و خوض کرتے، پھر فقہائے مدینہ کی رائے کے مطابق اس کا فیصلہ دیتے۔

وہ گورنر نقیب اور قسمت کے اعتبار سے قابل رشک اور قابل بخت سمجھا جاتا، لوگ اِس سے دِلی محبت کرتے، خلیفۃ المسلمین کے نزدیک قابل اعتماد تصور کیا جاتا جو ہر کام نپٹانے کیلئے سیدنا سالم بن عبداللہؓ سے مشورہ کرتا اور ان کی تجاویز و توجیہات کو ترجیح دیتا۔ جو گورنر سیدنا سالمؒ کے مشورے کو تسلیم نہ کرتا، مدینہ منورہ کے باشندے اس کے خلاف ہو جاتے۔

سیدنا سالم بن عبداللہؓ نے مدینہ منورہ کی معطر و نورانی فضاؤں میں زندگی بسر کی۔ مدینہ منورہ میں ان دنوں مال و دولت کی جو ریل پیل تھی۔ اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ ہر طرف سے رزق بڑی فراوانی کے ساتھ یہاں پہنچ رہا تھا۔ خلفائے بنی اُمیہ مدینہ منورہ میں اسباب مال و دولت کی افزائش میں انسانی تصورات سے بھی بڑھ کر دلچسپی لیتے، لیکن سیدنا سالم بن عبداللہؓ نے دوسروں کی ملکیت سے ہمیشہ کنارہ کش رہے تا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے، اسے حاصل کیا جا سکے۔ یہ دُنیا سے بے رغبتی دراصل آخرت کی کامیابی حاصل کرنے کی اُمید پر تھی۔

خلفائے بنو امیہ نے انہیں بے بہا مال و دولت سے نوازنے کی کوشش کی، لیکن انہوں نے دُنیا

کو حقیر سمجھتے ہوئے مال دولت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ایک سال خلیفہ سلیمان بن عبدالملک حج کرنے کیلئے مکہ آیا۔جب اُس نے طواف قدوم شروع کیا تو اس نے سیدنا سالم بن عبداللہ کو دیکھا کہ وہ کعبہ کی طرف رُخ کئے ہوئے خشوع وخضوع سے بیٹھے قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات لگی ہوئی ہے۔خلیفہ جب طواف سے فارغ ہوا، دو رکعت سُنت ادا کی تو اس طرف کا رخ کیا۔جہاں سیدنا سالم دُنیا و مافیہا سے بے نیاز ذکر الٰہی میں مشغول تھے۔حتیٰ کہ سیدنا سالمؒ کے گھٹنے سے گھٹنا ملا کر بیٹھ گئے۔انہیں کچھ خبر نہ تھی کہ میرے پہلو میں کون آبیٹھا ہے۔ خلیفہ دزدیدہ نگاہوں سے سالم کو دیکھنے لگا کہ کب تلاوت میں توقف کرے اور آہ وبکا کا سلسلہ منقطع ہو کہ وہ اس سے بات کر سکے۔جب یہ فرصت کا لمحہ آیا، اس کی طرف لپکا اور کہا:

ابو عمر السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔آپ نے فرمایا: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

خلیفہ نے بڑی ہی پست آواز میں کہا۔ابو عمر! کوئی ضرورت ہو تو بتائیں تاکہ میں اسے پورا کروں۔

سیدنا سالمؒ خاموش رہے اور اسے کوئی جواب نہ دیا۔

خلیفہ نے سمجھا شاید اُسے سنائی نہیں دیا۔پہلے کی نسبت اور زیادہ آگے بڑھا اور کہا۔

میرا دِل چاہتا ہے کہ آپ مجھ سے کسی ضرورت کے پورا کرنے کا مطالبہ کریں۔مجھے آپ کا وہ کام کرتے ہوئے دِلی خوشی ہو گی۔سیدنا سالمؒ نے فرمایا:

اللہ کی قسم! مجھے شرم آتی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے گھر میں بیٹھ کر کسی اور سے مانگوں۔

خلیفہ یہ جواب سن کر شرمندہ ہوا اور خاموش ہو گیا، لیکن اسی جگہ بیٹھا رہا۔جب نماز ادا کر لی گئی، سیدنا سالمؒ اٹھ کر اپنی سواری کی طرف جانے لگے تو اس کے گرد لوگوں کا اژدھام ہو گیا۔

ایک آپؒ سے حدیث رسولؐ پوچھ رہا ہے۔دوسرا کوئی دینی معاملے میں فتویٰ دریافت کر رہا ہے۔تیسرا کسی دُنیاوی معاملے میں نصیحت حاصل کر رہا ہے۔چوتھا دُعا کے لئے عرض کر رہا ہے۔

اس بھیڑ میں خلیفۃ المسلمین سلیمان بن عبدالملک بھی تھا۔لوگوں نے جب اُسے دیکھا تو اس کے لئے راستہ بنایا۔وہ سیدنا سالم بن عبداللہؒ کے قریب ہو کر کان میں کہنے لگا۔

اَب ہم مسجد حرام سے باہر آ چکے ہیں۔اپنی کوئی ضرورت بتائیں تاکہ میں اسے پورا کروں۔

سیدنا سالمؒ نے خلیفہ سے پوچھا: کوئی دُنیا کی ضرورت پیش کروں یا آخرت کی؟

خلیفہ نے تھوڑے سے توقف کے بعد کہا۔کوئی دُنیا کی ضرورت بتائیں۔

سیدنا سالمؒ نے فرمایا: میں دُنیا کی ضروریات اس سے نہیں مانگتا جو اس کا حقیقی مالک ہے، بھلا میں اِس سے کیسے مانگوں جو ان کا مالک ہی نہیں؟ میرا اللہ بن مانگے میری تمام ضرورتیں پوری کرتا ہے۔خلیفہ شرمندہ ہوا اور انہیں سلام کیا اور یہ کہتے ہوئے واپس پلٹ گیا۔اے آلِ خطاب! زہد و تقویٰ نے تمہیں کس قدر خوددار بنا دیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے تمہیں کس قدر بے نیاز و غنی کر دیا ہے۔اللہ تعالیٰ تمہیں برکت عطا کرے۔

2.5.16) سیدنا ابوالعالیہ رفیع بن مہران رحمۃ اللہ علیہ کے علم کا احترام

سیدنا ابوالعالیہؒ کو زندگی بھر اس بات کا افسوس ہی رہا کہ انہیں رسول اللہؐ کی زیارت اور ملاقات کا شرف حاصل نہ ہو سکا، لہٰذا تلافی مافات کے لئے ان کی کوشش یہ رہتی کہ ان صحابہ کرامؓ کا تقرب حاصل کیا جائے، جنہیں رسول اقدسؐ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ قریب رہنے کا شرف حاصل رہا ہے۔وہ انہیں ترجیح دیتے اور ان سے محبت کرتے۔وہ بھی اس کے ساتھ ترجیحی سلوک کرتے اور محبت سے پیش آتے۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ یہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے پاس گئے۔وہ ان دنوں سیدنا علیؓ کی جانب سے بصرہ کے گورنر تھے۔سیدنا عبداللہ عباسؓ نے انہیں والہانہ انداز میں خوش آمدید کہا اور اپنی دائیں طرف تخت پر بٹھایا۔اس وقت مجلس میں قریشی سردار بھی موجود تھے۔وہ ایک دوسرے کی طرف کنکھیوں سے دیکھنے لگے اور آپس میں کھسر پھسر کرنے لگے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے۔دیکھا عبداللہ بن عباس نے اس غلام کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھا لیا ہے جبکہ ہم نیچے عام لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہیں۔

جب سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے انہیں آپس میں اشارے اور باتیں کرتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے صورتحال کو بھانپ لیا۔ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

علم معزز انسان کی عزت میں اضافہ کرتا ہے اور لوگوں میں اس کا مرتبہ مزید بلند ہو جاتا ہے

اور غلاموں کو تخت نشین بنا دیتا ہے۔

2.5.17) قبیلہ بنو تمیم کے سردار سیدنا احنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ

احنف بن قیسؒ نوعمری میں ہی عزم راسخ اور یقین محکم اور پختہ موقف کے مالک تھے۔ یہ ذکاوت، ذہانت، فطانت، ژرف نگاہی اور پاکیزگی فطرت میں یگانہ روزگار رہے اور بچپن سے ہی اپنی قوم کے مشائخ کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے۔ اُن کی مجالس میں حاضری دیتے اور ان کے اجتماعات میں شریک ہوتے۔ نیز اپنی قوم کے حکماء اور دانشوروں کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرتے۔

ایک روز اُس نے اپنے بارے میں بتایا کہ ہم قیس بن عاصم منقری کی مجلس میں بار بار حاضری دیا کرتے تھے تا کہ ہم اُن سے حلم و بردباری کا درس لیں، علماء کی مجلس میں بار بار شریک ہوتے تا کہ اُن سے علم حاصل کریں۔

اُن سے دریافت کیا گیا، آپ کے اُستاد کی بردباری کس درجے کی تھی؟

انہوں نے بتایا کہ میں ایک روز انہیں دیکھا کہ وہ گھر کے صحن میں کمر اور گھٹنوں کو پٹکا باندھ کر بیٹھے ہیں اور اپنی قوم کے چند افراد سے محو گفتگو ہیں۔ میں نے سلام کیا اور بیٹھ گیا۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ہم نے شور وغل سنا۔ ہم نے دیکھا کہ آپ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا، جس کے دونوں ہاتھ پیٹھ پیچھے بندھے ہوئے تھے اور دوسری ایک لاش تھی۔ آپ کو بتایا گیا کہ یہ آپ کے بھائی کا بیٹا ہے اور اس نے آپ کے فلاں بیٹے کو قتل کر دیا ہے اور ہم اسے پکڑ کر آپ کے پاس لائے ہیں۔

بخدا! آپ نے یہ سن کر نہ ہی اپنا پٹکا کھولا اور نہ ہی سلسلہ کلام منقطع کیا۔ پھر آپ نے قاتل بھتیجے کی طرف دیکھا اور فرمایا:

میرے بھائی کے بیٹے؟ تو نے اپنے چچا کے بیٹے کو قتل کر دیا ہے اور اپنے ہاتھ سے قطع رحمی کی ہے اور اپنے ہی تیر کا وار اپنے اوپر ہی کر دیا ہے۔

پھر آپ نے اپنے دوسرے بیٹے سے کہا: بیٹے اپنے چچازاد بھائی کے ہاتھ کھول دو۔ پھر اس کی والدہ کو سو (100) اونٹنیاں دیت کے طور پر پیش کرو، وہ بیچاری مظلوم ہے، دِل گرفتہ ہے، غمزدہ اور پریشان حال ہے۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ سیدنا احنف بن قیسؒ بصرہ شہر کے باہر اکیلے چلے جا رہے تھے۔ ایک شخص اچانک ان کے سامنے آیا اور اُس نے تابڑ توڑ گالیاں بکنا شروع کر دیں اور لگا تار جلی کٹی سنانے لگا، آپ گالیاں سُن کر بے مزا ہونے کی بجائے خاموشی سے نگاہیں جھکائے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔ جب دونوں لوگوں کے قریب پہنچے تو اچانک اس شخص کی طرف دیکھتے ہوئے فرمانے لگے۔ جو باقی رہتی ہیں وہ بھی دے لو جو طعن و تشنیع کے تیر تمہارے ترکش میں ہیں وہ بھی جلا دو۔ ابھی موقع ہے پیارے، ذرا آگے بڑھے ار میری قوم نے تیری یہ باتیں سُن لیں، تو لوگ تیری چمڑی اُدھیڑ دیں گے۔

جب انہیں محسوس ہوتا کہ اُن سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے یا کوئی اُن کا عیب ظاہر ہو گیا ہے تو اپنی انگلی چراغ کی لُو کے قریب کرتے اور اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہتے، احنف ذرا اس آگ کی شدت اور تمازت کو محسوس تو کر، تو نے اس جرم کا آخر ارتکاب کیوں کیا؟

احنف تجھ پر افسوس ہے، اگر تو چراغ کے اس چھوٹے سے شعلے کی تمازت کو برداشت نہیں کر سکتا، اس کی حرارت کو صبر و تحمل سے سہہ نہیں سکتا تو کل قیامت کے دِن جہنم کے شعلوں کو کیسے برداشت کر سکے گا؟

الٰہی! اگر تو مجھے بخش دے تو تیرا یہ کرم ہے اور اگر تو مجھے عذاب میں مبتلا کر دے تو واقعی میں اس سزا کا مستحق ہوں۔

2.5.18) سیدنا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

خوب رو، خوش منظر، شیریں کلام، درمیانہ قد، نہ زیادہ لمبے اور نہ ہی زیادہ چھوٹے، دیکھنے والا رشک بھری نگاہوں سے دیکھتا ہی رہ جاتا۔ لباس بہت عمدہ اور صاف ستھرا پہنتے، سراپا بارعب، عمدہ عطریات کا استعمال بڑی کثرت اور اہتمام سے کرتے، جن راہوں سے گزرتے، لوگ انہیں دیکھے بغیر خوشبو ہی سے پہچان جاتے کہ اس راہ سے سیدنا کا گزر ہوا ہے۔

امام ابو حنیفہ نے بنو امیہ کا آخری اور بنو عباس کا ابتدائی دور حکومت دیکھا، امام صاحب نے اُن حکمرانوں کے دور میں زندگی بسر کی جو علماء کے قدر دان تھے، انہیں حکومت کی جانب سے وافر

مقدار میں مالی وسائل مہیا کیے جاتے، جس سے ان کی گزر بسر خوشحالی سے ہوتی اور انہیں تلاشِ روزگار کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی، لیکن امام ابو حنیفہؒ نے خودداری کا قابلِ رشک مظاہرہ کرتے ہوئے عزتِ نفس اور علمی وقار کو پیش نظر رکھا اور اپنی اقتصادی حالت کو حکومت کا مرہون منت نہ ہونے دیا۔ انہوں نے پوری زندگی خود کما کر کھایا اور ان کی مقدور بھر یہی کوشش رہی کہ ان کا ہاتھ بلند رہے کیونکہ دینے والا ہاتھ لینے والوں سے بہتر ہوتا ہے۔

حفص بن عبدالرحمان تجارت میں امام ابو حنیفہؒ کے شریک تھے۔ امام موصوف انہیں ریشم کا کپڑا اور دیگر ساز و سامان دے کر عراق کے بعض شہروں کی طرف روانہ کیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ کافی مقدار میں سامان دے کر بھیجا اور اُسے بتا دیا کہ فلاں فلاں کپڑا داغی ہے۔ جب آپ اِسے فروخت کریں تو خریدار کو اس کے عیب سے آگاہ کر دینا۔

جناب حفص بن عبدالرحمان نے تمام سامان بیچ دیا اور خریداروں کو ناقص کپڑوں کے بارے میں بتانا بھول گئے۔ انہوں نے بڑی کوشش کی کہ ان خریداروں کے نام یاد آئیں جنہوں نے ناقص کپڑا خریدا ہے، لیکن وہ پورے جتن کے باوجود ان کے نام یاد کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ جب امام بو حنیفہؒ کو صورتحال کا علم ہوا اور ان لوگوں کے پہچاننے میں ناکامی کا پتہ چلا تو بڑے بے چین ہو گئے۔ جب تک آپ نے اس مال کی قیمت کا مال اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کر لیا، انہیں دِلی اطمینان نصیب نہ ہوا۔

2.5.19) سلیمان بن الجھم

سلیمان بن الجھم مشہور تابعی ہیں، حضرت سعید بن العاصؓ کے پڑوس میں رہتے تھے، اپنا گھر انہوں نے ایک لاکھ درہم میں فروخت کیا، پھر خریداروں سے فرمانے لگے۔ ''سعید بن العاص کے پڑوس کو کتنے میں خریدو گے'' کہنے لگے ''کیا پڑوس بھی خریدا جاتا ہے؟'' فرمایا: میرا گھر واپس کر دو اور اپنی قیمت لے لو، بخدا میں ایسے پڑوسی کو نہیں چھوڑ سکتا کہ اگر میں اس کے پاس جاؤں تو میرا حال دریافت کرے، مجھے دیکھے تو استقبال کرے، نہ ہوں تو میرے گھر کی حفاظت کرے، مانگوں تو ضرورت پوری کرے، نہ مانگوں تو از خود تعاون کرے''۔

حضرت سعیدؒ کو جب یہ اطلاع ملی تو گھر کی قیمت ایک لاکھ درہم ان کے پاس بطور ہدیہ ارسال کی۔ (1)

2.5.20) حضرت عبداللہ بن مبارک

مشہور تابعی حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا، اس نے اپنا گھر فروخت کرنا چاہا اور اس کی دو ہزار قیمت لگائی۔ لوگوں نے کہا ''اس کی قیمت تو ایک ہزار ہے'' کہنے لگا ''تم ٹھیک کہتے ہو، دراصل ایک ہزار گھر کی قیمت ہے اور ایک ہزار عبداللہ بن مبارک کے پڑوس کی قیمت ہے''۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کو جب معلوم ہوا تو اس کو بلا کر ایک ہزار درہم دیئے اور کہا ''گھر مت بیچو''۔

حدیث رسولؐ اور فقہ کے مشہور اُستاد حضرت عبداللہ بن مبارکؒ بغداد تشریف لائے تو پورا شہر اُن کے استقبال کے لئے اُمڈ آیا، گلی، کوچوں، محلوں اور سڑکوں پر آپ کی آمد کا شور ہوا۔

خلیفہ ہارون الرشید کی ملکہ زبیدہ محل کے جھروکے سے یہ منظر دیکھ رہی تھی، اُس نے اپنی کنیزوں سے پوچھا۔ یہ ماجرا کیا ہے کہ لوگ جوق در جوق ایک ہی سمت کو جا رہے ہیں۔ جب ملکہ کو بتایا گیا کہ یہ تمام اُستادِ محترم حضرت عبداللہ بن مبارک کے استقبال کے لئے جمع ہو رہے ہیں تو ملکہ عوام کے جوش و خروش اور عقیدت مندی پر حیران ہو گئی۔ جب کچھ دیر بعد حضرت عبداللہ بن مبارک کی سواری لاکھوں عقیدت مندوں کے جلو میں کسی شاہی سواری سے بھی زیادہ تزک واحتشام سے گزر رہی تھی تو ملکہ زبیدہ نے جا کر ہارون الرشید کو طعنہ دیا، تم تو کہتے ہو کہ نہ صرف بغداد بلکہ پوری اُمت مسلمہ پر تمہاری حکمرانی ہے۔ مگر جو کچھ میں نے آج دیکھا ہے اِس سے تو پتہ چلتا ہے کہ اصل حکمرانی تمہاری نہیں بلکہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی ہے۔

یہ سُن کر خلیفہ ہارون الرشید مُسکرایا اور کہنے لگا:

---

1) المکارم والمفاخر لأبی بکر الخوارزمی، ص:23

''ہاں، جسموں پر ہماری حکمرانی ہے اور عوام کے دِلوں پر عبداللہ بن مبارکؒ کا راج ہے''۔(1)

2.5.21) حدیث سے محبت

حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ اکثر دن دن بھر گھر ہی میں بیٹھے رہتے۔ نماز کے لئے ہی نکلتے، لیکن نماز پڑھتے ہی فوراً گھر میں چلے جاتے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے اُن سے پوچھا، حضرت! گھر میں تنہا بیٹھے بیٹھے آپ کی طبیعت نہیں گھبراتی؟ آپ کبھی ہماری مجلس میں آ کر نہیں بیٹھتے؟ فرمایا، گھبرانا کیسا؟ میں تو ہر وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پیارے صحابہؓ کی مجلس میں بیٹھا رہتا ہوں''۔

''رسول اللہ اور صحابہؓ اب کہاں ہیں؟'' لوگوں نے تعجب سے کہا۔

فرمایا: میں حدیث کے مطالعہ میں مشغول ہو کر ان کی صحبت میں پہنچ جاتا ہوں، ان کی مجلس میں شریک ہو کر ایک ایک بات دیکھتا ہوں، ان کی بات چیت سُنتا ہوں، حدیث کے آئینے میں ان کی پوری زندگی میرے سامنے ہوتی ہے۔

2.5.22) تلاوتِ قرآن

حضرت اسود ابن یزیدؒ مشہور تابعی ہیں۔ حضرت اسودؒ بڑے ہی نیک آدمی تھے۔ قرآن شریف پڑھنے کا تو ان کو بہت ہی شوق تھا۔ آخری عمر میں بیمار پڑے، بہت کمزور ہو گئے لیکن قرآن شریف کی تلاوت میں کوئی فرق نہ آیا۔ جب بہت ہی کمزور ہو گئے اور اپنی جگہ سے ہلنے کی طاقت بھی نہ رہی تو اپنے بھانجے ابراہیم نخعیؒ سے کہتے، مجھے بٹھا دو اور ان کے سہارے بیٹھے بیٹھے قرآن پڑھتے رہتے۔

2.5.23) اپنی کوئی ملک نہ املاک سمجھنا

حضرت ربیع بن خثیم مشہور تابعی ہیں، ان کے زہد وتقویٰ اور دُنیا سے بے رغبتی کے یادگار واقعات تاریخ کی کتابوں میں بکثرت پائے جاتے ہیں، ایک مرتبہ ان پر فالج کا حملہ ہوا، صاحب فراش ہو گئے، انسان بیمار ہو تو خواہشات کا نخل ہرا ہو جاتا ہے، انہیں مرغی کے گوشت کھانے کی خواہش ہوئی۔ چالیس دن تک اس کا اظہار نہیں کیا، اس کے بعد بیوی سے کہہ دیا، انہوں نے مرغی

1) حکایات کا انسائیکلوپیڈیا، صفحہ 90، 91

منگوائی، عمدہ پکائی، آپ کے سامنے پیش کی، ابھی آپ نے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ دروازے سے فقیر نے خیرات کی صدا لگائی، آپ نے ہاتھ کھینچا، اہلیہ سے فرمایا: "یہ فقیر کو دے آؤ" اہلیہ نے کہا "میں فقیر کو اس سے بہتر چیز دے آتی ہوں" فرمایا "وہ کیا؟ کہنے لگیں "اس کی قیمت" فرمایا "بہت خوب، قیمت لے آؤ" وہ قیمت لے آئیں تو آپ نے فرمایا "یہ کھانا اور قیمت دونوں اس فقیر سائل کو دے آؤ"۔(1)

2.5.24) عامر بن عبداللہ التمیمیؒ

آپ اپنے وقت کے مشہور تابعی اور اُستاد تھے۔ علقمہ بن مرشد کہتے ہیں "آٹھ اشخاص جنہیں زہد و تقویٰ میں عروج حاصل ہوا، ان میں سے پہلے نمبر پر سیدنا عامر بن عبداللہ تمیمی ہیں۔(2)

حضرت عمرؓ نے 14ھ میں بصرہ شہر کو مسلمانوں کی چھاؤنی کے طور پر آباد کیا۔ مسلسل فتوحات کی بنا پر بصرہ میں دولت کی ریل پیل تھی۔ عامر بن عبداللہ بصرہ میں چلے گئے، ان کو دولت دُنیا سے کوئی غرض نہ تھی۔

جب اس نوجوان نے نورانی علوم کے جوہرات سے اپنی جھولی بھر لی تو اپنے قیمتی اوقات کو تین حصوں میں تقسیم کر لیا۔ ایک حصہ تعلیم کے لئے وقف کر دیا اور اس حصے کو بصرہ کی مسجد میں لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دینے کے لئے مخصوص کر دیا۔ دوسرا حصہ عبادت کے لئے وقف کر دیا۔ اس حصہ میں دُنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر اللہ کی عبادت میں اتنی دیر کھڑے رہتے کہ پاؤں سوج جاتے، تیسرا حصہ جہاد کے لئے وقف کر دیا اور اس میں اسلحہ سے لیس ہو کر ایک تجربہ کار مجاہد کے روپ میں میدانِ جہاد میں کارہائے نمایاں انجام دیتے۔ اس کے علاوہ زندگی میں چوتھا مشغلہ اختیار نہیں کیا۔(3)

عامر بن عبداللہ پر کچھ جھوٹے الزام لگائے گئے تو آپ کو حضرت عثمان غنیؓ نے بصرہ سے شام بھجوا دیا۔ بہت سے شاگرد اور عوام آپ کو بصرہ سے نم آنکھوں کے ساتھ الوداع کہنے آئے تو

---

1) صفۃ الصفوۃ، ج:3، ص:37

2) عبدالرحمٰن رافت الباشا، محمود احمد غضنفر (2005ء) حیات تابعین کے درخشاں پہلو، نعمانی کتب خانہ، اُردو بازار لاہور، ص 32

3) عبدالرحمٰن رافت الباشا، محمود احمد غضنفر (2005ء) حیات تابعین کے درخشاں پہلو، نعمانی کتب خانہ، اُردو بازار لاہور، ص 34

آپ نے سب سے دُعا کروائی اور فرمایا:

"الٰہی جس کسی نے مجھ پر الزام لگائے اور مجھے بدنام کرنے کے لئے کوشاں رہا جو مجھے اس شہر سے نکالنے کا سبب بنا، میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان جُدائی کا باعث بنا، اے اللہ میں نے اُسے معاف کیا تو بھی اُسے معاف کر دے"۔(1)

عامر بن عبداللہ کی دیانت

یہ سن سولہ ہجری ہے، مسلمانوں نے مدائن فتح کیا، غنائم کا مال اکٹھا کیا گیا، اتنے میں ایک نقاب پوش مجاہد نے جواہرات سے بھری ہوئی تھیلی لا کر مال غنیمت میں جمع کرائی، سب کو بڑی حیرت ہوئی کہ اس قدر قیمتی جواہرات اور اس غریب سپاہی کی نیت خراب نہ ہوئی، پوچھا گیا "آپ نے اس سے کچھ لیا ہے؟" فرمانے لگے "اگر خوف خدا نہ ہوتا تو میں یہ قیمتی تھیلی آپ کے پاس لاتا بھی نہیں" پوچھا "آپ کا تعارف؟" فرمایا "میں اپنا تعارف نہیں کراتا کہ کہیں لوگ میری تعریف و مدح نہ شروع کریں، تعریف کا مستحق اللہ جل شانہ ہے اور وہی مجھے اس عمل کا بہترین صلہ دے سکتا ہے" یہ کہہ کر چل دیا، بعض مجاہدین نے اس کا ٹھکانے تک پیچھا کیا، وہاں کے مجاہدین سے پوچھا تو انہوں نے کہا "یہ عامر بن عبداللہ ہیں" عامر بن عبداللہ جلیل القدر اور مشہور تابعی ہیں جو زاہد شب زندہ دار بھی تھے اور محاذِ جنگ کے مجاہد و غازیٔ صف شکن بھی!(2)

2.5.25) کردار کی بلندی

اس دور میں مسلمان اخلاق و کردار کی اس بلندی پر تھے۔ عیون الاخبار کا مصنف اس سلسلہ میں دو واقعات تحریر کرتا ہے کہ:

"فتح مدائن کے اسی معرکہ میں ایک اور نقاب پوش سپاہی کے ہاتھ قیمتی جواہرات سے مرصع کسریٰ کا تاج زریں آیا تو وہ اس کو اپنے دامن میں چھپا کر امیر افواج اسلامی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے پاس لا کر عرض کرنے لگا "یا ایھا الامیر! یہ کوئی بہت قیمتی چیز معلوم ہوتی

1) عبدالرحمٰن رافت الباشا، محمود احمد غضنفر (2005ء) حیات تابعین کے درخشاں پہلو، نعمانی کتب خانہ، اُردو بازار لاہور، ص 40

2) تاریخ طبری، ج 4، ص 186

ہے، یہ میں آپ کے حوالہ کر رہا ہوں تا کہ بیت المال میں داخل ہو جائے، مسلمان امیر، دریائے حیرت میں ڈوب گئے، پوچھا کہ آپ کا نام؟ اس نے دروازہ کی طرف منہ کر کے اور امیر کی طرف پیٹھ کر کے کہا "جس کے لئے میں نے یہ کام کیا ہے، وہ میرا نام جانتا ہے" یہ کہہ کر روانہ ہو گیا"۔

2.5.26) اللہ تعالیٰ کی رضا

جب اموی سردار مسلمہ بن عبدالملک کو ایک قلعہ کا محاصرہ کئے کافی عرصہ گزر گیا اور کامیابی کے کوئی آثار نظر نہ آئے تو اس نے قلعہ پر دھاوا بولنے کے لئے چند جان بازوں کا انتخاب کیا، پھر لوگوں نے دیکھا کہ ایک جوان تیروں کی بارش اور دشمن کی صفوں سے آگے کے برستے شعلوں میں جان ہتھیلی پر رکھے دیوانہ وار قلعہ کی طرف بڑھتا چلا جا رہا ہے اور بالآخر قلعے کی دیوار کے پاس پہنچ کر نقب لگانے میں کامیاب ہو گیا، اسلامی لشکر قلعہ میں داخل ہوا اور قلعہ فتح ہو گیا، اب ہر نگاہ اس سرفروش مجاہد کو تلاش کر رہی تھی جس کے سر اس فتح و کامرانی کا سہرا تھا مگر کوئی اسے پہچانتا نہ تھا۔ مسلمہ کے سوال پر سب نے نفی میں سر ہلایا۔ اس نے پورے لشکر کو جمع کیا اور کہا، "نقب لگانے والا جانباز کہاں ہے؟" پورے لشکر پر سناٹا طاری ہو گیا لیکن کوئی نہ آیا، مسلمہ بن عبدالملک نے دوبارہ کہا، "میں اس کو اس کے رب کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ سامنے آجائے" اچانک ایک نقاب پوش آگے بڑھا جس کی صرف آنکھیں ظاہر تھیں، مسلمہ کے سامنے آکر کھڑا ہوا اور کہا:

"میں ہوں نقب لگانے والا، اگر آپ مجھے میرے رب کی قسم نہ دیتے تو میں کبھی اپنے آپ کو ظاہر نہ کرتا، اب میں بھی آپ کو آپ کے رب کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھ سے میرے نام کے بارے میں سوال نہ کرنا اور اگر آپ جان بھی لیں تو کسی سے ذکر نہ کرنا اس لئے کہ میں نے یہ عمل اس ذات کے لئے کیا ہے جو مجھے آپ سے زیادہ عطا کرنے پر قادر ہے"۔

مسلمہ بعد میں جب دُعا کرتے تو کہتے، اللھم اجعلنی مع صاحب النقب "اے اللہ! مجھے نقب والے مجاہد کے ساتھ کر دیجئے"۔(1)

1) عیون الاخبار، ج1، ص172

2.6) تحقیقی انڈیکیٹرز کے تحت امت مسلمہ کے رول ماڈل اساتذہ کا جائزہ

باب دوئم کے اس حصہ میں طے شدہ تحقیقی اشاریہ کے تحت پوری دنیا کی امت مسلمہ کے رول ماڈل اساتذہ کا جائزہ شامل ہے پھر انہی انڈیکیٹرز کے تحت سروے کیا گیا۔ اس حصہ میں واقعات و مثالیں اکٹھی کر کے مسلم دنیا میں رول ماڈل برائے اساتذہ کے مقام کا تعین تحقیق کے مقاصد کے تحت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

2.6.1) خوفِ خدا (تقویٰ)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ رہو۔(1)

آنحضرتؐ کا فرمان ہے کہ:

"حکمت کی بنیاد خوفِ خدا پر ہے"۔

عقل و حکمت کے لئے خشیت الٰہی اور تقویٰ استاد کا وہ ہتھیار ہے جو اسے ذمہ داری سے اپنے کام کے لئے تیار کرتا ہے۔ خوفِ خدا سے انسان کا ظاہر و باطن ایک ہو جاتا ہے۔ تقویٰ سے باطن کی اصلاح ہو جاتی ہے اور فرد انسانیت و معاشرے کے لئے زیادہ مفید ہو جاتا ہے۔ خوف خدا انسان کو آخرت کی جوابدہی کے لئے تیار کرتا ہے اور انسان دنیا کے لالچ سے مبرّا ہو کر کام کرتا ہے۔ رول ماڈل کے لئے استاد کا متقی ہونا ضروری ہے تا کہ اس میں ذاتی کے بجائے قومی و اجتماعی سوچ پیدا ہو اور وہ تعلیم و تعلم کے حوالہ سے بہتر سوچ اپنا سکے۔

ایک دفعہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے صاحبزادے نے ان سے پوچھا۔ ابا جان کیا معروف کرخیؒ عالم بھی تھے۔ آپ نے فرمایا: جان پدران کے پاس تو علم کی جڑ یعنی خدا کا خوف تھا۔

بصرہ کے گورنر لشکر اسلام کے جرنیل باشندگانِ بصرہ کے مربی و مرشد جلیل القدر صحابی ابوموسیٰ اشعریؓ تھے ان کے سفر و حضر کے ساتھی عامر بن عبداللہ تمیمیؒ تھے جنہوں نے ان سے قرآن پڑھا اور پھر اسی طرح دوسروں کو منتقل کر دیا۔ جب نوجوان نے نورانی علوم کے جواہرات

---

1) القرآن، سورۃ توبہ، آیت 199

سے اپنی جھولی بھر لی تو اپنے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم کر لیا۔ ایک حصہ تعلیم کے لئے وقف کر دیا۔ اس حصہ میں بصرہ کی مسجد میں قرآن کی تعلیم دینے کے لئے وقف کر دیا۔ دوسرا حصہ عبادت الٰہی کے لئے وقف کر دیا اس حصہ میں دنیا و مافیا سے بے نیاز ہو کر اللہ کی عبادت میں اتنی دیر کھڑے رہتے کہ پاؤں سوج جاتے۔ تیسرا حصہ جہاد کے لئے وقف کر دیا اور اس میں اسلحہ سے لیس ہو کر ایک تجربہ کار مجاہد کے روپ میں میدان جہاد میں کارنامے نمایاں انجام دیتے۔ آپؒ دوران جنگ سب سے خطرناک مقام پر پائے جاتے اور جواں مردی سے بے خوف ہو کر مردانہ وار لڑتے۔

2.6.1.1) آتش جہنم کا خوف

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ بڑے ہی نیک اور عبادت گزار بزرگ گزرے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ گھر پر ہوتے یا سفر میں تہجد کی نماز کبھی نہ چھوٹتی۔ ایک بار آپ گھر میں نماز پڑھ رہے تھے کہ گھر میں آگ لگ گئی، پاس پڑوس کے لوگ دوڑ پڑے، بڑا شور و غل ہوا۔ لوگوں نے آپ سے کہا اے نواسہ رسول ﷺ کے بیٹے! آگ لگ گئی۔ لیکن آپ نے ایک نہ سنی اور اطمینان کے ساتھ سجدے میں پڑے رہے۔ خیر لوگوں نے بڑی محنت سے آگ بجھا دی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے، لوگوں نے کہا:

حضرت! ہم نے آپ کو آوازیں دیں لیکن آپ نے توجہ ہی نہیں فرمائی۔ آخر آپ کو کس چیز نے اس آگ سے اس قدر بے پرواہ کر دیا۔

فرمایا: ''آتش جہنم و خوف خدا نے''۔ (1)

2.6.1.2) احترام انسانیت وخوف خدا

مسافر بیت اللہ کے تصور میں ڈوبا ہوا گھوڑا دوڑا رہا تھا۔ ابھی وہ اپنے شہر مرو سے چند ہی کوس نکلا تھا کہ یکا یک اس نے گھوڑے کی باگیں کھینچ لیں اور گھوڑے سے اتر پڑا۔

سڑک کے کنارے ایک غریب لڑکی گھورے سے کچھ اٹھا رہی تھی۔ مسافر دبے پاؤں آگے بڑھا اور اس نے ایک جھرجھری لی۔ غریب بچی ایک مردار چڑیا کو جلدی جلدی ایک

1) اسلاف کے سنہرے واقعات، ص 116

چیتھڑے میں لپیٹ رہی تھی۔ مسافر کو دیکھتے ہی وہ سہم گئی۔ اس کے ہاتھ کانپنے لگے۔

بیٹی تم اس مردار چڑیا کا کیا کرو گی؟ مسافر نے تسلی دیتے ہوئے بڑے پیار سے پوچھا۔

لڑکی کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے اور اپنے پھٹے پرانے میلے کپڑوں کو سنبھالتے ہوئے، رندھی ہوئی آواز میں بولی:

چچا میاں! ہمارے باپ نہیں ہیں۔ ان کو کچھ ظالم لوگوں نے بے دردی سے قتل کر دیا اور ہمارا سب مال چھین لیا۔ ہماری سب جائیداد ظالموں نے ہتھیا لی۔ یتیم بچی نے سر نیچے کر لیا اور آنسو پونچھتے ہوئے بولی!

چچا میاں! اب میں ہوں اور میرا بھائی ہے، خدا کے سوا ہمارا کوئی سہارا نہیں۔ اب ہمارے پاس نہ کچھ کھانے کو ہے نہ پہننے کو۔ کئی کئی وقت ایسے ہی گزر جاتے ہیں۔ اس وقت بھی ہم چھ وقت کے فاقے سے ہیں۔ بھیا گھر میں فاقے سے نڈھال پڑا ہے۔ اس کی حالت دیکھ کر میں تڑپ گئی، باہر نکلی کہ شاید کچھ مل جائے۔ یہاں آئی تو گھورے پر یہ مردار چڑیا دیکھ کر بدن میں جان آئی۔ ہمارے لئے یہ بہت بڑی نعمت ہے۔ میرا بھیا اب یہ کھا کر سو جائے گا۔ یہ کہتے ہوئے فاقوں کی ماری غریب بچی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

مسافر کا دل بھر آیا۔ بچی کے سر پر ہاتھ رکھا اور خود بھی رونے لگے۔ دیر تک دونوں روتے رہے۔ پھر اپنے خزانچی سے پوچھا اس وقت تمہارے پاس کتنی رقم ہے؟

حضرت ایک ہزار اشرفیاں ہیں۔ خزانچی نے جواب دیا۔ میرے خیال میں مرو تک پہنچنے کے لئے بیس اشرفیاں کافی ہوں گی۔ حضرتؒ نے پوچھا۔

جی ہاں! بیس اشرفیاں گھر تک پہنچنے کے لئے بالکل کافی ہیں۔ خزانچی نے جواب دیا۔

تو پھر آپ بیس اشرفیاں روک کر باقی ساری رقم اس لڑکی کے حوالے کر دیجئے۔ ہمارا حج اس سال یہیں ہوگا۔ یہ حج کعبے کے حج سے زیادہ بڑا ہے۔ حضرتؒ نے بڑے وقار کے ساتھ فیصلہ کُن انداز میں کہا۔

خزانچی نے بیس اشرفیاں تھیلی سے نکال کر الگ رکھیں اور باقی کی تھیلی اس بچی کو پکڑا دی۔ غم اور فاقے سے کُملایا ہوا چہرہ ایک دم کھل اُٹھا اور لڑکی کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو

تیرنے لگے اور وہ تھیلی ہاتھ میں لئے دم بخود کھڑی رہی۔ حضرتؒ نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

جاؤ بیٹی جاؤ۔ یہ رقم گھر لے جاؤ۔ اب تم اور تمہارا بھائی فاقے کی مصیبت سے بچ گئے۔ خدا کا شکر ادا کرو اور اس رقم کو کام میں لاؤ۔ جاؤ بیٹی جاؤ۔ تمہارا، بھیا انتظار کر رہا ہوگا۔ اب یہ مردار چڑیا پھینک دو اور لڑکی نے مردار چڑیا پوری قوت سے دور پھینک دی۔

چچا میاں! اب یہ مردار کھانا ہمارے لئے جائز نہیں، یہ کہتے ہوئے لڑکی نے سلام کیا اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی خوش خوش اپنے گھر کی طرف روانہ ہوگئی۔ حضرتؒ اسے دیکھتے رہے اور خدا کا شکر ادا کرتے رہے۔ جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہوگئی تو خزانچی سے فرمایا:

چلئے! اب یہیں سے گھر کو واپس چلئے۔ خدا تعالیٰ نے اس سال ہمارا حج یہیں قبول فرمالیا۔

یہ مسافر اپنے دور کے معروف استاد حضرت عبداللہ بن مبارک تھے۔ (1)

2.6.1.3) انصاف پسندی و خوف خدا

امام ابو یوسف امام ابو حنیفہؒ کے مایہ ناز شاگرد تھے۔ امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ ہارون الرشید کے زمانے میں پورے عالم اسلام کے قاضی القضاۃ تھے، ایک بار ان کے پاس خلیفہ ہارون الرشید اور نصرانی کا مقدمہ آیا، امام نے فیصلہ نصرانی کے حق میں کیا، اس طرح کے درخشاں واقعات تاریخ اسلام کے ورق ورق پر بکھرے پڑے ہیں، لوگ اس کو ''دور ملوکیت'' کہتے ہیں، وہ کس قدر مبارک ''دور ملوکیت'' تھا کہ ایک طاقتور بادشاہ اور خلیفہ اپنی رعایا میں سے ایک غریب مسلم کے ساتھ عدالت کے کٹہرے میں فریق بن کر حاضر ہیں، امام یوسفؒ کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو فرمانے لگے:

> ''اے اللہ! تجھے معلوم ہے کہ میں نے اپنے زمانہ قضا میں مقدمات کے فیصلے میں کسی بھی فریق کی جانب داری نہیں کی، حتیٰ کہ دل میں کسی ایک فریق کی طرف میلان بھی نہیں ہوا، سوائے نصرانی اور ہارون الرشید کے مقدمے کے کہ اس میں دل کا رجحان اور تمنا یہ تھی کہ حق ہارون الرشید کے ساتھ ہو اور فیصلہ حق کے مطابق اسی کے حق میں ہو لیکن فیصلہ دلائل سننے کے بعد ہارون الرشید کے خلاف کیا''۔

1) اسلاف کے سنہرے واقعات۔ صفحہ نمبر 116۔117

یہ فرما کر امام ابو یوسف رونے لگے اور اس قدر روئے کہ دل بھر آیا۔ (1)

اس سے امام ابو یوسف کے تقویٰ کے بلند مقام کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مقدمہ میں دل کا رجحان طبعی طور پر ایک فریق کی طرف تھا اور فیصلہ بھی اس کے خلاف ہوا لیکن اس طبعی رجحان پر بھی انہیں خوف رہا کہ کہیں پکڑ نہ ہو جائے، اللہ اکبر! زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے!!

2.6.2) اساتذہ کی بلندئ کردار

علم کا پہلا اثر انسان کے کردار پر پڑتا ہے بلکہ بعض ماہرین تعلیم تو کہتے ہیں کہ تعلیم کا بنیادی مقصد ہی تعمیر کردار ہے۔ استاد کو رول ماڈل کے مقام پر فائز کرنے کے لئے اس کا کردار اہم ترین عامل ہے۔ جس طرح ایک غبارہ بلندی کی طرف اُڑتا ہے تو کششِ ثقل اور بیرونی ہوا اس کے لئے رکاوٹ بنتے ہیں مگر اس میں موجود ہوا اُسے بلندی پر لے جاتی ہے۔ اسی طرح کردار کی طاقت انسان کی اندرونی طاقت ہے جو اُسے بلندی پر لے جاتی ہے۔ بلندئ کردار اساتذہ کی وہ خوبی ہے جو اُسے ساری زندگی طلباء کے ذہنوں میں زندہ و تروتازہ رکھتی ہے۔

2.6.2.1) حضرت عبداللہ بن مبارکؒ

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ معروف استاد، واقف شریعت و طریقت تھے آپ اہل علم و اہل تصوف میں یکساں معروف ہیں۔ آپ کی بہت سی تصانیف ہیں۔

آپ حد درجہ کے متقی تھے۔ ایک دفعہ ایک منزل پر اُترے۔ آپ کے پاس ایک قیمتی گھوڑا تھا۔ آپ جب نماز میں مشغول ہوئے تو گھوڑا ایک کھیت میں جا کر چرنے لگ گیا جب آپ نماز سے فارغ ہوئے اور گھوڑے کی یہ حالت دیکھی تو گھوڑے کو وہیں چھوڑ دیا۔ اس خیال سے کہ غیر حلال چارہ اس کے پیٹ میں چلا گیا ہے اور پاپیادہ منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا ایک اور مشہور واقعہ ہے جو پہلے بھی بیان ہوا ہے کہ آپ ایک بار مرو سے شام گئے۔ وہاں آپ نے ایک شخص سے لکھنے کے لئے قلم مانگا اور یہ قلم واپس کرنا بھول گئے۔ مرو جب واپس آئے تو یہ قلم آپ کے سامان سے نکلا آپ دوبارہ مرو سے شام گئے

---

1) الدر المختار: جلد 4، ص 313، والقضاء فی الاسلام لعارف النکدی، ص 25

اور قلم کے مالک کو قلم واپس کر کے آئے۔ (1)

عبداللہ بن مبارک معروف عالم اور استاد تھے۔ آپ کو ابوزہرہ مصری غنی شاکر کے نام سے یاد کرتا ہے۔ آپ کی شخصیت علمی جلال و جمال کی جامع تھی۔ آپ مجاہد اور غازی تھے۔ آپ علم حدیث اور فقہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور میدان جہاد میں داد سپہ گری کی وجہ سے اسلام کی نشر و تبلیغ میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ انہوں نے کئی حج کئے تھے۔ وہ اپنی ذات پر محتاجوں اور ضرورت مندوں کو ترجیح دیتے تھے۔

آپ خود روزہ رکھتے تھے مگر حاجت مندوں کو خوب کھلاتے پلاتے تھے۔ خاص طور پر طالب علموں کی مدد کیا کرتے تھے۔ ان کی سالانہ آمدنی ایک لاکھ سے کم نہ تھی مگر ساری دولت اہل علم اور اہل حاجت پر خرچ کر ڈالتے تھے۔ علماء کی ایک بڑی جماعت انہیں حدیث و فقہ کا امام مانتی ہے۔ (2)

2.6.2.2) حضرت بایزید بسطامیؒ

حضرت بایزید بسطامیؒ اعلیٰ پائے کے حدیث کے استاد اور صاحب طریقت تھے آپ کو آپ کے ہم عصر علماء فضلاء اور اساتذہ نے طاؤس العُلماء کا لقب دیا تھا۔ ان کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک رات والدہ محترمہ نے آپ سے پانی طلب فرمایا۔ گھر میں دیکھا تو پانی نہ تھا۔ آپ نہر سے جا کر پانی لائے واپس آنے تک والدہ سو گئیں۔ آپ پیالہ لئے کھڑے رہے سردی کی وجہ سے ہاتھ سن ہو گیا۔ جب والدہ دوبارہ جاگیں تو پانی پیا اور دعا کی۔ آپ فرماتے ہیں کہ جو مقصد میں عبادت و ریاضت مجاہدہ اور سفر میں ڈھونڈ تا رہا تھا اور نہ ملا تھا اور اس رات کو پا لیا۔ (3)

2.6.2.3) حضرت مجدد الف ثانی

جہانگیر بادشاہ نے اپنے دور کے مشہور عالم اور استاد حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کو

---

1) بدرالدین بدر۔ صفحہ 28،24
2) ابوزہرہ مصری۔ صفحہ 186
3) بدرالدین بدر۔ صفحہ 30

اپنے دربار میں بلایا آپ نے جہانگیر کو تعظیمی سجدہ نہ کیا جس کا رواج اکبری دور سے تھا۔ آپ خدا کے سوا کسی کو سجدہ کرنے کے قائل نہ تھے اس پر جہانگیر نے آپ کو قلعہ گوالیار میں قید کر دیا۔ بعد میں آپ کے کردار، عمل، زہد، تقویٰ اور علم کو دیکھ کر آپ کو رہا کر دیا اور لشکر میں آپ کو ساتھ رکھنے لگا۔

حکایات کے انسائیکلو پیڈیا کا مصنف رقم طراز ہے کہ ایک بار رمضان کی 29 تاریخ کو بادشاہ آگرہ سے باہر شکار کھیلنے گیا اور چاند دیکھ لیا یہ چاند بادشاہ کے ساتھ دوسرے امراء و مصاحبین نے بھی دیکھا دوسرے دن واپس آ کر عید کا اعلان ہوا اور روزہ کھولنے کا عام حکم جاری کر دیا گیا۔ مگر حضرت مجدد الف ثانیؒ نے روزہ کھولنے سے انکار کر دیا۔ دربار میں بادشاہ سے ملنے گئے تو بادشاہ نے دستور کے مطابق تعظیم دے کر پان کی گلوری بڑھائی۔ آپ نے لے کر اپنے پاس رکھ لی تھوڑی دیر بعد اطلاع ملی کہ فلاں گاؤں کے کچھ جولاہے رویت ہلال کی گواہی دینے آئے ہیں۔ بادشاہ نے بلایا اور شہادت لی۔

حضرت مجدد نے گلوری اٹھا کر منہ میں رکھ لی۔ جولاہوں کے چلے جانے کے بعد بادشاہ نے گلہ کیا کہ آپ مجھے جولاہوں سے بھی کم تر سمجھتے ہیں۔ آپ نے بغیر کسی خوف کے فرمایا۔ آپ کے فسق و فجور کی اتنی اطلاعات مجھ تک پہنچتی رہتی ہیں کہ میں آپ کی گواہی کو شرعاً معتبر نہیں سمجھتا آپ کے درباری آپ کے خوشامدی ہیں اور آپ کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں لہٰذا ان کی گواہی بھی معتبر نہیں۔ البتہ یہ جولاہے دیندار اور سچے لوگ ہیں۔ بادشاہ یہ سن کر خاموش ہو گیا۔ (صفحہ 80)

2.6.2.4) داؤد طائی

داؤد طائی مشہور استاذ بزرگ اور عالم تھے۔ آپ پر برا وقت آیا اور فقر و فاقہ کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے اور نانِ شبینہ کے بھی محتاج ہو گئے حماد بن امام ابوحنیفہ کو معلوم ہوا تو وہ اپنے والد سے ترکہ میں ملے ہوئے چار سو درہم لے کر آئے اور داؤد طائی صاحب کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ داؤد طائی نے حماد سے کہا کہ:

> ''اگر میں نے کبھی کسی سے کچھ لیا ہوتا تو بلاشبہ آپ کا عطیہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے تعظیم اور آپ کی تکریم کے لئے قبول کر لیتا۔ لیکن میں اسے پسند کرتا ہوں کہ

قناعت کے ساتھ عزت اور رواداری کی زندگی بسر کروں اور خدائے تعالیٰ کے علاوہ کسی سے کوئی امید نہ رکھوں"۔

2.6.2.5)امام بخاریؒ

امام بخاریؒ کے بارے میں ابن الحسن عباسی رقمطراز ہیں کہ امام بخاریؒ سے ایک مرتبہ تیر اندازی کرتے ہوئے تیر کسی پل کے میخ پر لگا کچھ شگاف پڑا۔ بخاری تیر اندازی چھوڑ کر ساتھیوں سے کہنے لگے۔ پل کا مالک تلاش کرو۔ پل کا مالک حمید بن اخضر تھا۔ اسے پل کے نقصان کا تاوان دینے لگے تو اس نے انکار کیا اور کہا کہ آپ پر تو میرا تمام مال فدا ہے۔ امام صاحب اتنے خوش ہوئے کہ تین سو درہم غربا میں تقسیم کیے۔ اس دن طلبہ کو پانچ سو احادیث پڑھائیں پوری زندگی کسی کی غیبت نہیں کی فرماتے تھے جب سے غیبت کے حرام ہونے کا علم ہوا ہے کسی کی غیبت نہیں کی۔ (1)

2.6.2.6)امام احمد بن حنبلؒ

امام احمد بن حنبلؒ کا مقام دین کی خاطر مصائب جھیلنے والوں میں انتہائی اونچا ہے۔ اسی طرح دین کی خاطر عفو و درگزر کرنے والوں میں بھی آپ کا مقام انتہائی بلند ہے۔

بغداد میں جب معتزلیوں کو غلبہ نصیب ہوا تو انہوں نے امام صاحب کو مجبور کیا کہ وہ ان کی منشا کے مطابق فتویٰ دیں۔ معتزلیوں کا کہنا یہ تھا کہ قرآن مجید مخلوق ہے اور اسی فتوے پر وہ امام صاحب سے دستخط کرانا چاہتے تھے۔ آپ نے فرمایا، یہ میرے علم و ضمیر کے خلاف ہے، میں اس فتوے پر ہرگز دستخط نہیں کر سکتا اور پھر آزمائشوں اور ایذاؤں کا وہ دور شروع ہوا جس کے سننے ہی سے زہرہ آب ہوتا ہے۔ آپ کے دونوں ہاتھ پیٹھ پر بندھے ہوئے ہیں اور جلاد پوری قوت سے ننگی پیٹھ پر کوڑے برسا رہا ہے، جب وہ تھک کر ہانپنے لگتا ہے تو ستانے کے لئے بیٹھ جاتا ہے اور پھر تازہ دم ہو کر یہی عمل شروع کر دیتا ہے کہ بوڑھے مظلوم کی پیٹھ سے خون رواں ہے اور سنگ دل جلاد ہاتھ ڈھیلا کر کے کوڑے برسا رہا ہے، یہی کوڑے اگر ہاتھی جیسے سخت جان جانور کی پیٹھ پر برسائے جاتے تو شاید وہ بھی تاب نہ لا سکتا مگر اللہ اکبر! بوڑھے امام کی قوتِ برداشت اور عزم و

1) ابن الحسن عباسی بحوالہ سیر الاعلام النبلاء۔ صفحہ 927

ہمت، کہ ایک ہی بات زبان پر ہے، میں اپنے علم وضمیر کے خلاف فتویٰ نہیں دے سکتا اور بے رحم جلاد کوڑا برسانے کی رفتار اور تیز کر دیتا ہے، مگر اس سے بھی بڑھ کر آپ کی عظمت اور تحمل کا مظاہرہ یہ تھا کہ جب ان زخموں کی تاب نہ لا کر آپ دنیا سے رخصت ہو رہے تھے، تو کچھ لوگوں نے پوچھا حضرت! ان ظالموں کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جنہوں نے ناحق آپ پر مظالم کے پہاڑ توڑے اور آج آپ کی حالت یہ ہے؟

امام صاحب نے نہایت اطمینان اور خندہ پیشانی کے ساتھ فرمایا، میں ان کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں، ان کا خیال یہ ہے کہ میں غلط راہ میں ہوں اور وہ حق پر ہیں۔ انہوں نے اپنے خیالات میں مجھے حق کی راہ میں مارا ہے تو کیا میں محض ان زخموں کی خاطر قیامت کے روز ان کے خلاف دعویٰ کروں، آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کوئی بات زبان پر لاتے ہوئے مجھے تو شرم آتی ہے۔ (1)

2.6.2.7) انکساروفروتنی

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ انتہائی منکسر المزاج تھے لوگوں کے ساتھ گفتگو میں اپنے لئے فقیر درویش اور عاجز کے الفاظ استعمال فرماتے تھے۔ اپنی مجالس میں عام لوگوں کے ساتھ چٹائی پر بیٹھتے تھے کوئی کرسی یا مسند آپ کے نیچے نہ ہوتی تھی اگر ایک ادنیٰ آدمی بھی آپ کی مجلس میں آ جاتا تو اسے سر آنکھوں پر بٹھاتے اور اس کی خدمت و تواضع میں مشغول ہو جاتے اس شخص کو اس بات کا احساس تک نہ ہونے دیتے کہ وہ کتنی جلیل القدر ہستی کے سامنے حاضر ہے۔

ایک بار پاؤں میں کچھ تکلیف تھی زمین پر نہیں بیٹھ سکتے تھے مجبوراً مجلس میں ایک چارپائی پر تشریف فرما ہوئے لیکن طبیعت میں انقباض محسوس فرماتے تھے اور بار بار حاضرین مجلس سے معذرت فرماتے تھے کہ مجبوری کی وجہ سے تم لوگوں سے بلند جگہ پر بیٹھا ہوا ہوں۔ حاضرین نے چشم پر آب ہو کر عرض کی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت بخشے ہماری زندگی آپ ہی کے دم سے وابستہ ہے۔ ایک دفعہ شاہی فوج پاک پٹن کے قریب سے گزری تمام لشکر بابا صاحبؒ کی زیارت کے لئے شہر میں داخل ہو گیا اور حضرت کے گرد بے پناہ ہجوم ہو گیا۔ آپ اپنی خانقاہ کی چھت پر کھڑے ہو گئے اور اپنا پیراہن دیوار کے ساتھ لٹکا دیا۔ لوگ آتے تھے اور اسے چھو کر آگے نکل

1) اسلاف کے سنہرے واقعات۔ صفحہ 210

جاتے تھے تھوڑی ہی دیر میں پیراہن پارہ پارہ ہو گیا اور آپ مسجد میں تشریف لے آئے فوجیوں کا ہجوم تھا کہ کم ہونے میں ہی نہیں آتا تھا آخر مریدان خاص نے آپ کو اپنے گھیرے میں لے لیا اور لوگوں سے کہا کہ دور سے زیارت کر کے آگے نکلتے جاؤ مشتاقان زیارت میں سے ایک بوڑھا حلقہ توڑ کر آپ کے پاس پہنچ گیا اور عرض کی کہ اے شیخ حق تعالیٰ نے آپ کو یہ مرتبہ عطا کیا ہے کہ بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں۔ آپ یہ حلقہ بنا کر بیٹھے ہیں مخلوق کو کیوں روک رکھا ہے۔ یہ اللہ کے بندے ہیں آپ کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے آپ کو مرجع خلائق بنا دیا ہے۔

حضرتؒ بوڑھے کی زبان سے یہ کلمات سن کر زار و قطار رونے لگے اور اسے گلے لگا کر فرمایا تم سچ کہتے ہو اور پھر مریدوں کو حلقہ توڑنے کا حکم دیا۔

اصول پسندی: ابن بطوطہ اپنے سفرنامہ میں رقم طراز ہیں کہ میں شیراز کی سیاحت سے فارغ ہو کر خوارزم گیا وہاں شیخ بدرالدین عالم سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ شیخ کے فضل و کمال کی بڑی شہرت تھی وہ شاہی جامع مسجد کے امام اور خطیب بھی تھے جمعہ کے دن میں ان کے ساتھ جمعہ پڑھنے مسجد گیا جب خطبہ اور نماز کا وقت ہوا تو شیخ منبر پر گئے اس موقع پر سلطان کا ایک معتمد حاضر ہوا اور کہا آج خطبہ و نماز میں تاخیر کیجئے یہ بادشاہ کا حکم ہے یہ سن کر غصے سے شیخ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور کہا نماز اللہ کے لئے ہے یا بادشاہ کے لئے؟ اس کے بعد حسب معمول خطبہ پڑھا اور نماز پڑھانے لگے۔ پہلی رکعت کے بعد بادشاہ آیا تمام مسجد نمازیوں سے پُر تھی۔ بادشاہ نے سمٹ کر ایک صف کے کونے پر نماز بڑی تکلیف سے پڑھی۔ نماز کے بعد بادشاہ نے حق پرستی پر شیخ کا شکریہ ادا کیا۔ شیخ سے اپنی غلطی پر معذرت کی۔ شیخ نے کہا کہ نماز کا مقصد مساوات قائم کرنا ہے اس جگہ اعلیٰ و ادنیٰ کی کوئی تمیز نہیں اس پر بادشاہ نے جزاک اللہ کہہ کر شیخ کے ہاتھ چوم لئے۔

2.6.2.8) امام ابو حنیفہؒ اور گورنر کوفہ

امام صاحب نے 52 سال اموی دور میں اور 18 سال عہد عباسی میں گزارے۔ بنو امیہ کے دور میں عراق فتنوں کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ ابن ہبیرہ کوفہ کا گورنر تھا۔ اس نے فقہائے عراق کو طلب کر کے مختلف عہدے دیئے پھر سرکاری مہر امام ابو حنیفہؒ کے سپرد کرنے کا ارادہ کیا تاکہ تمام

سرکاری احکام اور سرکاری خزانہ سے جو کچھ برآمد ہو وہ امام صاحب کی نگرانی میں ہو مگر امام صاحب نے کوئی بھی عہدہ لینے سے انکار کر دیا اس پر ابن ہبیرہ گورنر عراق نے قسم کھائی کہ اگر امام صاحب یہ عہدہ قبول نہیں کریں گے تو انہیں سزائے تازیانہ دی جائے گی۔

اس پر فقہائے عراق نے آپ کو سمجھانے کی کوشش کی تو آپ نے فرمایا کہ اگر یہ شخص مجھ سے چاہے کہ اس کے لئے واسط شہر کی مسجد کے دروازے گنا کروں تو میں یہ بھی نہیں کروں گا۔ پھر میں اس کی یہ پیش کش کیسے قبول کر سکتا ہوں جس میں وہ کسی کی گردن اڑانے کا حکم دے اور میں فرمان تحریر کر کے اس پر مہر لگاؤں۔

اس پر آپ کو قید کر دیا گیا اور مسلسل تازیانوں اور کوڑوں کی سزا دی گئی آخر پولیس کے آفیسر اعلیٰ نے ابن ہبیرہ کو بتایا کہ امام صاحب قریب المرگ ہیں اس نے کہا کہ ان سے کہو میری قسم پوری کریں، جب پولیس کا آفیسر اعلیٰ یہ پیغام لے کر آیا تو آپ نے پہلے والا جواب دیا۔ وہ پھر واپس گیا تو گورنر نے کہا کہ کوئی ایسا شخص نہیں جو ان سے کہے کہ مجھ سے مہلت مانگ لے چنانچہ آپ نے گورنر کی خواہش کے مطابق مہلت مانگ لی تو رہا کر دیئے گئے اس رہائی کے بعد آپ مکہ مکرمہ آ گئے اور اموی اقتدار کے خاتمہ تک وہیں مقیم رہے۔ (2،1)

آپ نے کوڑے کھائے اور حوصلے سے برداشت کئے مگر محض عہدے اور امویوں سے وفاداری ثابت کرنے کے لئے اور امویوں کے ظلم میں شریک ہونا گوارا نہ کیا اور اس سلسلہ میں کسی مصلحت سے کام نہ لیا۔

امام ابو حنیفہ کی استقامت

امام ابو حنیفہؒ معروف سکالر، فقہ اور حدیث کے استاد تھے۔ آپ کا دور ابو جعفر منصور عباسی کا دور تھا۔ ابو جعفر منصور کے دور اقتدار کو آپ پسند نہ فرماتے تھے۔ تاریخ بغداد کی روایت کے مطابق ''منصور نے آپ کو طلب کیا اور کہا کہ عہدۂ قضا قبول کر لیجئے مگر آپ نے انکار کر دیا۔ منصور نے قسم کھائی کہ تمہیں یہ منصب ضرور قبول کرنا پڑے گا۔ امام صاحب نے بھی قسم کھا کر انکار کر دیا۔ ربیع

1) ابو زہرہ مصری، امام ابو حنیفہ عہد و معارف فقہ و آراء۔ صفحہ 56۔ ترجمہ:۔ رئیس احمد جعفری، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور

2) ص 60 تا 62

حاجب کہنے لگا۔ کیا تم نہیں دیکھتے امیر المومنین قسم کھاتے ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا: امیر المومنین آسانی سے اس قسم کا کفارہ ادا کر سکتے ہیں چنانچہ منصور نے انہیں حوالہ زنداں کر دیا۔

جب منصور آپ کو قضا کے عہدہ کے لئے مجبور کر رہا تھا اور آپ انکار کر رہے تھے تو منصور نے کہا تم میں قضاۃ کی پوری صلاحیت موجود ہے تم جھوٹ بول رہے ہو تو اس پر امام صاحب نے جواب دیا۔ ''تو پھر آپ ایسے شخص کو عدل وانصاف کی امانت کیوں سونپتے ہیں جو جھوٹا ہے''؟ (1)

امام صاحب کی اس بے باکی اور جرأت کا منصور نے برا منایا آپ کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ روزانہ دس کوڑے مارے جاتے تھے ایک بار بیس کوڑوں کی سزا دی گئی۔ ہر روز دس کوڑوں کے بعد عہدۂ قضا قبول کرنے کا پوچھا جاتا تھا اور آپ انکار فرما دیتے تھے۔ اسی سزا کے دوران جیل میں ہی آپ کا انتقال ہو گیا۔ کچھ تاریخ دان کہتے ہیں کہ اسی دوران جیل میں آپ کو زہر دیا گیا جس سے آپ وفات پا گئے۔ بغداد میں پچاس ہزار لوگوں نے آپ کی نماز جنازہ ادا فرمائی۔

مشہور امام اور مشہور استاد امام ابوحنیفہ کے بارے میں المناقب للمکی میں تحریر ہے کہ خلیفہ منصور نے مختلف مواقع پر امام ابوحنیفہ کو کچھ عطیات دیئے مگر آپؒ نے قبول نہ فرمائے۔ اس پر خلیفہ نے آپ سے پوچھا کہ یہ بتاؤ میرے عطایا قبول کیوں نہیں کرتے تو امام صاحب نے جواب دیا۔

> ''امیر المومنین اگر ذاتی مال سے مجھے کچھ دیئے ہیں تو اسے قبول بھی کر لیتا مگر جو کچھ آپ مجھے دے رہے ہیں یہ تو مسلمانوں کے بیت المال کا روپیہ ہے جس کا میں اپنے آپ کو کسی حیثیت سے بھی مستحق نہیں پاتا۔ نہ تو میں ان لوگوں سے ہوں جو مسلمانوں کی حفاظت کرتے ہیں اگر میرا تعلق ان سے ہوتا تو میں اس مد سے لیتا اور نہ میں فوجیوں کی اولاد سے ہوں کہ ان کا حصہ قبول کرتا اور نہ میں فقیر اور نہ محتاج ہوں اگر یہ صورت ہوتی تو فقرا کی مد سے میرے لئے لینا جائز ہوتا۔''

یہ سن کر منصور نے کہا کہ اچھا یہاں قیام کرو تا کہ قاضیوں کو اگر تم سے مشورہ کی ضرورت ہو تو وہ تم سے مشورہ لے سکیں۔ (2)

---

1) تاریخ بغداد۔ صفحہ 327، 329۔ جلد 13۔ بحوالہ ابوزہرہ مصری امام ابوحنیفہ۔ صفحہ۔ 90، 91

2) المناقب للمکی۔ صفحہ 215۔ جلد 1۔ ابوزہرہ مصری، امام ابوحنیفہ (عہد و حیات۔ فقہ وآراء) ترجمہ:۔ رئیس احمد جعفری۔ صفحہ 89، 90، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور

امام ابوحنیفہ درس وتدریس کے ساتھ ساتھ کپڑے کا کاروبار بھی کرتے تھے مگر دیانتداری کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے کاروبار میں بھی آپ کی طبیعت میں استغنا تھا، حرص وطمع نہیں تھا۔ بے انتہا امانت دار تھے۔ بخل سے پاک اور زاہد وعبادت گزار تھے۔

ایک خاتون ایک ریشمی کپڑا بیچنے کے لئے آپ کے پاس لائی۔ آپ نے قیمت پوچھی تو اس نے سو درہم بتائی۔ آپ نے فرمایا یہ کپڑا زیادہ قیمت کا ہے اس نے دوسو درہم کہا۔ آپ نے پھر کہا کہ کپڑا زیادہ قیمت کا ہے اس نے پھر تین سو اور آخر چارسو درہم کا کہا۔ آخر وہ خاتون کہنے لگی آپ مجھ سے مذاق کرتے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ کسی دکاندار کو بلاؤ جو اس کی صحیح قیمت لگائے چنانچہ وہ ایک دکاندار کو بلا لائی جس نے اس کپڑے کے پانچ سو درہم لگائے اور اس قیمت میں وہ کپڑا خرید لیا۔(1)

اسی طرح کے بہت سے واقعات آپ کے بارے میں ہیں ایک بار ایک کپڑے میں نقص تھا آپ نے اپنے تجارتی شریک کار حفص بن عبدالرحمن کو وہ کپڑا دیا اور کہا کہ نقص بتا کر بیچنا وہ صاحب نقص بتانا بھول گئے اور خریدار کپڑا لے گیا اور پھر اس خریدار کا کوئی پتہ نہ چل سکا۔ اس پر حضرت امام ابوحنیفہؒ نے تمام رقم صدقہ وخیرات میں دے دی۔

تاریخ بغداد میں مرقوم ہے کہ آپ سال بھر تجارت کرتے نفع جمع کرتے رہتے اور اس کا بڑا حصہ علماء طلباء مشائخ ومحدثین پر خرچ کر ڈالتے۔ ان کی ضروریات زندگی لباس خوراک اور دوسری چیزیں خریدتے پھر جو اشرفیاں بچ جاتیں وہ ان کو نقد دے دیتے اور کہتے ان کو اپنی ضروریات پر خرچ کریں اور خدا کے علاوہ کسی کا شکریہ ادا نہ کریں میں نے آپ کو اپنے مال سے کچھ نہیں دیا یہ تو محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔(2)

2.6.2.9) غیر متعصب ہونا

استاد علمی طور پر مکمل طور پر غیر متعصب ہوتا ہے۔ آج مسلمان معاشرے پر مذہبی، معاشرتی اور علمی طور پر متعصب ہونے کا الزام لگایا جاتا ہے۔ علمی تعصب عقل کو کھا جاتا ہے اور علمی ترقی میں

1) ابوزہرہ مصری۔ صفحہ 53

2) تاریخ بغداد جلد 13۔ صفحہ 360۔ بحوالہ ابوزہرہ مصری صفحہ۔55

رکاوٹ کا باعث ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ تعصب کے الزام سے بھری نظر آتی ہے۔ اس سلسلہ میں ذیل کے چند واقعات پیش خدمت ہیں مگر سب سے پہلے اس کا بنیادی پہلو قرآن حکیم کی روشنی میں:

''اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں انصاف سے دور نہ کر دے''

آنحضرتؐ نے میدان بدر سے فدیہ کے بدلے مسلمانوں کے لئے تعلیمی خدمت کا کام لے کر اس علمی بے تعصبی کی بنیاد رکھی اور پھر یہ کہ حکمت مومن کی گم گشتہ میراث ہے جہاں سے ملے لے لو اور یہ کہ اچھی بات دیوار پر بھی لکھی ہو تو اس پر عمل کرو اور علم حاصل کرو۔ خواہ تمہیں چین جانا پڑے۔ پھر آپ نے علمی تفوق کے باعث مسلم ریاست میں عہدے تقسیم کئے نہ کہ خاندانی تعلق اور تفاخر کی بنا پر۔ یہیں سے مسلمانوں میں غلاموں کے ساتھ حسن سلوک اور برتری کی بنیاد پڑی حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کا تقرر اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔ جب آپؐ کے وصال کے بعد بعض لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی توجہ اس طرف دلائی تو آپؓ نے حکم نبویؐ کو تبدیل کرنے سے نہ صرف انکار کیا بلکہ حضرت اسامہؓ کو اس شان سے رخصت کیا کہ وہ گھوڑے پر سوار ہیں اور خلیفہؓ رسولؐ رکاب پکڑے ساتھ پیدل چل رہے ہیں۔ یہ بتان رنگ و خون کو توڑنے کی مسلمانوں کی شعوری کوشش تھی۔

حضرت عمرؓ کے دور میں حضرت عمرو بن العاصؓ مصر کے گورنر تھے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے ایک یہودی کی علمی قابلیت و برتری کو دیکھتے ہوئے حاکم مقرر کر دیا وہ یہودی عالم ضرور تھا مگر مغرور اور متکبر تھا اس کا رویہ اسلامی اقدار سے لگا نہ کھاتا تھا لہٰذا شکایت حضرت عمرؓ خلیفہ وقت تک پہنچی آپ نے گورنر مصر کو لکھ بھیجا کہ حالات کو درست کریں اور اس یہودی کو اس کے تعصب کی بنا پر عہدہ سے ہٹا دیں۔ گورنر مصر نے یہودی اور شکایت کنندگان کو بلا کر علمی اور انتظامی معاملات پر چھوٹا سا مباحثہ کروا دیا اور اس مباحثہ میں یہودی کا پلہ بھاری رہا۔ پھر اس سلسلہ میں تمام روداد لکھ کر حضرت عمرؓ خلیفۂ وقت کی خدمت میں بھجوا دی اور اس یہودی کو ناگزیر قرار دیا اور اس کا تحفظ کیا۔ خلیفۂ وقت نے خط پڑھا اور اُسی پر دو لفظی جواب و حکم لکھ بھیجا جواب تھا ''مات یہودی'' یعنی یہودی مر گیا جس کا مطلب یہ نکلتا تھا کہ اگر یہودی مر گیا تو انتظام کیسے چلاؤ گے اس پر گورنر مصر نے اس یہودی کو ہٹا دیا گورنر کا آخر تک یہودی کو تحفظ دینا بے تعصبی کی اعلیٰ مثال ہے۔

حضرت علیؓ کا اپنی زرہ بکتر کے سلسلہ میں قاضی کے سامنے پیش ہونے کے واقعہ سے سب واقف ہیں اور یہ کہ قاضی نے حضرت علی کے پیش کردہ گواہوں کی گواہی قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فیصلہ یہودی کے حق میں دے دیا جس پر یہودی حیران رہ گیا اور مسلمان ہو گیا۔

مسلمانوں کے دور حکومت میں اس بے تعصبی کے مظاہر اکثر نظر آتے ہیں۔ برصغیر کا خاندان غلاماں اور مصر کے مملوک اس کی واضح مثالیں ہیں۔ سپین میں مسلم عروج کے دور میں یہودی اعلیٰ عہدوں پر نظر آتے ہیں اور جس طرح زوال سپین پر یہودیوں نے یک دم وفاداریاں تبدیل کیں مگر مسلمانوں کے ساتھ ہی ابتلا کا شکار ہوئے وہ تاریخ کی داستانِ عبرت ہے اسی طرح محمد بن قاسم سے لے کر سلاطین اور مغلوں تک مالگواری کا تمام شعبہ برصغیر میں ہندوؤں کے ہاتھ میں رہا۔ یہ بھی ایک خصوصی مثال ہے اور پھر جب سراج الدولہ اور ٹیپو سلطان کے دور میں جہاں ہمیں جعفر از بنگال صادق از دکن۔ ننگِ دیں۔ ننگِ قوم۔ ننگِ وطن نظر آتے ہیں وہاں نواب پورنیا اور دیگر ہندو بھی غداری میں ساتھ کھڑے ہیں۔ انگریزوں کی آمد پر ہندو قوم کا یک دم مسلمانوں کو چھوڑ کر انگریز کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے بدلہ لینے کا عزم اور یہ انداز مسلم تاریخ کے طالب علم کے لئے تحقیق کا اہم موضوع ہے مگر مسلمانوں پر تعصب کے الزام کے حوالہ سے محلِ نظر ہے۔

ہندوؤں پر مالگواری کے سلسلہ میں مسلمان حکمرانوں نے جو اعتماد کیا اس پر ہندو خود فریبی کا شکار ہو گئے اور مشہور کر دیا کہ مسلمانوں کو حساب کتاب نہیں آتا۔ اسی زعم میں 1946ء میں وزارت خزانہ مسلمانوں کے سپرد کر دی اور سوچا کہ مسلمان بجٹ نہ بنا سکیں گے مگر نواب لیاقت علی خان نے چوہدری محمد علی کے مشورہ سے جو بجٹ پیش کیا اس سے ہندو ساہوکار اور بنئے کی چیخیں نکل گئیں اور کہا جاتا ہے کہ پاکستان بننے کی ایک وجہ یہ بجٹ بھی تھا۔

آپ ذرا تصور فرمائیں کہ مسلمانوں نے کس طرح تعصب سے ہٹ کر اس شعبہ میں صدیوں تک ہندو کی برتری کو تسلیم کئے رکھا۔

مسلمانوں کی تاریخ میں اموی دور میں اور عباسی دور میں علمی طور پر غیر مسلموں سے کوئی تعصب نہیں برتا گیا اور غیر مسلم مختلف تعلیمی اداروں میں اہم مقام پر نظر آتے ہیں۔

2.6.2.10) اُستاد پر اعتبار

اُستاد معاشرے کا سب سے بااعتبار شخص گنا جاتا ہے۔ اللہ کے نبی اور معلم انسانیت حضرت محمد ﷺ نے جب دین کی تبلیغ اور تعلیم شروع کی تو سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ نے اپنا تمام سرمایہ آپؐ کے سپرد کر دیا۔ ابتدائے اسلام کے مشکل دور میں اس سرمائے کا جو استعمال ہوا اس کی برکت سے تمام عالم اسلام میں ہر صاحب ثروت، امیر و بادشاہ نے اساتذہ پر اعتبار کیا اور اپنا تمام مال و متاع یا اس کا ایک حصہ تعلیم و تعلم کے لئے اساتذہ کے سپرد کر دیا۔

بنگال پر جب انگریزوں نے قبضہ کیا تو بنگال میں اسی ہزار مدارس کام کر رہے تھے اور بنگال کی ایک چوتھائی زمین کی آمدن تعلیم کے لئے وقف تھی یعنی کل آمدنی کا 25% تعلیم پر خرچ ہوتا تھا۔ یہ اوقاف تھے جو اہل خیر نے اساتذہ کے سپرد کر دیئے تھے۔ اب بھی پاکستان کے ہر شہر میں تعلیمی اوقاف موجود ہیں۔

مولانا برکات احمد

مولانا برکات احمد صاحب استاد تھے اور تعلیم و تدریس کا کام کرتے تھے۔ گیلانی صاحب ان کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ ایک بار نواب مرحوم اور ان کی چہیتی بیگم میں اَن بَن ہوگئی۔ بیگم نے جواہرات کا صندوقچہ مولانا کے سپرد کیا اور کہا کہ آپ اپنے وطن بہار چلے جائیں اور اس رقم سے چند گاؤں خرید لیں میں اپنی زندگی آپ ہی کے ساتھ گزار کر مر جاؤنگی۔ بیگم اس وقت جلال میں تھیں۔ مولانا نے شدید اصرار کے بعد صندوقچہ تو لے لیا لیکن بیگم کا غصہ کچھ دھیما ہوا تو ان کو سمجھا بجھا کر ہجرت سے باز رکھا اور صندوقچہ جس حال میں لیا تھا واپس کر دیا گیا۔ حالانکہ وہ اس صندوقچہ کو لے کر بہار کے رئیسوں میں شامل ہو سکتے تھے۔ (1)

علامہ اقبال

علامہ اقبال گول میز کانفرنس کے لئے حکومت ہند کے خرچ پر بیت المقدس گئے اور واپس آ گئے۔ علامہ کے بڑے بھائی کا نام عطا محمد تھا۔ واپسی پر انہوں نے پوچھا کہ بیت المقدس سے

1) مناظر حسین گیلانی، ص305،304

مدینہ شریف کتنی دور تھا۔ فرمایا نزدیک ہی تھا۔ پھر پوچھا گیا کہ آسانی سے جایا جا سکتا تھا یا نہیں تو فرمایا کہ ہاں جایا تو جا سکتا تھا۔ تو عطا محمد صاحب نے کہا پھر آپ مدینہ شریف سے ہو آتے جواب ملا کہ ٹکٹ بیت المقدس کا تھا اور گول میز کانفرنس کے لئے تھا اس ٹکٹ سے میں مدینہ شریف جاتا تو یہ خیانت ہوتی۔ لہٰذا میں مدینہ نہیں گیا۔

رحمت الٰہی

قدرت اللہ شہاب، اپنی کتاب شہاب نامہ میں جھنگ کے ایک استاد کا واقعہ پیش کرتے ہیں:

''ایک روز ایک پرائمری سکول کا استاد رحمت الٰہی آیا۔ وہ چند ماہ کے بعد ملازمت سے ریٹائر ہونے والا تھا۔ اس کی تین جوان بیٹیاں تھیں۔ رہنے کے لئے اپنا گھر بھی نہیں تھا۔ پنشن نہایت معمولی ہوگی۔ اسے یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ ریٹائر ہونے کے بعد وہ کہاں رہے گا؟ لڑکیوں کی شادیاں کس طرح ہو سکیں گی؟ کھانے پینے کا خرچ کیسے چلے گا؟ اس نے مجھے سرگوشی میں بتایا کہ پریشانی کے حال میں وہ کئی ماہ سے تہجد کے بعد رو رو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فریادیں کرتا رہا ہے۔ چند روز قبل اسے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ جس میں حضورؐ نے فرمایا کہ تم جھنگ جا کر ڈپٹی کمشنر کو اپنی مشکل بتاؤ۔ اللہ تمہاری مدد کرے گا۔

پہلے تو مجھے شک ہوا کہ یہ شخص ایک جھوٹا خواب سنا کر مجھے جذباتی طور پر بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ میرے چہرے پر شک اور تذبذب کے آثار دیکھ کر رحمت الٰہی آبدیدہ ہو گیا اور بولا۔ ''جناب میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ اگر جھوٹ بولتا تو اللہ کے نام پر بولتا۔ حضور رسول پاکؐ کے نام پر کیسے جھوٹ بول سکتا ہوں؟''

اس کی اس منطق پر میں نے حیرانی کا اظہار کیا، تو اس نے فوراً کہا:

''آپ نے سنا نہیں کہ با خدا دیوانہ دبا مصطفیٰ ہشیار باش''۔

یہ سن کر میرا شک پوری طرح رفع تو نہ ہوا لیکن سوچا کہ اگر یہ شخص غلط بیانی سے بھی کام لے رہا ہے تو ایسی عظیم ہستی کے اسم مبارک کا سہارا لے رہا ہے جس کی لاج رکھنا ہم سب کا فرض

ہے چنانچہ میں نے رحمت الٰہی کو تین ہفتہ کے بعد دوبارہ میرے پاس آنے کے لئے کہا۔ اس دوران میں نے خفیہ طور پر اس کے ذاتی حالات کا کھوج لگایا اور یہ تصدیق ہوگئی کہ وہ اپنے علاقے میں نہایت سچا، پاکیزہ اور پابند صوم وصلوٰۃ آدمی مشہور ہے اور اس کے گھریلو حالات بھی وہی تھے جو اس نے بیان کئے تھے۔

اس زمانے میں کچھ عرصہ کے لئے صوبائی حکومت نے ڈپٹی کمشنروں کو یہ اختیار دے رکھا تھا کہ سرکاری بنجر زمین کے آٹھ مربعے تک ایسے خواہشمندوں کو طویل معیاد پر دیئے جا سکتے ہیں جو انہیں آباد کرنے کے لئے آمادہ ہوں۔ میں نے اپنے افسر مال کو بلا کر کہا کہ وہ کسی مناسب جگہ کراؤن لینڈ کے ایسے آٹھ مربعے تلاش کرے جنہیں جلد از جلد زیر کاشت لانے میں کوئی خاص دشواری پیش نہ آئے۔ غلام عباس مال افسر نے غالباً یہ سمجھا کہ شاید یہ اراضی میں اپنے کسی عزیز کو دینا چاہتا ہوں۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے پکی سڑک کے قریب نیم آبادسی زمین ڈھونڈ نکالی اور رحمت الٰہی کے نام الاٹمنٹ کی ضروری کارروائی کر کے سارے کاغذات میرے حوالے کر دیئے۔

دوسری پیشی پر جب رحمت الٰہی حاضر ہوا تو میں نے یہ نذرانہ اس کی خدمت میں پیش کر کے اسے مال افسر کے حوالے کر دیا کہ قبضہ وغیرہ دلوانے اور باقی ضروریات پوری کرنے میں وہ اس کی پوری پوری مدد کرے۔

تقریباً نو برس بعد میں صدر ایوب کے ساتھ کراچی میں کام کر رہا تھا کہ ایوان صدر میں میرے نام ایک رجسٹرڈ خط موصول ہوا۔ یہ ماسٹر رحمت الٰہی کی جانب سے تھا کہ اس زمین پر محنت کر کے اس نے تینوں بیٹیوں کی شادی کر دی ہے اور وہ اپنے گھر میں خوش وخرم آباد ہیں۔ اس نے اپنی بیوی کے ساتھ حج کا فریضہ بھی ادا کر لیا ہے اور اپنے گزارے اور رہائش کے لئے تھوڑی سی ذاتی زمین خریدنے کے علاوہ ایک کچا سا کوٹھا بھی تعمیر کرالیا ہے۔ ایسی خوشحالی میں اب اسے آٹھ مربعوں کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ چنانچہ اس الاٹمنٹ کے مکمل کاغذات اس خط کے ساتھ واپس ارسال ہیں تا کہ کسی اور حاجت مند کی ضرورت پوری کی جا سکے۔ میں یہ خط پڑھ کر کچھ دیر کیلئے سکتے میں آ گیا۔ میں اسی طرح گم سم بیٹھا تھا کہ صدر ایوب کوئی بات کرنے میرے کمرے میں آ گئے۔

''کس سوچ میں گم ہو؟'' انہوں نے میری حالت بھانپ کر پوچھا۔

میں نے انہیں رحمت الٰہی کا سارا واقعہ سنایا تو وہ بھی نہایت حیران ہوئے۔ کچھ دیر خاموشی طاری رہی پھر وہ اچانک بولے۔ ''تم نے بڑا نیک کام سرانجام دیا ہے۔ میں نواب صاحب کو لاہور ٹیلیفون کر دیتا ہوں کہ وہ یہ اراضی اب تمہارے نام کر دیں۔''

میں نے نہایت لجاجت سے گزارش کی کہ میں اس انعام کا مستحق نہیں ہوں۔

یہ سن کر صدر ایوب حیرانی سے بولے، تمہیں زرعی اراضی حاصل کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں؟''

''جی نہیں سر''۔ میں نے التجا کی۔ ''آخیر میں فقط دو گز زمین ہی کام آتی ہے۔ وہ کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی طرح مل ہی جاتی ہے۔''

میرا اندازہ ہے کہ میری یہ بات سن کر صدر کچھ چڑ سے گئے۔ زمین حاصل کرنے کے وہ خود بڑے رسیا تھے۔ (1) رحمت الٰہی کا کردار نہ صرف اساتذہ بلکہ آج کی مالی لوٹ مار کے دور میں ایک روشنی کا ستارا ہے۔

2.6.2.11) بااُصول اُستاد (الحاج اے ڈبلیو ناصر)

الحاج اے ڈبلیو ناصر (الحاج اللہ وسایا ناصر) ملتان کے اساتذہ میں ایک مخصوص پہچان رکھتے ہیں خطاطی اور خوشخطی ہو یا ملتان کی سکاؤٹنگ کا ذکر ان کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ تین بار صدارتی ایوارڈ سکاؤٹنگ کے سلسلہ میں حاصل کر چکے ہیں۔ اِس کے علاوہ عرصہ 30 سال تک پاکستان بھر میں مسلسل اول پوزیشن حاصل کرنے پر اور خوشنویسی میں پنجاب بھر میں اعلیٰ مقام حاصل کرنے پر صدر پاکستان کی طرف سے تین بار حج کی سعادت بھی حاصل کر چکے ہیں۔ ان کے گھر میں دو ڈھائی سو کے لگ بھگ ٹرافیاں راقم نے خود دیکھی ہیں۔ سیکنڈری سکول ٹیچر کے طور پر مسلم سکول ملتان سے 2001ء میں ریٹائر ہوئے ہیں۔ تعلیم و تعلم میں اعلیٰ کارکردگی کی بنا پر ملتان ڈویژن کے بیسٹ ٹیچر کا ایوارڈ حاصل کیا۔ اب بھی تمام تعلیمی سرگرمیوں میں جوانوں کی طرح سرگرمی سے حصہ لیتے ہیں۔

1976ء میں گورنمنٹ مسلم ہائی سکول ملتان کا مشہور زمانہ ایٹم رقصِ ناقہ (ڈاچی ڈانس) شہنشاہ ایران رضا شاہ پہلوی کی دعوت پر اُن کے شاہی محل میں تین دِن تک پیش کر کے شاہی

1) قدرت اللہ شہاب، (2005) شہاب نامہ، سنگ میل پبلیکشنز لاہور صفحہ 520_551

مہمان ہونے کا شرف حاصل کیا۔

مالی حوالے سے خوشحال نہیں ہیں۔ گزشتہ دنوں میں نے ایک دوست کے بچوں کو پڑھانے پر لگا دیا۔ چند دن بعد اس دوست نے کچھ رقم بطور ٹیوشن دینا چاہی تو انکار کر دیا۔ اس کی وہ رقم میرے پاس پڑی رہی ملاقات پر میں نے ان کی خدمت میں پیش کی تو کہنے لگے۔ سر میں نے ساری زندگی رقم لے کر ٹیوشن نہیں پڑھائی اور نہ ہی ایسا پیسہ سوائے تنخواہ کے قبول کیا ہے۔ براہ مہربانی میرا اصول نہ توڑیں میں یہ رقم قبول نہیں کرسکتا۔ یہ سن کر خوشگوار حیرت ہوئی کہ ایسے لوگ آج بھی موجود ہیں۔(1)

2.6.2.12) پاکباز و بے نیاز

شمس الدین محمد بن عبدالرحیم مقدسی ساتویں صدی ہجری کے علماء میں سے ہیں، وہ اپنے وقت میں شام کے مشہور بزرگوں میں سے تھے اور مرجع خلائق تھے، ایک بار کسی پہاڑ کے پاس اپنے مکان کے لئے جگہ کھود رہے تھے، ان کی اہلیہ بھی ساتھ تھیں، وہ بھی ان ہی کی طرح پارسا اور پاکباز خاتون تھیں، زمین کھودتے ہوئے انہیں مدفون دنانیر (دینار) کی بھری تھیلی ملی تو "انا للہ وانا علیہ راجعون" پڑھنے لگے پھر اس کھودی ہوئی جگہ کو اسی طرح بھر دیا جیسے پہلے تھی اور بیوی سے کہا "یہ ہمارے لئے غالباً آزمائش ہے، ہوسکتا ہے یہ تھیلی کسی نے دفن کی ہو اور ضرورت کے وقت وہ اس کو نکالے، اس لئے کسی سے اس جگہ کے متعلق تذکرہ نہیں کرنا" چنانچہ دونوں نے فقر و حاجت مندی کے باوجود اس تھیلی کو وہیں چھوڑا اور چل دیئے۔(2)

2.6.3) حکمت و دانائی

حکمت سطحی معلومات یا کچھ یاد کر لینے اور جاننے کا نام نہیں بلکہ کسی بھی شے کی حقیقت اور اس کی اصلیت سے باخبر ہونے اور پھر اس پر عمل کرنے کو حکمت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔(3)

---

1) بحوالہ روایت مصنف 2010ء
2) شذرات الذہب لابن العماد، ج5۔ ص406
3) شیخ محمد یٰسین۔ صفحہ 41،40

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو حکمت و دانائی کی صفت عطا فرمائی۔ حکمت و دانائی جہاں ذہانت سے آتی ہے وہاں یہ خداداد صلاحیت بھی ہے۔ اس سے انسان بہت سی پس دیوار باتوں سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ محنتی، قابل اور مخلص استاد کا ایک ہتھیار حکمت بھی ہے جس کی مدد سے رول ماڈل اساتذہ طلباء کی رہنمائی کرتے رہے ہیں۔ جس کو حکمت ملتی ہے سمجھیں اسے رب عظیم کا انعام واحسان مل گیا۔ اس سلسلہ میں چند واقعات پیش خدمت ہیں۔

2.6.3.1) شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ

شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی برصغیر میں سلسلہ سہروردیہ کے بانی بزرگ تھے۔ آپ نے تقریباً ستر ہزار اساتذہ تیار کئے اور ترویج دین کے لئے برصغیر، وسط ایشیا، افغانستان اور اسلامی دنیا کے باقی ملکوں تک بھجوائے۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی سے منقول ہے کہ "جب آپ ملتان تشریف لائے تو ملتان کے صوفیاء نے آپ کے ملتان آنے پر رقابت کا اظہار کیا اور کنایہ کے طور پر ایک دودھ کا پیالہ لبالب بھر کر آپ کی خدمت میں بھجوایا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ ملتان میں کسی اور کی گنجائش نہیں ہے۔ آپ اس نکتہ کو سمجھ گئے اور اس دودھ کے پیالہ میں ایک پھول رکھ کر واپس بھجوا دیا۔ جس کا مطلب یہ تھا۔ ہمارا مقام اس شہر میں آپ لوگوں کے ساتھ وہی ہوگا جو دودھ میں پھول کا ہے۔ دیگر علماء وصوفیاء آپ کی اس حکمت و دانائی پر حیران رہ گئے۔ آپ کا مشہور ارشاد ہے کہ بدن کی سلامتی قلتِ طعام میں ہے۔ روح کی سلامتی ترکِ گناہ میں ہے اور دین کی سلامتی حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنے میں ہے۔(1)

2.6.3.2) اُستاد کی مستقبل بینی

حضرت امام بخاریؒ نے محمد بن حسنؒ سے کتاب الزکوٰۃ پڑھنا شروع کی تو استاد نے فرمایا کہ تمہارے لئے علم حدیث کا پڑھنا مناسب ہے کیونکہ میں تمہارے اندر اس کی مناسبت پاتا ہوں۔ امام بخاری نے مشورہ قبول کرلیا۔ پھر دنیا نے دیکھا کہ وہ علم حدیث میں امیر المومنین بنے۔(2)

1) شاہ عبدالحق محدث دہلوی۔ صفحہ 38 تا 41
2) طالب علم کے شب و روز۔ صفحہ 196

2.6.3.3) شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی

شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی باکمال بزرگ اور استاد تھے۔ صبر، شکر، فقر و فاقہ اور تسلیم و رضا آپ کا شیوہ تھا۔ آپ خانقاہ شیخ نظام الدین اولیاء کے خلیفہ تھے اور تعلیم تربیت کا فریضہ آپ کے ذمہ تھا۔ بادشاہ وقت سلطان محمد تغلق آپ سے کدورت رکھتا تھا۔ ایک بار سلطان محمد تغلق نے آپ کے لئے سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا بھیجا۔ اس کا مقصد آپ کو تکلیف پہنچانا تھا اگر آپ شاہی کھانے سے انکار کر دیں گے تو اسی بات کو ایذا رسانی کا ذریعہ بنالیا جائے گا اور اگر کھانا کھالیا تو پوچھا جائے گا کہ آپ نے سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا کھا کر خلاف شرع حرکت کی ہے۔ جب کھانا آپ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ کچھ نہ بولے۔ پھر آپ نے سونے کے پیالے سے تھوڑی سی یخنی نکال کر ہتھیلی پر رکھی اور اس کو چکھا۔ آپ کی دانائی کے اِس عمل سے بداندیش خائب و خاسر حاضر رہ گئے۔(1)

2.6.3.4) حکمت کی آٹھ باتیں

امام احمد بن حنبلؒ کے زمانے میں ایک بزرگ تھے، ان کا نام حاتم الاصم تھا۔ بڑے ہی نیک اور سمجھ دار آدمی تھے، ان کے استاد حضرت شفیقؒ اپنے زمانے کے مانے ہوئے عالموں میں سے تھے۔ قرآن، زبور، تورات، انجیل تمام ہی آسمانی کتابوں کے ماہر تھے۔ حضرت حاتم الاصم 33 سال تک ان کی تربیت میں رہے اور بہت کچھ سیکھا۔ ایک دن حضرت شفیقؒ نے حاتمؒ سے پوچھا۔

استاد: کیوں بھئی حاتم کتنے دنوں سے میرے ساتھ ہو؟

طالب علم: جناب 33 سال ہو گئے۔

استاد: اچھا بتاؤ اتنے دنوں میں تم نے مجھ سے کیا سیکھا؟

طالب علم: استاد محترم صرف آٹھ باتیں سیکھیں۔

استاد: "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن" تم نے ساری عمر میرے ساتھ گزار دی اور صرف آٹھ باتیں سیکھیں؟

---

1) شیخ عبدالحق محدث دہلوی صفحہ 192

طالب علم:　استاد محترم! جھوٹ بولنا تو میں پسند نہیں کرتا واقعی میں نے تو آپ سے صرف آٹھ ہی باتیں سیکھی ہیں۔

استاد: اچھا لاؤ سناؤ کیا آٹھ باتیں جو تم نے سیکھی ہیں؟

طالب علم نے کہنا شروع کیا۔

پہلی بات

استاد محترم! جہاں تک میں نے دنیا پر نظر ڈالی میں نے دیکھا کہ ہر آدمی کسی نہ کسی کو اپنا محبوب بنائے ہوئے ہے اور اس سے محبت کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ مر جاتا ہے اور قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے، لیکن اس کا وہ محبوب اسے قبر میں اکیلا چھوڑ دیتا ہے۔ پس میں نے صرف نیکیوں کو اپنا محبوب بنایا کہ یہ قبر میں بھی میرے ساتھ رہیں گی اور مجھے کہیں اکیلا نہ چھوڑیں گی۔

استاد نے شاباشی دی اور کہا اچھا حاتم دوسری بات بتاؤ۔

دوسری بات

حاتمؒ نے کہا، استاد محترم! میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہمیشہ اپنے سامنے رکھا۔

"اور جو اپنے رب کے حضور حاضری سے ڈرتا رہا اور اپنے آپ کو بری خواہشوں سے روکتا رہا۔ اس کا ٹھکانہ یقیناً جنت ہے۔" اور مجھے پورا پورا یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے بالکل سچ فرمایا ہے پس میں نے بری خواہشات سے بچنے کی پوری پوری کوشش کی اور دل و جان سے اپنے خدا کی بندگی میں لگ گیا۔

حضرت شفیقؒ بہت خوش ہوئے اور کہا۔ عزیز! تیسری بات کیا ہے؟

تیسری بات

استاد محترم! دنیا والوں کی حالت پر جہاں تک میں نے غور کیا یہی نظر آیا کہ جس کے پاس بھی کوئی اچھی اور قیمتی چیز ہے وہ اسے سینت سینت کر حفاظت سے رکھتا ہے، پھر میری نظر سے یہ آیت گزری۔

{مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ}

"جو کچھ تمہارے پاس ہے، (ایک دن) ختم ہو جائے گا اور جو خدا کے پاس ہے وہ

ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گا"۔

اب یہ حال ہے کہ جو اچھی چیز بھی میرے ہاتھ لگتی ہے اسے اللہ کے حوالے کر دیتا ہوں، کیونکہ میرے پاس رہے گی تو فنا ہو جائے گی اللہ کے یہاں رہے گی تو ہمیشہ ہمیشہ میرے لئے باقی رہے گی۔

چوتھی بات

استاد من! میں نے مخلوق کی حالت پر جہاں تک غور کیا یہ دیکھا کہ کوئی مال اور شان و شوکت کے پیچھے لگا ہوا ہے اور کوئی نسب اور دینوی شرافت پر ریجھتا ہے، لیکن میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ سب چیزیں کوئی وزن نہیں رکھتیں۔ قرآن شریف کی یہ آیت میرے سامنے آئی۔

"تم لوگوں میں جو سب سے زیادہ برائی سے بچنے والا اور نیکیاں کمانے والا ہے،
وہی اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا ہے"۔

اور میں نے برائیوں سے بچنے کے لئے کمر باندھ لی تا کہ خدا کے یہاں عزت والا بنوں۔

پانچویں بات

استاد محترم! دنیا والوں کے حالات پر جہاں تک میں نے سوچا یہی پایا کہ کوئی کسی کو لعنت ملامت کر رہا ہے اور کوئی کسی کو برا بھلا کہہ رہا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ان سب پاپوں کی اصل جڑ "حسد" ہے پھر میں نے خدا کے اس فرمان پر غور کیا۔

"ان لوگوں کو دنیا کی زندگی کا ساز و سامان ہم ہی نے اپنی مصلحت کے مطابق دیا ہے"۔ (1)

اور میں نے حسد سے بچنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ لوگوں سے بے پرواہ ہو گیا اور پھر کبھی حسد کو اپنے پاس پھٹکنے نہ دیا اور مجھ پر یہ حقیقت کھلی کہ دنیا کے ساز و سامان اور مال و دولت کی یہ تقسیم تو اس خدا نے کی ہے جو برے جذبات اور بے جا جھکاؤ سے پاک ہے اس کے بعد پھر کبھی میں نے کسی سے حسد نہیں کی۔

چھٹی بات

استاد محترم! لوگوں کے حالات پر میں نے جہاں تک نظر ڈالی یہی دیکھا کہ کوئی کسی پر

1) الزخرف۔32

زیادتی کر رہا ہے اور کسی کی کسی سے ٹھنی ہوئی ہے۔ چنانچہ میں نے سب سے ہٹ کر خدا کے اس فرمان کو لیا:

"بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تم اسی کو اپنا دشمن سمجھو۔"

اور پھر میں نے اس عدو مبین سے بچنے کی کوشش کی، صرف اسی سے دشمنی کی ٹھانی اور کسی کو اپنا دشمن نہ سمجھا کیونکہ خدا نے اسی کو ہمارا دشمن ٹھہرایا ہے۔

ساتویں بات

پھر حاتمؒ نے کہا، استاد محترم! میں نے جہاں تک دنیا والوں پر نظر دوڑائی، دیکھا کہ چند ٹکڑوں کی طلب میں ہر ایک لگا ہوا ہے، اسی کے لئے ہر طرح کی ذلت اوڑھتا ہے اور لالچ میں حلال وحرام کی کوئی پروا نہیں کرتا۔ پھر میں نے خدا کی اس آیت پر غور کیا:

"زمین پر چلنے پھرنے والے ہر جاندار کی روزی اللہ نے اپنے ذمہ لی ہے۔"

اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ آخرت میں بھی تو زمین پر چلنے والے ان جانداروں ہی میں سے ہوں گے جن کی روزی کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا ہے چنانچہ پھر میں کبھی اس چیز کی فکر میں نہیں پڑا جو اللہ تعالیٰ کے یہاں سے بہر حال مجھے ملنے والی ہے اور ہر طرف سے بے پروا ہو کر یکسوئی کے ساتھ ان تمام حقوق کو ادا کرنے میں لگ گیا جو مجھ پر واجب ہیں۔(1)

آٹھویں بات

استاد محترم! آخری بات یہ ہے کہ لوگوں کے حالات پر جہاں تک میں نے سوچا یہی معلوم ہوا کہ ہر ایک نے بودی اور کمزور چیزوں پر بھروسہ کر رکھا ہے، کوئی اپنے مال اور سامان پر بھروسہ کئے ہوئے ہے، کوئی اپنی کاریگری پر، کوئی اپنی صحت وقوت پر۔ غرض انسان اپنے ہی جیسے انسانوں پر تکیہ کئے ہوئے ہیں، یا اپنی حقیر قوتوں پر یہ حالت دیکھ کر میں نے خدا کے اس سچے فرمان کو دل سے لگا لیا ہے۔

"اور جو اللہ پر بھروسہ کرے گا تو اللہ اس کے لئے کافی ہے۔"

---

1) اسلاف کے سنہرے واقعات۔ صفحہ 35 تا 37

پس میں نے ہر چیز سے نظر ہٹا کر صرف خدا پر بھروسہ کیا اور واقعی خدا میرے لئے کافی ہے۔

شاگرد کی یہ سیدھی سچی ایمان افروز باتیں سن کر حضرت شقیق بلخیؒ بہت خوش ہوئے۔ لائق شاگرد کو علم و عمل اور ترقی کی دعائیں دیں اور فرمایا میں نے توراۃ و انجیل پر بھی غور کیا۔ زبور اور قرآن پر بھی خوب خوب غور کیا، حاتم! تمام آسمانی کتابوں کا خلاصہ یہی آٹھ باتیں ہیں۔

2.6.3.5) استاد کی بصیرت و حکمت

یتیم بچے کی ماں نے اپنے نوعمر لڑکے کو ایک ٹھٹھیرے کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ بھیا اس لڑکے کو تمہارے یہاں بٹھا رہی ہوں کہ کچھ سیکھ لے تو آمدنی کا کچھ سہارا ہو جائے۔

اور یہ نوعمر یتیم ٹھٹھیرے کے یہاں کام سیکھنے کے لئے جانے لگا۔ ٹھٹھیرے کی دکان کے قریب ہی ایک بوڑھے بزرگ کچھ لوگوں کو پڑھایا کرتے تھے۔ یہ یتیم بچہ بھی جانے لگا۔ وہاں چند دن بیٹھنے کے بعد اس نوعمر کا جی ٹھٹھیرے کے کام سے اُچاٹ ہو گیا۔ گھر سے ٹھٹھیرے کی دکان پر بیٹھنے کے لئے نکلتا اور جا کر مدرسے میں بیٹھ کر شوق سے پڑھتا۔ بچے کا شوق دیکھ کر استاد بھی خاص طور پر توجہ کرنے لگے۔ کچھ دنوں کے بعد لڑکے کی ماں کو معلوم ہوا کہ اس کا لڑکا ٹھٹھیرے کی دکان پر بیٹھنے کی بجائے قریبی مدرسے میں پڑھنے بیٹھ جاتا ہے تو بہت گھبرائی، فوراً اُٹھی اور مدرسے پہنچ کر اپنے لڑکے کو لے آئی اور سمجھایا، بیٹے! تمہارے باپ کا انتقال ہو چکا ہے، تم ہی میری زندگی کا سہارا ہو، تمہیں اپنا مستقبل خود ہی بنانا ہے، اگر کچھ کام سیکھ لو گے تو کچھ کمانے کی امید ہو جائے گی۔ مگر بیٹے کو علم کی چاٹ لگ چکی تھی، وہ روز کسی نہ کسی طرح مدرسے جانے کا موقع نکال ہی لیتا۔

ایک دن جب ماں سے رہا نہ گیا تو وہ غصے میں بھری ہوئی مدرسہ پہنچی مدرسے کے بزرگ استاد کو سخت سست کہا اور کہنے لگی بڑے میاں تم نے میرے بیٹے کو چوپٹ کر دیا، ارے میں کہتی ہوں، یہ بے باپ کا بچہ اگر کچھ سیکھ لے تو مزدوری کر کے کچھ کما لیا کرے گا اور تم اسے کتابوں میں لگا کر برباد کر رہے ہو، تمہیں اس یتیم کی غربت اور بے کسی پر ذرا رحم نہیں آتا۔

استاد مسکراتے رہے اور بولے بڑی بی! خفا کیوں ہوتی ہو، تمہارا بچہ یعقوب پڑھ لکھ کر سوکھی روٹی کمانے کے بجائے روغن پستہ کا فالودہ کھایا کرے گا۔

بڑھیا جھنجھلا گئی اور غصے میں مدرسہ سے باہر نکل گئی۔ باہر نکل کر بولی، یہ بوڑھا تو سٹھیا گیا ہے۔ ہوش کی بات ہی نہیں کرتا۔

یعقوب نہایت شوق اور محنت سے پڑھتے رہے، یہاں تک کہ ان کے علم وفضل کو دیکھ کر ہارون الرشید نے ان کو قاضی القضاۃ کے عہدے پر مقرر فرمایا۔

یعقوب ایک دن کا قصہ خود ہی سناتے ہیں کہ میں خلیفہ کے دربار سے اٹھ کر جانے لگا تو بولے، امام ابو یوسف، ذرا ٹھہریئے۔ آج یہیں ہمارے ساتھ کھانا کھایئے۔ ہم نے آج خاص طور پر آپ کے لئے ایک نہایت ہی لذیذ چیز تیار کرائی ہے۔

''امیر المومنین، کیا خاص چیز تیار کرائی ہے؟'' میں نے دریافت کیا۔

''امام صاحب! آج ہم نے آپ کے لئے روغن پستہ کا فالودہ تیار کرایا ہے۔'' امیر المومنین نے جواب دیا۔

''روغن پستہ'' کا نام سن کر بے اختیار مجھے ہنسی آ گئی۔ مجھے اس طرح بے اختیار ہنستے دیکھ کر امیر المومنین نے وجہ پوچھی۔ میں ٹالتا رہا، مگر خلیفہ اصرار کرتے رہے۔ آخر کار مجبور ہو کر میں نے انہیں بتایا کہ لڑکپن کا ایک واقعہ مجھے یاد آ گیا۔ میری ماں امام ابو حنیفہؒ کو برا بھلا کہہ رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ تم نے اس بچے کو کتابوں میں الجھا کر چوپٹ کر دیا ہے۔ کچھ کام سیکھ لیتا تو کما کر لے آیا کرتا۔ امام ابو حنیفہؒ مسکراتے رہے اور بڑی عالی ظرفی کے ساتھ میری ماں کی سخت سست باتیں سنتے رہے، پھر بولے بڑی بی خفا کیوں ہوتی ہو، تمہارا بچہ پڑھ لکھ کر روغن پستہ کا فالودہ کھایا کرے گا اور میری ماں غصے سے باہر نکل گئی۔

آج جب آپ نے فرمایا کہ تمہارے لئے خاص طور پر روغن پستہ کا فالودہ تیار کرایا ہے تو مجھے امام صاحب اور اپنی والدہ کا یہ سارا قصہ یاد آ گیا۔

خلیفہ نہایت حیرت اور دلچسپی کے ساتھ یہ سارا قصہ سنتے رہے، سچ ہے، علم، دین و دنیا کی دولت ہے، پھر امام ابو حنیفہؒ کے لئے دعا کرتے ہوئے بولے امام ابو حنیفہؒ جو کچھ سر کی آنکھوں سے نہ دیکھ پاتے تھے وہ دل کی آنکھوں سے دیکھ لیا کرتے تھے۔ (1)

---

1) اسلاف کے سنہرے واقعات۔ صفحہ 44

2.6.3.6) بصیرتِ استاد

امام شعبی کی نظر ایک دن ایک نوجوان پر پڑی جوان کے حلقہ درس کے سامنے گزر کر کہیں جاتا تھا۔ آپ نے اس نوجوان کی شکل وصورت چہرہ مہرہ، چال ڈھال دیکھی تو اسے اپنے پاس بلا کر بٹھالیا، حال چال پوچھا اور پھر پوچھا ادھر کس کے پاس آیا جایا کرتے ہو؟ نوجوان نے کہا کہ ذرا بازار کا گشت لگالیتا ہوں۔ امام شعبیؒ نے کہا میں بازار کا نہیں پوچھتا۔ یہ بتاؤ کہ کون سے علماء و اساتذہ کے پاس جاتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ علماء واساتذہ کی خدمت میں تو حاضری کا موقع کم ہی ملتا ہے۔ فرمایا ایسی غفلت نہ کرو علم اور علماء کی مجلس میں بیٹھا کرو تمہارے اندر مجھے ذہانت اور بیدار مغزی کے آثار نظر آتے ہیں۔

امام شعبیؒ کی فراست نے اس نوجوان میں ذہانت، ذکاوت، قوتِ فکر، علمی وفکری رجحان کو دیکھ کر رائے دی۔ اس پر یہ نوجوان علماء و اساتذہ کی محافل میں حاضر ہونے لگا۔ علمی دنیا اس نوجوان کو امام ابوحنیفہ کے نام سے جانتی ہے۔ جو اپنے وقت کے عظیم فقیہہ تھے اور فقہ حنفی اور اہل سنت والجماعت انہیں کے فقہ کے مطابق اسلام پر عمل پیرا ہیں۔ (1)

2.6.3.7) اُستاد کی حاضر دماغی

خلیفہ ابوجعفر منصور مشہور عباسی خلیفہ تھا۔ ابوالعباس طوسی اس کا درباری تھا اور حضرت امام ابوحنیفہ جو کہ اس دور کے مشہور استاد، محدث اور فقہ کے ماہر تھے ان کے بارے میں بُری رائے رکھتا تھا امام صاحب کو بھی اس کا علم تھا۔ ابوجعفر منصور نے امام صاحب کو دربار میں دیکھا تو اس کا کینہ عود کر آیا۔ اس نے سوچا کہ امام صاحب خلیفہ کو پسند نہیں کرتے آج موقع اچھا ہے میں انہیں قتل کروا کر رہوں گا۔ وہ امام صاحب کے پاس آیا اور کہنے لگا ''ابوحنیفہ یہ کیا ہے اگر امیر المومنین ہم میں سے کسی کو یہ حکم دیں کہ فلاں آدمی کی گردن ماردو اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس شخص کا قصور کیا ہے تو ہمارے لئے اس کی گردن مارنی جائز ہوگی یا نہیں؟''

امام صاحب نے برجستہ کہا۔ ابوالعباس میں تم سے پوچھتا ہوں کہ امیر المومنین صحیح حکم دیتے

---

1) ابوزہرہ مصری۔ امام ابوحنیفہ (عہد وحیات، فقہی آراء) ترجمہ رئیس احمد جعفری، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلیشرز لاہور۔ صفحہ 37

ہیں یا غلط؟

طوسی نے کہا امیر المومنین غلط حکم کیوں دینے لگے۔

امام صاحب نے کہا تو صحیح حکم کی تعمیل و نافذ کرنے میں تردد کی گنجائش کیا ہے؟ اسے نافذ ہونا چاہئے۔

اس پر طوسی اپنا سا منہ لے کر رہ گیا کیونکہ امام صاحب کی حاضر دماغی نے ان کو اس مصیبت سے بچا لیا تھا۔

2.6.4) طلبِ رزقِ حلال

رزقِ حلال کا حکم قرآن و حدیث میں موجود ہے اور رزقِ حلال انسانی کردار کی تعمیر میں اہم مقام رکھتا ہے۔ بغیر محنت کمانے کے حوالے سے اور حرام و حلال کی تمیز اسلامی تعلیمات کا حصہ ہے۔ رزقِ حلال تعمیر معاشرہ میں اہم مقام رکھتا ہے۔ سورۃ البقرہ آیت نمبر 168 میں حکم ہے۔

''اے لوگو! زمین میں جو حلال اور پاک چیزیں ہیں انہیں کھاؤ''۔(1)

حدیث شریف میں ہے کہ حرام رزق سے پلنے والا جسم جہنم ہی کا ایندھن بنتا ہے۔ نیز یہ کہ حرام رزق کھانے والے کی دعا قبول نہیں ہوتی اور **الکاسب و حبیب اللہ**۔ ''محنت سے روزی کمانے والا اللہ کا حبیب ہے''۔

اساتذہ نے ہمیشہ رزقِ حلال کی طلب کی اور اس طلب کو عملی طور پر ثابت کر کے دکھایا۔ رول ماڈل اساتذہ کے چند واقعات پیش خدمت ہیں۔

حدیث کی مشہور کتاب بخاری شریف کے مصنف امام محمد بن اسماعیل بخاری کے بارے میں احمد بن حفص کہتے ہیں کہ میں ان کی وفات کے وقت حاضر خدمت ہوا تو فرمانے لگے۔ مجھے اپنے تمام سامان میں کسی بھی ایک درہم کے مشتبہ ہونے کا علم نہیں۔(2)

2.6.4.1) امام احمد بن حنبلؒ

امام احمد بن حنبلؒ نے غربت اور تنگی میں گزر بسر کی تھوڑی سی جائیداد چند دکانوں کی شکل میں

---

1) البقرہ:168

2) ابن الحسن عباسی۔ صفحہ 111

تھی اسی کے کرایہ سے گزر بسر کرتے تھے۔ ساری زندگی کسی سے تحفہ یا ہدیہ یا عطیہ قبول نہیں کیا ساری زندگی قرض نہیں لیا، ہاں رقم کی ضرورت پڑی تو مزدوری کر لی۔ آپ حاکمانِ وقت و خلفاء کے مال کو مسلمانوں کا حق سمجھتے تھے اور انتہائی کوشش کرتے تھے کہ یہ مال قبول نہ کرنا پڑے ان کے ہاں یہ مال مشکوک تھا حرام نہیں مگر احتیاط کا یہ عالم تھا کہ ایک کھانے میں ان کے دستر خوان پر بیٹے کے گھر کے تندور کی پکی ہوئی روٹی آ گئی۔ آپ نے اسے بھی کھانے سے انکار کر دیا کیونکہ ان کے بیٹے نے خلیفہ کا ہدیہ قبول کر لیا تھا۔ لہٰذا بعد میں زندگی بھر بیٹے کے دستر خوان سے کھانا نہیں کھایا ان کے بیٹے صالح بن احمد نے جو کہ بہت عالم و فاضل تھے اپنی کثرت عیال کے سبب سرکاری عہدۂ قضا قبول کر لیا تھا۔

امام احمد بن حنبل حدیث کے استاد تھے اور ایک دنیا ان کا احترام کرتی تھی ان کی عزیمت و ہمت ضرب المثل ہے۔ آپ نے جو علمی جہاد کیا اس کے اثرات مسلم تاریخ پر بہت گہرے ہیں۔ آپ عالم باعمل تھے۔ فرماتے ہیں میں نے رسولؐ کی کوئی حدیث نہیں لکھی جس پر خود عمل نہ کیا ہو۔(1)

آپ کے حلقہ درس میں ایک وقت میں پانچ پانچ ہزار سامعین ہوتے تھے جن میں سے پانچ صد لوگ ایسے ہوتے تھے جو کہ آپ کے درس کو باقاعدہ قلم و دوات لے کر احاطہ تحریر میں لاتے تھے۔ آپ نے تقریباً ایک سو اساتذہ سے کسب فیض کیا۔

جب آپ نے وفات پائی تو آپ کے جنازہ میں آٹھ لاکھ اشخاص موجود تھے۔ آپ ہمیشہ رزق حلال کی جستجو میں رہتے تھے۔ ہر مشتبہ چیز کو خواہ وہ کم ہو یا زیادہ ترک کر دیتے تھے۔ آپ کا خیال تھا کہ حلال خالص پر اکتفا کرنا جو ہر طرح کے شک و شبہ سے پاک صاف ہو انسانیت کا سب سے بڑا مرتبہ ہے۔ اس پر صرف وہی لوگ فائز ہو سکتے ہیں جو لوگ برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتے ہوں۔(2)

2.6.4.2) امام شافعی کا کردار

"اے اللہ امام شافعیؒ کی عمر میں برکت عطا فرما!"۔

1) ابو زہرہ مصری۔ صفحہ 172

2) ابو زہرہ مصری۔ صفحہ 169

یہ دعا احمد بن حنبلؒ ہر نماز کے بعد مانگا کرتے تھے۔ وہ خود کہتے تھے کہ میں نے جب سے امام شافعیؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا ہے، میں نے کوئی نماز بھی ایسی نہیں پڑھی جس کے بعد میں نے اپنے اُستاد امام شافعیؒ کے لئے دعا نہ کی ہو۔ ابن حنبل کی نوعمر بیٹی عرصے سے اپنے باپ کا یہ عمل دیکھ رہی تھی۔ اس کے لئے یہ بات انتہائی حیرت کا باعث تھی کہ اس کے والد جن کی زندگی غیر معمولی طور پر عبادت اور انابت الی اللہ میں گزرتی ہے اور جن کے دن علم حدیث کی تدریس و ترویج میں اور راتیں رب کے حضور گریہ وزاری میں گزرتی ہیں، ان دو مشاغل کے علاوہ اس کے والد کو کسی اور چیز سے دلچسپی نہیں تو آخر امام شافعیؒ کس درجے کے عبادت گزار انسان ہوں گے کہ جن کے لئے اس کے والد ہر نماز کے بعد دعا کرتے رہتے ہیں۔

امام شافعیؒ ان دنوں قاہرہ میں قیام پذیر تھے جب کہ ابن حنبل بغداد میں۔ بغداد سے قاہرہ کا فاصلہ سینکڑوں میل کا تھا کہ ایک لڑکی کے لئے امام شافعیؒ کی زیارت کرنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ انہی دنوں ابن حنبل کو امام شافعیؒ کا پیغام آیا کہ میں بغداد میں آنا چاہتا ہوں۔ اس لئے کہ بغداد میں ایک محدث کے علم میں ایک حدیث ہے اور میں ان سے براہ راست حدیث کی سماعت کرنا چاہتا ہوں۔ ان بزرگوں کی عمر اتنی ہوگئی ہے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ اس عالم فانی سے کوچ نہ کر جائیں۔ امام شافعیؒ نے لکھا تھا کہ ان کا قیام احمد بن حنبلؒ کے گھر پر ہوگا۔ امام شافعیؒ کے پیغام کو موصول ہوئے ایک ماہ سے زیادہ مدت گزر چکی تھی۔ اپنے استاد کی آمد کا انتظار جہاں احمد بن حنبلؒ کے لئے باعث اضطراب تھا وہاں ان کی بیٹی کا امام شافعیؒ کی زیارت کا اشتیاق بھی دیدنی تھا کہ وہ دیکھے کہ آخر امام شافعیؒ میں ایسی کون سی خصوصیات ہیں کہ اس کے والد ہر نماز میں ان کی درازی عمر کی دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔

ایک طویل مسافت طے کرنے کے بعد بالآخر امام شافعیؒ کا بغداد میں نزول ہوا اور وہ احمد بن حنبلؒ کے گھر میں قیام پذیر ہوئے۔ احمد بن حنبلؒ نے بیٹی کو خصوصی ہدایات دیں کہ وہ مہمان کا خاص خیال رکھے تاکہ انہیں کسی قسم کی تکلیف کا سامنا نہ ہو۔ بیٹی تو خود اس بات کی متمنی تھی کہ قریب سے امام شافعیؒ کو دیکھے کہ وہ کس پائے کے عبادت گزار اور اللہ والے ہیں۔

شام کو امام شافعیؒ دسترخوان پر بیٹھے تو بچی نے اس بات کا دھیان رکھا کہ وہ کھانا کتنا کھاتے

ہیں۔اس لئے کہ اس نے دیکھا تھا کہ اس کے والد ہمیشہ تھوڑا کھاتے تھے۔اس نے یہ بھی سنا ہوا تھا کہ اللہ والے بہت تھوڑا کھاتے ہیں۔لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ امام شافعیؒ نے خوب ڈٹ کر کھانا کھایا۔نماز عشا امام شافعیؒ نے مسجد میں احمد بن حنبلؒ کے ساتھ پڑھی۔واپس آ کر آرام کی غرض سے بستر پر دراز ہو گئے۔بنت احمد وقفے وقفے سے اپنے والد کے کمرے کا جائزہ لیتی رہی کہ اس کے والد تو مصلے پر کھڑے رب کے حضور مناجات اور گریہ وزاری میں مصروف ہیں جب کہ امام شافعیؒ بستر پر دراز محو استراحت ہیں۔اسے خیال ہوا کہ شاید آج سفر کی تھکن کے باعث سوئے ہیں،تہجد میں اٹھیں گے۔لیکن امام شافعیؒ تہجد میں بھی نہیں اٹھے۔فجر کی اذان ہوئی لیکن وہ بیدار نہیں ہوئے۔جب اس کے والد نماز فجر کے لئے مسجد جانے لگے تو انہوں نے آواز دی:

"شیخ جماعت تیار ہے،تشریف لے چلئے۔"

"اللہ اکبر" یہ کہتے ہوئے امام شافعیؒ نے چادر اتار پھینکی اور بغیر وضو کئے ابن حنبل کے ساتھ مسجد کی طرف چل دیئے اور وضو کا پانی جوان کے لئے رکھا گیا تھا،جوں کا توں رکھا رہا۔

بنت احمد حیرانی سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ معلوم نہیں کیا معاملہ ہے۔ میرے والد کے یہ استاد کیسے ہیں کہ رات کو کھانا بھی خوب کھایا اور ساری رات سوئے رہے اور صبح بغیر وضو کے مسجد چلے گئے۔اعمال اور اشغال میں تو یہ کسی عام آدمی کی سطح سے بلند نظر نہیں آتے۔ آخر میرے والد ان کے کس عمل کی وجہ سے ان کے گرویدہ ہیں کہ ہر وقت ان کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں؟ یہ سوال اس کے ذہن میں کلبلا رہا تھا۔

نماز فجر کے بعد احمد بن حنبل مسجد میں بیٹھے ذکر واذکار میں مصروف رہے اور سورج نکلنے کے بعد اشراق کے نوافل ادا کر کے گھر لوٹے جب کہ امام شافعیؒ نماز فجر کی ادائیگی کے بعد ہی گھر واپس آ گئے تھے اور بستر پر دراز تھے۔جب انہیں ناشتہ پر بلایا گیا تو وہ ناشتہ کے لئے آ کر بیٹھ گئے۔

بنت احمد سوچ رہی تھی کہ اگر یہ واقعی بزرگ ہیں تو ان کے اندر یہ باتیں کیوں ہیں اور اگر ان کے اندر یہ باتیں ہیں تو پھر یہ بزرگ کس طرح کے ہیں۔

"شیخ رات کیسی گزاری؟ ٹھیک طرح سے نیند آئی؟" احمد بن حنبلؒ نے ایک نوالہ توڑتے ہوئے اپنے مہمان سے پوچھا۔

"رات تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرام سے آرام سے گزری لیکن" احمد بن حنبلؒ کی سوالیہ نظریں امام شافعیؒ کے چہرے پر ٹِک گئیں۔

"لیکن میں سویا ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں۔" امام شافعیؒ نے بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

"کیا وجہ ہوئی؟" ابن حنبل نے فکر مند لہجے میں سوال کیا۔

"رات جب آپ نے عشاء کی نماز پڑھائی تو آپ نے سورۂ بقرہ کی یہ آیت تلاوت کی تھی۔ **وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الیٰ میسرۃ** "اور اگر مقروض آدمی تنگ حال ہو تو اسے اس کی خوش حالی تک مہلت دے دو" اس آیت مبارکہ کو سن کر میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ اس آیت سے تو اسلام کا قانونِ افلاس اخذ ہوتا ہے۔ پھر میں نے مزید غور کیا تو میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ اس قانونِ افلاس کی بنیاد اخلاقی اصول پر ہے۔ پھر مجھے خیال آیا کہ اس سے تو یہ حکم بھی نکلتا ہے، اس کے بعد خیال آیا کہ اس سے تو یہ فلاں قانونی شق بھی نکلتی ہے"۔ امام شافعیؒ نے اس آیت سے اخذ ہونے والے سینکڑوں مسائل بتانے شروع کر دیئے۔ وہ بیان کرتے گئے اور احمد بن حنبلؒ سنتے چلے گئے۔ "جب میں ایک سو آٹھویں مسئلہ پر پہنچا تو تم نے مجھے نماز فجر کے لئے آواز دے دی"۔

بنت احمد جامد و ساکت سنے جا رہی تھی۔ اسے اب معلوم ہوا کہ امام شافعیؒ کی ایک رات اس کے والد کی ہزاروں راتوں پر بھاری ہے۔ اس لئے اس کے والد کی عبادت کا تعلق ان کی اپنی ذات سے ہے جب کہ امام شافعیؒ کی کاوشیں پوری امت کی رہنمائی اور بھلائی کے لئے ہیں لیکن بنت احمد کے ذہن میں ایک سوال اب بھی سر اٹھائے کھڑا تھا۔ "یہ اتنا زیادہ کیوں کھاتے ہیں؟"

ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ اس کے والد نے امام شافعیؒ سے پوچھا: "آپ کا سفر کیسا رہا؟"

"سفر میں تھوڑی سی پریشانی رہی" امام شافعیؒ نے انگلیاں چاٹتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ "اس لئے کہ جب میں قاہرہ سے روانہ ہوا تو میرے پاس درہم و دینار کی جو تھیلی تھی، وہ راستے میں گم ہو گئی۔ اب میرے سامنے دو ہی صورتیں تھیں ایک یہ کہ قاہرہ واپس چلا جاؤں اور دوبارہ زادِ سفر کا انتظام کر کے آؤں۔ اس صورت میں قافلہ چھوٹ جاتا اور جس محدث کی خدمت میں پہنچنا مقصود تھا، وہ چراغ سحری ہیں، نہ معلوم کب یہ چراغ گل ہو جائے۔ دوسری صورت یہ تھی کہ اللہ کا

نام لے کر روانہ ہو جاؤں، جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ میں نے دوسری صورت پر عمل کرنے کو ترجیح دی" امام شافعیؒ نے کچھ دیر توقف کیا اور پھر گویا ہوئے "میرے قافلے کے ساتھیوں نے میری بہت عزت اور خدمت کی لیکن مجھے ان کی آمدنی کے جائز ہونے پر شرح صدر حاصل نہ تھا۔ اس صورت میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ جب انسان کی جان پر بن جائے تو مشکوک آمدنی میں صرف بقدرِ ضرورت کھایا جا سکتا ہے۔ اس لئے میں نے تیسرے چوتھے دن ان سے بقدرِ ضرورت کھانا قبول کیا اور پورے سفر میں ایک مرتبہ بھی شکم سیر ہو کر کھانا نہ کھا سکا۔

آج پہلی مرتبہ آپ کے دستر خوان پر مجھے حلال اور جائز آمدنی کا کھانا ملا ہے۔ میں نے ہمیشہ یہ محسوس کیا ہے کہ رزق حلال میں ایک خاص نور ہوتا ہے جس کا اندازہ دستر خوان پر بیٹھتے ہی ہو جاتا ہے۔ آج تمہارے دستر خوان پر مجھے جتنا نور نظر آیا اتنا کسی دستر خوان پر کبھی نظر نہیں آیا۔ اس لئے میں نے آج نور سے پورا پورا استفادہ کیا"۔

یہ سن کر یحیٰ کے دل میں امام شافعیؒ کی قدر و منزلت اور زیادہ بڑھ گئی۔

امام شافعیؒ نے بغداد میں چند دن کے لئے قیام کیا۔ اس دوران ان سے ملنے کے مشتاقان و تشنگانِ علم کا تانتا بندھا رہا۔ بالآخر ایک صبح وہ عازم مصر ہوئے۔(1)

2.6.5) علم پر عمل

حصول علم فرض عین ہے۔ علم حاصل کرنے کے بعد اگر اس پر عمل نہ کیا جائے تو اس سلسلہ میں اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کئی وعیدیں آئی ہے۔ علم و عمل کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اساتذہ نے جہاں علم کی ترویج کی تعلیم دی وہاں خود عمل کر کے دکھایا۔

فرمان ربی ہے کہ: "اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔ اللہ کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ حرکت ہے کہ تم کہو وہ بات جو کرتے نہیں"۔(2)

سورۃ الجمعہ میں یوں آیا ہے کہ "جن لوگوں کو تورات کا حامل بنایا گیا تھا مگر انہوں نے اس کا

---

1) فرزندِ حرم، ص 212 تا 214

2) الصف: 2،3

بار نہ اُٹھایا، اُن کی مثال اس گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں"۔(1)

آنحضرت ﷺ نے علم حاصل کر کے اس پر عمل نہ کرنے والوں کے بارے میں بہت سی وعیدیں فرمائی ہیں۔ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ دو آدمیوں نے میری کمر توڑ ڈالی۔ ایک جاہل عبادت گزار اور بے عمل عالم"۔

ڈاکٹر یوسف قرضاوی اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں کہ "ہزار آدمی کے مقابلے میں ایک آدمی کا کردار، ایک آدمی کے مقابلے میں ہزار آدمی کی گفتگو سے زیادہ مؤثر ہے"۔(2)

مزید ایک شاعر کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "اے گروہِ علماء، اے وہ لوگو جو زمین کا نمک ہو، جب نمک ہی خراب ہو جائے تو نمک کو درست کرنے والی کون سی شے ہے؟"

اسلام علم حاصل کرنے اور اُس پر عمل کرنے پر زور دیتا ہے۔ تمام انبیاء، صحابہ اور اماموں نے جو علم حاصل کیا اُس پر عمل ضرور کیا۔

رول ماڈل اساتذہ کے چند واقعات پیش خدمت ہیں۔

2.6.5.1) عمل پر علم کی فضیلت کی پانچ وجوہ

علم کو عمل پر پانچ وجوہ سے فضیلت حاصل ہے۔

- ✷ علم، عمل کے بغیر بھی حاصل ہو جاتا ہے لیکن عمل علم کے بغیر نہیں ہو سکتا۔
- ✷ علم، عمل کے بغیر بھی نفع پہنچا سکتا ہے، لیکن عمل، علم کے بغیر کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا۔
- ✷ علم چراغ کی مانند خود روشنی ہے اور عمل علم کی روشنی ہی سے روشن ہوتا ہے۔
- ✷ علم انبیاء کا مقام ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا "میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کے مانند ہیں۔"
- ✷ علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور عمل بندوں کی صفت ہے اور اللہ کی صفت بندوں کی صفت سے افضل ہے۔

---

1) الصف:5

2) صفحہ 123

2.6.5.2) امام غزالی

امام غزالی احیا العلوم میں فرماتے ہیں کہ جو شخص علم حاصل کرے اور عمل کرے اور لوگوں کو علم سکھائے تو ایسے شخص کو زمین و آسمان کی ملکوت میں عظیم کہا کرتے ہیں اس کا حال آفتاب کی طرح ہے کہ دوسروں کو روشنی دیتا ہے اور خود بھی روشن ہے یا مشک کی طرح ہے جو کہ دوسروں کو معطر کرتا ہے اور خود بھی خوشبو ہے جو شخص دوسروں کو پڑھاتا ہے اور خود علم کے باوجود عمل نہیں کرتا اس کا حال دفتر (رجسٹر) کا سا ہے کہ دوسروں کو اس سے فائدہ ہوتا ہے اور خود علم سے خالی ہے یا سان کی طرح ہے جو کہ لوہے کو تیز کر دیتی ہے مگر خود نہیں کاٹ سکتی یا سوئی کی طرح ہے کہ دوسروں کے لئے لباس تیار کرتی ہے اور خود ننگی رہتی ہے یا چراغ کی بتی کی طرح ہے کہ دوسروں کو روشنی دیتی ہے اور خود جلتی ہے۔ مزید فرماتے ہیں کہ استاد اپنے علم کے مطابق عمل کرے کیونکہ علم تو دل کی آنکھ سے معلوم ہوتا ہے اور عمل ظاہر کی آنکھ سے۔

2.6.5.3) سری سقطیؒ

حضرت سری سقطیؒ ایک روز صبر کے موضوع پر اپنے طلباء، مریدین اور عوام سے گفتگو فرما رہے تھے۔ ایک بچھو آپ کے کپڑوں میں گھس گیا اور اس نے آپ کو کئی ڈنگ مارے۔ شدید تکلیف ہوئی مگر آپ برداشت کر گئے۔ محفل ختم کر کے آپ نے بچھو کو مارا۔ حاضرین نے پوچھا حضرت آپ نے اس کو پہلے کیوں نہ اپنے جسم سے ہٹا دیا جس وقت کہ اس نے آپ کو ایذا دی تھی۔ آپ نے فرمایا میں صبر کے موضوع پر گفتگو کر رہا تھا مجھے شرم آئی کہ لوگوں کو صبر کا مفہوم سمجھاؤں اور خود اس پر عمل نہ کروں۔(1)

2.6.5.4) ترکِ تدریس اور ملازمت پر ملامت

اساتذہ تدریس کے پیشہ کو لائق عزت اور عبادت سمجھ کر کرتے رہے ہیں اور شاہوں کے دربار سے دوری اختیار کرتے رہے ہیں۔ بقول سید سلیم صاحب ایک استاد اسماعیل بن علیہ نے تدریس کا کام ترک کر دیا اور سرکاری ملازمت قبول کر لی وہ تحصیل دار مقرر ہو گئے ان کے اس فعل

1) حکایات کا انسائیکلو پیڈیا۔ صفحہ 66

پر امام ابو حنیفہ کے شاگرد اور امام بخاری کے استاد عبداللہ بن مبارک نے تنقید کی اور اس مضمون کے اشعار لکھ کر بھجوائے۔

"اے علم کو باز بنا کر غریبوں کا مال شکار کرنے والے۔ دنیا اور اس کی لذتوں کے لئے تو نے ایسا حیلہ تراشا ہے جو سارے دین کو لے ڈوبے گا۔ دنیا کی محبت میں تو مجنوں بن گیا ہے حالانکہ کل تک تو جنوں کی دوا تھا۔ ابن عونؒ اور ابن سیرین سے تیری روایتیں اب کہاں گئیں؟ وہ تیری علمی سرگرمیاں اور بادشاہوں کے آستانوں سے بیزاری اب کیا ہوئی تو کہتا ہے میں مجبور ہو گیا ہوں یہ غلط ہے بلکہ علم کا گدھا دلدل میں پھنس گیا ہے۔ گمراہ راہبوں کی طرح دین دے کر اس کے بدلے دنیا طلب نہ کرو"۔(1)

2.6.5.5) امام احمد بن حنبل اور رد عمل

امام احمد بن حنبل حدیث کے مشہور استاد تھے آپ نے المسند، التاریخ، الناسخ والمنسوخ، المقدم والموخر فی کتاب اللہ، فضائل الصحابہ، المناسک الکبیر، المناسک الصغیر اور کتاب الزید لکھی ہیں۔ آپ نے خود فرمایا کہ میں نے ایک بھی ایسی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں لکھی جس پر خود عمل نہ کیا ہو۔ آپ عالم باعمل اور صاحب عزیمت تھے۔

2.6.5.6) حریت فکر، اعلیٰ ظرفی، علم پر عمل کا نمونہ

مدینے کا گورنر جعفر بن سلیمان غصے سے بے تاب گرج رہا ہے۔ انس رضی اللہ عنہ کے بیٹے مالک سے کہہ دو آئندہ یہ فتویٰ نہ دیں کہ جبری طلاق درست نہیں۔ اس سے لوگوں کو یہ سند ہاتھ آتی ہے کہ جبری بیعت نہیں ہو سکتی حالانکہ ابو جعفر منصور مسلمانوں کے خلیفہ ہیں اور ان کی بیعت صحیح ہے، لیکن حضرت امام نے ذرا پروانہ کی اور بدستور یہی کہتے رہے "خلافت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نفس ذکیہ کا حق ہے۔ منصور نے جبراً بیعت لی ہے اور شریعت میں بہ جبر کرائے ہوئے کام کا کوئی اعتبار نہیں، حدیث میں ہے جبری طلاق درست نہیں۔" گورنر مدینہ کا غصہ اور بھڑک اٹھا اور بولا "انس رضی

1) سید محمد سلیم صفحہ 33 یا 34

اللہ عنہ کے بیٹے کو مجرموں کی طرح لایا جائے اور یہ عجیب وغریب مجرم گنہگاروں کی طرح پکڑ کر لایا گیا، کپڑے اتروائے گئے اور جلاد کو حکم دیا گیا کہ ننگی پیٹھ پر ستر کوڑے برسائے جائیں۔

تازہ دم جلاد پوری قوت سے ننگی پیٹھ پر کوڑے برسا رہا تھا، اور مجرم کہہ رہا تھا، میں فتویٰ دیتا ہوں کہ "جبری طلاق درست نہیں"۔

مظلوم کی پیٹھ سے خون بہنے لگا، دونوں ہاتھ مونڈھوں سے اُتر گئے، جلاد ستر کی گنتی شمار کر کے تھک گیا مگر جعفر کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا۔ وہ پھر گرجا۔

اس شخص کو اونٹ پر بٹھا کر مدینے کی گلیوں اور بازاروں میں گھماؤ اور مدینے والوں کو بتادو کہ جبری طلاق کا انکار کرنے والے کی یہی عبرتناک سزا ہے۔

ادھیڑ عمر کا ایک عجیب وغریب مجرم اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھا ہے دونوں ہاتھ مونڈھے سے اترے ہوئے ہیں، پیٹھ سے خون رس رہا ہے۔ حکومت کے کارندے شرم اور گناہ کے بوجھ سے سر جھکائے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں اور وہ کہہ رہا ہے۔ "جو شخص مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہی ہے اور جو نہیں جانتا وہ جان لے کر میں انس رضی اللہ عنہ کا بیٹا مالک ہوں اور یہ فتویٰ دیتا ہوں کہ جبری طلاق درست نہیں"۔

اور جب یہ گشت پورا ہو گیا تو آپ خون میں لتھڑے ہوئے انہی کپڑوں کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں تشریف لائے، پیٹھ سے خون صاف کیا اور اطمینان کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی اور فرمایا حضرت سعید بن مسیبؒ کو جب کوڑے مارے گئے تھے تو انہوں نے بھی اسی طرح مسجد میں آ کر دو رکعت نماز پڑھی تھی۔

منصور کو معلوم ہوا تو اس نے امام صاحب کو معذرت کا خط لکھا کہ "نہ میں نے اس سزا کی اجازت دی تھی اور نہ میرے علم میں تھا کہ آپ کے ساتھ یہ زیادتی کی جارہی ہے میں نے حکم دیا ہے کہ جعفر کو گدھے پر سوار کر کے ذلت کے ساتھ مدینے سے بغداد لایا جائے۔

پھر جب دوسرے سال منصور حج کے ارادے سے حجاز آیا تو اس نے چاہا کہ والی مدینہ جعفر سے قصاص لیا جائے۔ امام مالکؒ کو معلوم ہوا تو فرمایا: مالک آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے قصاص نہیں لے سکتا اور فرمایا میری پیٹھ پر جب کوڑا پڑتا تھا میں اسی وقت جعفر کو معاف کر دیتا تھا کہ یہ

رسول ﷺ کی اولاد میں سے ہیں اور ان کو رسول ﷺ سے رشتے کا شرف حاصل ہے۔(1)

2.6.5.7) بے عمل عالم

✷ حضرت شعبی رحمتہ اللہ علیہ بہت بڑے فقیہ اور محدث گزرے ہیں، حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے اپنے دور میں ان کو قاضی مقرر کیا تھا۔ ان کا بیان ہے کہ قیامت میں حساب کتاب کے بعد جنتی لوگ بعض دوزخیوں کو دیکھ کر تعجب کریں گے اور پوچھیں گے۔ ارے تم لوگ یہاں کیسے؟ تمہارے ہی سمجھانے بجھانے اور نصیحت کرنے سے تو ہم جنت میں پہنچے۔ دوزخی جواب دیں گے، ہاں بھئی تم سچ کہتے ہو، ہم تمہیں تو سمجھاتے تھے، نصیحت کرتے تھے، لیکن خود عمل نہیں کرتے تھے۔

✷ ایسے ہی عالم سے خطاب کرتے ہوئے حضرت ابوالاسود الدوئلیؒ نے خوب کہا ہے ”تم بیماروں کے لئے شفا کے نسخے تجویز کرتے ہو، حالانکہ تم خود ہی بیمار ہو۔“

✷ ہماری عقلوں میں نصیحتوں کے جوڑ لگاتے ہو اور حال یہ ہے کہ تم خود ہدایت سے محروم ہو۔ ایک اور بزرگ حضرت منصور رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

”جو لوگ ہمیں بھلائیوں کا حکم دیتے ہیں اور خود کورے ہیں، وہ حقیقت میں دیوانے ہیں، اگرچہ بظاہر وہ دیوانوں کی طرح ہم پر حملہ نہیں کرتے۔“

✷ حضرت عبداللہ ابنِ مسعودؓ مشہور صحابی ہیں۔ صحابہؓ ان کے علم کی بہت قدر کرتے تھے۔ ایک بار آپ نے فرمایا باتیں بنانا تو سب جانتے ہیں، لیکن اچھا آدمی وہی ہے جس کے قول و عمل میں فرق نہ ہو، جو کہتا ہو وہی کرتا ہو، بڑھ بڑھ کر باتیں بنانے والا اور عمل میں پیچھے رہنے والا حقیقت میں اپنا ہی منہ چڑاتا ہے۔(2)

2.6.5.8) علم پر عمل

امام احمد بن حنبلؒ بہت بڑے عالم گزرے ہیں۔ بغداد میں پیدا ہوئے۔ حدیث سیکھنے کے لئے انہوں نے بہت دور دراز کے سفر کئے۔ حدیث کی ایک کتاب لکھی جو بہت مشہور ہے اور جس میں

1) اسلاف کے سنہرے واقعات، ص 113، 114

2) اسلاف کے سنہرے واقعات۔ صفحہ 32

تیس ہزار حدیثیں ہیں۔ یہ بہت ہی نیک اور باعمل عالم تھے۔ ایک بار آپ فرمانے لگے کہ میں نے اپنی کتاب میں جو حدیث بھی لکھی ہے، اس پر عمل ضرور کیا ہے، یہاں تک کہ میں نے اس حدیث پر بھی عمل کیا کہ "اللہ کے رسول ﷺ نے حجام سے پچھنا لگوایا اور اس کو ایک دینار دیا۔ (1)

2.6.5.9) علم وعمل

حضرت سید علی ہجویری عرف داتا گنج بخشؒ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد طائی ؒ نے بہت علم حاصل کر لیا تو ایک دن حضرت ابو حنیفہ کے پاس آئے اور دریافت کیا کہ بتائیے اب کیا کروں امام صاحب نے جواب دیا کہ اب تم اپنے علم پر عمل کو لازم کر لو کیونکہ بغیر عمل کے علم ایسا ہے جیسا کہ بغیر روح کے جسم جو شخص محض علم پر قناعت کرے وہ عالم نہیں ہوتا علم بغیر عمل کے مفید نہیں رہتا اس لئے کہ علم عمل کی میراث ہے کسی بھی صورت میں علم عمل سے جدا نہیں ہو سکتا۔ (2)

2.6.6) مثالی اساتذہ کا طریقۂ تدریس

طریقۂ تدریس تعلیمی عمل کی بنیاد ہے۔ یہ استاد کو پیشہ وارنہ مہارت بخشتا ہے اور اس کی بدولت تدریس مؤثر ہو جاتی ہے۔ طالب علم تمام عمر اساتذہ کے طریقۂ تدریس کا ذکر ذوق شوق سے کرتے ہیں۔ رول ماڈل اساتذہ اپنے اسباق کو بہترین طریق سے پڑھاتے ہیں۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

2.6.6.1) طریقۂ اعادہ وآموختہ

طریقۂ تدریس اور طالب علم کی کامیابی وتحصیل کے حوالہ سے گیلانی صاحب رقمطراز ہیں کہ اُس دور میں اعادہ اسباق کا طریق رائج تھا۔ میر سید شریف جرجانی پڑھنے کے لئے علامہ قطب الدین رازی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ علامہ صاحب نے قطبی کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی۔ علامہ صاحب بوڑھے ہو چکے تھے اُنہوں نے بڑھاپے کا عذر پیش کیا اور میر صاحب کو اپنے ایک شاگرد مبارک شاہ کے پاس مصر بھجوا دیا۔

1) اسلاف کے سنہرے واقعات۔ ص......
2) سید علی ہجویری، کشف المحجوب۔ صفحہ 89

یہ مبارک شاہ علامہ قطب الدین کے غلام تھے۔ بچپن سے اُنہوں نے مبارک شاہ کو پالا پوسا اور پڑھایا۔ حتیٰ کہ مبارک شاہ مدرس ہو گئے اور ہر علم میں فاضل لوگ عام طور پر اُن کو مبارک شاہ منطقی کے نام سے موسوم کرتے تھے۔

میر صاحب مصر پہنچے اور مبارک شاہ کے پاس حاضری دی لیکن خدا جانے کیا صورت پیش آئی کہ مبارک شاہ نے میر صاحب کو صرف درس میں بیٹھنے اور سننے کی اجازت دی۔ سوالات پوچھنے اور قرأت کرنے کی اجازت نہ تھی۔ ایک رات کو مبارک شاہ یہ دیکھنے کے لئے آئے کہ طلبہ کیا کر رہے ہیں۔ میر صاحب جس حجرے میں رہتے تھے وہاں سے اعادہ کی آواز آ رہی تھی۔ میر صاحب کہہ رہے تھے۔ کتاب کے مصنف نے اس مسئلہ کو ایسے تحریر کیا ہے؟ اور استاد نے اس کو یوں بیان کیا ہے؟ اور میں اس مسئلہ کو یوں بیان کرتا ہوں۔ استادِ محترم ٹھہر گئے کان لگا کر سنتے رہے۔ میر سید شریف جرجانی کا انداز اتنا موثر اور دل پذیر تھا کہ استاد کو جو مسرت اور خوشی حاصل ہوئی اس کی بناء پر مدرسہ کے صحن میں خوشی سے ناچنا شروع کر دیا۔(1)

2.6.6.2) عملی طریقہ

25ھ میں قرآن مجید کی تدوین اور کوفی خط میں کتابت کا آغاز ہوا۔ کافی عرصہ تک قرآنی کتابت اِسی خط میں بغیر کسی تبدیلی کے جاری رہی۔ حروف پر نقطے اور اعراب نہ تھے۔ حضرت علیؓ پہلے مجتہد نظر آتے ہیں جنہوں نے اپنے ایک شاگرد اور اُس وقت کے ماہر لسانیات وخطاط، ظالم بن عمر بن سفیان (تابعی) ابوالاسود دؤلی کو زبان وتحریر اور خط کی اصلاح پر مامور کیا۔ ابوالاسود نے رسم الخط میں اصلاح کر کے قرآن شریف میں اعراب لگائے۔ جس کا مقصد عجمیوں کی تلاوتِ قرآن کے سلسلہ میں مشکلات کا ازالہ تھا۔

محمد یاسین شیخ، عبدالرزاق کانپوری کے حوالہ سے تدریس کے عملی طریقہ (Learning by Doing) جسے آج کے دور میں ایکٹویٹی میتھڈ بھی کہتے ہیں کے بارے میں دلچسپ واقعہ نقل کیا ہے۔ ابوالاسود نے عربی زبان کے قواعد مرتب کرتے وقت بہت زیادہ انحصار اسی طریقہ پر کیا۔

---

1) مفتاح، ص 247۔ مناظر حسین گیلانی، ص 238، 239

2) تاریخ خطاطی، ص 73

انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے کچھ دنوں بعد ہی یہ قواعد مرتب کرنا شروع کر دیئے تھے۔ ان کا طریقہ بہت دلچسپ تھا اور آج بھی صرف بیان کیا جائے تو پوری کیفیت نگاہوں کے سامنے آ جاتی ہے اور سننے والا اس پر حرف بحرف عمل کر سکتا ہے۔ انہوں نے الفاظ کی ترتیب کے وقت کاتب کو یہ ہدایت کی کہ تم میرے لبوں کی حرکت کو دیکھا کرو۔ میں جب کوئی لفظ بولوں تو اس کی طرزِ ادا کا خیال رکھو جس حرف کے ادا کرنے سے منہ کھلا رہے پر ایک نقطہ لگا دو جس حرف میں دونوں لب کناروں سے ملے ہوں اور ایک حلقے کی صورت میں نظر آئیں تو حرف کے دائیں جانب نقطہ دے دو اور اگر میرا منہ لٹکا ہوا ہو اور نیچے کا لب ٹھوڑی کی طرف جھکا ہوا ہو تو اس حرف کے نیچے نقطہ لگا دو۔ پھر آپ بولتے گئے اور کاتب ویسے ہی عمل کرتا گیا۔ (صفحہ۔170)

یاد رہے کہ اُس وقت عرب میں کوفی رسم الخط جاری تھا جس پر نقطے زیر زبر یا پیش و دیگر اعراب نہیں ہوتے تھے۔ یہ رسم الخط 120ھ تک مسلمان ملکوں میں رائج رہا، بعد میں متروک ہو گیا۔

2.6.6.3) عملی طریق تدریس

سردارانِ جنت حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کہیں مسجد میں گئے تو دیکھا کہ ایک شخص وضو کر رہا ہے مگر وضو کا طریقہ درست نہ تھا نہ ہی اس نے پورا وضو کیا۔ آپ حضرات اُسے سمجھانا چاہتے تھے وہ شخص بزرگ تھا اور خانوادۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شہنشاہ اُسے شرمندہ بھی نہ کرنا چاہتے تھے اگر اُسے ٹوکتے تو شرمندگی کا امکان تھا۔ لہٰذا ایک صاحب نے آگے بڑھ کر مردِ بزرگ سے کہا کہ یہ میرا بھائی اور کہتا ہے کہ مجھ سے بہتر اور صحیح وضو کر سکتا ہے ہم دونوں آپ کو جج مانتے ہیں آپ کے سامنے وضو کرتے ہیں آپ ملاحظہ فرمائیں اور پھر فیصلہ دیں۔

پھر آپؓ دونوں نے تمام ارکان کے ساتھ باری باری وضو کیا وہ شخص دیکھتا رہا اور سمجھ گیا کہ مجھے وضو کا درست طریقہ سکھایا جا رہا ہے۔ آخر اس نے کہا آپ کے درست طریقہ سے وضو سکھانے کا شکریہ۔ میں اب جان گیا ہوں کہ درست وضو کیسے کیا جاتا ہے۔ اب میں وضو کرتا ہوں آپ میری رہنمائی فرمائیں۔ (1)

---

1) اسلامی حکایات۔ صفحہ 37

2.6.6.4)لاعلمی کا اعتراف

✷ قاسم ابن محمدؒ بڑے عالم گزرے ہیں،عراق والوں میں ان کے علم کا بڑا چرچا تھا، دور دور سے لوگ ان سے مسئلے پوچھنے آتے لیکن جو بات معلوم نہ ہوتی تو صاف کہہ دیتے میں نہیں جانتا اور ذرہ برابر شرم نہ کرتے۔

ایک مرتبہ ایک شخص بڑی امیدوں کے ساتھ ان کی خدمت میں ایک مسئلہ پوچھنے کے لئے حاضر ہوا لیکن آپ نے صاف کہہ دیا مجھے نہیں معلوم۔ وہ شخص بہت مایوس ہوا اور کہنے لگا حضرت میں تو بڑی امید لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ مجھے مایوس نہ کیجئے۔

"فرمایا بھائی! تم میری لمبی داڑھی دیکھ کر اور طالب علموں کی بھیڑ دیکھ کر یہ نہ سمجھو کہ میں سب کچھ جانتا ہوں۔ خدا کی قسم میں تمہاری بات کا جواب نہیں جانتا۔"

ابن محمدؒ کی یہ باتیں ایک قریشی سردار سن رہے تھے، فوراً بول اٹھے، بھتیجے! پوچھنے والے کو جواب دیئے بغیر نہ لوٹاؤ۔ وہ بڑی امید لے کر تمہارے پاس آیا ہے اور میں نے بھی آج سے پہلے تمہارے پاس سیکھنے والوں کی اتنی زبردست بھیڑ نہیں دیکھی ہے، تم نہ بتاؤ گے تو تمہارے بارے میں لوگ کیا رائے قائم کریں گے؟

ابن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے سب کے سامنے بلا جھجک جواب دیا، بھائیو! اگر سب کے سامنے میری زبان کٹ کر گر پڑے تو یہ اس سے کہیں زیادہ مجھے پسند ہے کہ میں بغیر جانے کسی بات کا جواب دوں۔

مدینہ کے امام، قرآن وسنت کے ماہر، فقہ کے عالم، حضرت امام مالکؒ کو کون نہیں جانتا۔ سینکڑوں نے ان سے پڑھا، سینکڑوں نے سیکھا اور ایک دنیا کو اپنے علم سے فائدہ پہنچایا۔ خود ان کا حال یہ تھا کہ جو بات معلوم نہ ہوتی یا جس بات پر پورا اطمینان نہ ہوتا صاف انکار کر دیتے کہ مجھے اس کا جواب نہیں معلوم۔

عبدالرحمن ابن مہدیؒ کہتے ہیں کہ ایک دن مجلس جمی ہوئی تھی، امام مالکؒ درمیان میں تشریف رکھتے تھے کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا۔

''ابو عبداللہ! چھ مہینے ہوئے گھر سے چلا ہوں، بڑی کڑی منزلیں طے کرتا ہوا آپ کے پاس پہنچا ہوں، میری قوم کے لوگوں نے ایک مسئلہ پوچھنے کے لئے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے، اے مدینے کے امام! مجھے اس مسئلہ کا جواب بتا دیجئے کہ میں اپنے لوگوں کو جا کر بتا دوں۔

امام صاحب نے فرمایا۔ پوچھئے کیا پوچھتے ہیں؟ اس شخص نے مسئلہ پیش کیا۔ امام صاحب بہت دیر تک سوچتے رہے، پھر آپ نے سر اُٹھایا اور انتہائی سادگی کے ساتھ فرمایا، بھائی میں تمہارے مسئلے کا جواب نہیں جانتا۔

وہ شخص حیران رہ گیا۔ اس کو ایسا جواب سننے کی ہرگز امید نہ تھی، وہ تو گھر سے یہ سمجھ کر چلا تھا کہ میں وقت کے سب سے بڑے عالم کے پاس جا رہا ہوں جو سب کچھ جانتا ہے، لیکن یہ صاف، سادہ جواب سن کر تو وہ سناٹے میں آ گیا۔

حضرت یہ کیا؟ میں اپنی قوم میں جا کر کیا کہوں گا۔

امام مالکؒ نے فرمایا بھائی اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے، تم جا کر صاف صاف کہہ دینا کہ مالک نے کہا کہ میں اس مسئلہ کا جواب نہیں جانتا۔(1)

امام شعبیؒ سے کوئی سوال پوچھا گیا۔

جواب دیا! مجھے نہیں معلوم۔

سائل نے کہا! آپ عراق کے مفتی اور فقیہہ ہیں اور آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں۔ یقیناً آپ کو اپنے اس جواب سے شرم محسوس ہو رہی ہوگی۔

آپؒ نے جواب دیا! فرشتے تو اس وقت نہیں شرمائے تھے جب انہوں نے کہا ''ہمیں تو اتنا ہی معلوم ہے۔ جتنا تو نے ہمیں علم سکھا رکھا ہے''۔(2)

حضرت عمرؓ سے سوال کیا جاتا اور آپؓ کو معلوم نہ ہوتا آپ اصحاب بدر کو بلا لیتے۔

حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ جب عالم لا ادری کہنا چھوڑ دیتا ہے تو وہ جاہل بن جاتا ہے۔

---

1) اسلاف کے سنہرے واقعات۔ صفحہ 41

2) سورۃ البقرہ آیت 32

2.6.6.5) حق پسند استاد

عبیداللہ بن حسن عنبری دوسری صدی ہجری کے اکابر علماء واساتذہ میں سے ہیں، وہ بصرہ کے قاضی بھی رہے، ان کے شاگرد عبدالرحمن بن مہدی نے ان سے ایک مسئلہ پوچھا تو انہوں نے اس کا جواب درست نہیں دیا، شاگرد نے کہا ''حضرت! شاید آپ سے غلطی ہوگئی، صحیح جواب یہ ہونا چاہئے'' بڑے علماء اپنی غلطی کی اصلاح سے نہیں شرماتے اور وہ بڑے ہوتے بھی اسی لئے ہیں، بڑا ہونا یہ نہیں کہ غلطی معلوم ہونے کے بعد بھی اسی پر ڈٹا رہا جائے، یہ بڑائی نہیں، ہٹ دھرمی کہلاتی ہے۔ عبیداللہ نے اپنے شاگرد کے صحیح جواب سننے کے بعد بہت ہی کارآمد جملہ ارشاد فرمایا ''آپ چھوٹے ہیں لیکن بات آپ ہی کی درست ہے، میں بھی آپ ہی کے جواب کی طرف رجوع کرتا ہوں اس لئے کہ باطل میں ''سر'' اور ''رئیس'' بننے سے مجھے حق میں ''دُم'' اور ''تابع'' بننا زیادہ محبوب ہے''۔(1)

2.6.6.6) امام شافعیؒ کا طریقہ تعلیم

فرزندِ حرم کے مصنف رقمطراز ہیں کہ:

''فرزند قریش کے روز و شب کے معمولات کچھ اس طرح تھے کہ نماز فجر کے بعد سے طلوع آفتاب کے بعد تک شاگردوں کو درس فقہ دیتے۔ اس کے بعد تعلیم حدیث کا سلسلہ شروع ہوجاتا۔ ناشتے کے وقفے کے بعد مجلس وعظ کا اہتمام ہوتا۔ جس میں اہل علم کے علاوہ عوام الناس کی کثیر تعداد اپنے قلوب واذہان میں یادالٰہی کو تازہ کرنے حاضر ہوتی۔ فرزند قریش دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی ہولناکی کا ذکر اس انداز سے کرتے کہ سنگدل انسانوں کی بھی آنکھیں بھیگ جاتیں اور عیش ولذت کے حریص اہل دنیا کو بھی دنیا اور اس کی دلفریبیوں سے نفرت ہوجاتی۔ اس کا حسن بیان گم کردہ راہ لوگوں کے ذہنوں کو بھی زیروزبر کر کے رکھ دیتا۔ مجلس وعظ کے اختتام پر دیگر علمی تذکرے ہوتے یہاں تک کہ نماز ظہر کا وقت ہوجاتا۔ پھر وہ بارگاہ خداوندی میں سجدہ ریز ہوجاتا۔ اس کی نماز بھی عجیب نماز تھی کہ دیکھنے والوں کو محسوس ہوتا کہ خالق کائنات کے سامنے ہاتھ باندھنے کے بعد وہ کسی اور ہی دنیا میں چلا گیا ہے۔ اللہ کے ایک برگزیدہ بندے ابراہیم بن محمد کہا کرتے تھے:

---

1) حلیۃ الاؔولیاء ج:9۔ص:6

''میں نے شافعی سے بہتر نماز کسی کو پڑھتے نہیں دیکھا۔ شافعی کی نماز مسلم بن خالد کی نماز سے مشابہہ تھی اور خالد کی نماز مسلم بن جریح کی نماز سے مماثل تھی۔ مسلم بن جریح کی نماز عطاء کی نماز سے، عطاء کی نماز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نماز سے اور صدیق اکبر کی نماز رسالت مآب ﷺ کی نماز سے مشابہہ تھی''۔

ظہر کی نماز کے بعد مختصر وقت کے لئے شعر و ادب پر بحث ہوتی اور پھر وہ عصر تک آرام کرنے گھر چلا جاتا۔ عصر سے مغرب تک کا وقت صرف عبادت و ذکر الٰہی کے لئے مخصوص تھا۔ اوقات شب کی تقسیم اس طرح تھی کہ ایک تہائی حصے میں وہ اپنا تحریری کام سرانجام دیتا۔ دوسرے حصے میں اتنا آرام کرتا کہ جس سے انسانی صحت برقرار رہ سکے۔ تیسرے حصے میں رب کے حضور گریہ وزاری کے لئے کھڑا ہو جاتا۔ اکثر لوگوں کی خواہش ہوتی کہ وہ حرم میں نماز کی امامت کرائے لیکن اس کی انکساری اور عاجزی کا یہ عالم تھا کہ وہ یہ کہہ کر ٹال جاتا کہ جب مجھ سے بہتر افراد امامت کے لئے موجود ہیں تو میری کیا ضرورت ہے۔ حالانکہ حجاز مقدس میں اس کار عظیم کے لئے علم و عمل میں اس سے بہتر شخص اور کون تھا۔(1)

انکسار

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں۔ واللہ! اگر طالب علم میرے پاس نہ آسکیں تو میں خود ان کے پاس جا کر ان کو علم سکھاؤں گا۔ ایک شخص نے ان سے کہا یہ طالب علم بغیر نیت کے علم حاصل کرتے ہیں۔ آپؒ نے فرمایا علم حاصل کرنا ہی نیت ہے۔ امام شافعیؒ نے اپنے شاگرد ربیع بن سلیمان سے کہا اگر میں تجھے علم گھول کر پلا سکتا تو ضرور پلاتا۔(2)

2.6.7) اساتذہ کا استغناو محترم شخصیت

کہاں سے تو نے اے اقبال سیکھی ہے یہ درویشی
کہ چرچا بادشاہوں میں ہے تیری بے نیازی کا

---

1) فرزندِ حرم، ص 117، 118

2) محمد حنیف عبدالمجید۔ (2008ء) مثالی استاذ حصہ اول صفحہ (159 (بیت العلم ٹرسٹ کراچی

جب استاد اپنی قوم کی تعلیم اللہ کی رضا کے لئے کرتا ہے تو اس میں خود بخود اللہ کی صفت غنی کا پرتو نظر آنے لگتا ہے اور وہ دنیا سے بے نیازی کا اظہار کرتا ہے۔ ویسے بھی مثالی اساتذہ کی اکثریت مالی لحاظ سے کبھی بھی دولت مند نہیں رہی یہ انسانوں کا وہ طبقہ ہے جس نے اپنے آپ کو قصداً "ارادتاً" دولت دنیا کی دوڑ سے دور رکھا ہے۔ آنحضرت کا فرمان ہے کہ تونگری کثرت مال کا نام نہیں یہ تو دِل کے غنا کا نام ہے۔ اس سلسلہ میں رول ماڈل اساتذہ کے چند واقعات پیش خدمت ہیں۔

2.6.7.1) خلیل احمد فراہیدی

سید محمد سلیم اپنی کتاب میں خلیل احمد فراہیدی کا ذکر فرماتے ہیں کہ وہ بہت ذہین اور کئی علوم میں ماہر اور نئی اختراع کرنے والے استاد تھے۔ اس وقت کے حاکم سلیمان بن مہلب نے اپنے بیٹوں کی تعلیم کے لئے ان کا انتخاب فرمایا اور یہ دعوت دینے کے لئے ایک قاصد آپ کی خدمت میں بھیجا۔ قاصد استادِ محترم کی خدمت میں پہنچا اور امیر سلیمان کا پیغام پیش کیا۔ استادِ محترم نے سوکھی روٹیوں سے قاصد کی تواضع کی اور فرمایا میرے پاس یہی ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں مجھے جب تک یہ سوکھی روٹی ملتی رہے گی۔ مجھے سلیمان کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے۔(1)

2.6.7.2) مولانا غلام علی نقشبندی

ٹونک کے نواب امیر خان نے مولانا غلام علی نقشبندی کی خدمت میں دو گاؤں جاگیر کے طور پر پیش کئے اور شاہی فرمان بھیج دیا۔ مولانا نے نہ صرف یہ جاگیر بطور معافی لینے سے انکار کر دیا بلکہ شاہی فرمان کی پشت پر یہ شعر تحریر کیا۔

ما آبروئے فقر و قناعت نمی دہیم
با میر خاں بگو کہ خداوند رزاق است

یعنی ہم فقر وقناعت کی عزت پر حرف نہیں آنے دیں گے۔ امیر خان کو بتا دیا جائے کہ اللہ تعالیٰ رزق دینے والے ہیں۔ (2)

1) سید محمد سلیم، ص 38، ڈاکٹر احمد شبلی، ص 24
2) بروائت سید محمد سلیم۔ صفحہ 38

2.6.7.3) شیخ علی متقی

سید مناظر احسن گیلانی نے اپنی کتاب میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے حوالہ سے گجرات کے ایک استاد شیخ علی متقی کا واقعہ نقل کیا ہے کہ گجرات کے سلطان بہادر خان زندگی کی سب سے بڑی خواہش تھی کہ شیخ علی متقی اُس کے محل سرا میں تشریف لائیں۔ مگر استادِ محترم راضی نہیں ہوتے تھے۔ سلطان نے اس وقت کے قاضی عبداللہ المندری کو تیار کیا کہ کسی طرح سمجھا بجھا کر شیخ علی متقی کو دربار میں لے آئیں۔ قاضی المندری نے بڑی جدوجہد کے بعد متقی صاحب کو راضی کر لیا کہ وہ دربار میں جا کر سلطان سے مل لیں گے۔ مگر اُنہوں نے شرط یہ رکھی کہ بادشاہ کے ظاہر و باطن میں کوئی اجنبی غیر اسلامی عنصر نظر آئے گا تو میں خاموش نہیں رہوں گا اور برسرِ دربار ٹوک دوں گا۔ سلطان نے شرط منظور کر لی۔ شیخ علی متقی تشریف لائے اور جو جی میں آیا سلطان کے منہ پر کہتے چلے گئے۔ کچھ نصیحتیں کیں اور اُٹھ کر چلے آئے۔

سلطان نے لاکھ دو لاکھ نہیں بلکہ ایک کروڑ گجراتی تنکہ اس ملاقات کی وجہ سے شیخ علی متقی کی خدمت میں اپنے قاضی عبداللہ المندری کے ہاتھ بھجوایا۔

دنیا کے بادشاہ نے یہ خطیر رقم متقی صاحب کو بھجوائی مگر متقی صاحب جو اقلیم علم و دین کے بادشاہ تھے اُن کا عمل دیکھئے یہ ایک کروڑ تنکہ کی خطیر رقم قاضی عبداللہ کے سپرد فرما دی اور فرمایا کہ یہ رقم تمہارے توسط سے ملی ہے اور تمہاری وجہ سے ملی ہے۔ لہٰذا تمہی اس کے مستحق ہو۔

یہ شیخ متقی کی رفعت شان تھی دوسری طرف شیخ متقی کے کام یہ تھے کہ خود سیاہی تیار کرتے تھے اُسے گھوٹتے تھے اور پھر کتابت کرنے والے اور اس دور کے طلبہ میں یہ سیاہی مفت تقسیم فرما دیتے تھے اور اِسے اہل علم کی خدمت تصور فرماتے تھے۔ یاد رہے کہ اُس دور میں سیاہی خود تیار کی جاتی تھی آج کل کی طرح بنی بنائی نہیں ملتی تھی۔

انہی شیخ علی متقی کا ایک دوسرا اور بڑا کارنامہ علمی خدمت کے حوالہ سے شاہ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب اخبار الاخبار میں تحریر فرماتے ہیں کہ آپ ہندوستان سے مکہ معظمہ اور وہاں سے یہاں ہندوستان میں آتے جاتے رہتے تھے۔ آخری عمر میں آپ نے مکہ معظمہ میں رہائش رکھ

لی۔ پوری دنیا سے نادر کتب منگواتے ان کی نقلیں تیار کرواتے جو کہ اُس دور میں ہاتھ سے لکھی جاتی تھیں۔ وہ ضرورت مند طلبہ و اساتذہ کو بطور تحفہ عنایت فرماتے اور تمام اسلامی دنیا میں بھجواتے۔ اس کام کے ساتھ ساتھ آپ مکہ معظمہ میں اپنی تدریسی، تعلیمی و تصنیفی سرگرمیوں میں مشغول رہے۔ نوے سال کی عمر پائی اور حجاج کے قافلوں کی مدد سے تمام عالم اسلام میں علمی خدمت کی کوشش کی۔ یہ وہی شیخ علی متقی ہیں جنہوں نے علامہ جلال الدین سیوطی کی کتاب جمع الجوامع کو بہت آسان اور عام فہم انداز میں افادۂ عام کے لئے پیش کیا۔

ان کا علمی قد کاٹھ بہت بلند تھا اور انہوں نے اسلامی معاشرہ کو اعلیٰ پائے کے اساتذہ و طلبہ و سکالرز مہیا کئے۔ (1)

2.6.7.4) محمد احسن گیلانی

آپ لکھنؤ کے اساتذہ میں سے تھے اور انہی دنوں نواب لکھنو واجد علی شاہ کا عتاب دبیر الدولہ پر نازل ہوا۔ قید کر دیئے گئے خاندان پر قیامت ٹوٹ پڑی۔

اس موقع پر گیلانی صاحب نے ہر ممکن امداد بہم پہنچائی۔ چند دن کے بعد عتاب شاہی کا ازالہ ہوا۔ دبیر الدولہ رہا ہو کر گھر آئے تو مولانا گیلانی کی ہمدردی کی خبر سے بہت متاثر ہوئے۔ اُس کے گھر میں ڈیڑھ لاکھ روپیہ کی رقم موجود تھی۔ اُس کا ملازم لے کر مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مولانا نے رسمی لیت و لعل سے کام لیا مگر وہ بضد تھا کہ حقیر رقم کو قبول کیا جائے۔ آخر مولانا نے فرمایا اب شام ہوگئی ہے کل صبح رقم کا لین دین کریں گے۔ رات درمیان میں تھی اس سے فائدہ اٹھا کر ہمیشہ کے لئے لکھنو کو خیر باد کہہ دیا تا کہ دبیر الدولہ کی اس رقم سے نجات ملے کل سرمایہ کچھ کتابیں تھیں جو کہ مولوی جان علی کے سپرد کر دیں اور خود سیدھے رام پور تشریف لے گئے۔ گیلانی نام کے گاؤں میں مدرسہ بنایا اور تعلیم و تدریس کرتے رہے اور دبیر الدولہ کو پتہ نہ چلنے دیا کہ بہار کا وہ مولوی یا اس وقت کا استاد کہاں غائب ہو گیا ہے۔ (2)

---

1) بحوالہ مناظر احسن گیلانی

2) مناظر احسن گیلانی۔ صفحہ 375

شاہ ابوالمعالی

شاہ جہاں بادشاہ علماء واساتذہ کا بہت قدر دان تھا مولانا آزاد بلگرامی نے شیخ ابوالمعالی کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ دلی پہنچے کسی نے بادشاہ سے کچھ ذکر کیا۔ طلبی ہو گئی ماہ رمضان تھا حاضر ہوئے۔ شاہ جہاں نے فرمائش کی رمضان کے متعلق جو آیات ہیں تلاوت کیجئے۔ شیخ ابوالمعالی نے شهر الرمضان الذی انزل فیله القرآن سے شروع کیا۔ شاہ جہاں بہت خوش ہوا۔ شمس القراء کا خطاب دے کر روانہ کیا اور ساتھ ہی اودھ کا ایک بہت عمدہ گاؤں مدد معاش کے لئے جاگیر میں دے دیا۔ اس طرح مولانا آزاد تحریر فرماتے ہیں کہ: ملا عبدالحکیم سیالکوٹی شہزادگان کے استاد تھے۔ ملا عبدالحکیم کو دو بار سونے میں تلوایا گیا اور ساتھ چھے چھے ہزار روپیہ اور سیالکوٹ میں اُس دور کے سوا لاکھ روپے کی جاگیر عطاء ہوئی۔ (1)

اسی طرح شاہ جہاں نے ملا محمود جونپوری جیسے استاد کو اپنے مقربان خاص میں شامل کیا۔ چنیوٹ کے مشہور استاد و عالم علامی سعد اللہ کو وزیر مملکت بنا دیا۔ مگر اکثر اساتذہ دربار میں جانے کو پسند نہ کرتے تھے۔

عبدالرشید جونپوری

شاجہان کے دور کے ایک استاد اور عالم شیخ عبدالرشیدی جونپوری کے علم وفضل اور زہد و تقویٰ کا چرچا شاہ جہان تک پہنچتا ہے۔ شیخ صاحب بادشاہ کے پاس خود نہیں جاتے مگر شاہ جہاں ملاقات کی خود خواہش کرتا ہے۔ ایک فرمان شاہی دے کر شاہی ہرکارہ شیخ صاحب کی خدمت میں بھجوایا جاتا ہے۔ باادب ہرکارہ جا کر آداب بجالاتا ہے اور شاہی فرمان پیش کرتا ہے۔ مگر اس دور میں جب کہ ہر شخص شاہ جہان سے کچھ طلب کرنے کے لئے اُس کے دربار تک رسائی کا خواہش مند ہے۔ شیخ عبدالرشید جونپوری اپنا کنج عزلت چھوڑ کر دربارِ شاہی میں جانے سے انکار کر دیتے ہیں۔ یعنی شاہ جہاں جیسے بادشاہوں کی رسائی شیخ صاحب جیسے اساتذہ تک نہ ہو سکی انہوں نے صرف اللہ سے اپنا ناطہ جوڑے رکھا۔ (2)

---

1) مناظر احسن گیلانی صفحہ 375

2) مناظر احسن گیلانی صفحہ 368 تا 370

2.6.7.5) عبداللہ بن ادریس

ڈاکٹر احمد شبالی رقم طراز ہیں کہ اتالیق کا منصب انتہائی قابل فخر اور معزز سمجھا جاتا تھا تاہم درویش صفت لوگوں نے کبھی اس کی تمنا نہیں کی۔ اس کے علاوہ ایسے عالموں اور فاضلوں کے واقعات بھی موجود ہیں جنہوں نے اس قسم کے عہدوں کو ٹھکرا دیا بلکہ شہزادوں کو علیحدہ درس دینے سے بھی انکار کر دیا۔ عبداللہ بن ادریس انہی بزرگوں میں سے تھے۔ ہارون الرشید نے جب ان سے درخواست کی کہ وہ المامون کو اپنے پاس بلائیں اور اُسے احکام و عقائد کا درس دیا کریں۔ انہوں نے کہا اگر مامون عام طلباء کے ساتھ درس میں شریک ہو تو تعلیم حاصل کر سکتا ہے۔ (1)

2.6.7.6) میر طفیل محمد اور میر مبارک

مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے اپنی کتاب ماثر الکرام میں اپنے استاد میر طفیل محمد جو کہ اپنے دور کے محقق اور اعلیٰ پائے کے استاد تھے کی زبانی اپنے استاد میر مبارک کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک روز میں خدمت استاد میں حاضر ہوا۔ استادِ محترم وضو کے لئے اُٹھے اور گر پڑے۔ میں دوڑ کر قریب گیا انہیں اٹھایا۔ کچھ دیر بعد اُن کی طبیعت بحال ہوئی۔ میں نے اس ناطاقتی اور گرنے کی وجہ دریافت کی تو ٹال گئے جب بہت اصرار کیا تو فرمانے لگے کہ گزشتہ تین دن سے کھانا نہیں ملا اور چونکہ رقم نہیں تھی لہٰذا کسی سے اظہار بھی نہیں کیا۔

میر طفیل محمد فرماتے ہیں کہ مجھے اس پر رونا آ گیا۔ میں فوراً اپنے گھر گیا۔ کچھ میٹھا جو کہ استاد محترم کو مرغوب تھا تیار کروایا اور لے کر حاضر ہوا۔ خدمت استاد میں پیش کیا۔ بڑی بشاشت ظاہر کی اور میرے لئے دعا فرمائی اور کہا میر طفیل محمد اگر تمہیں گراں نہ گزرے تو ایک بات کہتا ہوں۔ میں نے کہا حضرت فرمایئے۔

فرمانے لگے کہ فقراء کی نظر میں یہ طعام اشراف ہے۔ یعنی یہ وہ کھانا ہے کہ جس کی اُمید نفس نے تم سے رکھی تھی۔ جب تم میرے پاس سے اُٹھ کر چلے گئے تو مجھے اُمید لگ گئی کہ تم میرے لئے کچھ لے کر آ ؤ گے۔ اگرچہ مسلمان فقہا کے نزدیک یہ کھانا جائز ہے۔ کیونکہ شرع کے مطابق تین

1) بحوالہ ابن جماعہ۔ تذکرہ السامع والمتکلم صفحہ 211 صفحہ 24، 25

دن کے فاقے کے بعد مردار بھی حلال ہو جاتا ہے۔ مگر فقیروں کی نظر میں یہ طعام اشراف ہے جو کہ اُن کے لئے جائز نہیں۔ یعنی میں مخلوق سے توقع نہیں رکھ سکتا۔ الیس اللہ بکاف عبدہ۔ کیا اپنے بندے کے لئے اللہ کافی نہیں ہے۔ لہٰذا کھانے سے انکار کر دیا۔

میر طفیل محمد ذہین آدمی تھے اور اپنے استاد کے مزاج شناس بھی۔ انہوں نے بغیر کسی اصرار اور ردو کد کے وہ کھانا اٹھالیا اور چلے گئے اوٹ میں جا کر پھر واپس آئے کھانا سامنے رکھا اور عرض کی۔

استادِ محترم میں کھانا اٹھا کر لے گیا تھا اور کیا آپ کو توقع تھی کہ میں واپس آؤنگا؟ حضرت نے جواب دیا کہ نہیں تو میر طفیل محمد نے عرض کی حضرت اب تو یہ کھانا بغیر توقع کے آیا ہے اور طعامِ اشراف نہیں ہے۔ سعید شاگرد کے اس حسن تدبیر پر استاد خوش ہوئے اور فرمایا کہ تم نے عجیب فراست دکھائی ہے۔ استاد کو شکست کا اعتراف کرنا پڑا اور پھر رغبت سے کھانا تناول فرمایا۔(1)

اب آگے کا حال سنئے! کچھ عرصہ بعد ہی میر مبارک جو کہ بھوک سے نڈھال ہو کر گر پڑتے ہیں۔ اللہ نے اُن کو اتنا مال و متاع دیا کہ بلگرام میں محلہ سیدواڑہ کے نام سے مسجد مدرسہ اور اہل ہنر کے لئے پورا محلہ تعمیر کرواتے ہیں جس کے اردگرد دیوار ہے اور جو کہ قلعہ نما ہے۔(2)

2.6.7.7) خرم بہاولپوری

حافظ نصیر الدین خرم بہاولپوری، سرائیکی، فارسی اور اردو کے قادر الکلام شاعر تھے۔ خرم صاحب عباسیہ ہائی سکول احمد پور شرقیہ ریاست بہاولپور میں استاد تھے۔ آپ نے دس برس کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا۔ عربی، فارسی اپنے والد مولوی محمد حسن سے پڑھ لی۔ خاندانی انا، وقار اور خودداری نے انہیں مصلحت پسندی سے دور، بے خوف، آزاد منش، اور رند صفت بنا دیا۔ عمر بھر نہ کسی کے آگے دست سوال دراز کیا۔ نہ کسی سے قرض لیا۔ نہ کسی کی خوشامد کی اور نہ ہی کسی کی تعریف کر کے روپیہ حاصل کرنے کی کوشش کی۔(3)

1) غلام علی آزاد بلگرامی، ماثر الکرام بحوالہ مناظر احسن گیلانی، ص 22 تا 24
2) مناظر احسن گیلانی صفحہ 22 تا 24
3) حفیظ خان، 2007ء، خرم بہاولپوری، ص 20

آپ کے حلقہ احباب میں وزیر تعلیم شمس الدین، چیف جسٹس بہاولپور سر عبدالقادر، ملٹری سیکرٹری امیر آصف بہاولپور بریگیڈیئر سید نذیر علی شاہ، چیف جج بہاولپور محمد سراج الدین اور محمد فاضل سیکرٹری سفارت خانہ دولت افغانستان شامل تھے مگر خرم ان احباب سے کم ہی ملنے جاتے تھے یہ خود خرم سے ملنے آتے تھے مگر اس کے برعکس فاقہ مست دوستوں کے پاس خود چل کر جاتے بار بار جاتے اور رات گئے سے دن چڑھے تک وہیں رہتے۔(1)

خرم بہاولپوری کی وفات 1951ء میں چھیانوے برس کی عمر میں ہوئی۔آپ نے علامہ اقبال سے بھی ملاقات کی آپ کو مولانا ظفر علی خان نے غالب و خسرو ثانی کہا۔سر عبدالقادر نے ملک الشعراء، مولوی عزیز الرحمن نے حافظ شیرازی اور عمر خیام کہا۔اس کے علاوہ بھی کئی لقب ملے۔(2)

اب بحیثیت استاد خرم کی شخصیت کی طرف آتے ہیں۔کیفی جاپوری کے مطابق ''انہوں نے نگینۂ حیات کے ہر پہلو کو بڑے پیار سے دیکھا ہے۔بایں ہمہ دیکھنے والے کہتے ہیں کہ وہ تمام عمر قصرِ دریا میں رہے مگر دامن تر نہ ہونے دیا وہ ایسے مسلمان تھے کہ ہندو بھی ان کے مداح تھے۔ایسے سنی تھے کہ شیعہ بھی ان کا احترام کرتے تھے۔ایسے ہی آدمیوں کو باہمہ اور بے ہمہ کہا جاتا ہے۔(3)

بقول شہاب دہلوی خرم اپنی غربت کا حال کسی سے بیان نہیں کرتے تھے۔انتہائی خوددار انسان تھے۔خودداری کا یہ عالم تھا کہ شہر کے امیر کبیر تو رہے ایک طرف ریاست کے با اثر عہدیداروں اور زعما تک کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔(4)

آپ کی قابلیت کی دھوم حیدرآباد دکن کے نظام میر عثمان علی خان تک پہنچی تو انہوں نے اپنے پاس بلا کر خود آؤ بھگت کی۔نظام نے نہ صرف اپنا ذاتی کتب خانہ دیکھنے کی اجازت دی بلکہ بیش بہا انعام و اکرام سے بھی نوازنا چاہا۔لیکن خرم بہاولپوری کی خودداری نے یہ سب گوارا نہ کیا۔لہٰذا انعامات لینے سے انکار کر دیا۔ہاں البتہ کچھ کتابیں بطور تحفہ قبول کر لیں۔صادق بشیر صاحب

1) حفیظ خان صفحہ 21　　2) صفحہ 57
3) صفحہ 52　　4) صفحہ 22

کے مطابق حضرت نظام صاحب خرم کے اس رویے سے اس قدر مسحور ہوئے کہ واپسی پر ان کو سترہ توپوں کی سلامی دے کر ان کے "علم کے بادشاہ" ہونے کا اعلان کیا۔(1)

حفیظ خان مزید رقم طراز ہیں کہ "خرم بہاولپوری کی عمر بھر شدید خواہش رہی کہ خانہ خدا اور دیارِ حبیب ﷺ کی زیارت اور فریضہ حج ادا کر سکیں۔ مگر مالی معاملات کا برا ہو کہ یہ خواہش، خواہش ہی رہی اور اللہ تعالیٰ کی جمالی صفات کا یہ پرچارک اپنے رب کے گھر کی دید سے محروم رہا۔ کچھ دوستوں نے مشورہ دیا کہ امیر آف بہاولپور نواب صادق محمد خان خامس عباسی تک ان کی یہ آرزو کسی طور پہنچائی جائے اور وہ ریاستی سرکار کے توسط سے حج کی سعادت حاصل کر لیں مگر چاہتوں کی تمام تر شدت کے باوجود خرم صاحب نے ریاستی خرچ پر حج کے مشورے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور شعر کی صورت میں بس اتنا کہا کہ:

روضہ پاک نہ ڈٹھم جیندیں
جند رہ گیم ارمانی دے
(میں جیتے جی روضہ پاک نہ دیکھ سکا
دل میں بس یہی ارمان رہ گیا ہے(2)

2.6.7.8) سالم بن جعد

سالم بن جعد نام کا ایک غلام تھا جنہوں نے بعد میں معلمی کا پیشہ اختیار کیا۔ فرماتے ہیں کہ میرے مالک نے تین سو درہم لے کر آزاد کر دیا تو میں نے سوچا کہ میں کون سا فن سیکھوں۔ آخر علم حاصل کیا۔ اس کے بعد ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ شہر کا حاکم مجھے ملنے آیا میں نے اسے واپس کر دیا اور اس سے ملاقات نہ کی"۔

یہ استغنا و بے نیازی، علم کی بدولت پیدا ہوئی۔(3)

1) صفحہ 23،22
2) (صفحہ 45) حفیظ خان (2007ء) خرم بہاولپوری۔ شخصیت فن اور منتخب سرائیکی کلام۔ سرائیکی ادبی مجلس۔ رجسٹرڈ۔ بہاولپور
3) کامیاب استاد صفحہ 16۔ بحوالہ علم کی جگمگ صفحہ 30

2.6.7.9) مولانا سردار احمد

مولانا سردار احمد صاحب جو کہ معروف عالم اور استاد تھے۔ ان کے قیام بریلی کے دوران ایک دفعہ نواب بہاولپور نے اپنے ہاں قیام کی دعوت دی اور ساتھ ہی دس مربعہ اراضی کی پیش کش کی۔ آپ نے نواب کی دعوت قبول نہ کی۔ جب آپ کے بھائیوں کو علم ہوا کہ نواب علاوہ دیگر مراعات کے دس مربعہ زمین بھی دے رہا ہے تو انہوں نے آپ سے کہا کہ اس کی پیش کش قبول کر لینی چاہئے۔ دس مربعہ زمین سے ہماری معاشی حالت کافی بہتر ہو سکتی ہے۔ آپ نے بھائیوں سے کہا کہ روزی رب کریم کے پاس ہے۔(1)

2.6.7.10) خواجہ نظام الدین اولیاء

سلطان علاؤ الدین خلجی بہت دبدبے والا بادشاہ تھا مگر اہل علم کا قدردان ایک بار اُس نے خواہش کی کہ میں خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے آستانے پر حاضر ہونا چاہتا ہوں آپ نے سلطان سے ملنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ میرے گھر کے دو دروازے ہیں اگر سلطان ایک دروازے سے داخل ہوا تو میں دوسرے سے گھر سے نکل جاؤں گا۔ ہم درویشوں کا بادشاہوں سے کیا لینا دینا۔(2)

2.6.7.11) شاہ محمد غوثؒ

حضرت شاہ محمد غوث لاہور کے ایک صاحب طریقت بزرگ اور استاد تھے۔ نادر شاہ درانی لاہور پر حملہ کرنا چاہتا تھا اس کی خواہش تھی کہ حضرت شاہ محمد غوث اس کی مدد کریں اور اُس کے لئے دعا بھی کریں۔ نادر شاہ نے کابل سے پشاور پہنچ کر آپ کو طلب کیا۔ آپ نے سفیر کو جواب دیا کہ ہمارے بزرگوں کا یہ طریقہ نہیں کہ بادشاہوں کے دربار میں حاضری دیں اور اُن کی مدد کریں ہمیں ان دنیاوی امور سے کوئی دلچسپی نہیں۔

2.6.7.12) میاں قاضی خان ظفر آبادی

حضرت شیخ میاں خان ظفر آبادی اپنے وقت کے معروف استاد اور عالم تھے۔ آپ کا دور شہنشاہ ہمایوں کا دور ہے۔ ہمایوں آپ کے علم و فضل نیکی اور باطنی کمالات کا معتقد تھا۔ اس نے کئی

1) محدث اعظم صفحہ 28۔ بحوالہ کامیاب استاد صفحہ 102

2) پوشیدہ لاہور، ص 81

بار آپ کی خدمت میں نقد رقم و دیگر اشیا بطور نذر بھجوائیں مگر آپ نے قبول نہ فرمائیں ایک بار ہمایوں بادشاہ نے ایک سفید کاغذ پر بادشاہی مہر لگا کر اپنے دستخط کئے اور یہ کاغذ آپ کی خدمت میں بھجوادیا کہ اس پر جس قدر آپ چاہیں جاگیر لکھ دیں اور اپنے استعمال میں لائیں۔ آپ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ مجھ کو اس کی ضرورت نہیں ہے اور ضرورت کے بغیر مسلمانوں کا حق لینا ناجائز ہے۔ہم خدا سے مانگتے ہیں اور اللہ کے سوا کوئی دینے والا نہیں ہے۔ نہ میں اللہ کا غیر ہوں اور نہ اس کے سوا دوسرا کوئی دینے والا ہو سکتا ہے۔(1)

2.6.7.13) شیخ کلیم اللہ شاہ جہان آبادی

مغلوں کے دورِ زوال کا بادشاہ فرخ سیر تھا اس دور میں حضرت شیخ کلیم اللہ شاہ جہان آبادی کے علم کی بڑی دھوم اور شہرت تھی۔ بادشاہ بھی آپ کا قدردان و معتقد تھا۔ایک بار اس نے آپ کی خانقاہ کے طلبا و مریدین کے لئے ایک بڑی جاگیر نذر کی۔لیکن آپ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے بہت اصرار کیا مگر آپ نے انکار کر دیا۔ حضرت شیخ کلیم اللہؒ کا اصول تھا کہ کبھی بادشاہوں یا امراء کی ملاقات کو نہ جاتے تھے۔البتہ جو آپ کے پاس آ جاتا اس سے مل لیتے اور اُسے اسلامی اقدار، اتباع سنت و شریعت پر عمل کی تلقین فرماتے۔(2)

2.6.7.14) حضرت فریدالدین مسعود گنج شکرؒ

حضرت فریدالدین مسعود گنج شکرؒ نے 1265ء میں وفات فرمائی۔ آپ کے گھر میں کئی دن سے فاقہ تھا۔ گھر میں کفن کے لئے کچھ موجود نہ تھا۔ چنانچہ امیر خورد کی دادی نے سفید چادر دی اور گھر کی دہلیز اکھاڑ کر قبر کے لئے اینٹیں حاصل کی گئیں۔(3)

2.6.7.15) حضرت شہباز بھاگلپوریؒ کا استغنا

حضرت شہباز بھاگلپوریؒ شاہ جہان کے ہمعصر تھے۔ شاہ جہان ایک دفعہ شہزادگی کے زمانے میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اس کو شریعت کی پابندی کرنے کی تلقین کی اور حکم دیا کہ

1) حکایات کا انسائیکلو پیڈیا۔صفحہ 60

2) حکایات کا انسائیکلو پیڈیا۔صفحہ 78　　　3) شاہ عبدالحق محدث دہلوی

تمہارا دامن حد شرعی سے جس قدر زیادہ ہے اس کو پھاڑ کر طلبہ کے حوالہ کرو تا کہ وہ اس کی ٹوپیاں بنا لیں۔ شہزادے نے ان کے حکم کی تعمیل کی اور حضرتؒ نے اس کو دعا دے کر رخصت کیا جب اس نے تخت ہندوستان پر قدم رکھا تو حضرت شہباز محمدؒ کے لئے کئی اضلاع کی جاگیر کا فرمان بھیجا اور ساتھ ہی لکھا کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا متمنی ہوں۔ حضرت نے جواب دیا میں نے دیکھا کہ پہلے تم شہزادہ تھے اس لئے فقیر نے ملاقات میں کوئی قباحت نہ سمجھی۔ اب حق تعالیٰ نے تم کو بادشاہ بنایا ہے تو اب اس فقیر کی ملاقات ایک بادشاہ سے مناسب نہیں کیوں کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے۔ العلماء ورثه الانبياء مالم يخالطون الملوك یعنی علماء پیغمبروں کے وارث ہیں کہ وہ بادشاہوں سے میل جول نہ رکھیں۔ اگر تم عدل کرو گے۔ تو یہ فقیر تمہارے حق میں دعا کرے گا۔ کیونکہ بادشاہ عادل کے حق میں دعائے خیر کرنا ہی فقیروں کا شیوہ ہے میری خواہش ہے کہ تم میرے سے ملاقات کا قصد نہ کرو۔ ورنہ میں اس ملک کو چھوڑ کر کہیں اور چلا جاؤں گا اور جاگیر کا فرمان تم نے ناحق بھیجا۔ میرا اور تمہارا رازق ایک ہی ہے۔ اگر تمہارا رازق کوئی اور ہوتا اور میرا رازق اس کا محتاج ہوتا تو اسے قبول کر لیتا میں نے یہ فرمان چاک کر ڈالا۔ جو جاگیر کا حاجت مند ہو اس کو دو۔ (1)

2.6.7.16) حضرت شاہ دولہؒ کی غیرت فقر

حضرت شاہ دولہؒ نے جب گجرات میں مستقل سکونت اختیار فرمائی تو تھوڑے ہی عرصہ میں مرجع خلائق بن گئے اور آپ کے مریدوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی اس وقت جہانگیر کا عہد حکومت تھا۔ بعض حاسدوں نے اس کے کان بھرے کہ شاہ دولہؒ سے بغاوت کا خطرہ ہے۔ چنانچہ اس نے آپ کو اپنے دربار میں طلب کیا اور مختلف سوالات پوچھے جب سب کا تسلی بخش جواب ملا تو نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ آپ کو رخصت کیا اور چلتے وقت دو ہزار اشرفیاں آپ کی نذر کیں۔ آپ نے بادل ناخواستہ لے لیں لیکن باہر آ کر سب خیرات کر دیں۔ اس کے بعد ایک موقع پر جہانگیر نے پانچ ہزار بیگھہ زمین آپ کی نذر کرنی چاہی لیکن آپ کی غیرت فقر نے اس کا

1) حکایات کا انسائیکلوپیڈیا۔ صفحہ 98

قبول کرنا گوارا نہ کیا اور آپ نے بادشاہ کی پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ آپ نے اپنی زندگی رفاہِ عامہ کے کاموں کے لئے وقف کر رکھی تھی جو کچھ آپ کے ہاتھ آتا اس کو مساکین کی پرورش اور مسجدوں، پلوں اور تالابوں کی تعمیر پر صرف کر دیتے۔(1)

2.6.7.17) تقی الدین ابوالعباس احمد۔امام ابن تیمیہؒ

آپ نے چھوٹی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ اس کے بعد حدیث لغت، عربی، تاریخ، تفسیر، نحو اور ریاضی کی تعلیم حاصل کی۔ ان کے اساتذہ کی تعداد دو سو تھی۔ آپ صاحب علم و قلم کے ساتھ صاحب سیف بھی تھے۔ تاتاری بادشاہ کے سامنے حق پرستی و حق گوئی کی مثال قائم کی۔ آپ نے سترہ سال کی عمر میں لکھنا شروع کیا اور 45 سال کی عمر تک تصانیف کی تعداد پانچ سو سے زیادہ تھی۔ آپ کا اثر مصر، شام، سعودی عرب میں زیادہ رہا۔

آپ نے کئی بار قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ دمشق کی قید میں آپ نے اسی بار قرآن مجید ختم کیا۔ آپ کو ایک قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ یہیں آپ نے وفات پائی۔

آپ کا جنازہ دمشق کی تاریخ کا سب سے بڑا جنازہ تھا۔ اتنا ہجوم تھا کہ فوج کو آ کر کنٹرول کرنا پڑا۔ آپ کا علم، جراتِ ایمانی اور حوصلہ اساتذہ کے لئے ایک اثاثہ ہے۔

2.6.7.18) ابوالنصر محمد بن محمد فارابی

مسلمان فلسفی و حکماء جب اساتذہ قدیم کا ذکر کرتے ہیں تو سقراط کو معلم اول کا لقب دیتے ہیں۔ اس کے بعد صدیاں گزر گئیں اور تاریخ نے بہت سے سکالر اور علماء پیدا کئے مگر فلسفہ کے میدان میں سقراط کے بعد معلم ثانی کا لقب فارابی کو دیا گیا اور اسے ارسطاطالیس عرب بھی قرار دیا گیا۔

ابوالنصر فارابی کے والد کا نام محمد بن ظرخان تھا۔ وہ فاراب کے ایک شہر وسیج کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی زندگی مشکل میں گزاری۔ بچپن میں ہی وطن کو چھوڑ کر بغداد جو کہ اس وقت علم و ادب کا مرکز تھا کا رخ کیا۔ ایک وقت میں کسی باغ کے رکھوالے تھے مگر ہمہ وقت مطالعہ میں منہمک رہتے تھے۔ مالی حالات اتنے دگرگوں تھے کہ چراغ کے لئے پیسے نہ تھے اور باغ کے چوکیدار کی قندیل کی روشنی میں پڑھا کرتے تھے۔

---

1) حکایات کا انسائیکلو پیڈیا۔ صفحہ 78

حکمائے قدیم کی طرح فارابی خلوت گزین اور قانع مزاج تھے، وہ بہت سلیم الطبع تھے، اُن کا کوئی گھر نہ تھا۔ لباس انتہائی سادہ پہنتے تھے۔ جمال الدین قفطی کے بقول فارابی مملکت عقل کا حکمران تھا لیکن مادی دنیا میں حقیر و مفلوک الحال تھا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ دنیا کی اکثر زبانیں جانتا تھا جو کہ ستر کے لگ بھگ تھیں مگر وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ عربی، فارسی، ترکی، یونانی اور سریانی زبانیں جانتا تھا وہ فلسفہ کے ایک گروہ کا لیڈر تھا۔ ریاضی، طب اور دینیات میں اعلیٰ پائے کا علم رکھتا تھا۔ فارابی مسلم اساتذہ کی شان ہے اور یونانی فلسفہ کو حیاتِ نو دینے والا ہے۔ مغربی دُنیا کی یونیورسٹیوں میں مدتوں ان کی کتابیں پڑھائی جاتی رہیں۔

2.6.8) اساتذہ کی تصانیف و ذوق تحقیق

دنیا کی ہر چیز فانی ہے۔ بقا صرف ذات باری تعالیٰ کو حاصل ہے۔ لہٰذا دنیا میں کچھ عرصہ زندہ رہنے کے لئے بادشاہ لوگ محل، قلعے اور مزار تعمیر کرواتے رہے ہیں۔ اصحاب خیر پل، چاہ، اسباب خیر اور مدارس بناتے رہے ہیں جبکہ اساتذہ کرام علم کے سفر کو آگے بڑھانے کے لئے تصنیف کے ذریعہ سے علمی یادگاریں چھوڑ جاتے رہے ہیں جس طرح ایک چراغ سے دوسرا، تیسرا اور پھر ہزاروں چراغ جلتے ہیں اسی طرح جو اساتذہ علمی تجربات رقم کر جاتے رہے ہیں ان کے تجربات سے قافلہ علم رواں دواں ہے۔ لہٰذا وہ انسانیت پر احسان کرتے رہے ہیں۔ یہی حضرات خون دل دے کر شجر علم و تحقیق کی آبیاری کرتے رہے ہیں اور آج کے اساتذہ کے اس لحاظ سے رول ماڈل ہیں کہ علمی و تعلیمی دنیا میں اپنا حصہ ڈال کر کتابوں کی دنیا میں امر ہو گئے ہیں۔

مسلمان اساتذہ ابتدائی عمر میں تحصیل علم درمیانی عمر میں تدریس اور پھر تصنیف اور عمر کے آخری حصہ میں عبادت و ریاضت کو ترجیح دیتے رہے ہیں۔

علامہ ابن جوزی کا کہنا ہے کہ آدمی کو چاہئے کہ دنیا میں اپنی یادگار کے طور پر کوئی تصنیف چھوڑ کر جائے۔ سید محمد سلیم صاحب اس سلسلہ میں اپنی کتاب میں ہلاکو خان کے وزیر حکیم نصیر الدین طوسی کا ضابطہ نقل فرماتے ہیں۔ طوسی نے لکھا ہے کہ ہر استاد کو

- 30 سال کی عمر تک علم حاصل کرنا چاہئے۔
- 30 سے 40 سال کی عمر تک تدریس میں مشغول رہنا چاہئے۔

- 40 سے 50 سال کی عمر تک تدریس اور تصنیف دونوں کام کرنا چاہئیں۔
- 50 سے 60 سال کی عمر تک دونوں کام کرنا چاہئیں۔
- 60 سال کی عمر کے بعد استاد کو ملازمت سے سبکدوش کر دینا چاہیئے اور اس کا معاوضہ دگنا کر دینا چاہیئے۔(1)

علامہ ابن جوزیؒ نے بھی تدریس وتصنیف کے لئے اس سے ملتا جلتا ضابطہ بیان کیا ہے۔

شرافت حسین شرافت اپنی کتاب پوشیدہ لاہور برصغیر کے اہل قلم ومعروف اساتذہ کی علمی یادگاروں کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں کہ:

امیر خسرو برصغیر کے نامور ایڈمنسٹریٹر استاد اور اعلیٰ پائے کے مصنف تھے۔مورخ برنی کے بقول خسرو کی تصانیف کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ ہم انہیں ایک چھوٹا کتب خانہ کہہ سکتے ہیں۔ خواجہ حسن دہلوی نے فوائد الفواد جو کہ پانچ جلدوں پر مکمل ہے۔حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی مجالس ودروس پر مشتمل ہے اس کے بارے میں امیر خسرو کہتے ہیں کہ کاش میری تمام تصانیف خواجہ حسن ہی لیتے اور فوائد الفواد کی قلم بندی کا شرف مجھے دے دیتے۔(صفحہ 57)

شیخ فریدالدین عطاء کی شاعری عشق الٰہی، محبت رسولؐ، اتباع شریعت اور تلاش حقیقت پر مبنی ہے آپ نے ایک لاکھ سے زائد اشعار کہے جن میں مندرجہ بالا پیغام دیا گیا۔(2)

مولانا روم کی مثنوی معنوی کو بہت شہرت حاصل ہے۔اس مثنوی میں قرآنی تعلیمات کو اس خوبصورت انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ اسے ہست قرآن درزبانِ پہلوی کہا جاتا ہے۔

عبدالرحمن جامی کا مرتبہ نعت گوئی میں بہت بلند ہے۔آپ نے تین دیوان فاتحۃ الشباب، واسطۃ العقد، خاتمۃ الحیات اور ہفت رنگ کے عنوان سے سات مثنویاں لکھی ہیں۔

حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر کے پنجابی زبان کی اشلوک سکھوں کے مذہبی کتاب گورو گرنتھ صاحب میں شامل ہیں۔آپ کی تصانیف میں راحت القلوب، فوائد سالکین، اسرار الاولیاء مشہور ہیں۔حضرت سلطان باہو نے 140 کتب تصنیف فرمائیں۔(3)

1) سید محمد سلیم، مثالی استاد　　2) شرافت حسین شرافت، پوشیدہ لاہور، ص 57

3) شرافت حسین شرافت، پوشیدہ لاہور، ص 57

جن میں سے عین الفقر، گنج الاسرار، شمس العارفین، مفتاح العاشقین، کلید التوحید، نور الہدیٰ، محبت الاحرار، حجتہ الاسرار، جامع الاسرار، کتب الاسرار، دیوان باہواور آبیات باہو کافی اہم اور مشہور ہیں۔

وارث شاہ کو پنجابی ادب کا سعدی اور ان کی کتاب کو پنجاب زبان کا انسائیکلو پیڈیا کہا جاتا ہے۔میاں محمد بخش نے سترہ تصانیف مرتب کیں جن میں سے تحفہ رسولیہ،تحفہ حیراں، نیرنگ عشق،قصہ شیخ سنان،قصہ سخی خواص خان،قصہ شاہ منصور،سوہنی مہینوال،سیف الملوک ودیگر کتب شامل ہیں۔

علامہ اقبال نے 1908ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں پڑھانا شروع کیا بعد میں اس پیشہ کو چھوڑ کر وکالت اختیار کی۔آپ کی شاعری میں ہمیں قوم اور وطن کی محبت و اہمیت ،عشق و عقل کا تصادم، جذبۂ خودی کی بیداری اور اسلام کے شاندار ماضی کے حوالہ سے مغرب کی برتری کا توڑ نظر آتا ہے۔آپ کی پیام مشرق، بانگ درا، بال جبرائیل، اسرار خودی، رموز بے خودی، جاوید نامہ اور نثر میں علم الاعتقاد،فلسفۂ عجم،تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ معروف تصانیف ہیں۔

خیبر پختونخواہ سے رحمان بابا دنیا سے کنارہ کش و گوشہ نشین صوفی تھے۔آپ کے کلام کا اہم وصف عشق رسول ہے۔پشتو شاعری میں اس کی کوئی ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔فاضل رند اور توکلی مست کا کلام بلوچی ادب کی جان ہے۔شاہ عبداللطیف بھٹائی کا شاہ جو رسالو بہت معروف اور قابل قدر تصنیف ہے۔

سچل سرمست سات زبانوں کے ماہر اور حافظ قرآن تھے آپ کا لقب شاعر ہفت زبان ہے مختلف زبانوں میں آپ کے نو لاکھ چھتیس ہزار چھ سو اشعار محفوظ ہیں۔(1)

آپ کی تصانیف میں وحدت نامہ، عشق نامہ، درد نامہ، گداز نامہ، راز نامہ، رہبر نامہ، وصلت نامہ، مختلف مثنویاں، دیوان خدائی اور آشکار شامل ہیں۔

حضرت سید علی ہجویریؒ لاہور کے معروف صاحب طریقت اور استاد عالم و عارف تھے۔آپ نے لاہور آتے ہی درس وتدریس کے لئے مسجد تعمیر کروائی اور شریعت وطریقت کی رہنمائی کے لئے دیگر تصانیف کے ساتھ ساتھ کَشْفُ الْمَحْجُوْب تحریر فرمائی۔سید شرافت حسین شفقت کے بقول:

1) شرافت حسین شرافت۔پوشیدہ لاہور

"کَشْفُ الْمَحْجُوْب ہر مکتبہ فکر کے لئے امام ورہنما کی حیثیت رکھتی ہے۔ کسی بھی فقہ و مسلک کو آج تک اس کی کسی ایک سطر پر کبھی اعتراض یا اختلاف نہیں ہوا آداب علم سے آداب سماع تک اس میں کل 139 باب ہیں۔ برصغیر میں اسلامی تصوف کے اسرار ورموز کے بیان پر اس سے جامع کوئی کتاب نہیں۔ آپ نے اسلامی تصوف کے اسرار ورموز کے ساتھ ساتھ تصوف کے نام پر اسلام میں در آنے والے غیر اسلامی عقائد وتصورات کی بھی نشاندہی فرمائی ہے۔ تاکہ راہ سلوک کا کوئی مسافر بے خبری میں بھٹک نہ جائے۔ حضرت خواجہ نظام الدینؒ فرماتے ہیں "جس کا کوئی مرشد نہیں وہ اس کتاب سے رہنمائی حاصل کرے یہ مرشد کامل ہے"۔ (1)

یحیٰی بن معین، مشہور محدث امام جرح وتعدیل ومعروف استاد تھے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ سے دس لاکھ احادیث لکھیں۔ وفات پر کتابوں کے ایک سو چودہ کارٹن اور چار بڑے مٹکے چھوڑے جن میں کتابیں محفوظ کی جاتی تھیں۔ (2)

ابن عساکرؒ مشہور محدث تھے۔ آپ نے اسی جلدوں میں تاریخ دمشق لکھی ہے۔ جو اسلامی تاریخ وسیر کا بے نظیر مجموعہ ہے۔ آپ ہر وقت افادہ واستفادہ میں مشغول رہتے تھے۔ ذاتی حوالہ سے بہت عبادت گزار تھے۔ ہر ہفتہ میں ایک قرآن مجید ختم فرماتے اور رمضان میں یومیہ ختم قرآن معمول تھا۔

محدث ابن شاہینؒ فرماتے ہیں کہ میں نے تین سو تیس تصانیف لکھی ہیں جن میں

تفسیر کبیر	 1000	...... اجزاء (تقریباً 30000 صفحات)
مسند	 13000	...... اجزاء (تقریباً 39000 صفحات)
زہد	 100	...... اجزاء (تقریباً 3000 صفحات)

جیسی ضخیم کتب بھی ان میں شامل ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ کی پانچ سو تصانیف ہیں امام ابو الفراج ابن جوزی کی تصانیف دو ہزار ہیں۔

1) پوشیدہ لاہور۔ صفحہ 125

2) شرافت حسین شراف۔ پوشیدہ لاہور...... 2۔ محمد روح اللہ (2009ء) طالب علم ورمز مکتبۃ الشیخ کراچی۔ صفحہ 46

ابن جریر طبری نے تین ہزار صفحات پر مشتمل تفسیر و تاریخ لکھی ہے۔امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر تیس جلد میں ہے آپ نے ایک سو کے لگ بھگ تصانیف چھوڑی ہیں۔

2.6.8.1) پڑھنے میں محنت

علامہ عبدالرحمن ابن علیؒ بہت بڑے محدث گزرے ہیں، علامہ ابن الجوزیؒ کے نام سے مشہور ہیں، ابھی تین سال کے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔بڑی تنگی اور بے بسی میں پرورش پائی۔لیکن بچپن ہی سے پڑھنے لکھنے کا انتہائی شوق تھا۔محنت کا حال یہ تھا کہ بس ہر وقت پڑھنے لکھنے میں جتے رہتے، جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے تو ضرور جامع مسجد جاتے، اس کے علاوہ کبھی اپنے گھر سے دور نہ جاتے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے قلم سے دو ہزار جلدیں لکھی ہیں۔

علامہ ابن جریرؒ بھی اپنے وقت کے بہت بڑے عالم ہیں، ان کی تاریخ طبری بہت مشہور ہے، چالیس سال تک برابر روزانہ چالیس ورق لکھا کرتے تھے۔ان کی وفات کے بعد ان کے لکھنے کا اندازہ لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ زندگی بھر روزانہ چودہ ورق لکھے ہیں۔ان کی تاریخ تقریباً چودہ ہزار صفحوں کی ہے، اور آپ نے صرف تاریخ ہی نہیں لکھی بلکہ اور بھی بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔لوگوں کا کہنا ہے کہ جب بھی ان کو دیکھا پڑھنے لکھنے میں مشغول دیکھا۔

2.6.8.2) مطالعہ کا شوق

ابو العباس احمد رحمۃ اللہ علیہ کوفہ کے رہنے والے بڑے زبردست عالم تھے۔نحو اور لغت میں انہیں بڑا کمال حاصل تھا۔انہوں نے بہت سی مفید کتابیں لکھیں اور اپنی تحقیق اور علم سے لوگوں کو فائدہ پہنچایا۔تیسری صدی ہجری میں پیدا ہوئے۔آپ سے لوگوں نے ایک بار پوچھا کہ اب تو آپ کسی سے ملتے ہی نہیں ہر وقت گھر ہی میں بیٹھے رہتے ہیں، کیا لوگوں سے بالکل ہی نفرت ہو گئی ہے؟ اگر آپ کبھی باہر تشریف لائیں، لوگوں کو ملاقات کا موقع دیں تو خدا کی مخلوق کو بڑا فائدہ پہنچے اور ملنے جلنے سے آپ کو بھی کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہو۔

ابو العباسؒ نے یہ بات سن کر سر جھکا لیا۔تھوڑی دیر سر جھکائے بیٹھے رہے جیسے کچھ سوچ رہے ہوں، پھر سر اٹھایا اور انتہائی اطمینان اور مسرت کے ساتھ مسکراتے ہوئے کچھ اشعار پڑھے جن کا

مطلب یہ ہے۔

”اگر ہم بادشاہوں کے پاس بیٹھیں تو وہ غرور اور گھمنڈ سے پیش آئیں گے۔ کاروباری لوگوں میں بیٹھے تو روپے گننے میں لگ جائیں اور دل کے غریب ہو جائیں گے۔ اس لئے ہم مجبور ہو کر گھروں کے ہو گئے ہیں کہ علم سے کتابوں کے صفحات بھر رہے ہیں“۔

2.6.8.3) ابن رُشد

علامہ ابن رُشد رحمۃ اللہ علیہ فقہ کے مشہور عالم تھے، فلسفہ میں بھی ان کو بڑا کمال حاصل تھا۔ 1126ء میں اسپین میں پیدا ہوئے۔ عرصہ تک قرطبہ میں قاضی القضاۃ کے عہدے پر رہے۔ فقہ میں آپ کی کتاب ہدایۃ المجتہد بہت مشہور ہے۔ شروع ہی سے پڑھنے پڑھانے کا بہت شوق تھا۔ ہر وقت کتاب ہاتھ میں رہتی۔ ابن الآباد کہتے ہیں آپ کی تصنیف کی ہوئی کتابوں کے کل صفحات بیس ہزار ہیں۔(1)

2.6.8.4) مسلم اساتذہ کی حصول علم کیلئے محنت و مشقت

امام ابو حاتم رازی نے اپنی سرگزشت خود بیان کی ہے کہ میں نے حصول علم کے لئے تین ہزار فرسخ یعنی نو ہزار میل کا سفر پیدل طے کیا تھا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ میں نے میلوں کا شمار کرنا چھوڑ دیا۔(2)

ابن مقری بیان فرماتے ہیں کہ میں نے صرف ایک نسخہ ابن فضالہ کی خاطر ستر منزل کا سفر طے کیا۔ اُس نسخے کی ظاہری حیثیت یہ ہے کہ اگر کسی نانبائی کو دیا جائے تو وہ ایک روٹی بھی اس کے عوض دینا گوارا نہ کرے گا۔ ایک منزل بارہ میل کی ہوتی تھی اس طرح ابن مقری نے ایک کتاب کے لئے 840 میل کا سفر کر ڈالا۔ علاوہ ازیں امام مقری حصول علم کے لئے چار مرتبہ مشرقی ممالک یعنی ایشیا اور مغربی ممالک یعنی سپین اور افریقہ گئے۔ دس دفعہ بیت المقدس کا سفر کیا۔(3)

---

1) اسلاف کے سنہرے واقعات، ص 50

2) حبیب الرحمن شیروانی، (1959ء)، ص 17

3) امام شمس الدین ذہبی (748ھ) صفحہ 83: جلد II

امام طبرانیؒ بہت وسیع علم رکھتے تھے۔ وسعت معلومات دیکھ کر ایک شخص نے اُن سے دریافت فرمایا کہ کیا علمی خزانہ اس قدر مالا مال کیونکر ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ جان عزیز تیس برس تک میری کمر نے بوریئے کے علاوہ کسی بستر کا لطف نہیں اٹھایا۔(1)

امام ابو یوسفؒ ایک غریب گھرانے کے فرد تھے ان کی معاشی خستہ حالی حصول علم کے راستے میں رکاوٹ تھی۔ امام ابو حنیفہ کو اس کا علم ہو گیا تو انہوں نے شاگرد کے تمام اخراجات کی کفالت اپنے ذمہ لے لی۔ شفقت و محبت کا برتاؤ کیا۔ حوصلہ بڑھایا اور برسوں تربیت کی تو گمنام یعقوب سے امام ابو یوسف تک کا سفر طے ہوا بعد میں امام ابو یوسف نے فقہ حنفی کے حوالہ سے استاد محترم کا نام روشن کیا۔ یہی امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ:

میرے بیٹے کا انتقال ہو گیا لیکن میں نے اس کی تجہیز و تدفین میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ یہ سارا کام میرے پڑوسیوں اور رشتہ داروں نے کیا۔ مجھے یہ خوف لگا ہوا تھا کہ کہیں میں استاد کا کوئی سبق نہ چھوڑ بیٹھوں اور اس سبق کے قضا ہونے سے یہ حسرت نہ رہ جائے کہ فلاں سبق رہ گیا یا میں اس میں حاضر نہ تھا۔(2)

عربوں میں زبان کی غلطی کو سنگین جرم تصور کیا جاتا تھا جسے نا قابل معافی سمجھا جاتا تھا کسی بھی استاد سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ زباندانی کی غلطی کرے گا۔ اس کا حل عربوں نے یہ نکالا تھا کہ اپنے بچوں کو بادیہ میں یعنی شہروں سے دور صحرا میں پرورش کے لئے بھیج دیتے تھے جہاں فطرت کے نزدیک رہ کر جہاں وہ بچے بہادری اور جفاکشی سیکھتے تھے وہاں خالص زبان بھی سیکھ جاتے تھے جیسا کہ آنحضرتؐ نے حضرت حلیمہ سعدیہ کے ساتھ اُن کے قبیلہ میں وقت گزارا۔ لغت کا علم بدوؤں سے سیکھا جاتا تھا۔

اس سلسلہ میں ڈاکٹر احمد شلبی رقمطراز ہیں کہ ''167 ہجری کے سکالر و استاد و شاعر بشار بن برد اپنے دور کا واحد شاعر تھا جس نے ایک بار بھی زبان کی غلطی نہیں کی اپنے ہم عمروں پر اپنی فوقیت کا سبب بیان کرتے ہوئے اس نے کہا میں یہیں پیدا ہوا اور بنو عقیل کے اسی زباندان شیوخ

1) حبیب الرحمن شروانی صفحہ 38

2) احمد شلبی، ص 47 بحوالہ العقد الفرید، ج دوم، ص 18

اوران کی عورتوں کے دامن میں پرورش پائی جو فصاحت کلام میں مردوں سے بھی آگے تھیں۔اس قبیلے کے کسی فرد نے کبھی زبان کی غلطی نہیں کی۔ جب میں نے ہوش سنبھالا تو البادیہ پہنچا اور سن بلوغت کو پہنچنے تک وہیں رہا۔پھر بھلا میں زبان کی غلطی کیسے کرسکتا ہوں۔(1)

امام الکسائی معروف استاد تھے ان کے بارے میں ڈاکٹر احمد شلبی رقمطراز ہیں کہ آپ بادیہ گئے اور بدوؤں کو روزمرہ اور محاورے لکھنے میں پندرہ بوتل وشنائی صرف کردی جو باتیں زبانی یاد کررکھی تھیں وہ اس کے علاوہ تھیں۔بادیہ سے مراد دور دراز کا صحرائی علاقہ وآبادی ہے۔

امام شافعی کا علمی مقام بہت بلند ہے آپ مکہ سے بادیہ روانہ ہوئے اور قبیلہ ہذیل میں شامل ہوگئے اور زبان پر قدرت حاصل کرنے اوران کے طور طریق سے پوری واقفیت ہونے تک وہیں رہے اس طرح انہوں نے بادیہ میں سترہ برس گزارے۔(2)

آج کے جدید دور میں تحقیق کے لئے ترقی یافتہ ملکوں کے لوگ افریقہ کے جنگوں میں وقت گزارتے ہیں اس حوالہ سے مندرجہ بالا مثالیں اسلامی تعلیم کے حوالہ سے اہم ہیں۔

حدیث کی طلب وروایت میں امام احمد بن حنبلؒ کی سعی وکوشش کی کوئی انتہا نہ تھی یہاں تک کہ جب وہ درجۂ امامت پر پہنچ گئے تو ان کے ایک ہم عصر نے انہیں اس حال میں دیکھا کہ قلم دوات ہاتھ میں ہے اور لکھے جارہے ہیں اس نے کہا کہ آپ اس مرتبہ تک پہنچ گئے ہیں آپ کی حیثیت یہ ہے کہ آپ امام المسلمین مانے جاتے ہیں پھر یہ آپ کیا کرتے ہیں فرمایا جب تک قبر میں نہ پہنچ جاؤں قلم دوات کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا۔(3)

طبقات ابن سعد میں سعید بن المسیبؒ کے بارے میں ہے کہ حضرت مالکؒ نے فرمایا اگر مجھے رات دن صرف ایک حدیث کے لئے چلنا پڑتا تو میں چلتا۔لہٰذا اس محنت کے بعد ان کے علم کا مقام یہ تھا کہ جو فیصلے آنحضرتؐ نے فرمائے یا حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے فرمائے ان کے سوا مدینہ میں کوئی مکمل علم نہ رکھتا تھا۔(4)

1) ص 47، بحوالہ العقد الفرید، ج دوم، ص 18
2) سبکی صفحہ 47 بحوالہ العقد الفرید، ج دوم، ص 151
3) ابوزہرہ۔صفحہ 68　　4) (صفحہ 138، 139)

آپ مدینے کے فقیہہ الفقہا کہلاتے تھے۔مکحولؒ انہیں عالم العلماء قرار دیتے ہیں۔

امام المحدثین امام محمدؒ بن اسماعیل بخاری نے پوری زندگی علم حاصل کرنے اور اُسے دوسروں تک پہنچانے میں لگادی۔آپ نے تقریباً ایک ہزار اساتذہ سے علم حاصل کیا۔امام بخاری کا کہنا ہے کہ میں شام، الجزائر، مصر دو دو مرتبہ گیا، بصرہ چار مرتبہ گیا۔مکہ و مدینہ میں چھ سال رہا کوفہ و بغداد تو اتنی بار گیا کہ اب صحیح تعداد یاد نہیں۔(1)

آپؒ نے حصول علم و جمع احادیث میں بہت احتیاط برتی۔سخت چھان پھٹک، تحقیق اور جانچ کے بعد حدیث قبول کرتے اس سلسلہ میں جس سے حدیث لیتے اس کے کردار اور صالح اور سچا ثابت ہونے کے بعد حدیث روایت کرتے۔

امام بخاریؒ کا مشہور واقعہ ہے کہ آپ ایک بار دور دراز کا سفر کر کے ایک شخص کے پاس یہ معلوم کرنے پہنچے کہ یہ حدیث آپ نے بھی سنی ہے اور اس کے روای کون سے ہیں؟

آپؒ نے دور سے دیکھا کہ اس شخص کا گھوڑا بھاگ گیا ہے اور وہ اس کو پکڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔گھوڑے کو اپنی طرف بلا رہے ہیں اور اپنے کرتے کے دامن کو جھولی کی صورت بنا رکھی ہے۔گھوڑا اس جھولی کو دیکھ کر مالک کے پاس آیا کہ شاید اس میں کچھ کھانے کو ہے۔جب گھوڑا قریب آ گیا تو مالک نے جھولی چھوڑ دی اور گھوڑے کو پکڑ لیا۔جھولی میں کچھ نہ تھا اس نے محض گھوڑے کو لالچ دینے کے لئے جھولی بنا رکھی تھی۔

امام بخاریؒ نے یہ تماشا دیکھا اور سوچا کہ جو شخص جانور کو دھوکا دے سکتا ہے وہ انسان کو بھی دھوکا دے سکتا ہے۔علم حدیث کے معاملہ میں ایسے شخص پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔لہٰذا آپ یہ سوچ کر اس سے بغیر ملے اور بغیر کچھ پوچھے واپس آ گئے حالانکہ آپ نے اس شخص سے ملنے کے لئے ایک طویل سفر کیا تھا۔(3،2)

حضرت عبداللہ بن قاسمؒ فرماتے ہیں کہ میں سترہ برس تک امام مالکؒ کے دروازے پر

---

1) محمد بن سعد(طبقات ابن سعید۔ترجمہ عبداللہ العمادی نفیس اکیڈمی کراچی(1971ء)

2) احمد حاطب صدیقی، ص61،60

3۔ احمد حاطب صدیقی(2008ء)امام بخاری کا کارنامہ، دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد صفحہ 51

حصول علم کے لئے پڑا رہا اس عرصہ میں میں نے نہ تو کوئی خرید وفروخت کی اور نہ ہی کوئی دوسرا کام کیا۔ میں صبح سویرے امام مالکؒ کے دروازے پر حاضر ہوتا۔ سحری کے اس وقت میں میں دو چار مسائل پر گفتگو کرتا۔ ایک بار میں نے وقت سحری ان کی چوکھٹ پر ٹیک لگائی تو مجھ پر نیند کا غلبہ ہو گیا۔ امام مالکؒ مسجد جانے کے لئے نکلے تو مجھے پتہ ہی نہ چل سکا۔ امام مالکؒ کی سیاہ رنگ والی لونڈی نے مجھے ٹھوکر لگائی اور کہا تمہارا آقا گھر سے نکل گیا ہے۔ وہ کبھی ایسے غافل نہیں ہوئے جیسا کہ آج تو غافل ہو گیا ہے۔ حالانکہ ان کی عمر 49 برس ہے۔ بہت کم ایسا ہوگا کہ انہوں نے عشاء کے وضو سے صبح کی نماز نہ پڑھی ہو۔ کثرت سے امام صاحب کے پاس آنے کی وجہ سے لونڈی نے مجھے ان کا غلام سمجھ لیا تھا۔(1)

حافظ ابن رجب حنبلی اپنی کتاب ذیل طبقات الحنابلہ میں شیخ عبدالقادر جیلانی کے حوالہ سے رقمطراز ہیں فرماتے ہیں کہ خرچہ ختم ہو گیا میں سبزیوں کا کوڑا کرکٹ کانٹے اور درختوں کے پتے نہر کے کنارے سے چنا کرتا تھا۔ بغداد میں مہنگائی عروج پر تھی کئی دن تک بغیر کھائے پیئے رہا بلکہ لوگوں کی پھینکی ہوئی چیزیں اٹھا کر کھایا کرتا تھا۔ ایک دن نہر پر گیا تو کوئی مجھ سے پہلے سبزیاں و پتے وغیرہ لے جا چکا تھا۔ بھوک سے بے تاب ایک مسجد میں چلا گیا۔ میں موت کے ساتھ مصافحہ کرنے کے قریب تھا کہ ایک نوجوان مسجد میں داخل ہوا اس کے پاس روٹی اور بھنا ہوا گوشت تھا۔ جب وہ لقمہ منہ کی طرف لے جاتا تو میرا منہ خود بخود کھل جاتا۔ اس نے مجھے دیکھا تو کہا بسم اللہ کیجئے میں نے انکار کیا اس نے مجھے قسم دی میں نے اس کی دعوت قبول کر لی اور تھوڑا سا کھالیا۔

اس کے بعد اس نے مجھ سے تعارف حاصل کیا اور بتایا کہ وہ جیلان کا رہنے والا ہے اور عبدالقادر جیلانی نام کے نوجوان کی تلاش میں ہے میں نے اپنا تعارف کروایا تو اس نے بتایا کہ آپ کی والدہ نے میرے ہاتھ آٹھ دینار بھجوائے تھے۔ آپ مجھے نہ ملے میرے پاس خرچہ ختم ہو گیا تو بھوک سے مجبور ہو کر یہ کھانا آپؒ کی رقم سے خریدا ہے۔ لہٰذا اب میں مہمان اور آپؒ میزبان ہیں میں نے اُسے تسلی دی کھانا اسے دے دیا اور ساتھ ہی کچھ دینار دے کر رخصت کیا۔(2)

1) مولانا روح اللہ (2009ء) طالب علم کے شب وروز مکتبۃ الشیخ کراچی۔ صفحہ 138

2) مولانا روح اللہ (2009ء) طالب علم کے شب وروز مکتبۃ الشیخ کراچی۔ صفحہ 134، 135

2.6.9) طلباء سے محبت واحترامِ انسانیت

استاد اور طالب علم علمی و تعلیمی دنیا کے دو روشن ستارے ہیں۔علمی حوالے سے استاد کو برتری حاصل ہوتی ہے مگر سکول یا مدرسہ استاد کتب اور تمام تعلیمی عمل صرف طالب علم کے لئے بنا ہے اور وہی اس کا مرکز و محور ہے۔آج کے دور میں چائلڈ سنٹر (Child Centre) کلاس روم، سکول اور تعلیمی طریقوں کو اہمیت دی جارہی ہے۔مگر اساتذہ طلبہ کا احترام اور اُن سے محبت کو ہی تعلیمی عمل کا مرکز سمجھتے رہے ہیں اور سمجھتے ہیں۔

2.6.9.1) امام ابو یوسف

امام ابو حنیفہؒ فقہ حنفی کے امام مانے جاتے ہیں۔اُن کے فقہ کو اُن کے ہونہار شاگرد امام ابو یوسفؒ نے عملی طور پر نافذ کیا۔امام ابو یوسفؒ خلیفہ ہارون الرشید کے قاضی القضاۃ تھے اور ہارون الرشید کی حکومت مراکش سے ملتان تک تھی اور اس ساری مملکت میں اُن کے فتاویٰ پر عمل ہوتا تھا۔امام ابو یوسف کے والد بچپن میں فوت ہو گئے۔لہٰذا اُن کی والدہ کی خواہش تھی کہ بیٹا اُن کا سہارا بنے اور کچھ کما لائے مگر امام ابو یوسفؒ کو پڑھنے کا بہت شوق تھا۔وہ محنت مزدوری کے سلسلہ میں درس سے ناغہ کرتے تھے۔جب حضرت امام ابو حنیفہؒ کو اُن کے گھریلو حالات کا علم ہوا تو انہوں نے ان کا باقاعدہ وظیفہ مقرر کر دیا۔تاکہ وہ مالی طور پر تنگی محسوس نہ کریں اور بے فکر ہو کر علم کی طرف متوجہ ہوں۔

امام ابو یوسف فقہ حنفی کے ماہر تسلیم کئے جاتے ہیں آپ امام ابو حنیفہ کے لاڈلے شاگرد تھے۔جب آپ امام ابو حنیفہ سے پڑھتے تھے تو غربت اور افلاس کی زندگی بسر کرتے تھے۔اس وجہ سے استاد کے پاس درس میں نہ پہنچ سکتے تھے اور تلاش معاش کے لئے مجبور ہو جایا کرتے تھے مگر علم کا بہت شوق رکھتے تھے۔یہ شوق دیکھ کر استاد محترم امام ابو حنیفہؒ نے انہیں دعا دی کہ ''تم ہمیشہ عیش وعشرت کی زندگی بسر کرو''۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ خلیفہ ہارون الرشید کے دور میں قاضی القضاۃ بن گئے اور اس خوشحالی کے دور میں اپنے استاد کی دُعا کو یاد کر کے کثرت سے اللہ کا شکر ادا کیا کرتے تھے اور

استاد محترم کو دُعا دیتے تھے۔

ایک بار ہارون الرشید نے اس کا سبب دریافت کیا تو آپ نے استاد محترم کی دُعا کا قصہ اور اس کے پورا ہونے کا تمام واقعہ ہارون الرشید کو سنایا جسے سن کر وہ بہت متاثر ہوا اور عظمت استاد کا قائل ہو گیا۔

اساتذہ طالب علم کو گھر کا فرد سمجھتے تھے اور اُس سے مہربانی کا رویہ رکھتے تھے اور مشفقانہ برتاؤ کرتے تھے۔اس سلسلہ میں سید محمد سلیم صاحب اپنی کتاب میں دو واقعات تحریر فرماتے ہیں کہ اردو ادب کا معروف نام ڈپٹی نذیر احمد ہے جن کی مشہور کتب میں مراۃ العروس بنات النعش اور توبۃ النصوح شامل ہیں۔

ان کے استاد کا نام مولوی عبدالخالق تھا۔اپنے درس میں ڈپٹی نذیر احمد چھوٹے تھے اور مدرسہ کے لئے روٹیاں گھروں سے اکٹھی کر کے لایا کرتے تھے۔اُن کے بیٹے مولوی عبدالحامد کی بیٹی یعنی استادِ محترم کی پوتی سے بعد میں انہی ڈپٹی نذیر احمد کی شادی ہوئی۔

2.6.9.2) سعید بن مسیب اور غریب طالب علم

مشہور تابعی اور عالم سعید بن مسیبؒ اپنے وقت کے عظیم استاد تھے۔اُن کا تقویٰ اور جرأت بہت مشہور تھی۔ایک غریب طالب علم چند روز تک اُن کے درس سے غیر حاضر رہا۔چند روز بعد آیا تو وجہ دریافت کی گئی۔ابو وداع طالب علم کا نام تھا نے جواب دیا کہ میری بیوی فوت ہو گئی تھی۔ آپ نے تعزیت کی اور فرمایا اگر اطلاع دیتے تو میں جنازہ میں حاضر ہوتا۔پھر سوچ کر دریافت فرمایا دوسری شادی کا ارادہ ہے طالب علم نے کہا کہ میں بہت غریب ہوں اور میرے پاس صرف تین درہم ہیں۔حضرت سعید بن مسیبؒ نے اپنی بیٹی کی شادی اس طالب علم سے کر دی۔حالانکہ اس لڑکی کا رشتہ خلیفہ ولید بن عبدالملیک نے طلب کیا تھا مگر حضرت سعیدؒ نے اس سے انکار کر دیا اور اپنے طالب علم کو ترجیح دی۔

2.6.9.3) اُستاد محمد افضل

مولانا آزاد بلگرامی کے حوالہ سے مناظر احسن گیلانی صاحب رقمطراز ہیں کہ ملا محمود

جونپوری صاحب برصغیر کے نامور استاد تھے۔ ملا محمود کی وفات بالکل جوانی میں ہوئی۔ ان کے استاد مولانا محمد افضل صاحب جنہیں شاہ جہان کے دربار سے استاد الملک کا خطاب ملا تھا اُس وقت زندہ تھے۔ استادِ محترم کو شاگرد عزیز کی وفات کی خبر ملتی ہے۔ چالیس روز تک کسی نے استاد کو مسکراتے نہیں دیکھا۔ چالیس دن کے بعد استادِ محترم شاگرد سے جا ملے۔(1)

2.6.9.4) مولانا احمد الدین بگوی

حضرت شاہ اسحاق محدث دہلوی کے ایک شاگرد جن کا نام مولانا احمد الدین بگوی تھا لاہور میں پڑھاتے تھے ان کا سن ولادت 1217ھ تھا۔ صاحب حدائق حنفیہ نے لکھا ہے کہ مولانا بگوی اور اُن کے بھائی نے پنجاب میں بہت علم پھیلایا۔ ہزاروں علماء اُن کے شاگردوں میں سے تھے۔ بگوی صاحب خواہ بیمار ہوں یا صحت مند کبھی بھی درس کا ناغہ نہ کرتے تھے۔ اگر کوئی شاگرد بیمار ہو جاتا تو خود دوا تیار فرماتے اور اپنے ہاتھ سے اُس شاگرد کو دوا پلاتے تھے۔ مولانا بگوی کے بھائی کا نام غلام محی الدین بگوی تھا۔ یہ بھی لاہور کی لال مسجد میں تیس سال تک درس دیتے رہے۔ فالج کا حملہ ہوا تو اپنے گاؤں بگا چلے گئے اور تیرہ چودہ سال تک بیماری کی حالت میں وہاں پڑھاتے رہے۔ اُس وقت کے بادشاہی مسجد لاہور کے خطیب مولانا غلام محمد ان کے شاگردوں میں سے تھے۔(2)

2.6.9.5) قاری عبدالرحمن

مولانا الطاف حسین حالی مسلمانوں کے دورِ زوال کے عظیم اساتذہ میں سے ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کی فکری و علمی تربیت کے لئے سرسید سے مل کر جس طرح قوم کے زوال و ذلت و بیماری کی تشخیص کی ہے وہ مسدس حالی کی شکل میں موجود ہے۔ جب تک اردو ادب کا طالب علم اِس کا مطالعہ نہیں کر لیتا اس کا کورس ورک مکمل نہیں ہوتا ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ جب کسی قوم کی ترقی کی بنیاد رکھنی ہو تو بنیادی کام ضروریات کا تجزیہ (Need Analysis) ہوتا ہے۔ جس طرح حالی

1) گیلانی، ص16، حصہ دوئم
2) گیلانی، ص17، حصہ دوئم

نے خامیوں (Gaps) کی نشاندہی کر کے ان کا حل بتایا اس نے مسلمان قوم کو ترقی، اتحاد و ملی شعور اور بہتر مستقبل کی راہ پر گامزن کر دیا۔

مولانا حالی بڑے رکھ رکھاؤ والے بُردبار۔ متحمل اور ماضی کی شرافت کا عظیم نمونہ تھے۔ ان کی تربیت کرنے والے عظیم اساتذہ میں سے تھے آیئے مولانا حالی کے استاد محترم کا واقعہ پڑھتے ہیں۔

استاد محترم کا نام نامی اسم گرامی قاری عبدالرحمان محدث پانی پتیؒ تھا۔ اس واقعہ کو مناظر احسن گیلانی صاحب نے شیخ محمد ابراہیم کی کتاب سے نقل کیا ہے۔ "شیخ صاحب بیان فرماتے ہیں کہ میں قاری صاحب کے پاس بیٹھا تھا آپ نے ایک خط لکھا اور اس انتظار میں تھے کہ کوئی خادم نظر پڑے تو اس سے ڈاک میں ڈلوایا جائے کسی مستعد شاگرد نے حاضر ہو کر عرض کیا لایئے یہ خط میں ڈاک میں ڈال آؤں اور بے حد اصرار کیا۔

حضرت نے فرمایا میں تم سے یہ کام لینا نہیں چاہتا کیونکہ تمہارا تعلق میرے ساتھ تعلیم کا ہے۔ میرا حق استادی سمجھ کر یہ خط ڈاک میں ڈالو گے۔ میرے نزدیک یہ بھی ایک گونہ رشوت ہے۔ اس کے بعد بوجہ اللہ تعلیم کا خلوص باقی نہ رہے گا۔ لہٰذا میں تم سے یہ معمولی کام لے کر اپنا ثواب کیوں ضائع کروں۔ (1)

2.6.9.6) مولانا فضل امام

تذکرۂ غوثیہ میں مولانا فضل حق خیر آبادی کا ذکر ہے۔ مولانا فضل حق خیر آبادی مولانا فضل امام کے صاحبزادے تھے۔ خیر آبادی خاندان کی خدمات تحریک آزادی کے حوالہ سے بہت شاندار ہیں۔ مولانا فضل حق کے والد محترم فضل امام ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے صدر الصدور کے عہدے پر فائز تھے ایک طالب علم ان سے پڑھنے آیا۔ انہوں نے مولوی فضل حق کے پاس بھیج دیا کہ مجھے فرصت نہیں تم ہی پڑھا دیا کرو یہ طالب علم کچھ غبی تھا مولوی فضل حق کی جوانی کا زمانہ چند اسباق کے بعد ان کا جی اکتا گیا ایک دن پڑھاتے ہوئے کتاب پھینک دی اور برا بھلا کہہ کر طالب علم کو نکال دیا۔ طالب علم مولانا فضل امام کے پاس پہنچا اور حال بیان کیا۔ یہی سننے کی

---

1)　گیلانی، ص 30

دیر تھی کہ مولانا فضل امام آپے سے باہر ہو گئے۔ مولوی فضل حق کو اسی وقت طلب کیا۔ طلبی کا فقرہ تھا "بلاؤ اس خبیث کو" جو عالم بنتا ہے لیکن ایک طالب علم کی تحقیر کی ہے مولوی فضل حق سامنے آتے ہیں لکھا ہے کہ بے تحاشا ایک تھپڑ مولوی فضل امام نے بیٹے کو رسید کیا پگڑی دور جا پڑی اور فرماتے جاتے تھے تو طلبہ کی قدر کیا جانے۔ بسم اللہ کے گنبد میں پلا ہے خبردار میرے طلبہ کو اگر کبھی کچھ کہا۔

سید سلیم صاحب رقمطراز ہیں کہ حافظ عثمان، خط نسخ کے امام کے نام سے مشہور بڑے درویش منش استاد تھے۔ ان کا زمانہ 1110ء کے نزدیک کا ہے۔ حافظ صاحب اس وقت کے خلافت عثمانیہ کے دو خلفاء، سلطان احمد خان ثالث اور مصطفی خان ثانی کے استاد تھے اور دربار خلافت کے خاص آدمی تھے اس تقرب کے باوجود اتنے غریب دوست اور فقیر منش تھے کہ جہاں غریب بچے کو دیکھتے وہیں راستے میں بیٹھ جاتے اور تعلیم دینا شروع کر دیتے۔ اس سلسلہ میں حافظ صاحب قطعاً کوئی عار محسوس نہ کرتے تھے۔ (صفحہ 32)

2.6.9.7) حافظ ہشیم

حافظ ہشیم اسلام کی روح اور تعلیمات کا پیکر تھے۔ آپ نے تابعین حضرات سے علم حاصل کیا۔ آپ امام شافعی کے ہم عصر اور امام احمد بن حنبل کے استاد تھے۔

آپ کا خاندان کھانا پکانے کا ماہر تھا آپ کے والد بشر طباخ کئی طرح سے مچھلی پکاتے تھے اور بغداد میں استاد فن تسلیم کئے جاتے تھے۔ ہشیم نے اپنی خاندانی ڈگر کو چھوڑ کر علم حاصل کرنا شروع کیا تو باپ نے بہت ملامت اور ڈانٹ ڈپٹ کی۔ مگر بیٹے پر علم کا نشہ طاری ہو چکا تھا وہ خاموشی سے اس ڈانٹ ڈپٹ کو برداشت کرتے رہے۔ آپ قاضیٔ وقت ابوشیبہ کی مجلس درس میں پابندی سے شامل ہوتے تھے اور فقہ کی تحصیل و تکمیل کرتے رہتے۔ ایک مرتبہ آپ بیمار ہو گئے اور ابوشیبہ کی مجلس درس میں حاضر نہ ہوئے۔ استاد محترم نے پوچھا تو پتہ چلا کہ بیمار ہیں آپ نے شاگردوں سے کہا کہ چلو ہشیم کی عیادت کر آئیں۔ تمام اہل مجلس کھڑے ہو گئے اور عیادت کے لئے بشیر طباخ کے گھر پہنچے۔ جب قاضی صاحب فرض عیادت سے فارغ ہو کر واپس چلے گئے تو بشیر

طباخ نے بیٹے سے کہا۔ میرے بچے" میں تجھے طلب علم سے منع کیا کرتا تھا۔ لیکن آج سے میں اپنی ممانعت واپس لیتا ہوں۔ قاضی ابوشیبہ جیسا شخص اور میرے دروازے پر بھلا میں اس کی آرزو بھی کرسکتا تھا"۔(1)

2.6.9.8) شیخ منصور لاہوری

ملا عبدالقادر ایوانی نے اپنی کتاب میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ شیخ منصور لاہوری اکبری دربار کے امراء میں سے تھے۔ ایک زمانہ تک مالوہ کے قاضی القضاۃ رہے پھر پنجاب کے علاقہ بجواڑہ اور حدودِ دامن کوہ کے ضبط وربط کے خدمت اُن کے سپرد ہوئی۔ یوں ہی مختلف عہدوں اور مناسب پر سرفراز ہوتے رہے۔ بڑی جاگیر کے مالک تھے۔ علاوہ امیر کبیر ہونے کے علم میں اُن کا پایہ غیر معمولی تھا۔ ہندوستان میں جتنے علوم عقلی تھے ان سے واقف اور عمدہ سمجھ بوجھ رکھتے تھے اس سلسلہ میں اہل حکومت امراء سے محفلیں گرم کیا کرتے تھے مگر سرکاری مصروفیات کی بناء پر درس وتدریس میں زیادہ حصہ نہ لے سکے۔ ان کے صاحبزادے ملا علاؤالدین کا رنگ دوسرا تھا۔ اکبر نے کئی عہدے پیش کئے مگر قبول نہ کئے ساری عمر موروثی جاگیر پر قناعت کی اور پڑھنے پڑھانے میں زندگی گزاردی۔ جو جاگیر ملی تھی وہ ساری طلبہ کے لئے تھی۔ ان کا دسترخوان طلبہ کے لئے ضرب المثل بن چکا تھا۔ گو تمام امراء وصاحب ثروت طلبہ کا احترام اور قیام وطعام کا بندوبست کرتے تھے مگر ان جتنی وسعت کہیں نہ تھی۔(2)

2.6.9.9) طلباء کا احترام

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاد مولانا برکات احمد ٹونکی کا واقعہ نقل کیا ہے کہ:

وہ (حکیم صاحبؒ) تنخواہ طبابت کی راہ سے پاتے تھے لیکن عمر بھر پڑھاتے رہے اور دس بیس طالب علموں کو کھانا دے کر پڑھاتے رہے۔ اس راہ میں وقت کی، مال کی، دل کی، دماغ کی

1) تاریخ بغداد جلد 14 صفحہ 87

2) بحوالہ مناظر احسن گیلانی ص 22،21۔ جلد ii

جو قربانیاں حکیم صاحبؒ کو کرنی پڑیں، ان سے وہ یا ان کا خدا ہی واقف ہے“۔

پھر حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت حکیم صاحبؒ بعض خاص پیچیدگیوں کی وجہ سے چند دنوں مالی دشواریوں میں مبتلا ہو گئے لیکن یہ ایک اندرونی واقعہ تھا۔ جس کی دوسروں کو خبر نہ تھی اندر سے ہمیشہ ان کے لئے کھانا آتا رہا۔ ایک دن حضرت کی اہلیہ محترمہ کو بالآخر طلبہ کے لئے یہ کرنا پڑا کہ سونے کے کنگن انہوں نے اپنے ایک معتمد طالب علم کے حوالہ کئے کہ ”بازار سے بیچ کر یا گروی رکھ کر ان کے روپے سے گیہوں اور گھی خرید کر لا دے کہ طالب علموں کے کھانے کے لئے کچھ نہیں تھا۔ کنگن فروخت کئے گئے اور ان طالب علموں کو کھلا دیئے گئے جن کی طرف سے دنیا میں حکیم صاحبؒ یا ان کے اہل خاندان کو ایک حبہ کا نفع نہ اس وقت پہنچتا تھا نہ اب پہنچ رہا ہے۔

2.6.9.10) خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حضرت شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی صاحبؒ اپنے علمی شغف میں ضرب المثل اور نمونہ سلف تھے۔ ان کا مشہور واقعہ ہے کہ

”حضرت شیخ الادبؒ کی اہلیہ کی حالت نازک تھی لیکن پھر بھی درسگاہ تشریف لے ہی آئے۔ فجر کی نماز پڑھی۔ ہدایہ اخیرین بغل میں لی اور اپنے مخصوص انداز میں درسگاہ پہنچے درس ہدیہ آخیرین جاری ہے۔ انتہائی سکون اور تسلسل کے ساتھ حضرت مرحوم کی تقریر جاری ہے، اچانک ایک طالب علم خلل انداز ہوتا ہے، پریشان حال طالب علم اور اطلاع دیتا ہے۔

حضرت والا! حامد میاں کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔

یہ صبر و سکون کو ختم کرنے والی دل دوز خبر سن کر جو بے چینی پیدا ہو سکتی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ اس بڑھاپے میں اہلیہ کا انتقال ہو رہا ہے لیکن اس صبر و عزیمت کے پہاڑ نے کیا کیا اور سننے والوں نے کیا سنا، ذرا اسے بھی سن لیجئے گا، اس پریشان کن خبر کے بعد بھی آپ کی زبان سے صرف:

انا للہ و انا الیہ راجعون

کی آواز سنی جاتی ہے اور پھر اپنی اسی شان سے تقریر جاری ہے صورت مسئلہ کی توضیح ہو رہی ہے، دلائل کی تحلیل ہو رہی ہے، نہ تقریر کا تسلسل ٹوٹتا ہے نہ آواز میں کوئی فرق پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ

درس بدستور اپنی پوری عظمت کے ساتھ جاری ہے۔

صبر وعزیمت غیر معمولی علمی شغف کی اس سے بہتر مثال کیا مل سکتی ہے۔

2.6.10) اساتذہ وعلماء کا مقام واحترام

اساتذہ وعلماء کسی بھی قوم کے علمی مقام کو متعین کرنے کا بنیادی عنصر ہیں جو فرد، قبیلہ، حکومت یا رسالت اساتذہ کا اکرام نہیں کرتی، وہ علمی ترقی میں پیچھے رہ جاتی ہے اور بالآخر زوال آشنا ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر گبن کے مطابق روما کا زوال اور اگر مغل سلطنت علم سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی یافتہ ہوتی تو چند ہزار انگریز اُسے ختم نہ کر سکتے۔

آنحضرت ﷺ اہل علم کا احترام فرماتے تھے، آپ نے غزوہ اُحد کے شہداء میں سے زیادہ علم والے کو پہلے دفن فرمایا۔ حضرت علیؓ کا یہ قول کہ ''جس نے مجھے ایک حرف سکھایا، میں اس کا غلام ہو گیا، حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ ''اگر علماء (اساتذہ) نہ ہوتے تو انسان جانوروں کی طرح ہوتے''۔ یحییٰ بن معاذؒ کا کہنا ہے کہ اُمت محمدیہ کے علماء ان کے ماں باپ سے زیادہ رحیم ہیں۔ پوچھا گیا کیسے؟ انہوں نے کہا ماں باپ تو دُنیا کی آگ سے بچاتے ہیں جبکہ علماء انہیں آخرت کی آگ سے بچانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔(1)

2.6.10.1) مولانا بہاء الدین

مولانا روم کے والد محمد بہاء الدینؒ، سلطان محمد خوارزم شاہ کے رویہ وحسد کی وجہ سے بلخ چھوڑ کر مختلف ممالک سے ہوتے ہوئے لارندہ نام کے شہر میں سکونت پذیر ہو گئے۔ سلجوقی فرمانروا علاؤالدین کیقباد کو علم ہوا تو آپ کو بڑے اصرار کے ساتھ اپنے دارالسلطنت قونیہ آنے کی دعوت دی۔ جب شیخ محمد بہاؤالدین قونیہ پہنچے تو سلطان علاؤالدین کیقباد خود معہ اپنے امراء استقبال کے لئے حاضر ہوا۔ استقبال کیا اور ایک قافلہ کی صورت میں شہر میں اس حالت میں داخل ہوا کہ شیخ محمد بہاء الدین گھوڑے پر سوار ہیں اور بادشاہ وقت سلطان کیقباد پیدل ساتھ چل رہا ہے۔ قونیہ میں ان کو عظیم الشان مکان وتمام رہائشی لوازم مہیا کئے گئے آپ نے قونیہ میں ایک عمدہ مدرسہ قائم کیا۔

1) علامہ یوسف قرضانوی، ص164، 168

بادشاہ اکثر آپ کی محفل میں خود حاضر ہوتا اور کسب علم کرتا۔ تین سال بعد آپ وفات پا گئے۔ مگر بادشاہ کی انکساری اور علم دوستی نے قونیہ کی علمی شہرت کو امر کر دیا۔ قونیہ ترکی کا مشہور شہر ہے۔ آج بھی مولانا رومؒ کا مزار قونیہ میں ہے ہر صاحب علم جو ترکی میں جاتا ہے۔ مولانا رومؒ کے مزار پر حاضری دینا اپنے لئے اعزاز سمجھتا ہے۔ یوں اس ایک علم دوست بادشاہ کی وجہ سے اس کے شہر کو شہرت دوام حاصل ہو گئی۔

2.6.10.2) ابونصر فارابی

مسلمانوں کی علمی دنیا میں سقراط کو معلم اول اور ابونصر فارابی کو معلم ثانی کہا جاتا ہے۔ فارابی اپنے ابتدائی دور میں غریب شخص تھا۔ اس نے باغ کی نگہبانی سے اپنا کیریئر شروع کیا اور رات کو چوکیدار کی قندیل کی روشنی میں پڑھا کرتا تھا اور لباس بھی انتہائی سادہ ہوتا تھا۔

جب فارابی عالم بن گیا تو حلب کے امیر سیف الدولہ کے مصاحبوں میں شامل ہو گیا۔ سیف الدولہ بہت کھلے دل کا مالک تھا اور علماء کا قدردان فارابی کو لاکھوں دینار دیئے۔ مگر فارابی کا حال سقراط اور قدیم حکماء کی طرح تھا۔ قانع مزاج حلیم الطبع تھا۔ وہ ان لاکھوں دیناروں میں سے صرف چار درہم روزانہ لیا کرتا اور سادہ شوربے والی غذا استعمال کرتا۔ اس کا نہ کوئی مکان تھا اور نہ علم کے علاوہ کوئی پیشہ۔

فارابی کی علمی خدمات بیش بہا ہیں اس نے یونانی علوم کو زندہ کیا ان کی شرحیں لکھیں اور پھر اپنی طرف سے نقد و جرح کے بعد بہت سی کتب تصنیف کیں۔ بعد میں ان کتب کے یورپی زبانوں میں تراجم ہوئے اور یورپ نے اس کے فلسفہ سے فائدہ اٹھایا۔ فارابی قابل فخر استاد اور فلسفی تھا۔ آخر عمر میں صوفیا کا لباس زیب تن کرتا تھا۔

فارابی بغداد سے حلب جا رہا تھا کہ اثنائے سفر میں فوت ہو گیا۔ امیر حلب سیف الدولہ نے جب فارابی کی موت کی خبر سنی تو شاہی لباس اتار پھینکا۔ صوفیا کا لباس پہنا اور پندرہ مصاحبین کے ساتھ جا کر فارابی کی نماز جنازہ ادا کی اور اس کی قبر پر جا کر تعزیت کی۔ سیف الدولہ کی اس قدردانی نے اسے بھی فارابی کے تذکرہ کے ساتھ زندہ جاوید کر دیا ہے۔

2.6.10.3) سلطان سکندر لودھی

تلمبہ نام کا قصبہ ضلع خانیوال میں ہے اس قصبہ میں ایک قدیم ٹیلہ ہے جس کی محکمہ آرکیالوجی پاکستان نے کھدائی کی تو اسے ہڑپہ کا ہم عصر پایا یعنی قبل از تاریخ کے زمانہ کی آبادی اب بھی موجود ہے اس قصبہ پر زوال آیا اس علاقہ میں بدامنی بڑھی تو یہاں کے دو بھائی جو کہ دونوں اپنے وقت کے عظیم علماء واساتذہ میں سے تھے دہلی کی طرف ہجرت کر گئے۔ اس وقت دہلی پر سکندر لودھی کی حکومت تھی جو کہ علم دوست بادشاہ تھا۔ اس کے دربار میں پہنچے تو بقول ملا عبدالقادر بدایونی دونوں حضرات کو فن تدریس میں کمال حاصل تھا، عہد سکندری میں دلی میں ارباب علم و فضل کا مجمع اکٹھا ہو گیا، اس میں یہ دو بھائی بھی شامل تھے ایک کا نام شیخ عبداللہ تھا جن کو سلطان سکندر نے دہلی میں رکھ لیا دوسرا بھائی شیخ عزیز اللہ کو سنبھل (مراد آباد) جو کہ اس علاقہ کا مرکزی شہر تھا بھجوا دیا گیا۔

ملا عبدالقادر بدایونی، رقمطراز ہے کہ سلطان سکندر شیخ عبداللہ کے طرز تدریس کا عاشق تھا۔ شیخ کے درس سے اس وقت چالیس نامور علماء نکلے۔ جب شیخ درس شروع کرتے تو سکندر لودھی خاموشی سے آتا اور شیخ کے درس میں شامل ہو جاتا اور درس ختم ہونے کے بعد سلام کرتا اور شیخ عبداللہ سے گفتگو کرتا اس طرح ایک مطلق العنان بادشاہ کا ایک عالم کے درس میں اس طرح بیٹھنا غیر معمولی واقعہ تھا۔ (1) یہ شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز اللہ تلمبوی ہی تھے جنہوں نے تلمبہ جیسے دیہاتی علاقہ سے اٹھ کر دہلی کے مرکزی علاقہ کو علمی حوالہ سے متاثر کیا اور علم معقول کا رواج دہلی میں ڈالا اور باقاعدہ طور پر معقولات کی کتب نصاب تعلیم کا حصہ بنیں۔ ان دو بھائیوں کی وجہ سے برصغیر میں قطب الدین رازی کی سوچ کو فروغ حاصل ہوا اور باقاعدہ طور پر فلسفہ کی تعلیم شروع ہوئی۔

جلال الدین اکبر بادشاہ نے دین الٰہی رائج کر دیا اور اس کے لئے ٹیم بلڈنگ شروع کی تو اسے کسی نے اطلاع دی کہ ایران میں ایک منطق کا ماہر فلسفی ہے جس کا نام غیاث منصور ہے جو کہ نماز و دیگر عبادات کا پابند نہیں ہے اسے دربار میں بلا لیا جائے۔ پھر اطلاع ملی کہ غیاث منصور کا ایک شاگرد ان دنوں بیجاپور آیا ہوا ہے۔ چنانچہ عادل خان والئی بیجاپور (دکن) کو حکم لکھا گیا کہ اس

---

1) سید مناظر احسن گیلانی صفحہ 192، 193

عالم اُستاد میر فتح اللہ شیرازی کو شاہی دربار میں بھجوایا جائے۔

2.6.10.4) اکبر و میر فتح اللہ شیرازی

اس طرح میر فتح اللہ شیرازی دربار اکبری میں پہنچ گئے۔ میر فتح اللہ شیرازی بقول ملا عبدالقادر بدایونی، فلسفہ، مذہب، طب، ریاضی، طبعیات اور دیگر بہت سے علوم کے ماہر تھے۔ میر فتح اللہ شیرازی اکبر کی مذہبی توقعات پر تو پورا نہ اتر سکے اور دین الٰہی کے زمرہ میں داخل نہ کئے جا سکے۔ لیکن میر صاحب نے اپنی علمی دھاک اکبری دربار میں بٹھا دی۔ یہاں تک کہ جب اکبر کے سامنے اللہ اور رسول کا نام لینا مشکل تھا تو میر فتح اللہ شیرازی اپنے مذہبی عقیدے پر قائم رہے جو کہ امامیہ (شیعہ) مکتب فکر کے پیروکار تھے میر صاحب اکبری دربار کے واحد آدمی تھے جو کہ اکبر کے دیوان خانہ کے درمیان میں نماز ادا کیا کرتے تھے اور کسی کو انہیں روکنے کی ہمت نہ تھی۔ اکبر بھی ان کے علم و حکمت کی وجہ سے مصلحتاً خاموش رہتا تھا۔

میر صاحب بہت کم وقت میں صدر جہاں کے عہدہ پر فائز کر دیئے گئے اور اکبر نے خود انہیں خلعت منصب عطا کیا اور اپنے مشہور امیر راجہ ٹوڈرمل کا شریک وزارت بنا دیا۔ میر صاحب نے وزارت مالیات کا نہایت عمدہ انتظام کیا۔ آج بھی پاکستان اور ہندوستان میں زمینوں کا جو ریکارڈ موجود ہے یہ شیر شاہ سوری اور پھر اکبری دور کا تیار شدہ ہے جسے انگریزوں نے جوں کا توں رکھا۔ اس کے بنانے میں میر صاحب کا ہاتھ بھی ہے۔ اس دور میں زمینوں کا تمام ریکارڈ فارسی زبان میں منتقل کیا گیا اور ہندوؤں کی اجارہ داری ختم ہو گئی۔

اس کے علاوہ میر صاحب نے ایران سے بہت سی کتب فلسفہ کو ہندوستان میں منگوایا اور مدارس میں رائج کیا۔ میر فتح اللہ نے اس دور میں ایسی توپ ایجاد کی جس کو کھول کر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکتا تھا اسے ٹوٹ جانے والی توپ کہتے تھے۔ اس کے علاوہ ایک ایسی بندوق ایجاد کی جو کہ ایک وقت میں گیارہ فائر کرتی تھی۔

میر صاحب ان تمام مصروفیات کے باوجود درس و تدریس کے لئے وقت ضرور نکالتے تھے۔ وہ درباری امراء کے بچوں کو درس دیتے تھے انہیں نقطہ، خط، دائرہ، ابجد وغیرہ کے بارے

میں پڑھاتے اور بڑوں کے لئے انہوں نے علامہ دوانی اور مرزا جلال کی کتب پر حاشیے تحریر کئے اور خود پڑھایا بھی۔ وہ امراء کے گھروں سے ایک ایک بچہ لیتے تھے اس کے پڑھنے کی باقاعدہ منزلیں طے تھیں اور اس طرح انہوں نے اعلیٰ طبقے میں معقولات یعنی فلسفہ کا علم پھیلایا۔

میر فتح اللہ اکبر کے ساتھ کشمیر گئے اور واپسی پر راستے میں بیمار ہوئے اور فوت ہو گئے۔ اکبر ان کی موت پر روتا تھا اور کہتا تھا کہ اگر کوئی میر صاحب جو کہ میرے حکیم طبیب و منجم تھے کے لئے مجھ سے حکومت کے تمام محاصل اور خزانے طلب کرتا تو میں وہ دے کر بھی میر کو بچا لیتا۔(1)

مولانا محمد حسین آزاد اپنی کتاب دربار اکبری میں میر صاحب کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میر صاحب نے خلاصۃ المنہج اور منہج الصادقین کے نام سے قرآن مجید کی تفسیر لکھی اور پھر ان کی ایجادات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہوا سے چلنے والی چکی۔ عجیب قسم کے آئینے، پورٹ ایبل توپ اور مشین گن کی طرح کی بندوق جس کی ایک گردش میں دس آوازیں ہوتی تھیں۔(2) گیلانی صاحب اپنی کتاب کے صفحہ 169 پر اس دور کی کچھ عجیب و غریب ایجادات کا ذکر بھی فرماتے۔

(2.6.10.5 شیخ سعدی شیرازیؒ

اخلاقی تعلیم کے حوالہ سے شیخ سعدی وہ استاد ہیں جو پوری اسلامی دنیا میں پہلے نمبر پر نظر آتے ہیں۔ ان کی حکایات آج بھی اہل بصیرت کے لئے ایک تحفہ سے کم نہیں ان سے ہر خاص و عام نے فیض پایا۔ جاوید چوہدری اپنے ایک کالم میں رقمطراز ہیں کہ امیر تیمور ایک عام وغریب شخص تھا اس نے شیخ سعدی شیرازی کا ایک فقرہ پڑھا۔ شیخ سعدی نے لکھا انسان کو دنیا میں بے تحاشہ علم حاصل کرنا چاہئے اور بے انتہا دولت کمانی چاہئے۔ سعدی شیرازی کا کہنا تھا کہ دُنیا پرست لوگ حقیر سمجھ کر مسترد نہ کر سکیں گے اور علم اس لئے حاصل کرنا چاہئے کہ آپ خود کو عالموں میں کمتر محسوس نہ کریں۔ امیر تیمور نے یہ فقرہ پڑھا اور علم و دولت کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ اُس نے

---

1)　سید مناظر احسن گیلانی صفحہ 198 تا 202

2)　مناظر احسن گیلانی صفحہ 170

زندگی میں 54 ملک فتح کئے اور تیموردی گریٹ کہلایا اس نے جو ملک یا شہر فتح کیا اس کی ساری آبادی کو قتل کر ڈالا اور شہر جلا کر راکھ کر دیا۔ لیکن جب وہ شیراز پہنچا تو اس نے سعدی شیرازی کے ایک فقرے کے صدقے پورے شہر کو امان دے دی۔ (1) گویا امیر تیمور جیسا ظالم فاتح بھی شیخ سعدی کی تعلیمات کا معترف ہے اور اس کی تعمیر میں بھی شیخ کی پند کا حصہ موجود ہے۔

شیخ سعدی ذہین فطین اور باعمل استاد تھے ایک بار کسی نے شیخ سے دریافت کیا۔ آپ نے اتنی عقل کہاں سے سیکھی تو شیخ نے جواب دیا بے عقلوں اور جاہلوں سے۔ سوال کرنے والا حیران ہوا اور پوچھا کہ بھلا بے عقلوں یا جاہلوں سے عقل کیسے سیکھی جا سکتی ہے تو شیخ سعدی نے جواب دیا میں نے صرف یہ کیا کہ بے عقل اور جاہل جو کام کرتے ہیں میں نے وہ چھوڑ دیئے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تین اشخاص کی تحقیر منافق ہی کر سکتا ہے۔

بوڑھے مسلمان کی

عادل حاکم کی

نیکی کے معلم کی۔ (2)

آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ طلب علم کے سوا کسی چیز میں خوشامد کرنا مومن کی شان نہیں۔

حضرت علیؓ کا قول ہے کہ ”جس نے مجھے ایک حرف بھی سکھایا تو میں اس کا غلام ہوں چاہے وہ مجھے بیچ دے چاہے آزاد کر دے۔ مزید آپ نے اس سلسلہ میں کچھ شعر فرمائے جن کا ترجمہ یوں ہے۔ سب سے زیادہ واجب الادا اور ضروری مسلمان پر استاد کا حق ہے۔

استاد کا بطور عزت و احترام یہ حق بنتا ہے کہ ایک حرف سکھانے پر بھی اس کو ایک ہزار درہم ہدیہ کئے جائیں۔ (3)

2.6.10.6) قدرِ استاد

امام ابو یوسف کو اپنے استاد امام ابو حنیفہ کی شاگردی پر بہت فخر و ناز تھا۔ ہمیشہ ان کا ذکر

1) جاوید چوہدری، زیرو پوائنٹ، ج 5، ص 39

2) العلم والعلماء صفحہ 105

3) اساتذہ کرام کے آداب و حق، ص 42

شاندار الفاظ میں کرتے ہر نماز میں پہلے اپنے استاد اور پھر والدین کے لئے دعا کرتے۔ علامہ خُمیری نے روایت کیا ہے کہ امام ابو یوسف نے کہا ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میں نے نماز پڑھی ہو اور استاد محترم کے لئے دعا نہ کی ہو۔ آپ نے 29 سال تک مسلسل صبح کی نماز استاد محترم کے ساتھ ادا کی۔ ان کی وفات کے بعد امام ابو یوسف بڑی حسرت سے کہا کرتے تھے کہ کاش مجھے استاد محترم کی ایک مجلس مل جائے تا کہ میں اپنے علمی اشکال حل کرو اسکوں اس کے لئے میں اپنی آدھی دولت جو کہ دس لاکھ درہم تھی دینے کو تیار ہوں۔(1)

2.6.10.7)امام شافعی

حضرت امام شافعیؒ بہت بڑے عالم فاضل اور استاد تھے فرماتے ہیں کہ میں دوران تعلیم ادب کی وجہ سے کتاب کا ورق بہت آہستگی سے پلٹتا تھا کہ میرے استاد کو اس کی آواز سنائی نہ دے۔(2)

امام شافعیؒ کا قول ہے کہ جو شخص علم کو بے دلی اور استغنا کے ساتھ حاصل کرے کامیاب نہیں ہوسکتا۔ ہاں جو شخص خاکساری اور تنگ دستی کے ساتھ حاصل کرنا چاہے کامیاب ہوسکتا۔(3)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ امام شافعیؒ کے شاگرد تھے آپ فرماتے ہیں کہ میں نے تیس سال سے کوئی ایسی نماز نہیں پڑھی جس میں نے اپنے استاد شافعی کے لئے دعا نہ مانگی ہو۔ ایک بار امام احمد بن حنبل کے بیٹے نے پوچھا ابا جان امام شافعیؒ جن کے لئے آپ ہمیشہ دعا گو رہے کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا میرے بیٹے امام شافعیؒ دنیا کے لئے آفتاب اور انسان کے لئے صحت وتندرستی تھے۔(4)

2.6.10.8)ادبِ اُستاد

حضرت امام ابو حنیفہ فقہ حنفی کے امام اور معروف اساتذہ میں سے تھے۔ آپ نے پوری زندگی اپنے پاؤں اپنے استاد امام حماد کے گھر کی طرف نہیں پھیلائے اور نہ ہی ادھر پاؤں کر کے

---

1) اساتذہ کرام کے آداب وحقوق صفحہ 43،42
2) اساتذہ کرام کے آداب وحقوق صفحہ 44
3) فضائل علم وعلماء صفحہ 67
4) صفحہ 26

سوئے حالانکہ سات میلوں کا فاصلہ تھا۔(1)

2.6.10.9) احترام علم

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ''میں ایک ایک حدیث کے لئے میلوں سفر کر کے جب صاحب حدیث کے دروازہ پر پہنچتا تو معلوم ہوتا کہ وہ مصروف ہیں یا آرام فرما رہے ہیں تو میں ان کے آستانے پر سر رکھ کر لیٹ جاتا۔ دھوپ اور ریت میرے منہ کو کالا کر دیتی جب صاحب خانہ خود باہر آتے تو مجھ سے پوچھتے کب آئے ہو؟ میں بتاتا کہ اتنا وقت گزر چکا ہے تو ناراض ہوتے کہ تم آنحضرتؐ کے چچازاد ہو خود کیوں آئے ہمیں بلا لیتے تو میں کہتا کہ نہیں میں طالب علم ہوں میرا آنا ہی مناسب ہے۔(2)

اسی رویہ کی بناء پر آپ اسلام کے پہلے دور کے حدیث کے چوٹی کے استاد تھے۔ مسلمانوں نے آپ کو حبر الامہ اور بحر العلم کا لقب دیا۔ آپ قرآن مجید کی آیات کے شان نزول جاننے میں سب سے ممتاز تھے۔ جب آپ کا انتقال ہوا تو نماز جنازہ حضرت علیؓ کے صاحبزادے محمدؒ نے پڑھائی اور فرمایا کہ امت کا امام ربانی آج رخصت ہوا۔(3)

2.6.10.10) قاضی فخر الدین

تعلیم المتعلم میں تحریر ہے کہ قاضی فخر الدین ارسابندی مرو شہر کے اماموں میں سے تھے۔ شہریان کے علاوہ بادشاہ بھی ان کا بہت احترام کیا کرتا تھا۔ قاضی صاحب بلند مرتبہ استاد تھے۔ ایک بار فرماتے ہیں کہ میں نے تیس سال تک اپنے استاد محترم جناب قاضی ابو لیزید دبوسی کا کھانا پکایا مگر کبھی اس کھانے میں سے چکھا تک نہیں۔(4)

2.6.10.11) خلیفہ ہارون الرشید

خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے بیٹے کو معروف استاد اصمعیؒ کی خدمت میں تربیت کے لئے بھیجا

1) اساتذہ کرام کے آداب وحقوق، ص 57
2) تعلیم وتعلم کے آداب صفحہ 18
3) اساتذہ کرام کے آداب وحقوق صفحہ 73، 74
4) ص 28

ایک بار ہارون الرشید استاد محترم سے ملنے گیا تو دیکھا کہ شہزادہ پانی ڈال رہا ہے اور استاد محترم وضو فرما رہے ہیں اور پاؤں دھو رہے ہیں۔ ہارون الرشید نے کہا کہ میں نے بیٹے کو آپ کے پاس تربیت کے لئے بھیجا تھا آپ اسے ادب سکھاتے جو کتنا اچھا ہوتا۔

اصمعی صاحب نے کہا یہ پانی ڈال تو رہا ہے۔ ہارون الرشید نے کہا کہ حضرت آپ اسے حکم فرماتے کہ یہ ایک ہاتھ سے پانی ڈالتا اور دوسرے سے پاؤں دھوتا۔(1)

2.6.10.12) اُستاد کی موت کا دُکھ

مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں کہ ''عصر جدید کا ذہن شاید اس پر ہمیشہ حیرت کرے کہ ہندوستان کے مشہور عالم اور جہاندیدہ استاد ملا نظام الدین لکھنویؒ جو کہ برصغیر میں درس نظامی کے بانی ہیں۔ ان کی وفات کی خبر سن کر ان کے ایک شاگرد سید کمال الدین عظیم آبادی کا انتقال ہو گیا اور ان سے محبت کرنے والے دوسرے شاگرد سید ظریف عظیم آبادی کی آنکھیں خراب ہو گئیں بعد میں معلوم ہوا کہ استاد محترم کی وفات کی خبر غلط تھی۔(2)

2.6.10.13) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے عمر شریف کے 33 سال تدریس فرمائی اور چالیس سال نصیحت وارشاد میں صرف کیئے۔ آپ نے نوے برس کی عمر پائی اولیاء اللہ میں بلند مقام کی وجہ سے آپ کو غوث اعظم کہا جاتا ہے۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رقمطراز ہیں کہ آپ کی مجلس میں 400 آدمی قلم دوات سمیت موجود رہتے تھے۔ آپ جو فرماتے وہ لکھ لیتے تھے اتنے بلند مقام اور خلائق کے پسندیدہ عالم اور استاد تھے کہ ایک بار مسجد میں دوران درس چھینک آ گئی۔ اس پر حاضرین میں سے یرحمك الله کی اس قدر آوازیں بلند ہوئیں کہ خلیفہ مستنجد باللہ جو کہ مسجد کے حجرے میں موجود تھا۔ اس نے مصاحبین کو بھیجا کہ یہ کیسا شور ہے۔ جواب ملا کہ شیخ عبدالقادر کو چھینک آئی ہے اور سامعین نے جواباً دعا دی ہے۔(3)

1) اساتذہ کرام کے آداب وحقوق۔ بحوالہ صفحہ 81۔ بحوالہ بادب بانصب۔ صفحہ 117

2) انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر۔ صفحہ 363

3) شاہ عبدالحق محدث دہلوی۔ صفحہ 18

2.6.10.14) تکریم علم

ایک دفعہ خلیفہ ہارون الرشید نے ایک عالم واستاد ابومعاویہ کو کھانے پر بلایا ابومعاویہ نابینا تھے۔ کھانے سے پہلے طشتری میں ان کے ہاتھوں پر خود پانی ڈالا جب فارغ ہوئے تو پوچھا۔ اے ابومعاویہ آپ جانتے ہیں کہ آپ کے ہاتھوں پر پانی کس نے ڈالا؟ جواب ملا نہیں۔ کہا امیر المومنین نے۔ تو فرمایا اے امیر المومنین تو نے علم کی عزت وتکریم کی۔ اللہ تعالیٰ تجھے عزت واکرام بخشے گا۔(1)

2.6.10.15) مجاہد آزادی کا ایثار

انگریزوں نے اپنے دور میں جنگ آزادی کے بعد مولانا محمود الحسن اور حسین احمد مدنی کو بعبور دریائے شور کی سزا دی اور انہیں مالٹا کے جزیرہ میں بھجوا دیا۔

رات کو مولانا محمود الحسن جب تہجد کے لئے اٹھتے تو پانی بہت ٹھنڈا ہوتا۔ پانی گرم کرنے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ حسین احمد مدنی صاحب نے یہ طریقہ سوچا کہ رات کو سوتے وقت برتن میں پانی بھر لیتے اور پھر سجدے کی حالت میں سوجاتے پانی کے برتن کو اپنے پیٹ اور بازوں کے درمیان رکھ لیتے چونکہ برتن کو ہر طرف سے ڈھانپ لیتے لہٰذا جب تہجد کا وقت ہوتا تو وہ پانی نیم گرم حالت میں ہوتا۔ یہ پانی وضو کے لئے استاد محترم کو پیش کرتے کافی دن اسی طرح گزر گئے ایک دن تھکاوٹ کی وجہ سے حضرت مدنی پر نیند غالب آ گئی۔ جب تہجد کے لئے اٹھے تو استاد محترم کو ٹھنڈے پانی سے وضو کرانا پڑا۔ مولانا محمود الحسن صاحب نے پوچھا کیا پانی وہیں سے لائے ہو جہاں سے پہلے لاتے تھے۔ عرض کیا آج مجھ سے غفلت ہوئی رات کو بھر کر نہیں رکھ سکا تب شیخ الہند کو معلوم ہوا کہ شاگرد اپنے استاد کو گرم پانی مہیا کرنے کے لئے ساری رات سجدے کی حالت میں گزار دیا کرتا تھا۔(2)

---

1) مولوی روح اللہ۔ صفحہ 366

2) اسیر مالٹا۔ طالب علم کے شب وروز

2.6.10.16) نظام الملک طوسی

نظام الملک طوسی مشہور وزیر استاد اور عالم تھا۔ بہت منکسر المزاج تھا۔ اس کا دستور تھا کہ اس کے پاس جب کوئی امیر یا اکابر سلطنت میں سے آتا تو وہ کھڑا ہو کر اس کا احترام کرتا اور پھر اپنی جگہ پر بیٹھ جاتا۔ مگر اس کے پاس ایک عالم اور استاد آیا کرتے تھے۔ وہ جب بھی تشریف لاتے وہ کھڑا ہو کر احترام بجالاتا۔ انہیں اپنی مسند پر بٹھاتا اور خود ان کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ جاتا اور جتنا احترام دے سکتا تھا دیتا۔

ایک بار اس کے کسی منہ چڑھے درباری نے اس کی وجہ دریافت کی کہ آپ امراء کے ساتھ تو یہ سلوک کرتے ہیں مگر اس عالم کے ساتھ اتنا فرق و امتیاز کیوں؟

نظام الملک طوسی نے جواب دیا۔

جب اکابر مملکت یا امراء اور عہدے دار آتے ہیں تو وہ میری خوشامد اور منہ پر میری تعریف کرتے ہیں۔ جس سے مجھ میں نخوت اور تکبر پیدا ہو جاتا ہے۔ میں گناہ پر آمادہ ہو جاتا ہوں اور میں اپنے آپ کو دوسرا انسان محسوس کرتا ہوں مگر جب یہ عالم تشریف لاتے ہیں تو خیر کی طرف میری رہنمائی کرتے ہیں میری خامیاں اور عیوب بیان کرتے ہیں جس سے مجھ میں انکسار و فروتنی اور عاجزی پیدا ہو جاتی ہے میں اپنے اصل کو یاد رکھتا ہوں اور بہت سی برائیوں سے بچ جاتا ہوں اس طرح طوسی نے اہل علم اور اہل دنیا کا فرق واضح کیا۔

2.6.10.17) پروفیسر حمید اللہ خان کا خطاب

پروفیسر حمید اللہ خان تعلیم و تہذیب میں ایک جگہ خطبہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرے عزیزو، اگر آپ میں سے بعض نوجوانوں نے معلمی کی باشرف مگر درویشانہ زندگی اختیار کی تو آپ کو اپنے اساتذہ کی محبت اور شفقت کا قرض ادا کرنے کے لئے ایک اور موقع میسر آئے گا۔ یہ قرض اس طرح ادا کیجئے کہ معلم کی حیثیت سے اپنے آپ کو اس ملک کے سب سے معزز افراد کا ہمسر سمجھیے۔ اپنی خودداری اور اصول کو کسی لالچ اور کسی خوف کی بنا پر کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیجئے اور یہ طے کر لیجئے کہ انسان کی عظمت جاہ و منصب سے نہیں، ضمیر کی روشنی سے قائم ہوتی ہے۔ اگر آپ یہ

سب کچھ کر سکے تو یقین رکھئے کہ آپ نے نہ صرف وہ فرض ادا کر دیا جو اچھے استادوں نے بطور طالب علم کے آپ پر عائد کیا تھا بلکہ ساتھ ہی آپ نے اس روایت کو بھی زندہ کرنے کی کوشش کی جس پر عالم اسلام چودہ صدیوں سے ناز کرتا رہا ہے۔

اسلامی تمدن کے کسی دور میں حکومت کی شان علم کی شان سے اونچی نہیں رہی: ایک دفعہ ہارون الرشید اور شاہزادے امام مالک کے یہاں گئے۔ (غور کیجئے کہ خلیفہ وقت اور شہزادے ایک عالم کے دربار میں خود حاضر ہوئے!)۔ خلیفہ نے امام مالک سے حدیث سنانے کی فرمائش کی۔ امام ممدوح نے فرمایا کہ میں نے عرصے سے طریقہ قرأت چھوڑ دیا ہے۔ اب اور لوگ حدیث مجھ کو سناتے ہیں اور میں سنتا ہوں۔ ہارون الرشید نے کہا کہ بہتر ہے، میں ہی سناؤں گا۔ مگر اول عام آدمیوں کو اپنی مجلس سے باہر کر دیجئے۔ امام مالک نے جواب میں ارشاد کیا کہ اگر خواص کی خاطر سے عوام محروم کئے جائیں گے تو خواص کو بھی نفع نہیں پہنچ سکتا۔ یہ فرما کر اپنے ایک شاگرد ابن عیسیٰ کو حکم دیا کہ سبق شروع کریں۔ چنانچہ ابن عیسیٰ نے فوراً سبق شروع کر دیا اور خلیفہ کو خاموش رہنا پڑا۔ (1)

ایک اور واقعہ سنئے۔ سلاطین روم کی جباری وقہاری کی کہانیاں زباں زد عام ہیں۔ لیکن پاکستانی مدرسین کی ذلت و مسکنت کے اس دور میں آپ کے لئے یہ امر موجب حیرت ہوگا کہ یہ دوسرا واقعہ جو میں سنا رہا ہوں سلطنت روم کے ایک فرماں روا سے تعلق رکھتا ہے:

مولانا ابن خطیب ایک روز عید کی مبارک باد دینے ایوان سلطانی کو گئے۔ ان دنوں وہ خزانہ سلطنت کے وظیفہ خوار بھی تھے اور سو درہم یومیہ ان کو ملتے تھے۔ جب دربار کو چلے تو چند طلبہ ہم رکاب تھے۔ حضور سلطانی میں پہنچے تو سلطان نے از راہ حسن اخلاق سات قدم بڑھ کر استقبال کیا۔ استاد نے اداب بجالانے کے بجائے سلام کیا اور مولانا نے بجائے دست بوسی کے مصافحہ کیا۔ ان کے ایک شاگرد کو استاد کا یہ خلاف آداب برتاؤ نا گوار گزرا اور واپسی میں اس نے کہا کہ آخر سلطان فرماں روائے وقت ہیں، کچھ تو آپ کو جھکنا تھا۔ ابن خطیب نے فرمایا کہ آیا یہ فخر سلطان کے لئے کم ہے کہ ابن خطیب سا فاضل ان کے پاس گیا؟ اور میں خوب جانتا ہوں کہ سلطان اسی کو غنیمت سمجھتے ہیں"۔ (2)

1) علمائے سلف۔ صفحہ 64

2) علمائے سلف۔ صفحہ 66۔67

علما کا یہ احترام محض علم دین کے احترام کی خاطر نہ تھا۔ علوم دنیوی اور غیر مسلم علما کی قدر و منزلت میں بھی ہمارے قدیم حکمران ذرہ بھر کوتاہی نہ کرتے تھے۔ جہانگیر، جسے تاریخ نے عیش پرستی اور مے گساری کے لئے بدنام کررکھا ہے، تمام علوم وفنون کے ماہرین کا عقیدت مند تھا۔ اس عہد کے ایک ہندو عالم جدروپ سنیاسی کے متعلق مذکور ہے کہ شہنشاہ کئی بار خود اس کی خدمت میں حاضر ہوا اور گھنٹوں اس کی صحبت میں بیٹھ کر کسب فیض کرتا رہا۔ جدروپ ایک پہاڑ کی کھوہ میں رہتا تھا۔ جہانگیر تین میل پیادہ پا چل کر وہاں پہنچا۔ ''تزک'' میں اس سنیاسی سے ملاقات کا حال اپنے قلم سے یوں لکھتا ہے:

ویدانت کے علم میں، کہ علم تصوف ہی ہے، اس شخص نے بہت ریاضت کی تھی۔ چھ گھڑی تک اس کے ساتھ لطف صحبت رہا۔ اس کی باتیں ایسی اچھی تھیں کہ میرے دل پر بہت اثر ہوا۔

میرے نوجوان عزیزو، یہ سب کہانیاں نہیں ہیں، زندگی کے واقعات ہیں۔ اب بھی مہذب قومیں زندگی میں اہل علم کو وہی مقام دیتی ہیں جو کبھی ہم دیا کرتے تھے۔ اب بھی جرمنی کا چانسلر اپنے نام سے پہلے لفظ ''پروفیسر'' لکھ کر عار محسوس نہیں کرتا۔ اب بھی امریکہ کی اقتصادی حکمت عملی، مالیات اور دوسرے اہم امور کا فیصلہ اہل مدرسہ کے مشورے سے ہوتا ہے۔ اب بھی ایران میں ارباب علم وفضل کا معاشرتی مقام ڈپٹی کمشنر اور سپرنٹنڈنٹ پولیس اور اس طرز کے دوسرے سرکاری کارندوں سے اونچا سمجھا جاتا ہے۔

مجھے سی ایس پی اور دوسرے سرکاری عہدہ داروں کی ضرورت واہمیت سے انکار ہرگز نہیں ہے۔ لیکن شکایت یہ ہے کہ ہماری سوسائٹی نے ارباب علم وفضل کو سول سروس کا دست نگر بنا دیا ہے۔ اہل مدرسہ کو اگر مال ودولت سے محروم کرنا ہی تھا تو اس کے ساتھ کم از کم وہ اعزاز واحترام ضبط نہ کیا ہوتا جو صدہا برس سے استاد کا بنیادی حق قرار پا چکا تھا۔ ہماری قومی روایت معلمین کی توہین وتذلیل کی روایات نہیں ہیں۔ غزالی ورازی اور دوسرے علمائے سلف کی جو تکریم اسلامی سوسائٹی میں قائم تھی، اس کے ذکر پر شاید مجھ سے یہ پوچھا جائے کہ غزالی ورازی کے مثیل اب کہاں ہیں؟ میں جواباً یہ گزارش کروں گا کہ عقلی وعلمی زندگی کا معاشرتی رتبہ بلند کیجئے تا کہ مدرسے کی

دنیا میں غزالی ورازی کا ظہور ہو سکے۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے ملک میں آج بھی ایک گم نام استاد اپنے فرض کو بجالاتا ہوا آگ کے شعلوں کی لپک سے الجھا اور جل مرا۔ یقین رکھئے کہ آج بھی کسی کنج عزلت میں بیٹھا ہوا کوئی خاموش میر حسن کسی نئے اقبال کی تربیت میں مصروف ہے۔ اس یقین کو دل میں لئے ہوئے میں آپ سے اور قوم کے سواد اعظم سے التجا کرتا ہوں کہ معلمین کے احترام کی روایت کو از سر نو زندہ کیجئے۔ ملک میں قابل عزت اساتذہ کی ایک باقاعدہ جماعت پیدا کیجئے تا کہ ہماری آئندہ نسلیں زندہ رہ سکیں۔ ہمارے معلموں کو ذلیل کرنے والے، حالی مرحوم کا یہ شعر نہ بھولیں۔

نہ عیش کیخسروی رہے گا، نہ صولت بہمنی رہے گی
رہے گی، اے منعمو، تو باقی دیئے کی کچھ روشنی رہے گی

(1)

---

1) پروفیسر حمید اللہ خان (1975ء) تعلیم وتہذیب، مجموعہ خطبات ومقالات، مجلس ترقی ادب لاہور، ص146 تا 149

قرآن مجید میں علم کو اللہ تعالیٰ کا نور قرار دیا گیا ہے۔ پیشۂ معلمی کی بنیاد علم پر ہے۔ اساتذہ نے ترسیل علم کے دوران احترام علم کا ہمیشہ خیال رکھا ہے اس سلسلہ میں چند واقعات رول ماڈل اساتذہ کے پیش خدمت ہیں۔

2.6.10.18) امام مالکؒ

امام مالکؒ جب حدیث کا درس دیتے تو جس حالت میں ابتدا میں تشریف فرماتے پھر اسی حالت میں بیٹھے رہتے۔ احترام حدیث اس حد تک کرتے کہ درس کے تمام وقت میں نہ حرکت کرتے نہ کھنگھارتے نہ ہی تھوکتے۔

ایک دفعہ حضرت امام مالکؒ درس حدیث دے رہے تھے کہ آپ کے شاگردوں اور شریک درس حضرات نے دیکھا کہ آپ کے چہرے پر تکلیف کے آثار ظاہر ہوئے۔ رنگ زرد ہو گیا ہے۔ آپ نے ضبط کیا اور درس جاری رکھا جب درس ختم فرما چکے تو طلبہ سے فرمایا کہ میری پیٹھ پر کوئی چیز ہے جو مجھے سخت تکلیف دے رہی ہے جب قمیض اٹھا کر دیکھا تو ایک بچھو نکلا جس نے نیچے سے اوپر تک چھ دفعہ امام صاحب کو ڈسا تھا۔ شاگردوں نے کہا حضرت آپ نے اتنی تکلیف برداشت کی پہلے ڈنگ پر ہی فرماتے تو اس موذی کی باقی ایذا سے بچا جا سکتا تھا۔

آپ نے فرمایا میرے عزیزو! میں درس حدیث دے رہا تھا اور احترام حدیث کی وجہ سے اپنی تکلیف کے لئے اسے ادھورا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ لہٰذا میں نے یہ تکلیف برداشت کی۔

صاحب ابن عباد درسِ حدیث دینے سے قبل غسل کرتا، نئے کپڑے پہنتا۔ خوشبو لگاتا۔ اپنے گناہوں سے توبہ کرتا اور پھر درس شروع کرتا تھا۔

ابن بطوطہ کے حوالہ سے صاحب نزہتہ نے یہ قصہ نقل کیا ہے کہ مولانا عبدالعزیز اردبیلی نے محمد تغلق کو ایک دن ایک حدیث سنائی جو بادشاہ کو بے حد پسند آئی بہت خوش ہوا اتنا خوش کہ جوش مسرت میں بادشاہ نے مولانا عبدالعزیز کے قدم چوم لئے اور حکم دیا کہ سونے کی سینی (ٹرے) میں دو ہزار تنکے لائے جائیں خود بادشاہ نے اٹھ کر مولانا پر ان تنکوں کو نچھاور کیا اور

کہا کہ سینی کے ساتھ یہ تنکے آپ کے ہیں۔(1)

2.6.10.19) احترام علم

ہارون الرشید ایک مرتبہ مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ تو اسے معلوم ہوا کہ حضرت امام مالک یہاں مؤطا کا درس دیتے ہیں۔ ہارون الرشید نے امام مالک کو پیغام بھیجا کہ آپ مؤطا میرے پاس لاکر مجھے سنا جائیں۔ حضرت امام مالک نے جواب میں فرمایا کہ ہارون الرشید کو کہہ دو کہ علم کسی کے پاس نہیں جاتا۔ طالب علم خود علم کے پاس آتا ہے۔ ہارون الرشید یہ سن کر حضرت امام مالک کی خدمت میں خود حاضر ہوا۔ حضرت امام مالک نے اسے اپنے پاس مسند پر بٹھالیا۔ ہارون الرشید نے عرض کی کہ اب آپ مؤطا پڑھئے اور میں سنتا ہوں۔ حضرت امام نے فرمایا کہ میں نے آج تک خود پڑھ کر کسی کو نہیں سنایا لوگ پڑھتے ہیں اور میں سنتا ہوں۔ لہٰذا اب آپ پڑھیں اور میں سنتا ہوں ہارون الرشید نے کہا کہ تو پھر ان لوگوں کو باہر نکال دیجئے۔ تا کہ میں تنہائی میں پڑھوں۔ آپ نے فرمایا کہ جب خواص کے لئے علم کو عوام سے روک لیا جائے تو خواص کو کچھ نفع نہیں پہنچتا چنانچہ ہارون الرشید نے مؤطا کو پڑھنا شروع کیا۔ پڑھنے لگا تو حضرت امام مالک نے فرمایا۔ ہارون علم کے لئے تواضع کی ضرورت ہے۔ اس لئے اس مسند سے اتر کر میرے سامنے متواضع ہو کر پڑھو۔ چنانچہ ہارون رشید مسند سے نیچے اتر آئے اور سامنے متواضع ہو کر بیٹھا اور پڑھنے لگا۔(2)

2.6.10.20) استاد کا مقام

والئ خراسان کے بیٹے طاہر کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ باپ کی زندگی ہی میں وہ حج کرنے مکہ معظمہ آیا۔ چلتے وقت باپ نے نصیحت کی تھی کہ حج کے فوراً بعد واپسی کی کوشش نہ کرنا کیونکہ خوش قسمتی سے اس وقت مکہ میں بڑے بڑے علماء اور محدثین کا اجتماع ہے۔ کچھ دن قیام کر کے علماء سے تحصیل علم کرنا کہ علم اللہ کا نور ہے اور دولت وسلطنت کو تو زوال لاحق ہو سکتا ہے مگر علم کی دولت لازوال ہے۔ والئ خراسان کا نمائندہ اسحاق بن ابراہیم مکہ معظمہ میں موجود تھا اسے جب اطلاع ملی کہ ولی عہد حج کے ارادے سے آ رہے ہیں تو اس نے طاہر کے قیام کا نہایت معقول انتظام کیا حج

1) مناظر احسن گیلانی، ص 137　　2) روض الفائق۔ ص 148

سے فراغت کے بعد طاہر نے اسحاق بن ابراہیم کو باپ کے حکم سے مطلع کیا۔ اسحاق نے مناسب خیال کیا کہ طاہر سے علمائے مکہ کا تعارف کرادیا جائے۔ چنانچہ اس نے اپنے مکان پر مکہ معظمہ کے تمام علماء کو مدعو کیا اور انہیں بتلایا کہ خراسان کا ولی عہد ان سے ملاقات کر کے علمی استفادہ کرنا چاہتا ہے۔ مکہ کے سارے علماء نے اسحاق بن ابراہیم کی دعوت قبول کر لی اور ہر قسم کے علماء شریک مجلس ہوئے۔ مگر ابوعبید نے شرکت سے انکار کر دیا اور کہا کہ علم کے پاس خود آنا چاہئے کہ علم کی مثال کنویں کی اور طالب علم کی مثال پیاسے کی ہے۔ کنواں پیاسے کے پاس نہیں جاتا بلکہ پیاسا خود چل کر کنویں کے پاس آتا ہے میں دین کے علم کو دولت کے آستانے پر لے جا کر رُسوا نہیں کر سکتا۔ اگر ولی عہد مجھ سے کچھ سیکھنا چاہتا ہے تو آداب علم کا تقاضا ہے کہ وہ مؤدبانہ میرے درس میں حاضر ہو۔ اسحاق بن ابراہیم کو ابوعبید کی یہ بات سخت ناگوار گزری اور ابوعبید کو والئ خراسان کی طرف سے جو دو ہزار درہم کا ماہانہ وظیفہ ملتا تھا اسے بند کر دیا اور والئ خراسان کو مطلع کر دیا کہ ابوعبید کے جواب کی بنا پر میں نے یہ اقدام کیا ہے۔ انہوں نے ولی عہد کا احترام نہیں کیا لہٰذا وہ والئ خراسان کے وظیفے کے مستحق نہیں ہیں۔ والئ خراسان کو جب یہ اطلاع ملی تو اس نے فوراً اسحاق بن ابراہیم کو خط لکھا کہ ''ابو عبید نے بالکل درست جواب دیا ہے۔ یہی جواب ایک عالم دین کے شایان شان ہے۔ آج سے میں علامہ ابوعبید کا وظیفہ دوگنا کرتا ہوں۔ اب انہیں تم دو ہزار درہم ماہانہ کے بجائے چار ہزار درہم دیا کرو اور طاہر علامہ صاحب کے پاس خود حاضری دے گا۔

(2.6.10.21) علم کی قدر

حضرت شیخ ابو العباسؒ ایک مرتبہ ایک دکان پر اخروٹ خریدنے گئے۔ دکاندار نے اپنے ملازم سے کہا اچھے اخروٹ چن کر دینا۔ شیخ صاحب نے دکاندار سے پوچھا جب کوئی شخص تمہاری دکان پر اخرٹ خریدنے آتا ہے تو ہمیشہ اپنے ملازم کو یہی حکم دیتے ہو۔ اس نے جواب دیا نہیں۔ یہ تو میں نے آپ کے علم کی وجہ سے کہا ہے۔ آپ نے فرمایا بھائی میں چند اخروٹوں کے بدلے اپنا علم فروخت نہیں کر سکتا یہ کہہ کر آپ بغیر اخروٹ خریدے چلے گئے۔ (1)

1) خالد رضا، ص59

2.6.10.22) علم کی قیمت

امام ابو حنیفہ کے صاحبزادے حماد نام کے تھے۔ معلم کے پاس پڑھنے بیٹھے اور سورۃ الفاتحہ ختم کر لی۔ امام صاحب نے معلم کو ایک ہزار درہم عطاء فرمائے اس پر استاد محترم نے امام صاحب سے فرمایا۔ ''میں نے کون سا ایسا بڑا کام کیا ہے کہ آپ نے اتنی بڑی رقم مجھے عطاء فرمادی۔''

امام ابو حنیفہؒ نے استاد کو جواب دیا۔

''آپ نے میرے بچے کو جو کچھ سکھایا ہے اسے حقیر مت سمجھیں خدا کی قسم اگر میرے پاس اس سے زیادہ رقم ہوتی تو میں بے تامل وہ بھی آپ کی خدمت میں پیش کر دیتا''۔

2.6.10.23) احترام استاد

ایک بار مولانا عبدالحئی صاحبؒ مولانا فضل الرحمان گنج مراد آبادی سے ملنے کے لئے ان کے یہاں تشریف لے گئے۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ حضرت گنجؒ مراد آبادی ان کے آنے سے اتنے خوش ہوئے کہ اس سے پہلے کبھی آپ اتنے خوش نہیں دیکھے گئے۔ فوراً اٹھے اور نہایت عزت و احترام سے مولانا کو چارپائی پر بٹھایا۔ پھر فرمایا تم بچے ہو اور میں بوڑھا ہوں، مگر تم سمجھے میں نے تمہاری اتنی عزت کیوں کی؟ صرف اس لئے کہ تم دین کے عالم ہو، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بڑے ہوتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تعظیم اسی وجہ سے کی تھی، پھر اپنے بڑے لڑکے احمد میاں کو آواز دی اور فرمایا۔ بیٹے بتاؤ تمہیں ان کے آنے سے زیادہ خوشی ہوئی یا نواب حیدر آباد کے آنے سے۔ لائق بیٹے نے کہا حضرت ان کے آنے سے، یہ سن کر آپ بہت خوش ہوئے بیٹے کو حکم دیا۔ جاؤ دالان میں چارپائی پر ان کے لئے بستر بچھاؤ اور ان کے لئے اچھے کھانے تیار کرو۔(1)

2.6.10.24) علامہ اقبالؒ و احترام اُستاد

علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ برصغیر کے مسلمانوں کے نامور رہنما ہیں۔ آپ ایم اے کرنے کے بعد اورنیٹل کالج لاہور میں تاریخ، فلسفہ اور سیاست کے مضامین کے استاد (لیکچرر) مقرر ہوئے۔ بعد میں آپ گورنمنٹ کالج لاہور میں انگلش اور فلسفہ کے اسسٹنٹ پروفیسر کے طور پر پڑھانے

1)　اسلاف کے سنہرے واقعات، ص 61،60

لگے۔ آپ شفیق، مہربان، محنتی، ذہین اور بے تکلف قسم کے استاد تھے۔ طلبہ، اساتذہ اور کالج انتظامیہ آپ کی علمی قابلیت وتدریس کے بارے میں نہایت عمدہ رائے رکھتی تھی۔

علامہ اقبال کی مشہور فلسفیانہ تصنیف مثنوی اسرار خودی 1915ء میں چھپی اگلے سال اس کا ترجمہ انگریزی میں شائع ہو گیا جس سے یورپ اور امریکہ میں اقبال کا تعارف اہل علم لوگوں میں ہوا۔ اس وقت سر ایڈورڈ میک لیگن پنجاب کے گورنر تھے۔ اس پر گورنمنٹ نے علامہ محمد اقبال کو سر کا خطاب دینے کا فیصلہ کیا اور گورنر نے خود اس کا اظہار کیا تو علامہ نے شرط عائد کی کہ پہلے میرے استاد مولوی میر حسن کو شمس العلماء کا خطاب دیا جائے۔ گورنر نے پوچھا ان کی کوئی تصنیف ہے تو علامہ نے برجستہ جواب دیا میں ان کی زندہ تصنیف ہوں اور آپ کے سامنے موجود ہوں' اس پر گورنر کو آپ کی بات ماننا پڑی۔ دوسری شرط اقبال نے یہ لگائی کہ مولوی سید میر حسن صاحب سرکار دربار کے معاملات نہیں جانتے یہ بندوبست کر دیا جائے کہ اعلان خطاب کے بعد ان کو سیالکوٹ سے لاہور آ کر کسی رسم میں حصہ نہ لینا پڑے اس کے بعد اعلان ہوا اور مولوی میر حسن کے صاحبزادے سید تقی علی شاہ نے لاہور آ کر شمس العلماء کا خطاب وصول کیا۔ تب شاگرد رشید و استاد علامہ اقبال نے اپنا سر کا خطاب وصول کیا۔

2.6.10.25) امام محمد بن اسماعیل بخاری

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ کو امام المحدثین کہا جاتا ہے آپؒ کو چھ لاکھ حدیثیں زبانی یاد تھیں۔ ان کی مشہور کتاب صحیح بخاری ہے۔ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حدیث کی سب سے مستند کتاب ہے اور قرآن مجید کے بعد دنیا کی سب سے صحیح کتاب بخاری ہے۔ آپ نے یہ کتاب سولہ سال میں مکمل کی۔ اپنے حافظہ میں موجود چھ لاکھ احادیث میں سے 7275 احادیث کو صحیح قرار دے کر بخاری شریف میں جمع کیا۔ آپ کی شہرت آپ سے پہلے بخارا پہنچ گئی۔ (1)

جب آپؒ دنیا بھر سے علم حدیث کا عظیم الشان ذخیرہ جمع کر کے اپنے وطن بخارا لوٹے تو

1) احمد حاطب صدیقی (2008ء) امام بخاری کا کارنامہ، دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی۔ اسلام آباد۔ صفحہ 67

ان کے استقبال کے لئے ان کے آنے سے پہلے ہی لوگوں نے شہر سے تین میل دور باہر نکل کر ڈیرے ڈال دیئے۔ امام بخاریؒ کے آنے پر ان کا بہت زبردست استقبال ہوا شہر کا کوئی مشہور آدمی ایسا نہ تھا۔ جو وہاں موجود نہ ہو کچھ عرصہ کے بعد بخارا کے حاکم خالد بن احمد ذہلی نے امام بخاری کے پاس اپنا ایک آدمی بھیجا اور ان کو پیغام دیا کہ آپ اپنی کتاب لے کر میرے پاس دربار میں آ جائیں اور اپنی جمع کی ہوئی احادیث مجھے سنائیں۔ امام بخاریؒ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ "میں علم کو ذلیل نہیں کرنا چاہتا اور اسے لے کر حکمرانوں کے دروازے پر نہیں پھرنا چاہتا اگر تمہیں علم حاصل کرنا ہے تو خود چل کر میری مسجد میں یا میرے گھر پر آؤ۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں جو علم کو چھپاتے ہیں۔ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ میں علم کی باتیں خاص خاص لوگوں کو سناؤں اور عام لوگوں کو نہ سناؤں" بخارا کے ظالم حکمران کو امام بخاری کا یہ جواب بُرا لگا۔ اس جاہل اور بے ادب حاکم نے جو کہ علم حدیث اور اس کی قدر و قیمت سے ناواقف تھا۔ دنیا کے سب سے بڑے عالم حدیث اور معلم حدیث کو بخارا سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ آپؒ نے بخارا کو چھوڑا اور اپنے رشتہ داروں کے پاس خرتنگ نامی مقام جو کہ سمرقند کے پاس تھا پر منتقل ہو گئے۔ وہیں آپؒ کا انتقال ہوا۔

اس حاکم کو بعد میں ذلیل کر کے تخت سے اتارا گیا گدھے پر سوار کرا کر گلی کوچوں میں پھرایا گیا اور قید میں ڈال دیا گیا۔(1)

2.6.10.26) اصحاب سیف و قلم

افریقہ میں بنو غالب یا اتحالیہ کی حکومت تھی یہ 816ء کا دور تھا۔ حاکم علاقہ کا نام زیارۃ اللہ تھا۔ اس کے دربار میں زیر غور مسئلہ صقلیہ پر حملہ کرنا تھا کیونکہ صقلیہ کے سابق حاکم فیمی نے مدد کی درخواست کی تھی۔ حملے کا فیصلہ ہو گیا۔ یہ فیصلہ بھی ہو گیا کہ اس علاقہ کو اسلامی حکومت کا حصہ بنایا جائے۔ اب اس لشکر کے لئے سپہ سالار کے چناؤ کا مسئلہ تھا۔ نظر انتخاب اس وقت کے معروف استاد، عالم، قاضی اور فقہ کے عالم اسد بن فرات جو کہ امام مالک، قاضی امیر یوسف اور امام محمد کے

1) احمد حاطب صدیقی (2008ء) امام بخاری کا کارنامہ، دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی سعدی یونیورسٹی۔ اسلام آباد۔ صفحہ 53،52)

شاگرد تھے پر پڑی۔ اعلان ہوتے ہی علماء، صوفیاء اور طلباء شوق سے اس مہم کے لئے فوج میں بھرتی ہوئے۔ قاضی اسد بن فرات کی وجہ سے لشکر میں بڑا جوش وخروش تھا۔ روانگی سے قبل قاضی صاحب نے تقریر فرمائی۔

''لوگو! میرے آباؤاجداد آج تک والی مقرر نہیں ہوئے۔ انہیں کبھی بھی یہ سرفرازی نصیب نہ ہوئی اور میں بھی اس منصب جلیلہ پر فائز نہ کیا جاتا اگر علم کو اپنا زیور نہ بناتا۔ اس لئے علم کی تحصیل وتدریس میں سعی وکوشش کرو۔ اس راہ میں مصائب ومشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ ان کا مردانہ وار مقابلہ کرو اس سے تم دین ودنیا میں سربلند ہو سکتے ہو''۔

قاضی صاحب کا لشکر سات سو سوار اور دس ہزار پیادوں پر مشتمل اور بحری بیڑہ میں سو جہاز شامل تھے۔ قاضی صاحب نے صدر مقام سرقوسہ پر حملہ نہ کیا اس سے قبل افریقہ جانے والے تمام لشکر سرقوسہ پر حملہ کرتے تھے اور سپلائی لائن کا خیال نہ رکھتے تھے لہٰذا فتح مشکل تھی۔ قاضی صاحب نے ایسے شہر پر حملہ کیا جو مزاحمت کے بغیر فتح ہو گیا اس کا نام مارز تھا۔ مزید پیش قدمی کر کے فوج حرج پہنچی تو دشمن سوا لاکھ فوج کے ساتھ سامنے تھا۔ آپ نے اپنے ساتھیوں میں تقاریر سے جوش وجذبہ بھر دیا۔ چنانچہ مسلمان شجاعت، جرات اور پامردی سے لڑے۔ قاضی صاحب نے خود جھنڈا اٹھایا، ہاتھ زخمی ہو گئے، جرأت سے لڑے اور آخر فتح یاب ہوئے۔ اس کے بعد لشکر سرقوسہ پہنچا شدید لڑائی میں قاضی صاحب داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے مگر چونکہ وہ لشکر اسلام کو اس حقیقت کے لئے تیار کر چکے تھے۔ لہٰذا لشکر بڑی بہادری سے لڑا اور سرقوسہ فتح ہو گیا، قاضی صاحب کو وہیں دفن کیا گیا۔

بادشاہ ذیارۃ اللہ بن ابراہیم بن اعظب کو قاضی صاحب کی شہادت کا بہت صدمہ ہوا اس نے آپ کے نام کی مسجد بنوائی جو آج بھی افریقہ میں موجود ہے۔

قاضی اسد بن فرات اصحاب سیف قلم اور آبرو اساتذہ تھے۔(1)

2.6.11) اساتذہ کی حق گوئی وحریت فکر

ظالم حاکم کے سامنے کلمہ حق کہنا جہاد افضل ہے۔ (الحدیث)

1) حافظ محمد احسن (2010ء) سو عظیم مسلم جرنیل، دار الشعور 37 مزنگ روڈ لاہور۔ صفحہ 194، 195

اس سلسلہ میں اساتذہ شروع سے رسم شبیری ادا کرتے آئے ہیں خواہ شہادت حسینؓ ہو یا سقراط کو زہر کا پیالہ پینا پڑے۔ اساتذہ نے یہ جہاد افضل ضرور کیا ہے۔ کیونکہ اسی طرح احتساب کا عمل معاشرہ میں جاری رہ سکتا ہے جس کے بغیر معاشرہ کو پاک صاف نہیں رکھا جاسکتا۔ اساتذہ کی اس قربانی سے کلمۂ حق اور حریت فکر کے مجاہدوں کا قافلہ آگے بڑھا ہے۔

(2.6.11.1 حفیظ زیاتؒ

حجاج بن یوسف کے بارے میں علماء کی رائے ہے کہ اگر تمام قوموں کے رذیل افراد کو جمع کیا جائے تو مسلمانوں میں اکیلا حجاج بن یوسف کافی ہے۔ حجاج بن یوسف اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کا گورنر تھا۔ اس خلیفہ کے دور میں خانہ کعبہ پر سنگ باری کی گئی۔ مکہ جو کہ دارالامن ہے وہاں کے باسیوں پر ظلم کیا گیا اور حضرت عبداللہ بن زبیر کو شہید کیا گیا۔ حجاج کا ظلم مشہور ہے اس کے دور میں حفیظ زیاتؒ کو بلا کر سوال کیا تمہارا میرے متعلق کیا خیال ہے۔ جواب ملا میں تجھ کو دشمن خدا خیال کرتا ہوں۔ پھر پوچھا امیر المومنین عبدالملک کے بارے میں کیا خیال ہے جواب ملا اصل دشمن خدا تو وہی ہے تو اس کی شاخ ہے۔ حجاج نے حفیظ زیات کو قتل کرنے کا حکم دے دیا آپ نے مطلقاً پرواہ نہ کی اور یوں راہ حق کے شہید کے مقام پر فائز ہو گئے۔

(2.6.11.2 شیخ سعدیؒ

ہلاکو خان دنیا کے ظالم ترین افراد میں سے ایک تھا جس نے لاکھوں انسانوں کو قتل کیا اور کھوپڑیوں کے مینار بنائے۔ بغداد کی تباہی پر مسلمان اور علمی دنیا آج بھی ہلاکو پر لعنت بھیجتی ہے۔ ہلاکو کے دربار میں ایک معلم حکمت و دانش شیخ سعدی نے برملا فرمایا کہ اے ہلاکو اگر میں تم کو ظالم نہ کہوں تو میں خود ظالم ہوں گا۔

(2.6.11.3 امام ابن تیمیہؒ

ہلاکو خان کا ایک مشہور سردار کت بوغہ تھا۔ بغداد کی تباہی کے بعد ہلاکو خان تو واپس چلا گیا اور اپنی جگہ کت بوغہ کو مقرر کر گیا۔ اُس نے مصر کی اسلامی سلطنت پر حملہ کرنا تھا۔ اسی دوران اللہ

تعالیٰ نے مصری حکومت کی باگ ڈور ایک غلام الملک رکن الدین ظاہر بیبرس کو دے دی جس نے مصر کی حفاظت کا حق ادا کر دیا اور عین جالوت کے معرکہ میں نہ صرف تا تاری لشکر کو شکست دی بلکہ ظالم کت بوغہ کو مصر میں لا کر تمام عوام کے سامنے قتل کیا گیا۔ اس سے قبل بیبرس نے اسلامی قانون و روایت کے مطابق تا تاری دربار میں جنگ سے گریز کے بارے میں ایک سفارت روانہ کی یہ سفارت علماءِ وقت پر مشتمل تھی اور اسی میں امام ابن تیمیہ بھی تھے۔ جب یہ لوگ تا تاریوں کے لشکر میں پہنچے تو کت بوغہ کے لئے کھانا دستر خوان پر لگایا جا چکا تھا۔ کت بوغہ نے وفد کو بھی کھانے کی دعوت دی مگر امام ابن تیمیہؒ نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا اور فرمایا جس شخص کی گردن پر لاکھوں مسلمانوں کا خون ہے میں اُس کے دستر خوان سے کھانا نہیں کھا سکتا۔ آپ کی پر جلال آواز سن کر تا تاری امیر نے گھور کر دیکھا مگر خاموش ہو گیا۔

2.6.11.4) مولوی شہر یار صاحب

احمد شاہ ابدالی نے پنجاب کو فتح کر لیا۔ اُس دور میں افغان متحد ہو کر اکثر برصغیر پر چڑھ دوڑتے تھے۔ وہ نہ مسلمان کے گھر کو لوٹنے سے گریز کرتے تھے۔ اور نہ ہی کسی ہندو کو بخشتے تھے۔ لوٹ مار کرتے ہوئے ان کا معروف نعرہ ''مال موذی نصیب غازی'' تھا۔ انسانی جان کی ان کے ہاں کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔

بقول سید محمد سلیم احمد شاہ ابدالی نے ایک نماز عید مسجد وزیر خان لاہور میں ادا کی۔ یہ نماز مولوی محمد رمضان نے پڑھائی۔ مولوی محمد رمضان کے استادِ محترم مولوی شہر یار بھی مسجد میں موجود تھے۔ نماز ادا کرنے کے بعد عید کا خطبہ دیتے ہوئے مولوی رمضان نے احمد شاہ ابدالی کو امام عادل کہا اور انگلی سے اُس کی طرف اشارہ بھی کیا یہ سن کر استادِ محترم مولوی شہر یار کھڑے ہو گئے اور تمام مجمع میں مولوی رمضان سے احمد شاہ ابدالی کی موجودگی میں کہا۔ اے رمضان جس شخص کی وجہ سے لاہور اور دلی کے ہزاروں خاندان برباد ہو گئے۔ عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہو گئے۔ مکانات مسمار ہو گئے تو اسے امام عادل کہتا ہے کل خدا کو روز قیامت کیا منہ دکھائے گا۔ یہ گفتگو سن کر احمد شاہ ابدالی مولوی شہر یار سے مخاطب ہوا۔ کیا آپ جانتے ہیں میں کون ہوں؟ آپ نے جرأت سے فرمایا

آپ احمد شاہ ابدالی ہیں۔ پھر فرمایا میں نے بچپن میں چار باتوں کی دعا مانگی تھی۔

حفظِ قرآن

حج بیت اللہ شریف

تحصیلِ علم دین

شہادت فی سبیل اللہ

میری پہلی تین دعائیں اللہ تعالیٰ نے قبول کر لی ہیں اور اب چوتھی کی باری ہے اور شاید آج مجھے یہ سعادت حاصل ہو جائے۔ یہ ساری گفتگو سن کر احمد شاہ ابدالی دم بخود رہ گیا۔ بعد میں اس استاد مولوی شہر یار صاحب کو جالندھر میں جلاوطن کر دیا گیا۔(1)

2.6.11.5) امام احمد بن حنبلؒ

خلیفہ مامون الرشید عباسی کے دور میں فتنہ خلق قرآن اٹھا۔ یہ فتنہ معتزلہ فرقے کا اٹھایا ہوا تھا۔ اس دور کے جمہور علماء نے اس کی مخالفت کی مگر چونکہ مامون اسے قبول کر چکا تھا اور بزور منوانا چاہتا تھا۔ اس نے احمد بن ابی داؤد مقربی کو اپنا وزیر اور خاص سیکرٹری بنا دیا اور وہ اس طرح صاحب واقتدار و اختیار بن گیا۔ مامون نے اپنے بھائی کو وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد ابی داؤد کو میری جگہ خیال کرے۔

ابی داؤد نے جبراً علماء سے یہ منوانا شروع کیا کہ قرآن کریم مخلوق اور حادث ہے۔ جن لوگوں نے اسے تسلیم نہ کیا ان کو قید خانے اور کوڑوں کی سزائیں دی گئیں، جنہوں نے قبول کر لیا ان کو سرکاری مناصب اور عہدے ملے۔ مامون کے بعد معتصم باللہ۔ خلیفہ بنا۔ اس کے بعد واثق باللہ ان کے عہد میں بھی علماء حق پر تعذیب وسزا کی جاتی رہی۔ مامون نے فرمان جاری کیا کہ فقہا اور محدثین پر اس سلسلہ میں سختی کرنے میں تامل نہ کیا جائے۔ یہاں تک کہ وہ مان لیں کہ قرآن مخلوق ہے۔ اس کے بعد باقاعدہ طور پر علماء کو بلا کر ان کا امتحان لیا گیا۔ اس پر کچھ علماء نے مسئلہ خلق قرآن کو مان لیا مگر چار نفوس قدسیہ نے جرأت کے ساتھ اس کا انکار کر دیا۔ یہ امام احمد بن

1) سید محمد سلیم، مثالی اُستاد

حنبلؒ، محمد بن نوحؒ، القواریریؒ اور سجادہؒ تھے۔ ان لوگوں کو رسیوں میں جکڑ لیا گیا اور بیڑیاں پہنا دی گئیں۔(1)

دوسرے روز یہی سوال دہرایا گیا تو سجادہ نے یہ بات مان لی اور تیسرے روز قواریری نے ان کی بیڑیاں کھول دی گئیں۔ اب دو صاحبان باقی رہ گئے ان دونوں کو پا بجولاں مامون کی خدمت میں طرطوس بھیجا گیا۔ ابن نوحؒ راستہ میں ہی شہید ہو کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔

امام احمد بن حنبلؒ راستے میں تھے کہ مامون فوت ہو گیا اور معتصم کا دور شروع ہو گیا مگر اس نے بھی آپ پر ظلم جاری رکھا۔ آپ اکیلے باقی رہ گئے۔ آپ کو فولاد و آہن کی بیڑیوں میں جکڑ کر حوالۂ زنداں کر دیا گیا۔ آپ کے قلب میں ایمان اور نفس میں عزیمت تھی۔ آپ قرآن مجید کو قدیم حادث اور مخلوق نہیں مانتے تھے آپ جانتے تھے کہ اس عقیدہ کو تسلیم کرنے سے اسلام میں افتراق کے نئے دروازے کھل جائیں گے۔ لہٰذا آپ اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔

امام احمد بن حنبلؒ اثبات واستقامت کا پیکر تھے۔ اس دور ابتلا میں وہ اسی سلسلہ میں خلیفہ کے پاس گئے وہاں آپ کو مرعوب اور دہشت زدہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ تا کہ آپ بھی وہی کہنے لگیں جو خلیفہ اور اس کے حاشیہ نشینوں کی مرضی تھی یعنی قرآن کے مخلوق ہونے کا اعتراف واقرار۔ چنانچہ آپ کی موجودگی میں آپ کی نظر کے سامنے دو آدمیوں کی گردن قلم کر دی گئی۔ لیکن آپ اس لرزہ خیز منظر کے دوران بھی اتنے مستقل مزاج رہے کہ جب آپ کی نظر امام شافعیؒ کے ایک شاگرد پر پڑ گئی تو آپ نے اس سے دریافت کیا۔

"موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں امام شافعیؒ کا کوئی قول آپ کو یاد ہے؟"

اس دہشت ناک منظر میں اطمینان اور بے پروائی کی یہ بات سن کر امام احمدؒ کے بدترین مخالف اور دشمن احمد بن ابی داؤد نے تعجب سے کہا "اس شخص کو دیکھو جو ضرب شمشیر سے اتنا قریب ہے پھر بھی فقہی مسائل میں الجھا ہوا ہے۔"

مامون کے انتقال کے وقت آپ قید و بند کی سختیاں جھیل رہے تھے۔ معتصم کے دور میں

1) ابوزہرہ مصری صفحہ۔100

آپ کو جیل سے نکال کر خلیفہ کے سامنے پیش کیا گیا جب آپ دھمکیوں سے مرعوب نہ ہوئے تو آپ پر کوڑے برسائے جانے لگے۔ آپ کوڑوں کی ضرب کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو جاتے پھر آپ کے زخموں کو چھیڑ کر ہوش میں لایا جاتا اور مزید تشدد کیا جاتا۔ یہ عمل ڈیڑھ سال تک جاری رہا۔ جب خلیفہ کو مایوسی ہوئی تو آپ کو رہا کر دیا گیا جب زخم ٹھیک ہو گئے تو آپ نے مسند درس پر بیٹھ کر پڑھانا شروع کر دیا مگر پھر اس پر بھی پابندی لگا دی گئی اور آپ کو آپ کے گھر میں محصور کر دیا گیا۔ واثق کی موت کے پانچ سال بعد یہ دور ختم ہوا تو طالبان علم، علماء، عوام اور تاریخ نے آپ کی عزیمت پر جو مقام دیا اس کا مرتبہ عزت بہت بلند ہے۔ آپ نے مصائب تو سہے مگر اساتذہ کا سر فخر سے بلند کر دیا۔ (1)

2.6.11.6) حضرت سفیان ثوریؒ

امام سفیان بن سعید بن مسروق الثوریؒ کوفہ کے رہنے والے تھے آپ بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے۔ آپ کو دنیا سفیان ثوریؒ کے نام سے جانتی ہے آپ امام ابو حنیفہؒ کے ہم عصر اور امام احمد بن حنبلؒ کے اساتذہ میں سے تھے۔ آپ نے بھی حضرت امام ابو حنیفہؒ کی طرح سرکاری منصب قضا قبول کرنے سے انکار کیا اور اپنے آپ کو صرف تدریس کے لئے وقف فرما دیا۔ آپ خلفاء سے مال طلب نہیں فرماتے تھے اور نہ ہی ان کے ہدیے قبول فرماتے تھے۔

آپ خلیفہ کے سامنے کھری بات کہنے سے ذرا بھی نہیں جھجکتے تھے۔ مسجد الحرام میں خلیفہ ابو جعفر منصور سے ملاقات ہو گئی۔ منصور نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور کعبہ کی طرف ان کا رخ کر کے کہا۔

"قسم ہے اس عمارت (کعبہ) کی آپ نے مجھے کیسا آدمی پایا؟"

سفیان نے بے جھجک اور بے تامل جواب دیا۔

اس عمارت (کعبہ) کے رب کی قسم میں نے تجھے بدترین آدمی پایا۔

منصور نے آپ کو قاضی بنانا چاہا تو آپ اس وقت تک روپوش رہے جب تک اس کا دور ختم ہو گیا اور مہدی خلیفہ بن گیا۔ حج کے موقع پر آپ کی ملاقات مہدی سے ہوئی تو آپ نے خلیفہ سے کہا۔

---

1) ماخوذ از۔ ابو زہرہ مصری۔ صفحہ 100 تا 137

''حضرت عمر بن خطابؓ نے حج کیا تو صرف سترہ دینار خرچ کیئے تو نے حج کیا اور اپنے حج میں پورا بیت المال خرچ کر دیا''۔ یہ سنکر مہدی غصہ میں آ گیا اور اپنے باپ کی طرح آپ سے خفا ہو گیا۔(1)

2.6.11.7) مولوی مدنؒ

بڑھائی شیخ نے داڑھی اگرچہ سن کی سی
مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی

اٹھارہویں صدی میں روہیل کھنڈ میں سید مدن شاہ ایک معروف استاد عالم دین اور باغیرت بزرگ رہتے تھے۔ آپ کی اخلاقی جرأت وحق گوئی معروف تھی۔ اسی دور میں انگریزوں نے سازشوں، جوڑتوڑ اور ترغیبات سے مختلف والیان ریاست کو اپنے ساتھ ملا کر زیادہ سے زیادہ رقبہ پر قبضہ کرنے کی ٹھانی۔ اس سے پہلے وہ اپنی پالیسی کو کامیابی سے نواب سراج الدولہ اور میسور کے ٹیپو سلطان شہید کے خلاف آزما چکے تھے۔ روہیل کھنڈ کے حافظ رحمت خان سچے مسلمان اور عدل پسند حکمران تھے اور انگریزی راج کو پسند نہیں کرتے تھے۔

اپریل 1734ء کو انگریزوں نے نواب شجاع الدولہ والی اودھ کے ساتھ مل کر روہیل کھنڈ پر چڑھائی کر دی۔ حافظ رحمت خان بڑی بہادری سے لڑے اور جام شہادت نوش فرمایا۔ حافظ صاحب کا سر کاٹ کر شجاع الدولہ کے سامنے لایا گیا۔ شجاع الدولہ نے اس سر کو شناخت کے لئے نواب مظفر جنگ کے پاس بھیجا اس نے نہ صرف شناخت کیا بلکہ تضحیک آمیز الفاظ بھی کہے۔ سر اتار کر لانے والے کو ایک ہاتھی، نواب کا دوشالہ اور نقد رقم دی گئی۔ مظفر جنگ اور نواب ضابطہ خان نے بھی خوشامد اور پانچ پانچ سو روپے دیئے۔ اس کے بعد یہ سر استاد سیّد مدن شاہ کے پاس شناخت کے لئے بھیجا گیا۔ آپ اس سر کو دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور تصدیق کی کہ یہ حافظ رحمت خان کا سر ہے اور کہا کہ کٹا ہوا سر نیزے پر ایستادہ ہے اور یہی دلیر مردوں کی معراج ہے۔

---

1)　تاریخ بغداد جلد 9 صفحہ 160

شجاع الدولہ کو مدن شاہؒ کی یہ حق گوئی پسند نہ آئی اس نے آپ کی تمام جائیداد ضبط کر لی اور آپ کو جیل میں ڈال دیا۔ ان پر بہت ظلم ڈھائے گئے آخر کار جیل میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ مگر آپ کی حق گوئی اور اخلاقی جرأت اردو ادب کا سرمایہ بن گئی۔ محاورہ کہ وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی۔(1)

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لئے بیٹھے ہیں، اپنی آستینوں میں (2)

2.6.11.8) امام ابن تیمیہؒ کی حق گوئی

صاحب الکواکب الدریہ لکھتے ہیں:

"سلطان تاتار قازان کے دربار میں امام صاحب جلوہ افروز ہوئے تو دستر خوان چنا گیا، وفد کے ممبروں اور دوسرے لوگوں نے کھانا کھایا لیکن امام ابن تیمیہؒ نے ہاتھ روک لیا اور پوچھا گیا، آپ کیوں نہیں تناول فرماتے؟ ارشاد فرمایا:

"اے سلطان میں تیرا کھانا کس طرح کھا سکتا ہوں؟ یہ کھانا وہی تو ہے جو لوگوں کو لوٹ کر تیار کیا گیا ہے یہ جو کچھ پکا ہوا سامنے موجود ہے یہ انہی درختوں کی ٹہنیوں پر پکایا گیا ہے جو از راہ ظلم و جوار کاٹے گئے ہیں"۔ قازان نے سر جھکالیا۔ امام صاحب سے دعا کی استدعا کی۔

امام صاحب نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا:

"اے اللہ اگر تیرا علم یہ ہے کہ قازان نے اس لئے تلوار میان سے نکالی ہے کہ تیرا کلمہ بند ہو اور تیرے راستہ میں جہاد کرے تو پھر اس کی مدد کر اسے اپنی نصرت سے نوازیو! لیکن اگر یہ جنگ زرگری میں مبتلا ہے دنیا اور بادشاہت اور توسیع مملکت کے لئے برسرپیکار ہے تو پھر اس سے خوب اچھی طرح سمجھ لیجیو۔"

حالت یہ تھی کہ امام صاحب یہ دعا کر رہے تھے اور قازان کے منہ سے بے ساختہ آمین آمین

1) حکایات کا سائیکلو پیڈیا۔ صفحہ 81

2) علامہ اقبالؒ

نکل رہا تھا اور ہم اس خوف سے اپنا دامن سمیٹے بیٹھے تھے کہ امام صاحب کی گردن ضرور اڑا دی جائے گی اور خون کے چھینٹے ہمارے لباس پر پڑیں گے۔ پھر جب ہم دربار سلطانی سے اٹھ کر باہر آئے تو ہم نے امام صاحب سے کہا: ''آپ نے تو آج ہم سب کی جان ہی لے لی تھی، بس سدھاریئے ہم آپ کے ساتھ نہیں جاتے''۔

امام صاحب نے فرمایا:

''میں خود آپ حضرات کے ساتھ جانے کو تیار نہیں، جایئے تشریف لے جایئے۔''

چنانچہ ہم لوگ چل کھڑے ہوئے اور امام صاحب پیچھے رہ گئے، امام صاحب کے اس کارنامہ کا حال سن کر شہر کی عورتیں اور مرد وغریب وامیر سب استقبال اور حصول دیدار کی برکت کے لئے آن موجود ہوئے۔ چنانچہ جب وہ شہر میں داخل ہوئے تو تین سو (300) عقیدت مندوں اور ثناخوانوں کا مجمع ہمرکاب تھا۔

اور ہماری یہ گت بنی کہ جب ہم امام صاحب سے جدا ہو کر آگے بڑھے تو غارت گروں کی ایک جماعت نے ہم پر چھاپہ مارا اور کپڑے تک اتروا لئے۔(1)

2.6.11.9) امام احمد بن حنبل

امام احمد بن حنبلؒ معروف استاد اور دنیائے علم کا روشن ستارہ تھے۔ آپ کو خلیفہ نے جیل میں ڈال رکھا تھا۔ آپ کو امام الورع بھی کہا جاتا ہے۔

عباسی خلیفہ معتصم باللہ جب خلق قرآن کے سلسلہ میں آپؒ کا موقف بدلنے سے عاجز آ گیا تو اس نے امام صاحب پر مزید سختی شروع کر دی۔ آلۂ تعذیب نصب کروایا۔ ظالم و جابر جلاد مقرر کئے اور بے پناہ تشدد کروایا۔ جلاد کے زدوکوب کرنے سے آپؒ کا کندھا اکھڑ گیا اور پیٹھ سے خون کے فوارے جاری ہو گئے۔ خلیفہ نے امام احمد بن حنبلؒ سے کہا:

''احمد صرف ایک کلمہ کہہ دو قرآن مخلوق ہے میں اپنے ہاتھوں سے تمہاری بیڑیاں کھول کر آزاد کر دوں گا اور تمہیں دنیا جہان کی نعمتوں سے مالا مال کر دوں گا''۔

1) الکواکب الدریہ۔1620

امام احمد نے جواب میں فرمایا:

"قرآن مجید کی کوئی آیت یا حدیث کی کوئی نص دلیل کے طور پر پیش کرو میں فوراً اپنی رائے بدل لوں گا۔"

خلیفہ اس جواب سے طیش میں آ گیا اور جلاد کو حکم دیا تو اس نے پوری قوت سے تازیانہ برسانا شروع کیا۔ امام صاحب کا گوشت پھٹ گیا اور پیٹھ سے خون کا فوارہ بہہ نکلا۔ اس حالت میں ایک درباری عالم آگے بڑھا اور کہا کہ احمد بن حنبل کیا اللہ تعالیٰ قرآن میں نہیں فرماتا کہ "اور اپنی جانوں کو قتل نہ کرو"۔(1) پھر کیوں خلیفہ کی بات نہ مان کر اپنے آپ کو ہلاک کرنا چاہتے ہو۔ امام احمد نے کہا کہ محل سے نکلو اور دیکھو کہ محل کے باہر مجمع کیسا ہے۔ اس درباری عالم نے دیکھا کہ محل کے باہر بہت سے لوگ جمع ہیں پوچھا کیسے آئے۔ انہوں نے کہا کہ ہم کاغذ قلم پکڑے اس بات کے منتظر ہیں کہ مسئلہ خلق قرآن پر امام احمد کا موقف لکھ سکیں وہ درباری عالم واپس آیا اور امام صاحب کو بتایا تو امام صاحب نے کہا کیا میں ان سب کو گمراہ کر دوں، مجھے اپنے آپ کو قتل کروالینا منظور ہے مگر ان کو گمراہ کرنا منظور نہیں۔(2)

2.6.12) پیشہ تدریس سے لگن اور مشکل ترین حالات میں تدریس

اساتذہ نے مشکل ترین حالات میں بھی درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ پوری اسلامی دنیا میں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔

2.6.12.1) روسی اساتذہ

روس میں کیمونزم کے بعد تقریباً اسی سال تک قرآن مجید پڑھنے اور گھر میں رکھنے پر پابندی لگا دی گئی۔ مگر وہ روسی ریاستیں جن میں مسلمان بستے تھے۔ وہاں خفیہ طور پر اسلامی نظریات اور قرآن کی تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ ان ریاستوں کو جب آزادی ملی تو وہاں دو نسلیں گزرنے کے باوجود دینی تعلیم سے بہرہ مند مسلمان موجود تھے۔ یہ روس کے اساتذہ کی محنت و ہمت کی وجہ سے تھا۔

---

1) القرآن: النساء، آیت 29

2) عبدالمالک مجاہد، سنہرے اوراق صفحہ 207، دارالسلام لاہور

2.6.12.2)افریقی مارابو

براعظم افریقہ میں مظاہر پرستوں کی اکثریت تھی۔گزشتہ دوصدیوں سے پوری عیسائی دنیا نے پادری بھیج کرعیسائیت کوفروغ دینے کی کوشش کی وہاں ایک مسلمان تجارت کی غرض سے ایک علاقہ میں جاتا وہاں کے سردار سے اجازت لے کرایک دکان بناتا اورعمل وکردار سے اس علاقہ کو ایسا متاثر کرتا کہ وہ سردار اور تمام علاقہ کے لوگ مسلمان ہو جاتے۔ان تاجروں کوافریقی لوگ مارابو کہتے تھے۔پھر یہی مارابوتدریس وتعلیم کا سلسلہ شروع کر دیتا جس کی بناء پر اس براعظم میں دینی تعلیم شروع ہوئی۔

2.6.12.3)برصغیر کا اُستاد

برصغیر پاک وہند میں جب انگریزوں نے مسلمانوں سے حکومت چھین لی تو وہ شخص جسے بعد میں ملا کہا گیا۔اس نے جنگلوں،صحراؤں، دیہاتوں اور پہاڑوں میں جا کر دین کی تعلیم جاری رکھی اس دور میں مسلمان اساتذہ کی ایسی نسل پیدا ہوئی جس نے اپنی ذات کومٹا کراپنی قوم کے لئے نظریاتی تعلیم دی اوراس طرح قوم کونظریاتی طور پر زندہ رکھا یہ اس محنت اور جدوجہد کا اثر تھا کہ 1857ء میں مسلمان غلام بنائے جاتے ہیں مگر صرف نوے سال بعد 1947ء میں پاکستان کی شکل میں آزادی حاصل کر لیتے ہیں۔مسلم تشخص کو یہ پہچان عطاء کرنے والا وہ استاد تھا جس کی بوئی ہوئی فصل کو قائداعظم نے پاکستان کی شکل میں کاٹا اور تمام قوم اس ایک نکاتی ایجنڈے پر متفق ہوگئی جس پر وہ اپنی دینی حمیت کے تحت پہلے سے تیار تھی۔

2.6.12.4)بکار بن قیتبہؒ

سید محمد سلیم اپنی کتاب میں کچھ اساتذہ کے انفرادی حوالہ جات دیتے ہیں۔ان کے مطابق:

بکار بن قیتبہؒ جو کہ مصر کے عالم اوراستاد تھے ان کا والی مصر احمد بن طولون سے جھگڑا ہو گیا اور اس نے بکار کوقید کر دیا۔وہ دوسال تک جیل میں بند رہے اور جیل سے بھی تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔جیل کی دیوار میں سوراخ تھا طلبہ باہر اوراندر سے استاد محترم درس دیتے رہتے تھے۔(1)

1) سید محمد سلیم،ص29

2.6.12.5) محمد بن سہیل سرخسیؒ

محمد بن سہیل سرخسیؒ کو فرغانہ کے قریب اوزجند کے ایک اندھے کنوئیں میں قید کر دیا گیا۔ دس بارہ سال تک وہ اسی حالت میں قید رہے مگر انہوں نے تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ شوقین طلبہ آ کر کنوئیں کی منڈیر پر بیٹھ جاتے تھے اور استاد کنوئیں کے اندر سے حافظہ سے ان کو پڑھاتے اور املا کرواتے رہتے تھے۔(1)

2.6.12.6) طلاب نور

ترکی میں بھی مصطفی کمال پاشا نے جب عربی زبان کی تعلیم و تدریس پر پابندی لگائی تو بدیع الزمان سعید نورسی کے شاگرد طلاب نور نے تہہ خانوں میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رکھا۔(2)

2.6.12.7) امام خمینی

امام خمینی ایران کے رہبر اور ہیرو ہیں اور اسلامی دنیا کا بچہ بچہ ان سے واقف ہے۔ جب شاہ ایران نے انہیں قید کر دیا اور پھر جلاوطن کر دیا تب بھی انہوں نے مختلف ذرائع سے تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اور ایک عظیم انقلاب برپا کر دیا۔

ایک روایت کے مطابق شہنشاہ ایران رضا شاہ پہلوی نے رہبر انقلاب امام خمینی کے پاس اپنا خاص نمائندہ بھجوایا کہ اتنے ڈالر لے لو اور ایران چھوڑ دو۔ جواب میں امام خمینی نے فرمایا کہ شہنشاہ اس سے دگنے ڈالر لے لے اور ایران چھوڑ دے۔ شہنشاہ ایران نے دوبارہ قاصد بھیجا اور پوچھا کہ اتنی رقم کہاں سے لاؤ گے تو امام نے جواب دیا کہ میں اپنے عوام سے اپیل کروں گا کہ اتنے اتنے پیسے بھجواؤ اور مجھے یقین ہے کہ میرے لوگ انکار نہ کریں گے خیر رقم کی تو ضرورت نہ پڑی لیکن زمانے بھر نے دیکھا کہ اس درویش صفت استاد کے کہنے پر ایرانی قوم نقد جاں لے کر امام کے بلاوے پر گھروں سے نکل پڑی نہ صرف شاہ کو ایران چھوڑنا پڑا بلکہ اس نے در بدر کی ٹھوکریں کھائیں اور پھر اسے وطن کی مٹی نصیب نہ ہو سکی۔ یہ ہے ایک استاد

1) سید محمد سلیم، ص29　　2) سید محمد سلیم، ص30

کا عروج کہ اس کے شاگردوں نے پوری قوم کو متحد کر کے اپنے استاد کا پشت پناہ بنا دیا اور استاد بھی استقامت کا وہ پہاڑ تھا کہ وقت کے فرعونوں سے ٹکرا کر ایک نئی تاریخ رقم کر گیا۔

2.6.12.8) مدرسہ مستنصریہ کے اساتذہ

سید محمد سلیم بغداد میں ہلاکو خان کی تباہی و بربادی کے بعد بھی بتاتے ہیں کہ جب ہلاکو خان شہر کی سیر کو نکلا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ مدرسہ مستنصریہ بغداد میں اساتذہ تعلیم دینے میں مصروف ہیں۔

2.6.12.9) مدرسہ رحیمیہ کے اساتذہ

دہلی میں مغلوں کے دور زوال میں کبھی مرہٹوں نے حملہ کر دیا کبھی انگریزوں نے مگر مدرسہ رحیمیہ جس کی بنیاد شاہ ولی اللہ کے والد نے رکھی تھی اس میں شاہ عبدالعزیز صاحب پڑھاتے رہے اور ساٹھ سال تک کوئی ناغہ نہیں ہوا۔ حالانکہ انگریزی حملہ کے وقت توپ کے گولے مدرسہ کے صحن میں گرتے رہے۔ اس دور میں اس مدرسہ کے مشہور استاد میاں جی نذیر حسین تھے۔(1)

2.6.12.10) شاہجہان کی خواہش

اورنگزیب عالمگیر نے بھائیوں پر فتح پائی اور اپنے باپ شاہ جہان کو قید کر دیا۔ شاہ جہان جس نے بڑے طمطراق سے لمبے عرصے تک برصغیر پر حکومت کی تھی قید میں گیا تو بغیر مصروفیت کے وقت کاٹنا مشکل ہو گیا۔ کارِ بادشاہی کے بعد جس کام پر نظر پڑی وہ معلمی تھا۔ اورنگزیب جو کہ بیٹا ہونے کے باوجود شہنشاہ ہند تھا کو درخواست بھجوائی گئی کہ چند طلباء کا بندوبست کر دیا جائے میں پڑھانا چاہتا ہوں۔ نجانے اس گزارش کا کیا بنا طلبہ ملے یا نہیں۔ البتہ یہ تبصرہ تاریخ میں محفوظ ہے۔
”اچھا! تو ابھی تک دماغ سے خوئے سلطانی نہیں گئی“۔

2.6.12.11) امام ابو حنیفہؒ

حضرت امام ابو حنیفہ فقہ حنفی کے امام ہیں۔ خلیفہ منصور نے آپ کی مقبولیت سے خائف ہو کر آپ کو قید کر دیا تھا۔ عبدالصمد صارم (1960) رقمطراز ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے عقیدت

---

1) سید محمد سلیم، ص30

مند بہت تھے اور قید ہونے کے باوجود ان کی علمی شہرت سن کر لوگ بغداد آتے تھے۔ منصور نے اگرچہ انہیں قید کیا تھا لیکن ان کی عزت کرتا تھا۔ خلافِ ادب کوئی بات نہ کرتا تھا۔ قید خانہ میں ہی منصور نے انتظام کروا دیا تھا۔ امام صاحب درس دیتے تھے۔ لوگ آتے تھے اور فائدہ علمی حاصل کرتے تھے۔ امام محمد جو فقہ حنفی کے ایک کارآمد و قابل قدر شخص تھے انہوں نے قید کے دوراں میں امام صاحب سے تکمیل تعلیم کی۔(1)

ایک دفعہ حضرت امام ابو حنیفہؒ مسجد میں پڑھا رہے تھے۔ حلقۂ درس قائم تھا کہ مسجد کی چھت سے ایک سانپ ان کی گود میں آ گرا۔ طلباء میں بھگدڑ مچ گئی۔ مگر آپ اسی سکون سے اور دل جمی سے محو گفتگو رہے اور پڑھانا جاری رکھا۔ البتہ سانپ کو ہاتھ سے ہٹا دیا۔(2)

2.6.12.12) پروفیسر ڈاکٹر اجمل

پروفیسر ڈاکٹر اجمل خان وائس چانسلر پشاور یونیورسٹی کو 7 ستمبر 2010ء کو پشاور سے اغوا کر لیا گیا اور 28 اگست 2014ء کو تقریباً چار سال بعد رہا کیا گیا۔ پروفیسر صاحب پیشہ تعلیم سے لگن رکھنے والے اور مخلص استاد ہیں گومل یونیورسٹی اور اوپن یونیورسٹی میں خدمات سرانجام دیں۔ طالبان ان کے ذریعہ سے حکومت پر دباؤ ڈالنا چاہتے تھے اور مطالبات پورے نہ ہونے کی صورت میں قتل کر سکتے تھے۔

ملٹی وژن کو انٹرویو دیتے ہوئے بتاتے ہیں کہ ’’دوران قید مجھے مختلف جگہ رکھا گیا جب ایک جگہ پر زیادہ دن رکے تو میں نے چند بچوں سے بات کی۔ بچوں میں پڑھنے کا شوق تھا مگر حالات خراب ہونے کی بنا پر نہ تو کوئی استاد تھا اور نہ ہی سکول، میں نے دو بچوں سے کہا کہ کتابیں لے آؤ میں آپ کو پڑھاؤں گا وہ بچے آنے لگے اور شروع میں، میں نے قرآن پاک کی تعلیم شروع کی۔ طالبان نے شروع شروع میں اعتراض کیا مگر پھر اس کے بعد کبھی اعتراض نہیں کیا۔ میں پڑھانے لگا اور بچوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور تعداد 32 یا 33 تک پہنچ گئی۔

1) عبدالصمارم، ص 17

2) ابوزہرہ مصری امام ابوحنیفہ صفحہ 106۔ بحوالہ المناقب المکی صفحہ 268 جلد 1

ان غیر یقینی حالات میں پروفیسر صاحب نے جس طرح اپنے پیشے سے تعلق رکھا وہ انتہائی قابل ستائش ہے۔(1)

2.6.12.13) بوعلی سینا

مسلمانوں میں علم طب میں بوعلی سینا ایک بڑا نام ہے۔ان کے بارے میں ڈاکٹر احمد شلبی رقمطراز ہیں کہ شہرہ آفاق معلم بوعلی سینا جو شمس الدولہ کی حکومت میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔دِن بھر اپنے فرائض منصبی انجام دینے میں مصروف رہتے لیکن اُن کا شام کا وقت درس و تدریس کے لئے وقف تھا۔ان کا معمول تھا کہ وہ اپنے گھر میں بیٹھ جاتے اور ایک بڑے اجتماع کو اپنی کتاب الشفا یا القانون سے اقتباسات سناتے۔(2)

2.6.12.14) امام غزالی

اُستاد کبھی ریٹائرڈ نہیں ہوتا۔اِس سلسلہ میں ڈاکٹر احمد شبلی لکھتے ہیں کہ:''امام غزالی (وفات 504ھ) مکہ معظمہ اور دمشق کے سفر سے واپس آئے تو کچھ عرصہ اپنے شہر طوس چلے گئے۔جہاں وہ اپنے گھر پر علم الکلام کا درس دیتے تھے۔ان کا سارا وقت درسِ و عبادت کے لئے وقف تھا''۔(3)
امام غزالی بغداد گئے تو نظام الملک کی مجلس میں انہوں نے ایک مباحثہ میں حصہ لیا۔مباحثہ جیتنے کے بعد انہیں بغداد کی مشہور درسگاہ نظامیہ میں پروفیسر مقرر کر دیا گیا۔(4)

2.6.13) اساتذہ اور وقت کی قدر و قیمت

اللہ تعالیٰ نے والعصر کے حوالے سے زمانے کی قسم اُٹھائی ہے۔(والعصر۔قسم سے زمانے کی)
آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو۔
زندگی کو موت سے پہلے

1) ماہنامہ ملٹی وژن۔(2 اکتوبر 2014ء) محمد اسلم راؤ چیف ایڈیٹر اسلام آباد۔انٹرویو اعجاز گوندل صفحہ 21
2) احمد شلبی، ص 28، بحوالہ الطبری، تاریخ الامان والملوک، ص:3:2335
3) احمد شلبی، ص 29　　4) احمد شلبی، ص 36

صحت کو بیماری سے پہلے

فراغت کو مصروفیت سے پہلے

جوانی کو بڑھاپے سے پہلے

امارت کو غربت سے پہلے

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہر روز صبح کو جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس وقت دن یہ اعلان کرتا ہے آج اگر کوئی بھلائی کرسکتا ہے تو کر لے۔ آج کے بعد میں پھر کبھی واپس نہیں لوٹوں گا۔ (1)

جس کا آج اس کے گزشتہ کل سے بہتر نہیں وہ ہلاک ہو گیا وہ ہلاک ہو گیا۔ وہ ہلاک ہو گیا۔

(الحدیث)

وقت ایک سونا ہے۔ وقت ہی زندگی ہے۔ امروز و فردا۔ اس کے پیمانے میں وقت خوش قسمتی کی وہ دیوی ہے جو ہر دروازے پر دستک دیتی ہے جو اس کی پکار سن کر اس کو درست جواب دیتا ہے وہ زندگی میں کامیاب ہے ورنہ ناکام۔

کمرۂ جماعت میں اساتذہ ازل سے ماضی حال اور مستقبل کے بارے میں طلبہ کو بتاتے آ رہے ہیں۔ ماضی ہمارے لئے تجربات کا خزانہ ہے اس کو لمحہ موجود یا حال میں خرچ کرنے کے لئے عقل وخرد کی ضرورت ہے جس کی مدد سے لمحۂ موجود کو بامعنی تجربات و کاموں سے بدل کر دولت دنیا و آخرت میں کیش کروایا جاسکتا ہے اور مستقبل کے لئے پلاننگ کر کے کامیابی کے زینہ پر قدم رکھا جاسکتا ہے۔ ورنہ ماضی گیا حال پر قابو نہیں اور مستقبل بے یقینی کا شکار۔ عوام ہو یا خاص یا اقوام عالم وقت کی پکار پر لبیک ہی کامیابی کی ضمانت ہے۔

پہلے امریکہ و روس کی ایٹمی جنگ کے بارے میں کہا جاتا تھا اب پاکستان و ہندوستان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جو ملک پانچ منٹ کی پہل حاصل کر گیا وہ کامیاب ہے اور دوسرا برباد۔

مشہور فلسفی و ریاضی دان آئی سٹائن وقت کو اس دنیا کی روح قرار دیتا ہے۔

امریکہ کے مشہور صدر جارج واشنگٹن کا سیکرٹری ایک بار چند منٹ دیر سے آیا واشنگٹن نے

1) علامہ سیوطی۔ جمع الجوامع

وجہ دریافت کی تو اس نے کہا کہ میری گھڑی پیچھے تھی واشنگٹن نے کہا یا تم گھڑی بدل لو ورنہ مجھے سیکرٹری بدلنا پڑے گا۔

وقت کی دولت سب کو یکساں عطاء ہوئی ہے اس کے درست مصرف والا کامیاب اور ضائع کرنے والا ناکام ٹھہرا۔ مسلمان اساتذہ وصوفیاء کے ہاں ایک مقولہ مشہور ہے کہ عقلمند وہ ہوتا ہے جو قلیل الکلام، قلیل الطعام اور قلیل المعام ہو، یعنی کم بولے، کم کھائے اور کم سوئے۔ یعنی وقت بچا کر عبادت الٰہی اور علم وعمل میں گزارے۔

2.6.13.1) امام شافعیؒ

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ وقت دو دھاری تلوار ہے جو ہر چیز کو کاٹتے ہوئے مسلسل گزر رہی ہے۔ آپ اس کو کسی عمل میں کاٹیے ورنہ یہ آپ کو کاٹ کر گزر جائے گا۔ وقت مہلت عمل کا نام ہے نجانے یہ مہلت کب ختم ہو جائے۔ وقت ابدیت کا پیمانہ ہے جس کے ہر لحہ کا حساب ہو گا۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

2.6.13.2) مسلمان اساتذہ کی تصانیف

مسلمان اساتذہ نے اپنے وقت کا بہت خیال رکھا، کچھ حضرات نے زندگی بھر میں جو تحریر کیا وہ یوں ہے۔ امام محمدؒ کی تالیفات وتصانیف ایک ہزار کے لگ بھگ ہیں۔ ابن جریر طبری نے زندگی میں تین لاکھ اٹھاون ہزار صفحات لکھے آپ چالیس سال تک روزانہ اوسطاً چالیس صفحات لکھتے رہے۔ امام غزالی نے 78 کتب تصنیف کیں۔ ان کی ایک کتاب یاقوت التاویل کی چالیس جلدیں ہیں۔ ابن سینا نے بہت لکھا۔ جن میں الحاصل والحصول بیس جلدیں ہیں۔ الانصاف۔ (20 جلدیں) الشفا اٹھارہ جلدیں۔ لسان العرب 10 جلدیں ہیں۔ اِس کے علاوہ بھی ان کی تحریریں ہیں۔

حافظ ابن حجر عقلانی۔ فتح البخاری 147 جلدیں۔ تہذیب التہذیب 123 جلدیں۔ الاصابہ 9 جلدیں۔ لسان المیز ان 47 جلدیں۔ تغلیق التعلیق 57 جلدیں۔

امام فخر الدین رازیؒ کی تصانیف ایک سو کے قریب ہیں۔ان کی مشہور کتاب تفسیر کبیر تیس جلدوں میں ہے۔فرمایا کرتے تھے کہ کھانے پینے میں جو وقت ضائع ہوتا ہے۔ہمیشہ اس پر افسوس کرتا رہتا ہوں۔

2.6.13.3) امام ابن جوزیؒ

امام ابن جوزیؒ اپنی کتاب صید الخاطر میں اپنی طالب علمی کے زمانے کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں طالب علم کی وجہ سے بہت شدید حالات میں مبتلا ہو گیا چونکہ یہ مشکل حالات میری امید اور طلب کے مطابق تھے۔لہٰذا مجھے شہد سے بھی زیادہ شیریں محسوس ہوتے تھے۔میں خشک روٹی ساتھ لیتا اور حدیث پڑھنے چلا جاتا۔کھانے کے وقت نہر عیسیٰ کے قریب بیٹھ جاتا۔کیونکہ بغیر پانی کے وہ روٹی مجھ سے نگلی نہ جاتی تھی۔جب لقمہ لیتا تو پانی کا گھونٹ لیتا تھا۔میری ہمت کی آنکھ کو تحصیل علم کی لذت کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا تھا اس کا ثمرہ مجھ کو یہ ملا کہ میرا تعارف: ''رسول اللہ ﷺ کی احادیث کثرت سماع ان کے آداب اور صحابہؓ کے حالات جاننے والے سے ہوا''۔میں نے ایک فن پر قناعت نہیں کی بلکہ میں حدیث وفقہ کے سماع کے ساتھ ساتھ زاہدوں کی مجلس میں بھی جاتا پھر لغت کا علم حاصل کرنے جاتا۔میں نے کسی روایت کرنے والے اور وعظ کہنے والے کی مجلس کو نہ چھوڑا اور نہ ہی باہر سے آنے والے اجنبی اساتذہ کی محفل کو۔

سماع حدیث کے لئے میں مشائخ کی مجالس کے چکر لگایا کرتا تھا بھاگتے بھاگتے میرا جسم ٹوٹ جاتا تا کہ کوئی مجھ سے سبقت نہ لے جائے میری صبح شام اس حالت میں ہوتی کہ میرے پاس کھانے کو کچھ نہ ہوتا تھا۔لیکن اللہ نے مجھے مخلوق کے سامنے کبھی ذلیل نہیں کیا۔

امام ابن جوزیؒ نے اپنے ہاتھوں سے دو ہزار کتب تحریر فرمائی ہیں۔آپؒ نرسل کے قلم بنا کر لکھا کرتے تھے جب چاقو سے قلم بناتے تو اس کا چھیلا ہوا حصہ جمع کرتے جاتے تھے جب یہ چھیلن کافی جمع ہو گئی تو وصیت فرمائی کہ میرے مرنے کے بعد مجھے جس پانی سے غسل دیا جائے اسے گرم کرنے کے لئے ان قلموں کی چھیلن کو استعمال کیا جائے۔لہٰذا اس پر عمل کیا گیا پانی گرم

کرنے کے بعد بھی یہ چھیلن بچ گئی"۔ (1)

2.6.13.4) عاقل اہل اندلس

حضرت یحییٰؒ مدینہ منورہ میں حضرت امام مالکؒ سے پڑھا کرتے تھے۔ ایک روز شور ہوا کہ ہاتھی آیا ہے اس آواز کا سننا تھا کہ طلبہ درس چھوڑ کر ہاتھی دیکھنے کو بھاگ گئے۔ مگر یحییٰؒ اسی طرح اطمینان سے بیٹھے رہے۔ امام مالکؒ نے پوچھا تمہارے ہاں تو ہاتھی نہیں ہوتا تم کیوں نہیں گئے؟ یحییٰ نے ادب سے جواب دیا حضرت اندلس سے میں آپ کو دیکھنے اور علم سیکھنے آیا ہوں ہاتھی دیکھنے نہیں۔ حضرت امام مالکؒ یہ جواب سن کر بہت خوش ہوئے اور ان کو عاقل اہل اندلس کا لقب دیا۔

2.6.13.5) شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ

شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے حالات میں ہے کہ آپ وطن سے سفر کر کے تعلیم کے لئے گئے تو زمانہ طالب علمی میں جو خطوط آتے تھے ان کو ایک تھیلے میں ڈالتے جاتے تھے اور اس خیال سے نہ پڑھتے تھے کہ وقت ضائع ہوگا۔ توجہ بٹے گی طبیعت میں انتشار اور تشویش پیدا ہوگی اور حصول مقصد میں خلل واقع ہوگا یعنی سبق میں یکسوئی باقی نہ رہ سکے گی۔(2)

2.6.13.6) عامر بن قیسؒ

عامر بن قیس مشہور تابعی تھے ایک شخص نے ان سے کہا کہ آؤ بیٹھ کر باتیں کریں۔ انہوں نے جواب دیا تو پھر سورج کو بھی ٹھہرالو یعنی وقت گزرتا چلا جاتا ہے اور پھر نہیں آتا۔(3)

شیخ محمد بن سلام

شیخ محمد بن سلام بیکندیؒ مشہور استاد اور امام بخاریؒ کے اساتذہ میں سے تھے وقت کے

---

1) محمد روح اللہ (2009ء) طالب علم کے شب و روز مکتبہ الشیخ کراچی صفحہ 47

1) مولانا روح اللہ (2009ء) طالب علم کے شب و روز ...... تاریخ دعوت وعزیمت

2) محمد روح اللہ (2009ء) طالب علم کے شب و روز مکتبہ الشیخ کراچی صفحہ 45،46۔

بہت قدر دان تھے۔ ایک بار لکھتے ہوئے ان کا قلم ٹوٹ گیا تو انہوں نے صدا لگائی کہ مجھ کو نیا قلم ایک دینار میں کون دیتا ہے۔ لوگوں نے بہت سے قلم پیش کئے یہ ان کی دریا دلی تھی کہ ایک قلم ایک دینار کے عوض خرید لیا۔ تا کہ لکھتے لکھتے ان کا وقت ضائع نہ ہو اور خیالات کا تسلسل نہ ٹوٹے۔ (1)

2.6.13.7) امام ابو یوسف

امام ابو حنیفہ نماز فجر کے فوراً بعد درس دینا شروع کر دیتے تھے طویل عرصہ تک کوئی دن بھی ایسا نہ گزرا کہ امام ابو یوسف غیر حاضر ہوں خود فرماتے ہیں کہ ہماری عید الفطر اور عید الاضحیٰ پر بھی استاد محترم سے جدا نہیں ہوا انہوں نے تمام وقت استاد کے ساتھ تعلیم و تعلم میں گزارا جس کے نتیجہ میں امام اہل سنت ہوئے۔ (2)

2.6.14) طلب علم و ذوق مطالعہ

ابو داؤد باب العلم میں تحریر ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

''انبیاءؑ دینار و درہم کا وارث نہیں بنایا کرتے بلکہ وہ علم کا وارث بنایا کرتے ہیں''۔ (3) لہٰذا مسلمان اساتذہ نے طلب علم میں بہت محنت کی۔

استاد کو مسلسل مطالعہ کرنا چاہئے اور علم حاصل کرتے رہنا چاہئے۔ علامہ ابن العلاء سے ایک بار کسی نے پوچھا آدمی کو کب تک علم حاصل کرنا چاہئے۔ اس عالی دماغ نے کہا جب تک حیات مہربان رہے یعنی تمام زندگی۔

سقراط کا مقولہ ہے کہ میرے علم کی معراج یہ ہے کہ میں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ مجھ کو کچھ نہیں آتا۔

نوابغ الکلم میں تحریر ہے کہ تاجر کی عظمت اس کی جیب میں اور عالم کی عظمت اس کی کتاب میں ہوتی ہے۔ مسلمان اساتذہ ساری عمر طلب علم کو اپنے لئے سعادت خیال کرتے تھے۔

---

1) محمد روح اللہ (2009ء) طالب علم کے شب و روز مکتبہ الشیخ کراچی صفحہ 46

2) محمد روح اللہ (2009ء) طالب علم کے شب و روز مکتبہ الشیخ کراچی صفحہ 158

3) ابو داؤد، حدیث 3641

2.6.14.1)ابوالعباس ثعلب

امام ادب ابوالعباس ثعلب کی عمر اکانوے برس کی ہو چکی تھی ایک دن جمعہ کے بعد مسجد سے مکان کو جانے لگے راستے میں کتاب دیکھتے جاتے تھے کتاب میں محویت اور پھر ثقل سماعت پھر وہ آواز کیا سنتے ؟ ایک گھوڑے کا دھکا لگا اور اس کے صدمے سے بے ہوش کر زمین پر گر پڑے۔ لوگ غشی کی حالت میں اٹھا کر مکان پر لائے۔ ضعف پیری اتنے بڑے صدمے کو کب برداشت کر سکتا تھا۔ اسی حالت میں رحلت فرمائی۔ انتہائے پیری میں بھی ان کا شوق طلب اتنا قوی تھا راہنوردی میں بھی جو وقت گزرتا اس کا جاتا رہنا بھی گوارا نہ ہوا۔ (1)

2.6.14.2)ابوتمام طائی

عربی شاعری کی کتاب حماسہ عربی ادب میں معروف مقام رکھتی ہے اور بہت مشہور کتاب ہے۔ اس کے مصنف کا نام ابوتمام طائی ہے۔ ابوتمام طائی ایک بار خراسان کے دربار کو جا رہا تھا جب ہمدان پہنچا تو موسم خراب ہو گیا اور شدید برف باری شروع ہو گئی تمام راستے بند ہو گئے اور ابو تمام کو کچھ عرصہ کے لئے وہیں قیام کرنا پڑا۔ اس طرح کے واقعہ میں پریشانی کا ہونا لازم ہے مگر اس استاد و شاعر کا کام دیکھئے یہ جس رئیس کے مہمان تھے ان کی لائبریری میں عرب کے شعرا کے کلام کے دیوان کثرت سے تھے۔ ابوتمام نے اس عرصے میں تمام دواوین پڑھے۔ ان سے اشعار کا انتخاب کیا اور نظم عربی کا یہ بے بہا مجموعہ حماسہ ترتیب دے لیا۔

2.6.14.3)الجاحظ

الجاحظ معروف استاد اور سکالر تھے مطالعہ کا عمدہ ذوق رکھتے تھے اور انتہائی شوق سے مطالعہ فرماتے تھے ان کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ کتابوں کے دکانداروں سے کہتے تھے کہ شام کو دکان بند کرتے ہوئے مجھے دکان میں بند کر جائیں تا کہ مطالعہ جاری رکھ سکوں اور اس کے لئے معاوضہ دینے کو بھی تیار تھے۔

---

1) شمس الدین ذہبی (478ھ) صفحہ 44

عرب دُنیا میں کتابوں سے محبت واحترام کا جذبہ دراصل الجاحظ کی تصنیفات وتعلیمات کی بدولت پیدا ہوا اس سے قبل لوگ نظم کی زیادہ قدر کرتے تھے۔ الجاحظ کی تصانیف واقوال سے متاثر ہوکر لوگ پہلی بار نثری ادب کی طرف متوجہ ہوئے۔

جاحظ علم وادب کے شیدائی تھے کتاب کے حوالہ سے رقمطراز ہیں کہ کتاب دانشوروں کے علم وتجربے کا خزانہ ہے اور سابقہ نسلوں اور دور دراز کے علاقوں کی معلومات بہم پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ کتاب ہماری دوست ہے ایسا دوست جو نہ تو کبھی فریب دیتا ہے۔ نہ خوشامد کرتا ہے۔ ایک ایسا رفیق جو ہم سے کبھی بھی بیزار نہیں ہوتا۔(1)

عبدالسلام ہارون نے لکھا ہے کہ الجاحظ کتابوں پر جان دیتے تھے لیکن کتابیں ان پر مہربان نہیں تھیں۔ وہ کتابوں کی عزت وتکریم کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔ کتابیں جمع کرنے پر کثیر رقمیں خرچ کرتے۔ لیکن یہی کتابیں ان کی موت کا سامان بن گئیں ان کا دستور یہ تھا کہ وہ کتابیں پڑھنے کے لئے اپنے گرد کتابوں کا انبار لگا کر بیٹھتے ایک دن کتابوں کا ڈھیر ان پر گرا جس کے نیچے وہ دب گئے اور ضعیف اور معمر ہونے کے سبب جانبر نہ ہو سکے۔(2) **انا اللّٰہ وانا الیہ راجعون**۔ الجاحظ کی کتاب سے محبت ضرب المثل بن گئی۔ خطیب بغدادی حاحظ کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ الجاحظ کتاب فروشوں کی دکانیں کرائے پر لے کر ساری رات کتابیں پڑھتے رہتے تھے۔

2.6.14.4) شاہ ولی اللہ کے صاحبزادگان کا مطالعہ میں انہماک

حضرت شاہ ولی اللہ کا خاندان علمی وتعلیمی حوالہ سے برصغیر میں معروف مقام رکھتا ہے۔ آپؒ کے صاحبزادگان میں سے ایک مطالعہ کر رہے تھے۔ دوران مطالعہ انہوں نے پانی مانگا۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے اسے سنا تو فرمایا ''خاندان سے علم رخصت ہوا''۔ مگر اہلیہ محترمہ نے فرمایا کہ ابھی جلدی نہ کریں۔ ذرا مزید دیکھ لیں۔ چنانچہ پانی کے گلاس میں سرکہ ڈال کر خادم کے

---

1) ڈاکٹر احمد شلبی، ص74

2) ڈاکٹر احمد شلبی، ص75

ہاتھ بھجوا دیا۔ وہ اس کو پی گئے اور گلاس واپس بھجوا دیا۔ اس پر حضرت شاہ ولی اللہ نے فرمایا''
الحمدللہ ابھی خاندان میں علم باقی رہے گا''۔(1)

یعنی یہ بزرگ مطالعہ اس انہماک سے فرماتے تھے کہ کھانا پینا یاد ہی نہ رہتا تھا اور دورانِ مطالعہ ذائقہ کا احساس بھی ختم ہو جاتا تھا۔

2.6.14.5) امام مسلمؒ

مولانا تقی الدین ندوی مزید تحریر فرماتے ہیں کہ:

حضرت امام مسلمؒ حدیث کی مشہور کتاب صحیح مسلم شریف کے جمع کرنے والے ہیں۔ آپؒ درس حدیث دے رہے تھے کہ آپؒ سے ایک حدیث کے بارے میں پوچھا گیا جو امام موصوف کو سوئے اتفاق سے یاد نہ آئی۔ واپس گھر آئے تو ان کی خدمت میں کھجوروں کا وہ تھیلا پیش کیا گیا۔ کھجوروں کا وہ توڑا ساتھ لیا اور حدیث تلاش کرنے لگے ساتھ ساتھ کھجوریں کھاتے گئے۔ آخر حدیث مل گئی مگر تلاش حدیث میں اتنے محو تھے کہ تمام کھجوریں کھا گئے اور انہی کھجوروں کی وجہ سے امام صاحب کی موت واقع ہوگئی۔(2)

2.6.14.6) کتاب سے محبت وکتاب کی اہمیت

علم کی ترغیب اور ترقی کے لئے کتاب بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ کتاب طبقہ اساتذہ کا ہتھیار ہے۔ مسلمان بچہ یا استاد جب تعلیم کے حصول کی ابتدا کرتا ہے تو خدائے رحمن ورحیم سے صراط مستقیم پر چلنے اور ان لوگوں کی راہ پر چلنے کی دعا کرتا ہے جن پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ جب وہ پہلی آیت تلاوت کرتا ہے تو کہتا ہے۔''**ذالک الکتاب لاریب فیه**۔ یہ وہ کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں''۔ اسی لئے قرآن کریم کو کتاب حق اور نسخہ کیمیا قرار دیا گیا ہے۔ دنیا میں تشریف لانے والے تمام انبیاء کا بنیادی کام کتاب وحکمت کی تعلیم اور تزکیہ نفس تھا۔ اسلام نے

---

1) مولانا تقی الدین ندوی، ص32

2) ص32

مولانا تقی الدین ندوی مظاہری((1974 دو صحبتے با اولیاء۔ ایم سعید کمپنی کراچی

پوری دنیا میں پھیلی ہوئی مساجد کو کعبہ کی بیٹیاں قرار دیا۔ اگر ہم یہاں یہ کہیں تو بے جا نہ ہوگا کہ الہامی کتب سے پھوٹنے والے مختلف علوم کے سرچشمے بھی الہامی کتب سے وہی تعلق رکھتے ہیں جو دنیا کی مساجد کا بیت اللہ سے ہے۔ قرآن مجید میں تفکر۔ تدبر، غور وفکر، مشاہدہ اور دیگر ذرائع سے علم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ علم کے حصول کے بعد ان تجربات کو احاطہ تحریر میں لانا ہی کتابت ہے۔ سورہ نمل آیت نمبر 40 میں ایک صاحب علم جو کہ کتاب کا علم رکھتا تھا۔ اس سے متعلق پلک جھپکتے ہی سینکڑوں میل دور سے ملکہ سباء کا تخت حضرت سلیمان کے دربار میں لانے کا ذکر ہے۔

کتاب کے بغیر علم ادھورا سمجھا جاتا تھا۔ مسلمانوں نے کتاب سے محبت کی، اس سلسلہ میں بہت سے واقعات موجود ہیں۔ مسلمان علماء کتابوں کو عزیز ساتھی اور نیک رہنما سمجھتے رہے ہیں۔ کتاب ایسا ساتھی ہے جو کبھی دھوکہ نہیں دیتا۔ اچھا رفیق ہے۔ سیرت و کردار کی تعمیر کرتا ہے۔ پڑھنے والے میں وسعت نظری پیدا کرتا ہے۔ اپنے ورثہ سے رابطہ قائم کرتا ہے۔ ذوق مطالعہ سے اعلیٰ اوصاف، اچھی عادات و اخلاق، تحقیقی رویہ، مدلل گفتگو، ذاتی اور علمی ترقی اور معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ مسلمانوں میں زوال کا عمل اس وقت شروع ہوا جب تاتاریوں نے بغداد کے کتب خانے کو دریائے دجلہ میں پھینک دیا اور کتابوں کی سیاہی سے سات دن تک دریا کا پانی سیاہ رہا۔ اس سے مسلمان اساتذہ کی محنت اور قیمتی اثاثہ ضائع ہو گیا۔

برصغیر میں اکبر بادشاہ کے دور میں اٹلی کا ایک ماہر چھاپہ خانہ لگانا چاہتا تھا۔ نورتنوں کے مشورہ کے بعد کہ حضور چھاپہ خانہ سے لوگ بدخط ہو جائیں گے۔ اسے انکار کر دیا گیا اور برصغیر میں کتابوں کی چھپائی کا تکنیکی اور سائنسی عمل شروع نہ ہو سکا۔ جس کے خمیازہ کے طور پر انگریزوں کی غلامی قبول کرنا پڑی۔ مستقبل کی کتب۔ کمپیوٹر کے ذریعہ سے پوری دنیا میں پہنچ رہی ہیں۔ مسلمان اساتذہ نے کتاب پڑھنے اور لکھنے کے لئے بہت محنت کی۔ ان کے حالات زندگی اور واقعات سے آج کے استاد کو رہنمائی ملتی ہے۔ کیونکہ کتاب ہی استاد کے علم میں اضافہ کا ذریعہ ہے جس کی مدد سے وہ اپنے طالب علم کی صحیح تعلیم و تربیت کر سکتا ہے۔

مسلم عروج کے دور میں کتب خانوں کے نام بیت الحکمت، دار العلم، خزائن القصور، دانش کدہ، دار المطالعہ، خزانۃ الحکمت، خزانۃ الکتب جیسے ہوتے تھے جس سے کتابوں کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

2.6.14.7) ملا عبد النبی

دکن میں چند اسلامی ریاستیں تھیں ان میں سے ایک احمد نگر تھی۔ ان ریاستوں کے تعلقات مرہٹوں سے اکثر خراب رہتے تھے بارہویں صدی ہجری میں مرہٹوں نے احمد نگر کا محاصرہ کر لیا۔ احمد نگر کا فوجدار ابراہیم خان تھا۔ مقابلہ کی تاب نہ لا سکا اور بھاگ کھڑا ہوا۔

مرہٹے شہر میں داخل ہو گئے قتل و غارت شروع کر دی اور شہر کو آگ لگا دی۔ ان حالات میں تمام لوگوں کو اپنی جانوں اور عزتوں کا خوف تھا۔(1)

احمد نگر کے ایک عالم ملا عبد النبی اپنی کتاب دستور العلماء میں ذکر کرتے ہیں کہ میرے گھر کے برتن اور سامان بارہ اونٹوں کا بار تھا مگر والد محترم جو کہ قاضی شہر بھی تھے۔ انہوں نے سامان کے بجائے گھر کی خواتین اور کتابوں کو بچانے کا حکم دیا۔ لہٰذا تمام خدام نے کتابیں اونٹوں پر لادیں خواتین کو بٹھایا اور نکل کھڑے ہوئے قاضی صاحب اس علمی ذخیرہ کے بچ جانے پر خدا کا شکر ادا کرتے رہتے تھے۔

برصغیر میں انگریزوں نے مفتی عنایت علی کاکوروی اور مولانا فضل حق خیر آبادی کو کالا پانی کی سزا دی۔ ان حضرات کو جزائر انڈیمان میں قید کر دیا گیا ان حضرات نے وہاں بھی دوران قید درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور تصنیف و تالیف پر کافی زور دیا۔

ڈاکٹر احمد شلبی اس سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ "اس دور میں کتب فروش ایک علمی خدمت سرانجام دیتے تھے۔ یہی لوگ تھے جو بہترین کتابوں کی نقلیں تیار کرواتے اور ایک دینار کی معمولی قیمت پر عام لوگوں کے ہاتھ فروخت کرتے۔ کتاب گھروں کی اہمیت کا اندازہ کیجئے کہ الجاحظ جیسے ممتاز عالم معاوضہ دے کر یہ خدمت حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ انہیں رات بھر ان

1) بحوالہ مناظر احسن گیلانی صفحہ 48_49

کتاب گھروں میں مقفل کر دیا جائے تا کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق کتابیں پڑھ سکیں اور ان کی نقلیں لے سکیں۔ (1)

2.6.14.8) صاحب بن عبادہ

نوح بن منصور سامانی اپنے وقت کا مشہور بادشاہ تھا۔ اس نے اپنے وقت کے مشہور عالم اور استاد صاحب بن عبادہ کو وزارت عظمیٰ کی پیش کش کی لیکن صاحب بن عبادہ نے وزارت قبول نہ کی اور انکار کر دیا۔ اس انکار کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کی کتابوں کو دارالخلافہ میں منتقل کرنا ایک دشوار مرحلہ تھا۔ ان کی کتابیں چار سو اونٹوں کے بوجھ کے برابر تھیں۔ چنانچہ محترم صاحب بن عبادہ نے وزارت کے معزز منصب کو ٹھکرا دیا مگر کتابوں سے جدائی گوارا نہ کی۔ (2)

2.6.14.9) علی بن محمد ابی الشوارب

علی بن محمد ابی الشوارب منصورہ کے قاضی اور استاد تھے۔ ان کا خاندان چوتھی صدی کے ابتدائی سالوں تک رہا مسعودی ان کے بارے میں یوں رقمطراز ہے۔

''ایک اور عراقی صاحب علم تھے جن کی تعلیم و تربیت اور پرورش بچپن سے منصورہ (سندھ) میں ہوئی تھی اس لئے عربی کے ساتھ سندھی زبان پر بخوبی عبور تھا۔ 270ھ میں ارور کے راجہ نے امیر منصورہ سے اسلام کی حقیقت سمجھنے کیلئے جب ایک شخص کی استدعا کی تو امیر نے ہی آپ کا انتخاب کیا۔ آپ نے سندھی میں عقائد اسلام کو نظم کر کے راجہ کے پاس بھیج دیا۔ جس کو اس نے بہت پسند کیا۔ پھر حسب طلب یہ خود بھی ان کے دربار میں پہنچے تو اس کو باقاعدہ قرآن کا ترجمہ سندھی میں پڑھایا اس کی فرمائش سے قرآن کا ترجمہ (یا تفسیر) سندھی زبان میں تحریر کیا اور یہ مسلمانوں کی پہلی تصنیف سندھی زبان میں ہے اور ہندوستان میں قرآن کا پہلا ترجمہ بھی یہی تھا''۔ (3)

---

1) صفحہ 26۔ بحوالہ یاقوت معجم الادبا جلد چہارم صفحہ 56

2) احمد شلبی صفحہ 76۔ یاقوت معجم الادبا جلد 2 صفحہ 315۔ ابن خلکان جلد 1 صفحہ 106

3) ابوظفر ندوی۔ صفحہ 330

سید ابوظفر ندوی۔ تاریخ سندھ (1989ء) نیشنل بک فاؤنڈیشن۔ اسلام آباد۔ بحوالہ عجائب الہند صفحہ 3 لیڈن

2.6.14.10) ابن المطران

موفق الدین بن المطران دمشق کے مشہور ماہر طب تھے آپ کی وفات 587ھ میں ہوئی۔ طب کے علاوہ زبان وادب میں گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ الملک الناصر کے دور میں ان کا جاہ وحشم مشہور تھا۔ کتابوں سے عشق تھا ان کے کتب خانے میں دس ہزار کتابیں تھیں۔ چونکہ خود ممتاز خطاط تھے لہٰذا اپنے کتاب خانے کے لئے خود بھی کتابیں نقل کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے کتب خانے میں تین ملازم تھے جو کہ کتابت کرتے تھے اور مستقل کتابوں کی نقلیں تیار کرتے رہتے تھے۔ ابن المطران اپنی کتابوں میں تصحیح وترمیم خود ہی کیا کرتے تھے۔ ابن ابی اصبیعہ نے لکھا ہے کہ ان کی کتابیں حسن خط (خوشخطی) اور صحت تحریر واعراب کے لحاظ سے اعلیٰ درجے کی تھیں۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ ابن مطران جو کثیر المطالعہ تھے۔ اپنی لائبریری کی بیشتر کتابوں میں اپنے ہاتھ سے ضروری درستی کرتے اور کتاب کے حاشیے لکھتے جو بعد میں ان کتابوں کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے مزید علم اور معلومات ودلچسپی کا ذریعہ بنتے۔ (1)

2.6.14.11) جمال الدین ابوالحسن القفطی

قاضی جمال الدین ابوالحسن القفطی مصر میں پیدا ہونے اور حلب میں رہائش اختیار کی وہ ایوبیوں کے وزیر تھے علوم صرف، نحو، فقہ وحدیث، تعلیم القرآن، نجوم، منطق، ریاضی اور تاریخ کے عالم تھے۔ کتابوں سے محبت کی بہت شہرت رکھتے تھے۔ جن لوگوں یا مصنفوں کے پاس نادر نسخے ہوتے یا نئی کتابیں ہوتیں دور دراز کا سفر کر کے القفطی کے پاس پہنچ جاتے تا کہ ان کتابوں پر انعام واکرام حاصل کریں۔ محترم القفطی کو دنیا میں کتابوں کے علاوہ ہر شوق فضول نظر آتا تھا۔ کتابوں کا عشق ایسا تھا کہ انہوں نے شادی کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ اس سے اولاد اور خاندان کی فکریں پیدا ہوتی ہیں۔ انہوں نے علم کے لئے زندگی وقف کر دی۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے کتب خانے کی مالیت پچاس ہزار دینار تھی۔ اس کے وصیت کے مطابق یہ کتب

---

1) احمد شلبی صفحہ 18 ۔ ابن ابی احیبعہ جلد 2 صفحہ 178، 179

ان کی وفات کے بعد حلب کے حکمران الناصر کو دے دی گئیں۔(1)

2.6.14.12) ابوالوفا المبشر بن فاتک

ابوالوفا المبشر بن فاتک پانچویں صدی کے آخری حصہ کے دور کے عالم تھے۔ مصر کے امراء وعلماء میں نمایاں مقام تھا۔ علوم الٰہیہ ، ریاضی، حکمت اور طب میں بڑی دسترس تھی۔ فرصت ملتی تو ابن فاتک اپنے کتب خانے میں چلے جاتے اور مطالعہ میں محو ہو جاتے۔ ان کے کتب خانے میں ابتدائی دور کی تصانیف کافی تعداد میں تھیں۔

ان کی بیوی کو میاں کی اس مصروفیت اور کتابوں سے چڑ تھی۔ میاں قضائے الٰہی فوت ہو گئے۔ ان کی وفات کے بعد سوگوار بیوی نے یہ کتابیں صحن کے آرائشی حوض میں پھینک دیں۔ کچھ دیر بعد ان کتابوں کو نکالا گیا مگر بہت سی کتابیں پانی میں غرق ہو چکی تھیں اور بھیگ جانے سے کتابوں کا رنگ بدل گیا تھا۔ مطالعہ کتب کا یہ انداز محبت علم سے عبارت تھا۔(2)

2.6.14.13) ابوجعفر احمد بن عبدالرحمن القصری

ابوجعفر احمد بن عبدالرحمن القصری چوتھی صدی ہجری کے استاد تھے ان کی سوانح میں علامہ ابوزید الدباغ نے لکھا ہے کہ وہ فقیہہ صالح اور متقی تھے۔(3)

روایت ہے کہ تصحیح کتب اور جمع کتب کے ساتھ خاص شغف تھا۔ کہا کرتے تھے کہ دن رات میں لکھنے کی کثرت کی وجہ سے چالیس سال سے میرا قلم خشک نہیں ہوا وہ سوس شہر میں یحییٰ بن عمر کی ملاقات کو گئے۔ پتہ چلا کہ انہوں نے ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ ان کے پاس اتنا کچھ نہ تھا کہ کاغذ خرید کر کتاب اپنے لئے نقل کر لیتے انہوں نے اپنی قمیض فروخت کی اس سے کاغذ خریدا کر کتاب لکھی پھر اس کا تقابل کیا اور واپس قیروان آ گئے۔(4)

1) احمد شلبی 104، بحوالہ الکتبی محمد علی کرد خط الشام جلد 6، صفحہ 193
2) احمد شلبی صفحہ 104، ابن ابی الصبیعہ جلد 2 صفحہ 105
3) احمد شلبی صفحہ 404، بحوالہ ابن ابی الصبعہ جلد 2، صفحہ 105
4) ابوزید الدباغ، معالم الایمان فی معرفتہ اہل قیروان بحوالہ مولوی روح اللہ صفحہ 198......

2.6.14.14) عبدالحق بن محمد السہمی

عبدالحق بن محمد السہمی، صقلیہ کے استاد، فقیہہ اور عالم تھے انہوں نے حافظ امام ابوبکر بن محمدؒ کی کتاب دیکھی، خریدنے کے لئے قیمت نہ تھی انہوں نے گھر کا سامان فروخت کر کے کتاب خرید لی۔(1)

2.6.14.15) امام محمدؒ

امام محمدؒ بڑے انہماک سے مطالعہ فرماتے دوران مطالعہ کوئی شخص انہیں سلام کہتا تو جواباً دعا کرنے لگتے۔ مطالعہ کے لئے ایک الگ کوٹھڑی بنوا رکھی تھی۔ اردگرد کتابوں کا ڈھیر ہے اور مطالعہ جاری ہے۔ دو ہی کام تھے مطالعہ یا درس و تدریس، کم خوابی صحت پر اثر انداز ہونے لگی بعض احباب نے ذکر کیا تو جواب دیا "میں کس طرح میٹھی نیند سوؤں مسلمانوں کی آنکھیں ہمارے بھروسے پر سو رہی ہیں وہ سوچتے ہیں کہ جب کوئی علمی مسئلہ پوچھنا ہوگا تو امام محمدؒ سے پوچھ لیں گے اب اگر میں بھی مطالعہ نہ کروں تو علم اور دین کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔(2)

2.6.14.16) امام زہری

امام زہریؒ بھی مطالعہ کے شوقین تھے۔ اردگرد کتابیں اکٹھی کر کے رکھتے اور دینا رمافیہا سے بے خبر ہو کر مطالعہ فرماتے کسی اور طرف توجہ نہ ہوتی۔ ایک بار ان کی بیوی نے کہا قسم ہے رب کی یہ کتابیں مجھ پر تین سوکنوں سے زیادہ بھاری ہیں۔

2.6.14.17) ابو محمد بغدادی

مسلمان اساتذہ کی کتاب سے محبت بہت مشہور ہے حافظ ابن رجب نے اپنی کتاب "ذیل طبقات الحنابلہ میں نحو، لغت، تفسیر، حدیث اور ادب کے استاد ابو محمد عبداللہ بغدادی کا ذکر کیا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں کہ ابو محمد عبداللہ نے ایک دن ایک کتاب پانچ سو درہم میں

---

1) تذکرۃ الحفاظ بحوالہ مولوی روح اللہ صفحہ 198، 199

2) آداب المتعلمین ص 51

خریدی لیکن ان کے پاس کوئی چیز نہ تھی انہوں نے کتب فروش سے تین دن کی مہلت طلب کی پھر اپنا گھر اس کتاب کے بدلے پانچ سو درہم میں اس کتب فروش کو فروخت کر دیا مرنے سے پہلے آپ نے اپنی کتابیں وقف کر دیں۔(1)

2.6.14.18) ابوالعلا المہذنیؒ

اسی طرح کا ایک دوسرا واقعہ ہے کہ بغداد میں کتابیں فروخت ہو رہی تھیں۔ حافظ ابوالعلا المہذنی وہاں تشریف لے آئے کتابوں کے ایک قطعہ پر ساٹھ دینار کی بولی لگی انہوں نے وہ لے لیں اور دوسری جمعرات تک رقم ادا کرنے کے لئے مہلت طلب کی۔ حافظ صاحب وہاں سے نکل کر اپنے شہر ہمدان کی طرف چل پڑے۔ وہاں پہنچ کر خریداروں کو بلایا اور اپنے گھر کی بولی لگوائی۔ جب بولی ساٹھ دینار تک پہنچی تو فرمایا بیچ دو، لوگوں نے کہا کہ یہ گھر ساٹھ دینار سے زیادہ میں فروخت ہوسکتا ہے۔ آپؒ نے فرمایا اسی میں دے دو۔ آپ نے ساٹھ دینار لئے اور واپس بغداد آ کر کتابوں کی قیمت ادا کر دی۔ آپ کی حالت کا ایک مدت تک کسی کو علم نہ ہوسکا۔ (3،2)

2.6.14.19)امام ابن الجوزیؒ

امام ابن الجوزیؒ نے اپنے بارے میں اپنے صاحبزادے کو یوں بتایا کہ ''میرے بیٹے جان لو کہ میرا والد بہت مالدار تھا وہ ہزاروں دینار و دیگر مال چھوڑ کر گئے جب میں بالغ ہوا تو لوگوں نے مجھ کو بیس دینار اور دو گھر دیئے کہ یہ تیرے والد کا ترکہ ہے۔ میں نے بیس دینار کی کتابیں خرید لیں اور دونوں گھروں کو فروخت کر کے طلب علم پر خرچ کر دیا۔ میرے پاس اس مال میں سے کچھ نہیں بچا۔ تیرا والد کبھی طالب علموں میں ذلیل نہیں ہوا نہ کبھی واعظوں کی طرح شہروں میں چکر لگانے کے لئے نکلا اور نہ کسی سے کچھ طلب کرنے کے لئے رقعہ بھیجا تمام امور صحیح طور پر چل رہے ہیں۔

---

1) امام طلحہ بن خطفر العلثی

2) مولوی روح اللہ (2009ء) طالب علم کے شب و روز، مکتبۃ الشیخ کراچی، صفحہ 190

3) مولوی روح اللہ (2009ء) طالب علم کے شب و روز، مکتبۃ الشیخ کراچی، صفحہ 191

اے میرے بیٹے طلب دنیا اور اہل دنیا کے سامنے اپنے آپ کو ذلیل ہونے سے بچاؤ۔ اپنی عزت و آبرو کو بچاؤ، قناعت اختیار کرو عزت پاؤ گے۔ جو شخص روٹی اور لوبیا پر قناعت کر سکتا ہو اس کو کوئی غلام نہیں بنا سکتا۔(1)

2.6.14.20) ابن الکوفی

ابن الکوفی علی بن محمدؒ چوتھی صدی ہجری کے اساتذہ میں سے تھے۔ ان کے والد کوفہ کے مالدار لوگوں میں سے تھے ابن الکوفی ابتدا سے ہی علم حاصل کرنے میں مشغول ہو گیا جب ان کے والد فوت ہوئے تو پچاس ہزار دینار سے زیادہ چھوڑ گئے۔ انہوں نے وہ تمام رقم طلب علم، کتب کی خریداری، کتب لکھنے لکھانے اور محتاج طلبہ پر خرچ کی۔ ان کا گھر فقراء و طلبہ میں گھرا رہتا تھا اور یہ فراوانی سے ان پر خرچ کرتے تھے۔ کتاب کے بارے میں عمدہ ذوق رکھتے تھے۔(2)

2.6.15) اساتذہ کی محنت و حافظہ

زمانہ، قدیم میں اساتذہ جو کچھ پڑھاتے پہلے اس کی تیاری کرتے اور پھر پڑھاتے، ان کا حافظہ بہت قوی تھا۔ ابوحاتم اور ابوزرعہ نام کے اساتذہ بطور مثال پیش کئے جاتے تھے۔

2.6.15.1) قرطمہ

داؤد بن سمعہ روایت کرتے ہیں کہ "واللہ میں نے قرطمہ سے بڑھ کر کوئی حافظ نہیں دیکھا میں ایک بار ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے اپنی کتابوں کی طرف اشارہ کر کے کہا ان کتابوں میں سے جس کو چاہو اٹھا لو میں حفظ سنا دوں گا امتحاناً میں نے ایک کتاب اٹھا کر کہا کتاب الاشربہ میں نے اتنا ہی کہا تھا کہ ان کی قوت حافظہ کا چشمہ رواں ہو گیا اور ساری کتاب سنا ڈالی۔(3)

1) امام ابن الجوزی، المتعقد الکبد فی نصیحۃ الولد، بحوالہ مولوی روح اللہ، صفحہ 193، 194

2) قفطی، ابناالرواۃ علی ابناالنحاۃ، بحوالہ مولوی روح اللہ صفحہ 196

3) امام شمس الدین ذہبی (478ھ) تذکرۃ الحفاظ صفحہ 309

2.6.15.2) امام بخاریؒ کا غیر معمولی حافظہ

امام بخاری کے ہم درس حاشد بن اسماعیل کا بیان ہے کہ بخاری ہمارے ساتھ مشائخ بصرہ کے ہاں احادیث پڑھنے جاتے تھے۔ ہم لکھتے جاتے جب کہ بخاری لکھتے نہ تھے۔ ہم ان سے کہتے آپ لکھتے کیوں نہیں؟ سولہ دن گزرنے کے بعد بخاری ہم سے کہنے لگے لاؤ تم نے جو کچھ لکھا ہے ہم نے پندرہ ہزار احادیث لکھی تھیں وہ لے آئے تو بخاری نے وہ تمام احادیث زبانی سنا دیں اور کہنے لگے بتائیں میں نے وقت ضائع کیا؟ اُن کا غیر معمولی حافظہ دیکھ کر ہم دنگ رہ گئے۔(1)

اس طرح ایک دن میں 937 سے زیادہ احادیث بنتی ہیں امام بخاری ایک دفعہ بغداد آئے۔ محدثین جمع ہوئے امتحان اس طرح لیا کہ دس آدمیوں نے دس دس احادیث لے کر ان کے سامنے پیش کیں۔ ان احادیث کے متن اور سندوں کو بدلا گیا تھا متن ایک حدیث کا اور سند دوسری حدیث کی لگا دی گئی تھی امام حدیث سنتے اور کہتے مجھے یہ حدیث معلوم نہیں۔ خواص سمجھ گئے مگر عوام حیران تھے کہ یہ کیسے امام حدیث ہیں کہ ان کی طرف سے مجھے معلوم نہیں کا جواب ہے۔ جب سب پوچھ کر فارغ ہو گئے تو پھر آپ پہلے شخص کی جانب متوجہ ہوئے اور اسے کہا تم نے پہلی حدیث یوں سنائی تھی جبکہ درست یوں ہے اس طرح تمام دس لوگوں کو پہلے ان کی غلط بیان کردہ حدیث بتاتے پھر درستی فرماتے۔ یہ واقعہ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا اور پھر فرماتے ہیں کہ تعجب اس پر نہیں کہ امام بخاری نے غلط احادیث کی تصحیح کی بلکہ حیرت اس پر ہے کہ امام صاحب نے ایک ہی دفعہ ان کی تمام بیان کردہ احادیث یاد کر لیں اور پھر جواب دیا۔(2)

سمرقند میں ایک بار چار سو محدثین جمع ہوئے احادیث کی سندوں میں تبدیلیاں کیں۔ سات دن تک امام بخاریؒ کو مغالطے میں ڈالنے کی کوشش کرتے رہے لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ آپؒ فرماتے تھے مجھے ایک لاکھ صحیح حدیثیں اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں حفظ ہیں۔ (3)

---

1) بن الحسن عباسی۔ صفحہ 118

2) ابن الحسن عباس، ص 120

3) ابن الحسن عباس، ص 121

امام صاحبؒ چھ لاکھوں حدیثوں کے حافظ تھے۔ چھ لاکھ حدیثوں میں سے سات ہزار دو سو پچھتر (7275) حدیثیں منتخب کر کے صحیح بخاری میں جمع فرمائی ہیں اور ہر حدیث دو رکعت نفل پڑھ کر لکھی ہے۔ جب ہی امام صاحبؒ کی کتاب قرآن شریف کے بعد سب سے زیادہ صحیح مانی جاتی ہے اور دنیا بھر میں مقبول ہے۔

(2.6.15.3 اصمعی کا حافظہ

عربی زبان کے مشہور ادیب و ماہر "اصمعی" کے حافظہ کے اندازہ آپ اس واقعہ سے لگا سکتے ہیں، جو علامہ ابن خلکان نے "وفیات الاعیان" میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ امیر حسن ابن سہیل نے ادیبوں کو جمع کیا جن میں اصمعی، ابوعبیدہ اور نصر بن علی وغیرہ شامل تھے۔ ادیبوں کے ساتھ گفتگو شروع کرنے سے قبل امیر نے مختلف ضروریات کے لئے دی گئی پچاس درخواستوں پر اپنی صوابدید کے مطابق احکامات لکھ کر جاری کئے، پھر ادیبوں سے گفتگو شروع کی، محدثین کا تذکرہ چلا تو ابوعبیدہ، اصمعی پر تعریض کرتے ہوئے کہنے لگے کہ جناب! اس مجلس میں بھی موجود کچھ لوگ اسلاف جیسے حافظہ کا دعویٰ کر کے کہتے ہیں کہ "ایک بار کوئی کتاب پڑھنے کے بعد دوبارہ اس کے دیکھنے کی انہیں ضرورت ہی نہیں پڑتی اور کوئی بات ایک مرتبہ ان کے ذہن میں داخل ہو جائے تو پھر کبھی نہیں نکلتی"۔ اصمعی نے کہا "جناب! ابوعبیدہ مجھ پر تعریض کر رہے ہیں لیکن واقعہ وہی ہے جیسا انہوں نے بیان کیا، ابھی آپ نے پچاس درخواستوں پر مختلف احکامات لکھے، قریب ہونے کی وجہ سے میں دیکھ رہا تھا اگر آپ چاہیں تو وہ تمام درخواستیں منگوا لیں، ہر درخواست میں جو کچھ لکھا ہوگا، میں تمام زبانی سنائے دیتا ہوں" چنانچہ اصمعی نے وہ تمام درخواستیں اور امیر کی طرف سے ان پر لکھے گئے احکامات سنانا شروع کئے، جب چالیس سے کچھ اوپر پہنچے تو نصر بن علی نے اصمعی کو منع کیا کہ کہیں "نظر بد لگ جائے گی" تب اصمعی رک گئے۔(1)

---

1) وفیات الاعیان، ج:3،ص:173

2.6.15.4) علم کی وراثت

امام ابن تیمیہ کے والد علامہ عبدالحلیم بڑے بلند مرتبت عالم تھے، ان کی شان درس یہ تھی کہ وہ لیکچر لکھ کر نہیں لاتے تھے اور نہ ہی کتاب سامنے ہوتی تھی۔ نہ کوئی ایسی تحریری یادداشت ہی رکھنے کے خوگر تھے۔ جن سے درس، تعلیم میں کچھ مدد مل سکتی۔ ان کا کئی کئی گھنٹے کا لیکچر صرف نقل و حافظہ کا مرہون منت تھا، وہ بے پناہ قوت حافظہ کے مالک تھے۔ غیر معمولی قوت بیان اللہ تعالٰی نے انہیں ودیعت کی تھی۔

2.5.15.5) شیخ الاسلام ابن تمیہ کی قوت حافظہ

اس بارے میں ایک دلچسپ واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ آپ کے والد اپنے سب بچوں کو تفریح کے لئے باغ میں جا رہے تھے۔ چنانچہ ابن تمیہؒ سے بھی کہا "احمد! تم بھی بھائیوں کے ساتھ چلنے کے لئے تیار رہنا تفریح ہو جائے گی"۔ مگر آپ نے معذرت کر لی اور والد کے اصرار کے باوجود باغ نہ گئے اور دوسرے سب لوگ چلے گئے، شام کو واپس آئے۔

والد صاحب نے فرمایا! "احمد! تم نے خواہ مخواہ اپنے بھائیوں کو پریشان رکھا، وہ تمہاری عدم موجودگی کو بہت محسوس کر رہے تھے"۔ آپ نے نہایت ادب سے عرض کیا "ابا جان! (ایک کتاب دکھا کر) میں نے آج یہ کتاب حفظ کر ڈالی ہے"۔

عجیب اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ امام صاحب نے جیل میں متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں اور ان کتابوں میں، احادیث نبوی سے استشہاد کیا۔ آثار درج کیلئے علماء کے اقوال پیش کئے، محدثین و مولفین کے کام زیر بحث لائے، ان کی تصنیفات و تالیفات کا حوالہ دیا اور یہ سب کچھ محض حاضر دماغی کا نتیجہ تھا، کیونکہ مطالعہ اور مراجعت کے لئے کوئی کتاب تو پاس تھی نہیں۔

امتحاناً کافی تجسس کیا گیا کہ شاید کوئی غلطی نکل آئے، لیکن **الحمد اللہ** امام صاحب کے دیئے ہوئے حوالوں میں کہیں کوئی خلل یا تغیر نظر نہ آیا۔

2.6.15.6) امام غزالی کا حافظہ اور قزاق کے طعنے کا اثر

شبلی نعمانی امام غزالی کے حافظہ کے سلسلہ میں رقمطراز ہیں کہ امام غزالی جرجان میں امام ابوالنصر اسمعیل سے تحصیل علم کرنے کے بعد واپس لوٹے۔ سُوئے اتفاق دورانِ سفر ڈاکہ پڑا۔ امام صاحب کے پاس جو کچھ سامان تھا سب لُٹ گیا۔ اس میں وہ تعلیمات (تعلیقات) بھی تھیں جو امام ابونصر نے لکھوائی تھیں۔ امام صاحب کو اُس کے لٹنے کا شدید صدمہ ہوا۔ چنانچہ آپ ڈاکوؤں کے سردار کے پاس گئے اور کہا کہ میں اپنے اسباب اور سامان میں سے صرف اس مجموعہ کو مانگتا ہوں۔ کیونکہ میں نے انہی کے سُننے اور یاد کرنے کیلئے یہ سفر کیا تھا۔ ڈاکوؤں کا سردار یہ سن کر ہنس پڑا اور کہا کہ ''تم نے خاک سیکھا جبکہ تمہاری حالت ہے کہ ایک کاغذ کے کھو جانے کی وجہ سے تم کورے کے کورے رہ گئے ہو۔ یہ طعنہ دینے کے بعد اُس نے پورے کاغذ واپس کر دیئے۔ امام صاحب پر اس طعنہ آمیز فقرے نے ہاتف غیبی کی آواز کا اثر کیا۔ چنانچہ وطن پہنچ کر وہ تمام یادداشتیں زبانی یاد کرنی شروع کر دیں۔ پورے تین برس میں اِن مسائل کے حافظ بن گئے۔ اب امام صاحب کی تحصیل علمی اِس حد تک پہنچ گئی تھی۔ عام علماء ان کی تشفی نہیں کرا سکتے تھے۔ (1)

2.6.16) اساتذہ کی حب الوطنی اور مفادِ ملت

اساتذہ نے ہمیشہ قومی مفاد کو پیش نظر رکھا اور اُسے ذاتی مفاد پر ترجیح دی ہے۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

2.6.16.1) مولوی عبدالرحیم رامپوری

برصغیر میں انگریزی حکومت میں توسیع ہوئی تو انہوں نے عوام سے قربت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ 1837ء میں بریلی میں ایک کالج قائم کیا گیا۔ اس کالج کے لئے اچھے اساتذہ کی تلاش شروع ہوئی۔ اس سلسلہ میں بریلی کے کلکٹر مسٹر ہاکنز نے مولوی عبدالرحیم رامپوری سے رابطہ کیا۔ رام پور میں عبدالرحیم صاحب ایک مدرسہ چلاتے تھے اور مدرسہ والے انہیں دس روپے

1) شبلی نعمانی، الغزالی، عرفان پبلشرز لاہور، ص 28،27

ماہوار تنخواہ دیتے تھے۔ انگریز نے انہیں ڈھائی سو روپے ماہوار کی پیشکش کی آپ نے انکار کر دیا اور کہا یہاں کے عوام غریب ہیں اور میرے غریب طلبہ تعلیم سے محروم رہ جائیں گے۔ مسٹر ہاکنز نے کہا ہم ان سب کو بریلی لے جا کر کالج میں داخلہ دیں گے اور مفت تعلیم دیں گے۔ پھر عبدالرحیم صاحب نے کہا کہ میرے گھر میں بیری ہے جس کے بیر مجھے بہت پسند ہیں جواب ملا ہم ایسا بندوبست کر دیں گے کہ آپ کو اس بیری کے بیر بریلی میں پہنچا دیئے جائیں آخر کو مولوی عبدالرحیم صاحب نے صاف کہہ دیا کہ میں تمہارے ساتھ تعاون نہیں کر سکتا۔ تم سے تعاون کر کے میں روز قیامت اللہ کو کیا جواب دوں گا۔

2.6.16.2) مولانا انوار اللہ خان

سید مناظر احسن گیلانی، مولانا انوار اللہ خان جو کہ حیدر آباد دکن میں استاد السلاطین اور صدر المہام (وزیر مذہبی امور) تھے۔ انہوں نے یہ واقع مطلع انوار سے لیا ہے۔ مولانا نے اپنی ملازمت کا آغاز محکمہ مالگزاری میں مختصر نویس (سٹینو) کی حیثیت سے کیا۔ انہوں نے یہ ملازمت اس بناء پر چھوڑ دی کہ اس میں سودی لین دین کی مسل کا خلاصہ لکھنا پڑتا تھا۔ بڑی تنگ دستی اور مالی پریشانیوں میں وقت گزارا مگر دوبارہ وہ ملازمت قبول نہ کی اس اثناء میں مولانا نے حسبتہ اللہ (مفت) مدرسہ نظامیہ میں پڑھانا شروع کر دیا۔

حیدر آباد دکن کے وزیر اعلیٰ سر سالار جنگ اور نواب حیدر آباد خورشید جاہ نے آپ کو میر محبوب علی خان جو کہ نواب حیدر آباد کے صاحبزادہ تھے پڑھانے کے لئے آپ کا تقرر کر دیا۔ مولانا محض اس بنا پر نواب کے بیٹے کو پڑھانے سے انکار کر دیا کہ میں قومی خدمت کا کام کر رہا ہوں لہٰذا اسے چھوڑ کر ملازمت قبول نہیں کر سکتا۔ آخر کار دوستوں کے اصرار اور استخارہ کرنے کے بعد اس پر راضی ہوئے اور بعد میں ترقی کرتے کرتے وزیر مذہبی امور سلطنت آصفیہ کے عہدہ تک پہنچے۔ (1)

1) سید مناظر احسن گیلانی، ص78

2.6.16.3) قومی و مذہبی اقدار سے محبت

علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ پاکستانیوں کے دلوں کی دھڑکن ہیں اور ان کا نام سنتے ہی سر احترام سے خود بخود جھک جاتا ہے۔

علامہ کو انگریز سرکار کی طرف سے جنوبی افریقہ میں سفارت کا عہدہ پیش کیا گیا۔ مگر ساتھ شرط لگائی گئی کہ چونکہ سفیر کو بہت سی سماجی و سرکاری تقریبات میں شرکت کرنا ہوتی ہے اور وہ حکومت کا نمائندہ ہوتا ہے لہٰذا آپ کی بیگم کو بھی ان تقریبات میں ساتھ جانا ہوگا چونکہ وہ پردہ دار خاتون ہیں لہٰذا انہیں پردہ ترک کرنا پڑے گا۔ علامہ محترم نے اس سفارت سے معذرت کر لی اور فرمایا میں اپنی دینی حمیت اور اقدار کو ترک نہیں کر سکتا۔

2.6.16.4) حکمت استاد

تیرہویں صدی عیسوی میں منگولیا کے وحشی قبائل تاتاری کچھ اس زور کے ساتھ مسلمان دنیا پر حملہ آور ہوئے کہ غافل اور آرام طلب مسلمان ان کے سفاکانہ حملوں کی تاب نہ لا سکے اور ہمت ہار بیٹھے۔ پھر تو ان خوں خوار ظالم درندوں نے اس بے دردی اور بے رحمی سے مسلمانوں کا قتل عام کیا کہ مسلمان تاتاری کے نام سے تھرتھرانے لگے اور خوف و ہراس کی یہ کیفیت ہوگئی کہ ایک نہتا تاتاری راہ میں ایک مسلمان جوان کو پکڑتا اور کہتا تم نے یہاں سے ٹلنا نہیں، میں گھر سے تلوار لا کر تمہیں قتل کروں گا اور مسلمان دم بخود وہیں کھڑا رہتا۔ اس کو یہ ہمت نہ تھی کہ بھاگ جائے۔

مگر اسی دور کا یہ عجیب و غریب واقعہ بھی تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہے کہ ایک تاتاری شہزادہ تغلق تیمور خاں بڑے کروفر سے اپنے پایہ تخت سے تین سو میل دور مشرق میں آق سو کے پاس شکار کھیلنے کے لئے پہنچا۔ اتفاق کی بات انہیں دنوں بخارا کے ایک خدا رسیدہ بزرگ ''آق سو'' کی آبادی کے قریب سفر کر رہے تھے۔ شہزادے کا عام فرمان تھا کہ ساری رعایا شکار میں اس کے ساتھ رہے گی اور اس فرمان کے مطابق ساری کی ساری آبادی شکار میں اس کے ہمراہ تھی۔

تاتاری شہزادہ بڑے دبدبے کے ساتھ جا رہا تھا کہ اس کی نظر دو بوڑھے آدمیوں پر پڑی

جو ایک طرف کو ایک گوشے میں بڑے اطمینان سے آرام کر رہے ہیں اس نے حکم دیا ان کو فوراً حضور میں حاضر کیا جائے۔'' لشکری فوراً دوڑے گئے اور دونوں بزرگوں کو بڑی ذلت کے ساتھ کھینچتے ہوئے شہزادے کے حضور لے گئے۔

شیخ جمال الدین اور ان کے رفیق سفر اس ناگہانی مصیبت پر پہلے تو کچھ گھبرائے، لیکن جلد ہی سنبھلے اور بڑے اطمینان سے کھڑے رہے۔ اقتدار کے نشے میں بدمست شہزادہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ ''ہمارا فرمان ہے کہ ساری رعایا شکار میں ہمارے ساتھ رہے گی اور تم دونوں بے ادب یہاں بیٹھے آرام کر رہے ہو، تمہیں اس گستاخی کی جرأت کیسے ہوئی؟'' غرور اور غصے سے آنکھیں انگارہ ہو رہی تھیں۔

''ہم مسافر لوگ ہیں ہمیں آپ کے فرمان کی کوئی اطلاع نہ ہو سکی تھی۔'' شیخ جمال الدین نے بڑے سکون اور وقار کے ساتھ جواب دیا۔ عذر معقول تھا، شہزادہ خاموش ہو گیا اور بڑے تکبر کے ساتھ خنزیر کے گوشت کے ٹکڑے اپنے شکاری کتے کے سامنے ڈالنے لگا۔ پھر انتہائی حقارت کے ساتھ شیخ کو گھورتے ہوئے بولا۔

''بتا ایرانی بڈھے تو اچھا ہے کہ میرا یہ کتا؟'' شیخ نے لمحہ بھر توقف کیا اور بڑے نرم لہجے میں فرمایا۔ ''اگر میں اپنے رب کے بھیجے ہوئے دین کی پیروی کروں تب تو یقیناً میں ہی اچھا ہوں، لیکن اگر میں اس دین پر نہ چلوں تو یقیناً آپ کا کتا مجھ سے بہتر ہے''۔

شیخ نے کچھ اس یقین اور سوز کے ساتھ جواب دیا کہ شہزادے کے دل کو لگ گیا اور وہ کچھ سوچنے لگا۔ پھر اپنے افسر کو بلا کر حکم دیا کہ ''ہم جب شکار سے واپس آئیں تو اس بوڑھے کو ہمارے حضور پہنچا دیا جائے''۔

شہزادہ جلد ہی شکار سے واپس آ گیا۔ شیخ شہزادے کے خیمے میں پہنچا دیئے گئے۔ شہزادے نے عزت کے ساتھ شیخ کو بٹھایا اور کہا:

''آپ کا وہ دین کیا ہے جس کی پیروی کر کے انسان کتے سے بہتر بن جاتا ہے، میری خواہش ہے کہ آپ ذرا تفصیل کے ساتھ اپنے دین کے بارے میں بتائیں''۔ حضرت جمال

الدینؒ نے شہزادے کو متوجہ دیکھ کر انتہائی سوز و حکمت اور جوش و جذبے کے ساتھ اسلام کی دل نشین تشریح فرمائی اور کفر کا ایسا ہولناک نقشہ کھینچا کہ شہزادہ بے اختیار رونے لگا، دیر تک روتا رہا، پھر بولا: شیخ صاحب! واقعی یہ دین حق ہے۔ لیکن اس وقت اپنے اسلام کو ظاہر کرنا مصلحت کے خلاف ہے۔ اسلام کا فائدہ بھی اسی میں ہے کہ جب میں پورے ملک کا بااختیار حکمراں بنایا جاؤں اس وقت اپنے اسلام کا اظہار کروں۔

شیخ خاموش ہو گئے اور شہزادے سے وعدہ لے کر واپس آ گئے۔ خدا کا کرنا چند سال بعد شیخ سخت بیمار پڑے۔ جب حالت زیادہ خراب ہو گئی تو شیخ نے اپنے بیٹے ارشد الدین کو بلا کر تغلق تیمور کا سارا واقعہ سنایا اور وصیت کی کہ بیٹے، اب میرے چل چلاؤ کا وقت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میں اسی بیماری میں اپنے رب سے جا ملوں، تم اس کا خیال رکھنا کہ جب یہ تاتاری شہزادہ تخت پر بیٹھے تو تم جا کر اس کو اس کا وعدہ یاد دلانا"۔ شیخ چند روز بیمار رہ کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

1347ء میں جب تغلق تیمور خاں بڑے کروفر کے ساتھ تخت حکومت پر بیٹھا اور تاتاری سلطنت کا بااختیار خاقان بن گیا تو شیخ ارشد الدینؒ باپ کی وصیت کے مطابق کاشغر پہنچے۔ کاشغر پہنچ تو گئے لیکن اب اس پریشانی میں تھے کہ خاقان کے محل میں کیسے رسائی ہو، آخر شیخ کو ایک تدبیر سوجھی۔ آپ روزانہ سحر کے وقت خاقانی محل کے قریب پہنچ جاتے اور پورے جوش کے ساتھ اتنی زور سے اذان دیتے کہ وادی گونج جاتی۔ کئی دن ایسا ہی ہوا لیکن خاقان نے کوئی دھیان نہیں دیا۔ ایک دن جب اس کی نیند بالکل اچاٹ ہو گئی تو اس کو غصہ آیا اور بولا۔ "یہ کون گستاخ ہے جو روزانہ ہماری نیند خراب کرتا ہے؟ فوراً اسے ہمارے حضور میں حاضر کیا جائے۔"

غلام فوراً دوڑ پڑے اور شیخ ارشد الدینؒ کو پکڑ لائے۔ شیخ بہت خوش ہوئے کہ شہزادے سے ملنے اور اس کو اپنا عدہ یاد دلانے کا خدا تعالیٰ نے موقع فراہم فرما دیا۔

شہزادے نے شیخ پر ایک نظر ڈالی اور بولا "تم کون ہو اور کس لئے روزانہ منہ اندھیرے یہاں آ کر چلانے لگتے ہو؟"

"میں شیخ جمال الدینؒ کا بیٹا ہوں۔ ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ ایک موقع پر آپ نے ان

سے وعدہ فرمایا تھا کہ جب میں تخت سلطنت پر بیٹھوں تو اس وقت آ نا میں اسلام لے آ ؤں گا۔ میں ان کی وصیت کے مطابق آپ کو آپ کا وعدہ یاد دلانے آیا ہوں۔ خاقان غور سے شیخ کی باتیں سنتا رہا۔ اسے اپنا وعدہ یاد تھا۔ شیخ ارشد الدینؒ کی آمد پر وہ بہت خوش ہوا۔ بستر سے اٹھا مسند پر آ کر بیٹھا اور شیخ کو بھی بڑی عقیدت کے ساتھ اپنے قریب مسند پر جگہ دی اور کہنے لگا۔ حضرت! میں جس دن سے تخت پر بیٹھا، برابر شیخ کا انتظار کر رہا ہوں، آہ، شیخ کا انتقال ہو گیا۔ اب آپ بتایئے مجھے کیا کرنا ہے؟

شیخ ارشد الدینؒ کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔ فرمایا پہلے آپ غسل فرما کر پاک صاف ہو جایئے۔ تغلق تیمور خان نے فوراً غسل کیا اور جوش عقیدت میں حضرت کے سامنے آ بیٹھے۔ حضرت نے انہیں کلمہ توحید اور کلمہ شہادت پڑھا کر مسلمان کیا۔ استقامت کی دعا کی اور تلقین فرمائی کہ اب آپ اپنی سلطنت میں اس دین حق کی دعوت کو عام کریں۔

خاقان نے اپنے امراء اور حکومت کے ذمہ داروں کو اسلام کی دعوت دی۔ بہت سے مسلمان ہو گئے اور ملک میں بہت تیزی کے ساتھ اسلام پھیلنے لگا۔ (1) اسی بارے میں علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ:

ہے عیاں فتنہء تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے (1)

1) تاریخ دعوت وعزیمت جلد 1، ص95

2.7) موجودہ دور کے پاکستانی اساتذہ بطور رول ماڈل

استاد ازل سے کمرۂ جماعت میں موجود ہے اور قافلۂ علم کے سربراہ کے طور پر نسل نو کی تعلیم و تربیت کا فریضہ ادا کر رہا ہے۔ پاکستان میں بھی مثالی اساتذہ اس سلسلہ میں کسی سے کم نہیں۔ یہ ہر جگہ اور ہر ادارے میں موجود ہیں۔ آپ اپنے اردگرد بہت سے مثالی اور رول ماڈل اساتذہ کو دیکھتے ہیں ان کو احترام دیں تا کہ یہ بے غرض و ایثار پیشہ لوگ ملک کے علمی چہرہ کو نکھارنے میں مزید تندہی سے کام کریں۔ موجودہ دور کے کچھ اساتذہ کا ذکر نمونہ کے طور پر پیش خدمت ہے۔ ایسے بہت سے اساتذہ ہمارے تعلیمی اداروں میں موجود ہیں جو طلبہ کے من میں پاکستانیت، اسلام اور احترامِ آدمیت کی فصل بو رہے ہیں اور اس کیلئے صلہ صرف ذاتِ خداوندی سے چاہتے ہیں۔

2.7.1) اصول پسندی

ڈاکٹر مظفر احمد پنجاب یونیورسٹی شعبہ ذوالوجی کے مدت تک چیئر مین رہے ہیں میرے ایک دوست ڈاکٹر عبدالستار شاہد نے اپنا ریسرچ ورک ان کی نگرانی میں مکمل کیا۔ اتنے سینئر استاد کہ ایک وقت میں پانچ یونیورسٹیوں کے وائس چانسلران کے شاگرد رہے۔ خود تدریسی کاموں میں دلچسپی اور لگن کی وجہ سے وائس چانسلر بننے سے انکار کر دیا۔ تہجد گزار اور پابند صوم وصلوٰۃ رہے۔ ان کے بیٹے جو کہ آج کل انگلینڈ میں آرتھوپیڈک سرجن ہیں ان کا ایف ایس سی بیالوجی کا پرچہ ان کے ساتھی استاد کے پاس آ گیا جن کے کمرے میں روزانہ دو تین بار جاتے اور وہیں بیٹھ کر دوپہر کی چائے بھی پیتے۔ جب رزلٹ آیا تو بیٹا اس پرچے میں فیل تھا۔ بیٹے نے کہا کہ ابا جان اگر آپ سفارش کر دیتے تو میں پاس ہو جاتا فرمایا میں کیوں سفارش کروں دوبارہ محنت کرو اور پاس ہو جاؤ۔ ساتھی استاد کو علم ہوا افسوس کا اظہار کیا اور کہا اگر بتا دیتے تو میں بیس سے چالیس نمبر کر دیتا فرمایا میں اسے بددیانتی سمجھتا ہوں نہ خود کروں گا نہ آپ سے کہوں گا۔ ہمارے ملک میں پریکٹیکل کے امتحان میں اکثر سفارش کر کے بہتر نمبر لگوائے جاتے ہیں۔ مگر تمام عمر اس بات کے مخالف رہے اور کسی کو نہ سفارش کی اور نہ ہی مانی۔

ایک دفعہ دوران گفتگو جب ڈاکٹر عبدالستار شاہد جو اس وقت پروفیسر صاحب پی ایچ ڈی کے سٹوڈنٹ تھے۔ انہوں نے پروفیسر صاحب سے کہا کہ آج کل لوگ پریکٹیکل کے نمبر سفارش سے لگوا لیتے ہیں۔ پروفیسر صاحب نے یہ سن کر از حد ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا کہ یہ کیسے ممکن ہے۔ آپ پڑھے لکھے ہو کر کیسی باتیں کرتے ہو۔

تمام عمر اصول پسندی اور صاف ستھرے انداز میں گزاری۔ آج کل بہاولپور ہاؤس لاہور میں مقیم ہیں۔

2.7.2) احترامِ شاگرد

ڈاکٹر افضال حسین قادری علی گڑھ کے پڑھے ہوئے تھے پاکستان بننے کے بعد ڈین فیکلٹی آف سائنس کراچی یونیورسٹی مقرر ہو گئے۔ ڈاکٹر مظفر احمد جو کہ لمبے عرصے تک چیئرمین ذوالوجی ڈیپارٹمنٹ پنجاب یونیورسٹی لاہور رہے ان کے شاگرد تھے۔ ڈاکٹر مظفر صاحب فرماتے ہیں کہ قادری صاحب نے تمام عمر مجھے خط لکھا تو بھائی اور برادر کے الفاظ استعمال کئے۔ اسی طرح دوران ملاقات بھی بھائی کہہ کر بلاتے رہے۔

ڈاکٹر مظفر احمد مثالی استاد تھے ان سے راقم کی ملاقات کروانے ڈاکٹر عبدالستار شاہد صاحب لے کر گئے ڈاکٹر عبدالستار شاہد نے بتایا کہ جب میں پی ایچ ڈی کر رہا تھا تو ڈاکٹر مظفر احمد نے مجھے اپنے گھر ٹھہرایا میں تین سال تک ان کے ہاں بغیر کسی کرایہ کے ٹھہرا رہا۔ صبح کا ناشتہ کبھی ڈاکٹر صاحب خود اور کبھی میں بناتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے کسی بھی قسم کا تحفہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ریسرچ کے سلسلہ میں مجھے ہر طرح سے گائیڈ فرماتے تھے اور جب میں رخصت ہونے لگا تو آبدیدہ ہو کر مجھے رخصت کیا اور عملی زندگی میں کامیابی کی دعا دی۔ (1)

2.7.3) احترامِ استاد

میاں افضل حسین پنجاب یونیورسٹی کے پہلے مسلمان وائس چانسلر تھے۔ کیمبرج یونیورسٹی

1) ڈاکٹر عبدالستار شاہد، ساہیوال

سے اپنی تعلیم مکمل کی۔ دوران تعلیم کیمبرج یونیورسٹی میں جارج میتھائل میاں صاحب سے ایک یا دو سال سینئر تھے اور میاں صاحب کے گروپ کو سائنس کے پریکٹیکل کروایا کرتے تھے۔ جب تعلیم مکمل ہوئی تو لندن میں ہندوستان میں ملازمت کا اشتہار آیا۔ جارج میتھائل اور میاں افضل حسین دونوں نے اپلائی کیا۔ میاں صاحب اور جارج میتھائل دونوں کی سلیکشن ہو گئی میاں صاحب کو ایگریکلچرل کالج لائل پور (فیصل آباد) کا پرنسپل لگا دیا گیا اور جارج میتھائل کا گورنمنٹ کالج لاہور میں تقرر ہو گیا۔

کچھ عرصہ بعد میاں افضل حسین صاحب کو پنجاب یونیورسٹی کا وائس چانسلر مقرر کر دیا گیا۔ وائس چانسلر کا عہدہ پرنسپل کے عہدہ سے بہت بڑا، وقیع اور باوقار ہوتا ہے اور علاقے کے تمام کالجوں کا امتحان یونیورسٹی سے ہوتا ہے اور وائس چانسلر ایک طرح سے تمام کالجوں کو گائیڈ کرنے والا اور ان کا سرپرست ہوتا ہے۔ جارج میتھائل جب بھی میاں صاحب سے ملنے آتے میاں صاحب اپنا ہیٹ اتار دیتے۔ کھڑے ہو کر ملتے اور جب ان کے ساتھ چلتے تو ہمیشہ دو قدم پیچھے چلتے استاد کا یہ احترام ازل سے امت مسلمہ کا خاصہ رہا ہے۔(1)

2.7.4) ڈاکٹر مشتاق الرحمن صدیقی

ڈاکٹر مشتاق الرحمن صدیقی صاحب پنجاب یونیورسٹی ادارہ تعلیمی تحقیق میں استاد تھے۔ انتہائی ذہین محنتی اور ملنسار تھے۔ اسلامک ایجوکیشن پر اتھارٹی سمجھے جاتے ہیں طلبہ کو مختلف اسائنمنٹس دے کر مستقبل کے مسائل کے لئے تیار کرتے تھے۔ خود اسائنمنٹس کو پڑھ کر طالب علم کو بحث کے لئے بلاتے اور اصلاح کرتے تھے طلبہ ان سے محبت کرتے تھے۔ ایک بار راقم کو کسی نے کچھ ڈگریوں کی کاپیاں تصدیق کرانے کے لئے دیں۔ میں صدیقی صاحب کے پاس لے گیا دستخط کر دیئے میں نے کہا سر چیک کر لینا تھا کہنے لگے آپ میرے پاس لائے ہیں مجھے تو آپ پر اعتماد ہے ان کو چیک کرنا آپ کا کام ہے۔

---

1) انٹرویو از ڈاکٹر مظفر احمد شعبہ ریاضی ذوالوجی پنجاب یونیورسٹی لاہور

2.7.5) ڈاکٹر خواجہ نذیر احمد

ڈاکٹر خواجہ نذیر احمد ادارہ تعلیمی تحقیق جامعہ پنجاب کے ہر دلعزیز استاد تھے۔ بہت محنتی اور ذہین کوئی بھی طالب علم ان کی کلاس سے غیر حاضر نہیں ہونا چاہتا تھا۔ راقم پر انفرادی اور ذاتی توجہ دیتے تھے۔ میں کلاس میں سوال و جواب کی پر لطف سرگرمی میں حصہ لیتا تھا اور سب ان کے علم سے مستفید ہوتے تھے۔

ایک دن میرے سینے میں درد اٹھا اور میں ہسپتال چلا گیا۔ ڈاکٹر صاحب کلاس میں آئے، میرا نام لے کر پوچھا کدھر ہے ساتھیوں نے کہا کہ ہسپتال گیا ہے اس دن استاد محترم نے کلاس نہیں لی اور شام کو آدمی بھیج کر میری خیریت دریافت کروائی۔ اللہ مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔

2.7.6) پروفیسر حافظ محمد طفیل صاحب

(انکساری و بلندیٔ کردار کا نمونہ)

گورنمنٹ کالج عبدالحکیم ضلع خانیوال میں اسلامیات کے ایسوسی ایٹ پروفیسر ہیں آپ نے ایل ایل ایم شریعہ کیا ہوا ہے سعودی سفارتخانہ میں ملازمت ملی مگر اسے چھوڑ کر تعلیم و تعلم کے پیشہ کو ارادی طور پر اپنایا۔ آپ حافظ قرآن بھی ہیں۔ طلبہ کا احترام اور ان کے وقت کا خیال رکھنا اور ادائیگی فرض آپ کا خاصہ ہے۔ طلباء کے ہڑتال یا بائیکاٹ کی صورت میں بھی کلاس روم تک جانا ضروری سمجھتے ہیں۔ اسلامی اقدار پر عمل اور ترویج ادائیگی فرائض اور معاملات کی صفائی پر عمل کر کے دکھایا۔ اپنی تنخواہ کا ایک معتدبہ حصہ ضرورت مندوں کے لئے وقف ہے۔ اپنے کردار اور عملی نمونہ سے طالب علموں کے کردار میں تبدیلی دیکھنا چاہتے ہیں۔ تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ طلباء کے کردار میں تبدیلی کے لئے دعا کا سہارا بھی لیتے ہیں طلباء ان کا بے حد احترام کرتے ہیں۔

سال 2012ء میں فریضۂ حج ادا کر رہے تھے۔ روانگی کے آخری دن تک چھٹی نہ کی اور مسلسل پڑھاتے رہے تاکہ طلبہ کا وقت کم سے کم ضائع ہو۔

معتدل رویہ اخلاق اور کردار اور اسوۂ حسنہ پر عمل سے معاشرتی انقلاب اور اسلامی اقدار

کے احیاء پر کام کر کے تبدیلی کے خواہاں ہیں۔ اساتذہ اور طلبہ دونوں ہی بے حد احترام دیتے اور محبت کرتے ہیں۔ ماہ رمضان میں سالہا سال تک تراویح میں قرآن مجید سناتے رہے ہیں مگر کبھی مقتدیوں سے کوئی معاوضہ یا ہدیہ نہیں لیا۔ عام حالات میں بھی سوال کی ذلت سے اللہ نے پروفیسر صاحب کو محفوظ رکھا ہے۔

2.7.7) حکمت و انکسار

خواجہ غلام فریدؒ سرائیکی زبان کے قادر الکلام شاعر، صوفی بزرگ اور معروف معلم تھے۔ آپ کا مزار مرجع خلائق ہے اور ہزاروں نہیں، لاکھوں بندگان خدا طلب خیر و برکت اور علم کے لئے آپ کے مزار پر جاتے ہیں اور کلام فرید سے استفادہ کرتے ہیں۔ چند والیان ریاست آپ کے مریدین اور عقیدت مندوں میں سے تھے جن میں سے ایک نواب بہاول پور بھی تھے۔ بہاولپور کے ایک شخص نے خواجہ غلام فریدؒ کی شان میں گستاخی کی۔ بات نواب بہاولپور تک پہنچی تو نواب نے اس شخص کو ریاست بدر کرنے کی سزا سنائی۔ وہ شخص بڑا پریشان ہوا۔ ادھر ادھر سے سفارش کروانے کی کوشش کی مگر بن نہ آئی آخر وہ خواجہ غلام فریدؒ کے پاس کوٹ مٹھن میں حاضر ہوا۔ آپؒ کا معمول تھا کہ آپ خانقاہی نظام کے تحت مریدین، عقیدت مندوں اور خلقت عامہ کی تعلیم و تربیت فرماتے تھے۔ آیا اور آکر رونا شروع کر دیا، خواجہ صاحب نے وجہ دریافت کی تو اس نے سب کچھ سچ سچ بتا دیا۔ خواجہ صاحبؒ نے اس شخص سے کہا کہ نواب کو خط لکھوں یا یہاں اس کے آنے پر تمہاری بات کروں۔ اس شخص نے کہا کہ آپ خط لکھ دیں۔ آپ نے نواب کو جو مختصر خط تحریر فرمایا وہ آپ کے کردار، ادب اور بصیرت کا شاہکار ہے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

زیر　　بن　　زبر　　نہ　　بن

متاں　　پیش　　پوندی　　ہووی

''یعنی عاجزی و انکساری کو اپنا شیوہ بنا۔ تکبر کو پرے رکھ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی عذاب میں مبتلا ہو جائے''۔

2.7.8) ایک منفرد استاد (محمد کامران)

محمد کامران گورنمنٹ کالج فار ایلیمنٹری ٹیچرز بوسن روڈ ملتان میں ایجوکیشن کے ماہر مضمون ہیں۔طریقہ تعلیم پر جتنا عبور دیکھا، بہت کم اساتذہ میں اتنی مہارت ہوتی ہے میرے ساتھ تقریباً گیارہ سال تک پڑھایا اور کوئی درجن بھر کتب کے مصنف و مولف ہیں۔ریسرچ کے مضمون کے ماہر ہیں۔ذہین اتنے کہ اگر مواقع ملیں تو میرے خیال کے مطابق اپنے فیلڈ میں نئی تھیوری وضع کر سکتے ہیں۔انتہائی خوبصورت مزاج کے مالک ہیں جس کلاس میں جائیں طلبہ شوق اور توجہ سے سنتے ہیں۔محفل کی جان ہیں۔لالچ نام کو نہیں۔ان کے والد میاں فیاض احمد صاحب تحصیلدار تھے۔ مہاجرین کو زمینیں الاٹ کیں لیکن نہ کوئی رشوت لی اور نہ ہی ایک مرلہ زمین بنائی، کامران صاحب بھی اپنے والد کی طرح صاحب کردار اور رزق حلال اور محنت پر یقین رکھتے ہیں۔

طلبہ میں ہردلعزیزی، ذہانت اور محنت کی وجہ سے اکثر دوستوں کے حسد کا شکار رہتے ہیں۔

اپنے طلبہ سے محبت انسانیت اور انسانی ہمدردی کے حوالہ سے ایک واقعہ پیش خدمت ہے۔ وہاڑی میں ایک بار ٹیچرز کو ٹریننگ دے رہے تھے۔دوران کلاس ایک استاد کو دل کا دورہ پڑ گیا۔ اسے فوراً اپنی گاڑی میں ڈالا اور ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر ہسپتال لے گئے۔ڈاکٹروں کے آنے سے پہلے ہی وہ استاد وفات پا گئے۔باقی اساتذہ بھی ہسپتال پہنچ گئے۔مگر ڈاکٹر نہ آیا، پوچھا تو کسی نے بتایا کہ ڈاکٹر سامنے والے کمرے میں موجود ہے مگر مریض کو اٹینڈ کرنے نہیں آیا۔کامران صاحب اندر گئے تو ڈاکٹر صاحب کسی دوائیوں کی کمپنی کے نمائندہ کے ساتھ مصروف تھے۔کامران صاحب نے ڈاکٹر کی توجہ دلانے کی کوشش کی تو ڈاکٹر کہنے لگا تم بغیر پوچھے اندر کیوں آئے ہو۔ کامران صاحب نے کہا کہ آپ کی عدم توجہی سے ایک جان تو ضائع ہوگئی مگر ڈیتھ سرٹیفکیٹ دے دیں تو ہم لاش گھر پہنچانے کا بندوبست کریں۔اس پر ڈاکٹر نے گالی دی، اس پر ایک تو استاد کی جان جانے کا دکھ اور پھر یہ اہانت برداشت نہ کر سکے اور کامران صاحب نے اچھل کر میز کراس کی اور ڈاکٹر کو پکڑ کر تھپڑ مارا اور جب ڈاکٹر نے مزاحمت کی تو ایک ٹکر رسید کی۔ڈاکٹر اپنے ہسپتال کا میڈیکل سپرنٹنڈنٹ تھا۔ہر پیشہ میں اچھے اور برے لوگ ہوتے ہیں۔ڈاکٹر کے شور مچانے پر اس

کا عملہ بھاگا آیا، کامران صاحب دروازے کے پاس ٹھہر گئے اور جو لوگ انہیں پکڑنے آئے اس دکھی دل کے نوجوان نے کسی کو لات ماری کسی کو مکا اور کسی کو ٹکر اور وہاں سے نکل آئے۔ اس پر ضلع کی ڈاکٹروں کی یونین نے ہڑتال کی کال دی، کامران صاحب کے خلاف ایف آئی آر درج ہو گئی۔ ہائیکورٹ سے ضمانت کروانا پڑی۔ تمام لوگ گرفتاری کے خواہاں۔ مگر اس میڈیکل سپرنٹنڈنٹ کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور صلح ہو گئی۔ مگر کامران صاحب کی انسان دوستی ہمدردی اور جرأت قابل قدر تھی۔

دوسری طرف کامران صاحب کی شخصیت کا یہ پہلو کہ والد صاحب کی زندگی میں جب بھی گھر سے نکلتے تو قدم بوسی کر کے اور سلام کر کے دعائیں لیتے، کسی دن بھول جاتے تو واپس آ کر یہ عمل کرتے۔ کامران صاحب کو لاہور میں یونیسف کی ملازمت مل گئی مگر صرف ایک ماہ گزارا تو خیال آیا کہ والد صاحب کی خدمت کرنا چاہئے۔ تمام دوست احباب مع پروگرام ڈائریکٹر۔ ڈائریکٹوریٹ آف سٹاف ڈویلپمنٹ نے بھی سمجھایا کہ اس ملازمت کا مستقبل بہت اچھا ہے مگر چھوڑ کر آ گئے اور والد صاحب کی خدمت کی سعادت حاصل کی۔ سال 9-2008ء میں میں نے تمام کالج فیکلٹی کی میٹنگ کی اور صلاح ٹھہری کہ گورنمنٹ نے کینیڈا کے تعاون سے ای لائبریری اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کا پورا سامان دے دیا ہے۔ یہ وقت کی ضرورت ہے مستقبل کے اساتذہ کی ٹریننگ انہی خطوط پر کی جائے۔

کامران صاحب نے اپنے تمام طلبہ و طالبات جن کی تعداد ڈھائی سو کے لگ بھگ تھی کے ای میل ایڈریس بنوا دیئے اور تمام میٹریل جس کو دوران تدریس پڑھایا۔ ان کے ای میل ایڈریس پر بھجوا دیا اس طرح طلبہ و طالبات فوٹو کاپی کرانے کے اخراجات سے بچ گئے اور جدید ٹیکنالوجی کے استعمال کی ٹریننگ مل گئی۔

کامران صاحب بی ایڈ کی کلاسز کو نصاب کا مضمون پڑھاتے تھے اس کی تیاری کے لئے ہزاروں صفحات کا خود مطالعہ کیا۔ پھر اس کورس پر کتاب لکھی اور اس کے بعد اپنی کلاسز میں سے کمپیوٹر جاننے والے اور بہتر ذہانت کے طلبہ و طالبات منتخب کئے، ان کے گروپ بنائے اور ہر

گروپ کو نصاب کا ایک باب تفویض کیا۔ طلبہ وطالبات نے لائبریری اور انٹرنیٹ پر جا کر خوب تحقیق کی اور اپنے اپنے تفویض کردہ موضوعات پر تعلیمی مواد اکٹھا کیا۔ کامران صاحب نے اچھے انداز میں گائیڈ کیا، کبھی کبھی مجھے بھی کلاس میں بحث کے لئے بلا لیتے تھے۔ پھر ہر گروپ سے اپنی نگرانی میں پریزینٹیشنز بنوائیں اور ان کو خود ایڈٹ کیا، پھر ہر گروپ سے الگ الگ یہ پریزینٹیشن دلوا کر ان پر بحث ومباحثہ کروایا سوال وجواب کا سیشن ہوا۔ پھر یہ پریزینٹیشنز کالج کی ویب سائیٹ پر افادۂ عام کے لئے رکھوا دیں۔ ملک کی ایک معروف یونیورسٹی ورچول لرننگ اینوائرمنٹ پر لاکھوں روپے کی لاگت سے یہ کام کر رہی تھی ہمیں وہ دیکھنے کی دعوت دی گئی، میں کامران صاحب کو ساتھ کراچی لے گیا، ان کا کام بغیر کسی خرچ کے اس یونیورسٹی کے پروگرام سے بہتر تھا۔ وہ یونیورسٹی آج تک ورچول لرننگ اینوائرمنٹ پر ویب سائیٹ نہیں دے سکی اور تمام گرانٹ ختم ہو گئی۔ مجھے فخر ہے کہ میں نے ایسے محنتی و دیانتدار استاد کے ساتھ کام کیا ہے۔

2.7.9) احترام استاد کا موازنہ

پنجاب میں 1882ء میں پنجاب یونیورسٹی کی بنیاد رکھی گئی اور 1860ء میں صوبے میں تعلیم کا محکمہ قائم کیا گیا۔ اس کے لئے ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن (ڈی پی آئی) کا عہدہ 1863ء میں تخلیق کیا گیا جس پر انگریز حضرات ہی تعینات ہوتے تھے۔

ایک صاحب ڈینزل ایبٹسن پنجاب کے ڈی پی آئی تھے۔ انگریزی حکومت نے ان کا تبادلہ کر دیا اور انہیں صوبہ یوپی کا لیفٹیننٹ گورنر مقرر کر دیا۔ خیر یہ تو انگریز کا اقدام تھا۔ اسی عہدے کے ایک صاحب جن کا نام بشیر احمد وشیر تھا اور نہ صرف ایماندار بلکہ قدرے سخت آفیسر تھے۔ ان کے دور میں ہائی سکولز کی تعداد پانچ ہزار کے لگ بھگ تھی۔ حاکمان وقت میں سے ایک صاحب ان سے ناراض ہوئے اور ان کا تبادلہ بطور ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول موچھ ضلع میانوالی میں کر دیا۔ سنا کرتے تھے کہ انگریز بطور سخت سزا لوگوں کو میانوالی جیل میں بھیجا کرتے تھے۔ ایک استاد کو سزا کے طور پر میانوالی جاتے دیکھا۔ شکر ہے وہ جیل سے بچ گئے۔ (1)

1) گفتگو۔ بشیر احمد وشیر صاحب سابقہ ڈی پی آئی پنجاب

2.7.10) کوالٹی ایجوکیشن (شاہ محمد صاحب بورے والا)

پنجاب کے ضلع ساہیوال کی تعلیمی روایت بہت توانا ہے۔ راقم اکتوبر 1996ء سے فروری 1999ء تک وہاں ضلعی تعلیمی آفیسر سکینڈری سکولز تھا۔ تمام سربراہان ادارہ سے میٹنگ کی گئیں اور انہیں بہتر نتائج کے حوالہ سے ٹارگٹ دیئے گئے۔ میں خود سکولوں میں جا کر شاباش دیتا رہا۔ اساتذہ نے بہت محنت کی اور سال 1998ء اور 1999ء میں ضلع ساہیوال کی امتحان میٹرک میں بارہ میں سے نو پوزیشنیں آئیں امتحان میں پوزیشن لینا کافی مشکل کام ہے طالب علم کی ذہانت کے ساتھ ساتھ استاد کی ان تھک محنت لگن خلوص اور ذہانت کے بغیر ممکن نہیں۔

ساہیوال کے علاوہ ضلع وہاڑی میں گورنمنٹ ایم سی ہائی سکول بورے والا ہر سال ایک یا دو پوزیشنیں لے جاتا تھا وہاں کے اساتذہ اور سکول کو دیکھنے کا اشتیاق تھا۔

1999ء میں راقم ڈائریکٹر سکینڈری سکولز ملتان بن گیا۔ ایک دن پانچ یا چھ افراد میرے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ ہم بورے والا سے آئے ہیں یہ چوہدری شاہ محمد ہیں جو کہ بورے والا سکول میں سکینڈری سکول ٹیچر تھے اور ریٹائر ہو گئے ہیں۔ آپ انہیں ملازمت میں توسیع دے دیں میں نے بتایا کہ ملازمت میں توسیع صرف وزیر اعلیٰ دے سکتے ہیں یہ میرے اختیار سے باہر ہے۔ تیسرے یا چوتھے دن وہ صاحبان وزیر اعلیٰ سے حکم نامہ لے آئے اور میں نے اس کی رو سے انہیں سکول میں بغیر معاوضہ کے کلاسز پڑھانے کی اجازت چند شرائط کے ساتھ دے دی۔ میرے خیال میں یہ ٹیوشن کا مسئلہ تھا۔ مگر جب شاہ محمد صاحب کے خیالات سنے تو خوشگوار حیرت ہوئی کہ یہ صاحب تو درویش قسم کے استاد ہیں اور صرف پیشہ وارانہ لگن سے پڑھانا چاہتے ہیں۔ محمد شفیع صاحب ہیڈ ماسٹر بورے والا اور چند دیگر لوگوں سے اس سلسلہ میں پوچھا تو پتہ چلا کہ شاہ محمد صاحب بورے والا سکول کی شان ہیں انہی کی وجہ سے سکول کی پوزیشنز آتی ہیں۔ چوہدری ممتاز صاحب وزیر تعلیم پنجاب نے انہیں حسن کارکردگی پر سرٹیفکیٹ دیا ہے۔ مسلسل کام کرتے ہیں بہت کم چھٹی کرتے ہیں اچھے طلبا کا احترام کرتے ہیں اور خیال رکھتے ہیں۔ اپنے ساتھیوں کا بھی احترام کرتے ہیں طلبا کا پوزیشن لینا ٹیم ورک کا نتیجہ ہوتا ہے اگر طالب علم کسی ایک مضمون میں

کمزور رہ جائے تو پوزیشن نہیں آتی۔ شاہ محمد صاحب لازمی مضامین پڑھاتے ہیں اور ان کے ساتھ محمد دین اظہر، محمد طفیل چشتی اور چوہدری بشیر احمد ہیں جو کہ تمام محنتی اساتذہ ہیں۔

شاہ محمد صاحب سائیکل پر شہر میں نکلتے ہیں جہاں رک جائیں وہاں سلام کرنے والوں کا مجمع اکٹھا ہو جاتا ہے۔ شہر میں بہت عزت ہے۔ ٹیوشن نہیں پڑھاتے شام چار بجے کے بعد جو بھی ان کے پاس آ جائے پڑھا دیتے ہیں۔ تختہ سیاہ کا استعمال اتنی مہارت اور اس انداز سے کرتے ہیں کہ بورڈ پر لکھ کر جو سمجھا دیا طلباء کے ذہن میں نقش ہو گیا۔ کلاس میں اسی تا نوے طالب علم ہونے کے باوجود ہوم ورک شروع سے آخر تک چیک کرتے ہیں۔ قناعت کی دولت سے مالا مال ہیں کسی سے کچھ قبول نہیں کرتے۔ خوش مزاج اور ہمدرد ہیں، فقیری میں بادشاہی کرتے ہیں۔

2.7.11) محمد اسحٰق شاکر

محمد اسحٰق شاکر صاحب گورنمنٹ ہائی سکول داد ڑابالا ضلع ساہیوال کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ یہ سکول دریائے راوی کے کنارے پر قدیم تاریخی مقام ہڑپہ سے جانب شمال تقریباً پندرہ کلومیٹر پر ہے۔ تقریباً ایک سال چھوڑ کر بورڈ کی پوزیشن آ جاتی تھی۔ شاکر صاحب سے ملنے کا اشتیاق ہوا جا کر سکول دیکھا تو پتہ چلا کہ جب راوی میں سیلاب آتا ہے تو آدھا سکول پانی سے بھر جاتا ہے۔ وہاں تک پہنچنے کے ذرائع کم ہیں۔ اسحاق شاکر صاحب کے ساتھ صرف ایک دوسرا سیکنڈری سکول کا استاد تھا حصہ مڈل میں بھی سٹاف پورا نہ تھا۔ حالات جاننے پر پتہ چلا کہ دونوں سینئر استاد فرض اور تفریح سمجھ کر طلباء کو پڑھاتے رہتے ہیں۔ سوالات کے ذریعہ سے بچوں کے تصورات واضح کرتے ہیں۔ خاندان کا سا کلچر ترتیب دے لیا ہے اور ٹیسٹ لیتے رہتے ہیں نصاب کی تفہیم طلبا کی مدد سے کرواتے ہیں ذہین بچوں کو پراجیکٹ سمجھ کر محنت کرتے ہیں خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں اور اس طرح ایک دو سال بعد پوزیشن لے لیتے ہیں راقم کو اسحاق شاکر صاحب کی سادگی، محنت اور لگن اچھی لگی جب تک ملتے رہے میں نے انتہائی احترام دیا۔

2.7.12) محنتی اساتذہ

گورنمنٹ ہائی سکول موہری پور تحصیل کبیر والا ضلع خانیوال میں واقع ہے سکول جھنگ

ملتان روڈ سے سات آٹھ کلومیٹر جانب مغرب واقع ہے۔ اس سکول کی بھی پوزیشنز آتی رہی ہیں جا کر دیکھا تو علم ہوا کہ وہاں تین اساتذہ کی وجہ سے یہ اعزاز ملتا ہے پہلے ہیڈ ماسٹر اعظم صاحب، دوسرے محمد ظفر اور عبدالمنان صاحب جو کہ سیکنڈری سکول ٹیچر ہیں۔ یہ حضرات صبح سکول آتے ہیں کلاسز لیتے ہیں اور سکول ٹائم ختم ہونے کے بعد بھی بغیر کسی فالتو معاوضہ کے پڑھاتے رہتے ہیں۔ طلبہ کا ہوم ورک چیک کرنا، اپنی نگرانی میں سوالات حل کرانا، مضمون لکھوانا، بحث کرنا، دہرائی کرانا اور ہر طالب علم پر انفرادی توجہ دینا اس کامیابی کی بنیاد ہے۔ سکول اور اساتذہ کی شہرت کی وجہ سے دور دور سے طالب علم اس دیہاتی سکول میں داخلہ لینے آتے ہیں۔

2.7.13) سر سید ثانی (شیخ محمد جمیل)

شیخ محمد جمیل مثالی مڈل سکول دین پور مظفر گڑھ کے بانی اور مالک ہیں۔ اس علاقہ میں شیخ صاحب کو سر سید ثانی کہا جاتا ہے۔ درویش صفت، سادگی پسند اور انتہائی محنتی استاد ہیں۔ شیخ کا ادارہ، ادارہ نہیں بلکہ علمی تحریک ہے پاکستان کے کیڈٹ کالجز میں داخلہ بڑے سخت امتحان کے بعد ہوتا ہے۔ شیخ صاحب اسی مقصد کے لئے تیاری کرواتے ہیں اور ہر سال فوج اور دیگر کیڈٹ کالجز میں ان کے ادارے کے تقریباً تیس سے پچاس بچے داخل ہوتے ہیں بعض اوقات آدھی سیٹیں لے جاتے ہیں۔

شیخ جمیل صاحب ہر وقت ایک کلاس سے دوسری کلاس میں جاتے دکھائی دیتے ہیں دن رات ادارے میں گزارتے ہیں۔ ان کے سکول کا وقت صبح کی نماز سے شروع ہوتا ہے اور مغرب کے بعد تک تعلیمی نصابی وغیر نصابی کام ہوتا ہے شیخ صاحب صاحب ثروت آدمی ہیں دل کھول کر رفاہی کاموں پر خرچ کرتے ہیں۔ سیلاب 2014ء میں بہت سے لوگوں کی مدد کی مگر خود انتہائی سادہ خوراک اور لباس استعمال کرتے ہیں۔

شیخ صاحب کی علمی تحریک کی بدولت مظفر گڑھ کی علمی فضا تبدیل ہو گئی ہے۔ ان کے ادارے کے ارد گرد بہت سے پرائیویٹ ادارے بن گئے ہیں جو کوالٹی ایجوکیشن دیتے ہیں۔

شیخ صاحب پہلے ملتان کے گورنمنٹ ہائی سکول گلگشت کالونی میں استاد تھے۔ ایک بے

چین روح کے مالک اور انتہائی محنتی تھے۔ لہٰذا سرکاری ملازمت کے بعد اپنا ادارہ کھولا اب شیخ صاحب اور ان کا ادارہ دونوں تعلیمی دنیا کے لئے رول ماڈل ہیں۔

شیخ صاحب طلباء کو اتنی محنت کراتے ہیں اور اس انداز میں ان کی علمی اور ذہنی صلاحیتیں نکھارتے ہیں کہ وہ طلباء معاشرے کے دیگر ہم عصر ساتھیوں سے آگے نکل جاتے ہیں اور مقابلے سے نہیں گھبراتے لہٰذا تعلیمی اداروں کے اندر وظیفہ حاصل کرتے ہیں اور عملی زندگی میں خواہ پبلک سروس کمیشن کے امتحان ہوں یا دیگر ٹیسٹ میں کامیابی حاصل کر کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہو جاتے ہیں۔

شیخ صاحب کا ادارہ علی گڑھ کالج کی طرز کا رہائشی ادارہ ہے ٹیسٹ لے کر بچے داخل کرتے ہیں اور گنجائش سے زیادہ طلبہ آتے ہیں، داخلہ کے لئے بہت سی سفارشیں اور دباؤ شیخ صاحب کو برداشت کرنا پڑتے ہیں۔ کیونکہ والدین سمجھتے ہیں کہ اس سکول میں داخلہ یقینی کامیابی کی ضمانت ہے۔ اس درویش صفت انسان سے محبت کرنے والے اور دعائیں دینے والے لوگ نہ صرف پاکستان بلکہ بیرون ملک بھی موجود ہیں۔ شیخ صاحب مکمل پیشہ ورانہ رویے کا مظاہرہ کرتے ہیں جس میں طلباء سے محبت، محنت اور لگن شامل ہے۔

2.7.14) ہر دلعزیز استاد (ڈاکٹر شمیم حیدر ترمذی)

استاذالاساتذہ استاذی ڈاکٹر شمیم حیدر ترمزی صاحب اس وقت بہاؤالدین ذکریا یونیورسٹی ملتان کے شعبہ ایجوکیشن میں پڑھا رہے ہیں۔ قبل ازیں آپ نے ٹرینگ کالج ملتان میں لمبے عرصے تک ٹیچرز ٹرینگ کی، کالج میں آپ واحد استاد تھے جنہوں نے کبھی طلبا کے رول نمبر پکار کر حاضری نہیں لگائی مگر آپ کی کلاس سے کبھی کوئی طالب علم غیر حاضر نہیں ہوا۔ ترمزی صاحب واحد استاد تھے جن کے پیریڈ کا طلباء شدت سے انتظار کرتے ہیں۔ آپ ہمیشہ تیاری کر کے کلاس میں آتے ہیں اپنے نوٹس خود تیار کرتے ہیں اور ان پر خوب محنت کرتے ہیں، وہ نوٹس خود اپنے خرچ سے فوٹوسٹیٹ کرواتے ہیں اور ہر طالب علم کو ایک کاپی لیکچر سے پہلے دے دیتے ہیں اس کے بعد باقاعدہ لیکچر شروع ہوتا ہے۔ زبان وبیان کی درستی، تلفظ اور روانی جیسے دریا بہتا ہے، اس انداز میں ہر موضوع کی وضاحت اور تمام متعلقہ معلومات دیتے ہیں۔ دوران لیکچر مکمل خاموشی اور طلبا کا

انہماک دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے آخر میں سوالات کی دعوت اور بڑی شفقت سے جواب دینا۔ ذاتی ڈسپلن اور اخلاقی اقدار کی سختی سے پابندی کرتے ہیں سادگی پسند مخلص ہیں، ہنس مکھ اور اپنی ذات کو مزاح کا نشانہ بنانے والے وسیع المطالعہ، خوش دلی سے رہنمائی کرنے والے، تحقیقی فیلڈ کے ماہر ہیں، اکثر اداروں میں آپ کے طلبہ موجود ہیں اور بڑے احترام وعقیدت سے آپ کا ذکر کرتے ہیں۔ آپ کی کئی تصانیف ہیں۔ صاحب کتاب ہونے کے حوالہ سے بھی عمدہ شہرت رکھتے ہیں۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

2.7.15) احساسِ طلباء وذمہ داری

سنٹرل ماڈل سکول لوئر مال لاہور وہ ادارہ ہے جس نے ایک سو سال تک صوبہ پنجاب کو قیادت مہیا کی، جاوید قریشی سابق چیف سیکرٹری پنجاب نسیم حسن شاہ چیف جسٹس، ملک معراج خالد وزیر اعظم پاکستان چوہدری شجاعت حسین چوہدری پرویز الٰہی جیسے لوگ اس کے سابق طالب علموں میں شامل ہیں۔ چوہدری محمد اشرف ناز گوندل اس ادارہ کے سربراہ تھے ایک بار راقم ان سے ملنے گیا تو بڑے اداس اور پریشان تھے۔

استفسار پر بتایا کہ محمد انور صدیقی جو کہ ان کے ادارے کے مثالی استاد تھے آج ان کے گاؤں گئے تھے اور ان کو دفن کر آئے ہیں۔ یہ بتاتے بتاتے ان کی آواز گلو گیر ہو گئی ایسا محسوس ہوا کہ شدید دکھ کی کیفیت میں ہیں۔ میرے لئے پہلا موقع تھا کہ کوئی ہیڈ ماسٹر اپنے ایک ٹیچر کی جدائی پر اتنا دکھی ہے۔ تھوڑی دیر بعد سنبھلے تو بتایا کہ صدیقی صاحب کو ہارٹ اٹیک ہو گیا ہسپتال لے جائے گئے قدرے بہتر ہو گئے۔ آرام نہ کیا واپس کلاس روم میں آ گئے کہ میں طلبا کو خصوصی تیاری کروا رہا ہوں۔ اس بے احتیاطی کی وجہ سے دوبارہ ہارٹ اٹیک ہو گیا۔ میں نے گاڑی میں بٹھایا کہ ہسپتال لے چلتے ہیں اور خود دفتر میں چند منٹ کے لئے کچھ اٹھانے گیا واپس آیا تو صدیقی صاحب کو گاڑی میں نہ پایا، تلاش کرنے پر اپنی کلاس میں ملے اور طلبا سے کہہ رہے تھے کہ پھر شاید آ سکوں یا نہیں، آپ نے ایسے تیاری کرنی ہے اور ایسے امتحان دینا ہے۔ ہم نے انہیں کلاس

سے نکالا اور ہسپتال لے گئے جہاں وہ چل بسے۔ ان کی وفات کے ایک دو ماہ بعد جب میٹرک کا رزلٹ آیا تو ان کے طالب علم نے لاہور بورڈ میں پہلی پوزیشن لی۔(1)

2.7.16) رزق حلال کا احساس

شیخ مختار احمد صاحب سابقہ ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشنز پنجاب رہے۔ بہت محنتی اور سوچ والے استاد ہیں، خود بھی رول ماڈل ہیں، اپنے دو اساتذہ سے ملنے پنڈی گھیپ جاتے ہیں پوچھا کیا خوبی ہے تو بتانے لگے کہ میرے دو اساتذہ سرخرو خان اور مولوی غلام رسول ہیں۔ یہ دونوں اساتذہ پاک آرمی کے جنرل محمد اقبال کے اساتذہ بھی ہیں۔ سرخرو خان ہمیشہ دس منٹ پہلے آتے، اتنے سخت تھے کہ طلباء ان کی بیماری کی دعا کرتے مگر کبھی سکول سے ناغہ نہ کیا۔

مولوی غلام رسول صاحب نے محنت سے پڑھایا۔ ریٹائرمنٹ والے دن تفریح کے بعد والے دو پیریڈز کا وقت تھا، ہاتھوں کو سیاہی لگی ہوئی اور چاک لئے مولوی صاحب کلاس میں جانے کو تیار ہیں۔ کسی ساتھی نے کہا مولوی صاحب آج آپ کی ریٹائرمنٹ ہے۔ لہٰذا کلاس میں نہ جائیں کیونکہ ہم نے آپ کے لئے فنکشن کرنا ہے۔

مولوی صاحب نے فرمایا کہ کیا میں نے ان دو پیریڈز کی تنخواہ نہیں لینی؟ لہٰذا میں اپنی محنت اور حلال کی کمائی میں حرام کی آمیزش کیوں کروں۔ مولوی صاحب کلاس میں گئے اور آخری لمحہ تک تدریس میں مشغول رہے۔

2.7.17) مجید اللہ صاحب

مجید اللہ صاحب گورنمنٹ ہائر سکینڈری سکول کوٹ مبارک ضلع ڈیرہ غازی خان کے استاد تھے۔ آپ کی ریٹائرمنٹ کا دن آ گیا، ساتھیوں نے الوداعی تقریب کا بندوبست کیا۔ آپ نے معذرت کی اور اپنی کلاس میں مصروف رہے جب تک اپنے ذمہ تمام کام مکمل نہیں کر لیا کلاس کو نہ چھوڑا۔(2)

---

1) چوہدری محمد اشرف ناز گوندل صاحب ہیڈ ماسٹر سنٹرل ماڈل سکول لاہور

2) بحوالہ ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر لیہ

2.7.18) محمد صدیق نقشبندی

محمد صدیق نقشبندی صاحب گورنمنٹ جامع ہائی سکول شیخوپورہ کے استاد ہیں آپ ماہر مضمون ہیں۔ ایک دن تفریح کے وقت اطلاع ملی کہ آپ کی صاحبزادی وفات پا گئی ہیں۔ پرنسپل اور اساتذہ نے کہا کہ گھر تشریف لے جایئے۔ مگر آپ نے کہا کہ تفریح کے بعد میرے دو پیریڈ ہیں ساتھی اساتذہ نے کہا کہ وہ ہم پڑھا دیں گے مگر محمد صدیق نقشبندی صاحب نے کہا کہ میں اپنا فرض ادا کروں گا اور خدائے تعالیٰ سے دعا کروں گا کہ میں نے ان طلبا کو بھی پڑھایا ہے اس کا ثواب میری مرحومہ بیٹی کو پہنچے اور آخر استاد صاحب کلاسیں لینے کے بعد ہی گھر گئے۔ (1)

2.7.19) چوہدری ریاض احمد صاحب

چوہدری ریاض احمد صاحب کا تعلق فیصل آباد سے ہے۔ آپ اسلامیات کے لیکچرر، ٹیچر ہیڈ ماسٹر، ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر ڈائریکٹر ایجوکیشن چیئرمین ثانوی و اعلیٰ ثانوی تعلیمی بورڈ گوجرانوالہ اور فیصل آباد رہے۔ اس کے بعد پنجاب کی اعلیٰ ترین پوسٹ ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن پنجاب پر تعینات رہے۔

آپ تقویٰ اور خدا خوفی کی اعلیٰ ترین خوبی سے متصف ہیں آپ نے اپنے تعلیمی فرائض دیانتداری سے ادا کئے۔

ایک بار گورنمنٹ ہائر سکینڈری سکول رجانہ ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ کے دورہ پر آئے۔ دوران گفتگو فرمایا کہ میں محکمہ سے تنخواہ لیتا ہوں۔ سرکاری فرائض کی بجا آوری اور سفر کے لئے محکمہ نے مجھے گاڑی دے رکھی ہے۔ سرکاری رہائش موجود ہے۔ سفر کے عوض میں بھتہ الاونس لیتا ہوں میرا دل نہیں مانتا کہ یہ الاونس میرے لیئے جائز ہے۔ میں اپنائی اے، ڈی اے غریب لوگوں میں بانٹ دیتا ہوں۔ ایک بار کی رقم سے میں نے اپنی واسکٹ سلوالی، مگر نماز پڑھتے ہوئے میں اسے نہیں پہنتا اتار دیتا ہوں۔

1) عاشق حسین جعفری ڈائریکٹر ڈی پی آئی آفس لاہور

سال 2011ء میں میں فیصل آباد کے دورے پر گیا تو انہوں نے مجھ پر پابندی لگادی کہ میرے گھر ٹھہرو گئے اور جب بھی فیصل آباد آنا ہو کسی گیسٹ ہاؤس یا ہوٹل میں نہیں ٹھہرنا۔ یعنی جب بھی فیصل آباد جاتا ہوں تو چوہدری صاحب کے ہاں ٹھہرتا ہوں اوران کے ہاں جو رزق حلال پر مشتمل کھانا ملتا ہے اس سے لطف اندوز ہوتا ہوں۔ بہت مرنجاں مرنج شخصیت کے مالک ہیں۔

ایک بار کہنے لگے کہ میں جب تک ملازمت میں رہا تو بس گزارہ کی آمدن تھی مگر ریٹائرمنٹ کے بعد تو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اپنے خزانوں کے منہ کھول دیئے ہیں۔ دولت میں اتنا اضافہ اور فراوانی دی ہے کہ میں خود حیران ہوں اور شکر کرتا ہوں آپ فیصل آباد اور پنجاب کے دیانتدار، محنتی اور بچے کا احساس کرنے والے استاد اور افسر تھے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کو دین اور دنیا کی بھلائیاں دی ہیں۔ دُعا ہے اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز کرے اور صحت دے۔

2.7.20) قائداعظم محمد علی جناح اور احترام تعلیم

اسلامیہ کالج پشاور میں اساتذہ کے گھر قائداعظم کے ذاتی پیسہ سے بنے اور وومن کالج پشاور بھی قائداعظم کے ذاتی پیسہ سے تعمیر ہوا۔

قائداعظم نے تین اداروں کو اپنی جائیداد دینے کی وصیت کی۔

الف　مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ب　اسلامیہ کالج پشاور

ج　سندھ مدرستہ الاسلام کراچی

آزادی کے فوراً بعد ہندوستان کی حکومت نے مسلم یونیورسٹی کا نام تبدیل کر دیا اور مسلم کا لفظ ہٹا دیا تو قائداعظم نے اپنی وصیت دس ماہ بعد تبدیل کر دی اور اپنی وصیت سے علی گڑھ کو حصہ نہ دینے کی وصیت کی۔

آپ کے ترکہ سے اسلامیہ کالج پشاور کو سات لاکھ روپے ملے اور اس رقم سے قائداعظم کامرس کالج تعمیر ہوا۔(1)

1)　مصطفیٰ علی بریلوی صفحہ 168

2.7.21) تکلیف میں درس وتدریس

2.7.21.1) راؤ عبدالمجید

راؤ عبدالمجید صاحب گورنمنٹ ایلیمنٹری سکول روسہ ٹبہ چونیاں ضلع قصور میں مڈل سکول کے استاد تھے شومئ قسمت ٹانگ ٹوٹ گئی۔ اس کے باوجود طلبا چار پائی پر لٹا کر گھر سے لاتے اور وہ جماعت ہشتم کے طلباء کو تیاری کرواتے رہے۔ خوش قسمتی سے بہت اچھا رزلٹ آیا۔ طلباء نے خدمت کرنا چاہی تو فرمایا یہ اچھا رزلٹ ہی میرا انعام ہے۔ یہ واقعہ محمد خالد سٹینو ڈی پی آئی آفس نے بیان کیا۔

2.7.21.2) شوکت علی

شوکت علی صاحب گورنمنٹ ہائی سکول کبیر والا ضلع خانیوال کے سائنس ٹیچر تھے بعد میں وہیں ہیڈ ماسٹر بن گئے۔ بہت محنتی استاد تھے۔ ٹانگ ٹوٹ گئی امتحانات نزدیک تھے۔ میڈیکل لیو پر نہ گئے۔ چار پائی پر لیٹ کر پڑھاتے رہے یہ واقع 2000ء کا ہے۔ راقم ان دنوں ڈائریکٹر سیکنڈری ایجوکیشن ملتان تھا، مزاج پرسی کو گیا، آرام اور چھٹی کا کہا تو ٹال گئے اور کہنے لگے یہی میرا گھر ہے اور یہ طلبہ میرا کنبہ ہیں، میں یہاں سکھی ہوں۔ مجھے چھٹی کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ان کی اس پیشہ ورانہ لگن سے بہت متاثر ہوا اور شاباش دی۔ سکول سے آنے کے بعد ان کا احترام میری نظر میں بہت بڑھ گیا۔ بعد میں میرے ایک دوست ان کی جگہ تبادلہ کروانا چاہتے تھے۔ انہوں نے سیاسی پریشر سے لے کر ہر حربہ اختیار کیا مگر راقم نے انکار کر دیا۔

2.7.22) محنتی و مخلص اساتذہ

2.7.22.1) محمد ارشد

محمد ارشد صاحب سیکنڈری سکول ٹیچر ہیں ضلع لیہ میں چوک اعظم میں ان کا سکول گورنمنٹ مسلم ہائی سکول کے نام سے ہے۔ آپ اپنے طلباء کو سائنس کا مضمون پڑھاتے ہیں۔ آپ کو اپنے مضمون پر مکمل عبور حاصل ہے۔ یہ ان اساتذہ میں سے ہیں جو وقت کو طلباء اور قوم کی امانت سمجھتے

ہیں بہت کم چھٹیاں کرتے ہیں۔ طلباء کو قوم کی امانت سمجھ کر انتہائی پیار اور محنت سے پڑھاتے ہیں۔ ان کے دکھ سکھ میں شریک ہوتے ہیں۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ طلباء کی تربیت پر خصوصی توجہ دیتے ہیں اور ان میں پاکستانی اور اسلامی کلچر کے مطابق اخلاقی اقدار پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ طلباء اپنے اس استاد کا احترام کرتے ہیں اور ان کو اپنا رول ماڈل سمجھتے ہیں۔ (1)

2.7.22.2) مجید ایاز

مجید ایاز صاحب گورنمنٹ سٹی سکول لیہ میں استاد ہیں۔ بہت محنتی، فرض شناس اور وقت کے پابند ہیں۔ ٹیوشن ورک سے گریز کرتے ہیں۔ آپ کی ریٹائرمنٹ کا وقت آ گیا میٹرک کے امتحانات مارچ اور اپریل میں ہونا ہیں مگر ریٹائرمنٹ دسمبر کے لگ بھگ۔ استاد محترم نے طلباء سے وعدہ کیا کہ میں آپ کا کورس مکمل کروا کر جاؤں گا۔ آج کل ریٹائرمنٹ کے بعد اپنے طلبہ کی محبت ہمدردی اور ان کا وقت ضائع ہونے سے بچانے کے لئے ان کی پریشانی کو مدنظر رکھ کر بلا معاوضہ اپنے طلباء کی تدریس میں مشغول ہیں۔ (2)

2.7.22.3) عبدالخالق

عبدالخالق صاحب گورنمنٹ پرائمری سکول یوسف آباد ضلع لیہ کے سکول میں پرائمری سکول کے استاد ہیں۔ آپ اپنے سکول کے واحد ٹیچر ہیں یعنی سنگل ٹیچر سکول ہے اور چھ کلاسز ہیں۔ یہ استاد محترم ہر وقت سڑک سے نظر آتے ہیں اور تدریس میں مشغول رہتے ہیں۔ بہت فرض شناس محنتی اور مخلص ہیں۔ انہوں نے سکول میں کئی وائٹ بورڈ رکھے ہیں۔ سنگل ٹیچر ہونے کی وجہ سے ملٹی گریڈ ٹیچنگ کرنا پڑتی ہے۔ ایک کلاس کا سبق بورڈ پر لکھ کر طلباء کو سمجھا دیتے ہیں پھر خود دوسری کلاس میں طلباء خود اس سبق کی تفہیم کرتے رہتے ہیں استاد صاحب پھر اگلی کلاس میں کچھ کام مانیٹر کے ذمہ اور اس طرح سارا دن مصروف رہتے ہیں۔ معیار تعلیم اور طلبہ کی مہارتیں حیرت انگیز طور پر استاد کی محنت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ (3)

---

1) ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر لیہ

2) ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول لیہ۔ سال 2013.

3) خواجہ مظہر الحق۔ پیر و کرام ملتان

2.7.22.4) خادم حسین

خادم حسین جھوک حافظ والی مینکرہ بھکر سے 70 کلومیٹر دور پوسٹنگ تھی۔ ایک ماہ بعد گھر واپسی ہوتی، دن رات پڑھاتے تھے، دن کو سکول میں اور رات کو لالٹین پر فری پڑھاتے، سنگل ٹیچر سکول تھا، ملٹی گریڈ ٹیچنگ تھی، پی ٹی شو کرواتے، سکول کی دیوار خود بنائی، ہر بچے کو قلم بنا کر دیتے اور انگلیوں سے خون بہتا مگر قلم بنانا نہ چھوڑا، نہ صرف استاد صاحب خوش خط تھے بلکہ تمام بچے خوش خط تھے ہر چیز کے مٹی سے ماڈل بناتے مثلاً گائے بھینس وغیرہ اور پھر تدریس شروع کرواتے ہر سال پانچویں جماعت کے تین چار بچے وظیفہ حاصل کرتے تھے۔ ایک مڈل جے وی کا کمال کہ ان سے پڑھے ہوئے بچے بینک منیجر، آرمی میں بریگیڈیئر ہیں۔ ٹیچرز، لیکچرار اور کچھ بچے شاعر بھی بنے۔ جناب خادم حسین صاحب میں مثالی استاد کی تمام صفات موجود تھیں کام سے لگن محنت اور توجہ، بچوں سے محبت نے انہیں ہر دلعزیز بنا دیا تھا۔ ہر بچہ بڑا عورت مرد اور ہیڈ ماسٹر تک ان کا احترام کرتے تھے اور ان کے کام کی قدر کرتے تھے۔ (1)

2.7.23) شورکوٹ کے محنتی اساتذہ

رائے شفیق احمد صاحب گورنمنٹ ہائی سکول شورکوٹ ضلع جھنگ کے معروف ہیڈ ماسٹر تھے دیانتداری اور محنت کی بدولت اپنے ادارے کو بلندیوں تک لے گئے۔ دیانتدار تھے اور ٹیم بلڈنگ کا شعور رکھتے تھے لہٰذا ادارے کو بہترین بنا دیا۔ بعد میں ضلع بہاولنگر کے ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر بھی رہے۔ ان کے صاحبزادے راؤ شاہد محمود خانیوال کے ایگزیکٹو ڈسٹرکٹ آفیسر ایجوکیشن ہیں اور ہائی سکول شورکوٹ کے سابقہ ہیڈ ماسٹر بھی رہے، ان سے گفتگو ہوئی اور شورکوٹ کے مثالی اساتذہ کا ذکر ہوا تو انہوں نے بتایا کہ رائے شفیق احمد صاحب ان کے والد محترم ہیں۔

2.7.23.1) نور احمد

نور احمد صاحب کیمسٹری اور بائیالوجی کے سکینڈری سکول ٹیچر ہیں اس وقت گورنمنٹ ہائی سکول عباس پورہ شورکوٹ کے ہیڈ ماسٹر ہیں۔ بہت نرم خو، دوستانہ انداز اور محنتی استاد ہیں۔ مزاج

---

1) محمد رفیع ڈی ای او سیکنڈری لیہ

کی حس رکھتے ہیں جس سے طلبہ کے ہر دل عزیز استاد ہیں طریق تعلیم اور اپنے سبجیکٹ نالج پر عبور رکھتے ہیں۔ وقت کے انتہائی قدردان ہیں۔ مجھے یاد نہیں کہ کبھی انہوں نے پیریڈ بھی چھوڑا ہو۔ جب گرلز سکول میں سائنس کی استاد نہیں تھی تو ہیڈ ماسٹر صاحب ان پر اعتماد کرتے ہوئے نور احمد صاحب کو اس سکول میں بھجوایا کرتے تھے۔ ان پر طلبہ و طالبات کا اعتماد اور ان کے رزلٹ انہیں مثالی استاد کے مقام پر لے جاتے ہیں۔

(2.7.23.2) عبداللطیف بھٹی

عبداللطیف بھٹی گورنمنٹ ہائی سکول شورکوٹ کے فزکس اور میتھ کے سکینڈری سکول ٹیچر ہیں ان کی خوبیوں کے بارے میں راؤ صاحب نے بتایا کہ بہت سنجیدہ، نرم خو، ہمدرد، ماہر مضمون، مخلص اور لگن سے پڑھاتے ہیں۔ کسی قسم کا لالچ نہیں کرتے، محنتی ہیں نتائج بہت عمدہ آتے ہیں۔ بچے بہت مطمئن اور خوش رہتے ہیں۔ کبھی سکول سے چھٹی کرتے نہیں دیکھا گیا۔ وقت کے بہت پابند ہیں۔ انتظامیہ سے تعاون اور طلبہ کی کریکٹر بلڈنگ کرتے ہیں۔

(2.7.23.3) مہر محمد نواز

اسی ادارہ کے تیسرے استاد مہر محمد نواز آرٹس کے سکینڈری سکول ٹیچر ہیں۔ عادات پہلے دو اساتذہ سے ملتی ہیں۔ انگلش اور مطالعہ پاکستان پڑھاتے ہیں طلبہ کے 96 سے 98 فیصد تک نمبر آجاتے ہیں۔ ٹیوشن نہیں پڑھاتے، مخلص اور ایثار پیشہ ہیں، بہت سوشل ہیں، طلبہ کے دُکھ سکھ میں شامل ہوتے ہیں، مزاحیہ انداز میں گفتگو کے ماہر ہیں، طلبہ کو اعلیٰ مقام دیتے ہیں اور طلبہ ان سے خوش رہتے ہیں، لہٰذا تدریس بہت عمدہ ہوتی ہے۔

(2.7.23.4) پروفیسر مہر شاہ ہاشمی

شورکوٹ کا ذکر پروفیسر مہر شاہ ہاشمی کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ موصوف شہر کے دادا استاد ہیں، سکول سے کالج تک پڑھایا مضمون اردو ہے جس کی باریکیوں سے واقف ہیں۔ ہر شخص ہاشمی صاحب کو اپنا سرپرست اور بڑا سمجھتا ہے ہر ایک کے دکھ درد میں شامل اور ہر تقریب کی جان، سڑک پر آجائیں تو لوگ رک رک کر ملیں۔ غیاب میں دُعا دیں۔

کالج میں تھے تو پرنسپل اور اساتذہ کے درمیان پل کا کام کرتے تھے۔ ادارے کے وفادار ٹیوشن ورک سے نفریں۔ دور سے آنے والے اساتذہ کے مددگار، طبیعت میں خاکساری اور خوش مزاجی، دولت دنیا نہیں مگر دولت دل اور علم سے مالا مال، کلاس میں طلبہ ذوق وشوق سے شرکت کرتے تھے۔ آج کل ریٹائرڈ لائف گزار رہے ہیں اور لوگ پیر سمجھ کر قدر کرتے ہیں اور خوش دلی سے ملنے جاتے ہیں۔ کردار کے حوالہ سے بلند مقام پر فائز ہیں۔ اپنے استاد ہونے پر فخر کرتے ہیں۔

2.7.23.5) محمد نواب

ایس وی ٹیچرز میں تعلیم میٹرک ایس وی حسن ابدال سے ریٹائرمنٹ 31 دسمبر 2011ء کو ہوئی۔ امجد محمود ڈپٹی ڈی ای او (مردانہ) ٹیکسلا بتاتے ہیں کہ میں سر کے پاس جماعت چہارم سے ہشتم تک پڑھا۔ آپ کی سب سے بارعب شخصیت تھی، جماعت میں گروپ سسٹم رائج تھا، ذہین طلبہ کمزور طلبہ کو لے کر آگے بڑھتے تھے۔ ٹیسٹ میں گروپ مانیٹرز کے لئے تمام سوالات حل کرنا ضروری تھے۔ سر چھٹی کے سخت خلاف تھے نہ خود چھٹی کرتے تھے اور نہ ہی طلبہ کو چھٹی کرنے کی اجازت تھی۔ چھٹی انتہائی مجبوری کی حالت میں صرف اور صرف والد یا بڑے بھائی کی درخواست پر مل سکتی تھی۔ سر کی Dedication اور Commitment کا یہ عالم تھا کہ اپنی شادی پر صرف دو چھٹیاں لیں تا کہ بچوں کا تعلیمی حرج نہ ہو۔ صبح سے لے کر شام تک تعلیمی اوقات تھے۔ سر کے پورے کیریئر میں لالچ اور غرض کا شائبہ تک نہیں ہے۔ کلاس میں جزا اور سزا کا عنصر حاوی رہتا تھا جس سے کلاس میں مقابلہ کی فضا قائم ہو جاتی تھی۔ کم گو تھے اور سادہ لباس زیب تن کرتے تھے اور سادہ لباس ہی کی تلقین بھی کرتے تھے۔ سر کی جانفشانی کے باعث ہمارا سکول گورنمنٹ پرائمری سکول نمبر 1 حسن ابدال پنجم کے امتحان میں سب سے زیادہ سکالرشپ جیت کر پہلے نمبر پر رہا۔ میں نے پی ٹی سی کے امتحان میں ڈویژن بھر میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ سر میرے گھر مبارکباد کے لئے تشریف لائے اور جب میں بطور ڈپٹی ڈی ای او سلیکٹ ہوا تو سر کے الفاظ اور خوشی کے آنسو میری زندگی کا اثاثہ ہیں آپ نے کہا ''بیٹا تم ڈپٹی ڈی ای او سلیکٹ نہیں ہوئے بلکہ میں سلیکٹ ہوا ہوں''۔ میری کامیابی کی بنیادی وجہ میرے والدین اور اساتذہ کی دعائیں

ہیں اور میری زندگی کا معمول ہے کہ استاد صاحب کی قدم بوسی کرنا اور جب میرے والد صاحب سامنے آئیں تو ان کے گھٹنے چھونا۔ میں نے ان کے حکم کو پلے باندھا ہوا ہے کہ "باادب بانصیب، بےادب بےنصیب"۔

(2.7.23.6) احمد شیر ملک

احمد شیر ملک صاحب سائنس ٹیچر کوٹ گلہ تحصیل تلہ گنگ کے بارے میں محمد اکرم ضیاء ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر اٹک یوں رقمطراز ہیں کہ ملک صاحب میں رول ماڈل کی تمام خوبیاں موجود تھیں آپ سال 2009ء میں ریٹائر ہوئے۔

آپ بچوں کو سزا نہیں دیتے تھے۔ ہر وقت چہرے پر مسکراہٹ رہتی تھی طلباء کا احترام کرتے تھے۔آپ کا طریقۂ تعلیم متاثر کن تھا۔گھر سے تیاری کر کے آتے تھے۔آپ پہلے دس منٹ میں موضوع کا ریویو کرتے۔ پندرہ سے بیس منٹ تک متعلقہ موضوع کے بارے میں معلومات دیتے۔اس کے بعد گروپ بنا دیتے اور ہر گروپ میں مختلف طلباء کو رکھتے۔طلباء آپس میں بحث و مباحثہ کرتے، نکات تحریر کرتے تاکہ طلباء میں باہمی تعامل بڑھ جائے۔پھر طلباء بحث شدہ مواد پیش کرتے استاد محترم رہنمائی فرماتے۔

میں کرکٹ کا کھلاڑی تھا اور اس میں کافی دلچسپی لیتا تھا۔ایک دن کیا دیکھتا ہوں کہ استادِ محترم میرے گھر تشریف لائے۔میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔میرے والد صاحب سے ملے اور کہا کہ محمد اکرم پڑھنے میں بھی اچھا ہے اور کرکٹ میں بھی لیکن تعلیم کے لئے وقت کم دیتا ہے اگر آپ ہیڈ ماسٹر صاحب کو اس ٹیم میں شامل کر کے دوسرے سکولوں میں میچ کھیلنے نہ بھجوائیں تو یقیناً آپ کا بیٹا تعلیم میں نام پیدا کرے گا۔میرے والد نے استاد کے کہنے پر عمل کیا اور استاد محترم کی بصیرت کی بناء پر میں عملی اور تعلیمی طور پر آگے بڑھا اور آج میں ضلع اٹک کا ضلعی تعلیمی افسر اور رہنما ہوں۔

جب میری کلاس نے میٹرک کا امتحان دے لیا تو احمد شیر ملک صاحب نے ہمیں اپنے گھر بلایا اور ایف ایس سی کے تین تین باب اپنے گھر پر بغیر کسی ٹیوشن کے پڑھائے تاکہ ان کے شاگرد کالج میں اجنبیت محسوس نہ کریں اور علمی طور پر مضبوط ہوں۔

آپ انتہائی ایماندار تھے۔ جب امتحان میں پریکٹیکل کا سپرنٹنڈنٹ آ جاتا تو کبھی اس کے پاس نہ جاتے نہ ہی کسی کی سفارش کرتے۔ وعدے کے پکے تھے۔ وقت، تعلیم اور عملی زندگی کے حوالہ سے جو وعدہ بھی طلبا سے کرتے پورا کرتے۔ سال 1990ء تک سروس میں رہے میں نے جب ایم ایس سی کر لی تو میرے گھر تشریف لائے اور مجھے حکم دیا کہ تم استاد بن جاؤ مگر کہا کہ اسے مشن کے طور پر اپنانا ہے۔ آپ نے تمام زندگی مجھ سے تعلق رکھا اور گائیڈ کیا آج میں اس مقام پر انہی کی وجہ سے ہوں۔

2.7.23)استاد کی خودداری

ممتاز دینی مفکر و محقق ڈاکٹر حمید اللہ طویل عرصہ فرانس میں رہ کر علمی کام کرتے رہے۔

محمد یحییٰ خان رقمطراز ہیں کہ ایک بار وہ بنک سے کچھ رقم نکلوانے گئے تو ان پر منکشف ہوا کہ کسی جعلساز نے ان کے اکاؤنٹ سے ساری رقم نکلوالی ہے۔ وہ بے حد پریشان ہوئے وہ جعلی دستخط اتنی چابکدستی سے کئے گئے تھے کہ انکار ممکن نہ تھا خالی ہاتھ واپس آ گئے کسی سے ذکر تک نہ کیا اور کئی دن فاقے سے رہے آخر ایک دن نقاہت کی وجہ سے گر کر بے ہوش ہو گئے۔ ڈاکٹروں نے انہیں ہسپتال لانے والوں سے کہا کہ یہ صورتحال پیٹ خالی ہونے کا نتیجہ ہے۔ ڈرپ وغیرہ لگائی گئی ہوش میں آئے تو بات کھلی کہ ساری کمائی لٹ جانے کے بعد کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کیا اور نہ قرضہ لیا فاقہ کشی کی نوبت آ چکی تھی جبکہ واقعے کا انکشاف بے ہوشی کے باعث ہوا۔(1)

2.7.24)ذمہ دار اساتذہ

2.7.24.1)رانا ولایت حسین

رانا ولایت سکینڈری سکول ایسوسی ایشن ملتان ڈویژن کے صدر و سرپرست رہے۔ ہر محکمہ میں یونین میں شامل لوگ اپنے فرائض ادا کرنے سے غافل ہو جاتے ہیں اور اپنے آپ کو مادر پدر آزاد سمجھتے ہیں۔ رانا ولایت کو کئی بار چیک کیا تو کلاس روم میں پایا کبھی اپنا پیریڈ ضائع کرتے نہیں

1) محمد یحییٰ خان (2007ء) آب حیات۔ دار السلام لاہور۔ صفحہ 104

دیکھا۔اس ذمہ داری کی وجہ سے ان کے نتائج عمدہ رہے اور جس انداز میں طلباء کے وقت کا خیال رکھا قابل ستائش ہے۔

2.7.24.2) عظمٰی حفیظ

عظمٰی حفیظ 358/W.B لودھراں کے سکول میں سکینڈری سکول ایجوکیٹر ہیں بہت ذمہ دار ٹیچر ہیں، چار کلاسوں کو پڑھاتی ہیں اس مہارت سے پڑھاتی ہیں کہ بچے خواہش کر کے ان کے سیکشن میں آتے ہیں۔کلاس روم مینجمنٹ بہت عمدہ ہے ان کا کلاس روم سجاوٹ اور خوبصورتی کے حوالہ سے دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔بے غرض محنتی اور طلباء کا خیال رکھنے والی ٹیچر ہیں۔مضمون انگلش ہے جس میں دلچسپی کا عنصر پیدا کر لیتی ہیں۔

2.7.24.3) محترمہ فرحت عباس

حکومت پنجاب نے سال 2011ء سے داخلہ مہم شروع کی ہوئی ہے۔ضلع لودھراں کے سکولوں کا وزٹ بسلسلہ یونیورسل پرائمری ایجوکیشن کیا۔مختلف سکول دیکھے۔جب گورنمنٹ گرلز ایلیمنٹری سکول 343/W.B کو چیک کیا تو دیگر سکولوں کی نسبت سب سے زیادہ داخلہ تھا اور بچے رجسٹر میں درج تھے، تمام کے تمام حاضر بھی تھے جبکہ باقی سکولوں میں ایسا نہ تھا۔معلومات حاصل کرنے پر پتہ چلا کہ یہ کلاس محترمہ فرحت عباس صاحبہ کی ہے محترمہ خود گاؤں کے ہر گھر میں گئی اور بچوں کو سکول لا کر داخل کیا بچوں کو گفٹ دیئے اور مزید یہ کہ پوری کلاس کے لئے روزانہ کھانا مہیا کرتی ہیں جو خود پکاتی ہیں یا ان کے گھر سے آتا ہے۔بہت ذمہ دار ٹیچر ہیں۔سکول میں مختلف سرگرمیاں کرواتی ہیں۔سمعی و بصری اعانات کا استعمال کرتی ہیں۔عمدہ طور پر پڑھاتی ہیں کچھ بچے جو غریب والدین کے ہیں ان کی فیس ساتھی ٹیچرز سے مل کر ادا کر رہی ہیں۔میرے لئے یہ حیرت کی بات تھی کہ باقی سکول اس لگن اور خلوص سے یہ کام نہیں کر رہے یا فرضی داخلہ دکھا رہے ہیں جبکہ محترمہ فرحت عباس نے اس سلسلہ میں اپنی جیب سے اخراجات کر کے حکومت کی داخلہ مہم کو اپنے سکول میں کامیاب بنایا ہے۔

حفیظ اللہ خان سیشن جج اور کئی کتب کے مصنف بھی ہیں۔ان سے ان کے اساتذہ کا ذکر کیا

گیا۔آپ کی تعلیم گورنمنٹ صادق عباسی ہائی سکول احمد پور شرقیہ بہاولپور کی ہے تو اپنے اساتذہ کا ذکر و موازنہ کرنے لگے انہوں نے اللہ بخش سیال، رضا اللہ خان، دوست محمد خان اور ملازم حسین اختر کا ذکر کیا۔ جب رول ماڈل کی بات کی گئی تو کہنے لگے یہ تمام استاد عمدہ لباس زیب تن کرتے تھے۔ روزانہ شیو بناتے داڑھی والوں کی داڑھی ترشی ہوتی۔ ویسٹ کوٹ پہنتے، کھسہ یا بوٹ پہنتے، بوٹ کی پالش چمک رہی ہوتی، وقت اور ڈسپلن کی سخت پابندی کرتے اور طلباء سے بھی کرواتے۔خوف پیدا نہیں کرتے تھے بلکہ احترام وشفقت نہ کہ دہشت، تدریس عبادت سمجھ کر کرتے، ایکسٹرا ٹائم دیتے کبھی ٹیوشن نہ لی، ہمیں سگی اولاد کی طرح سمجھتے، سکول کا ماحول صاف ستھرا رکھتے، والدین بچوں کو سکول داخل کراتے ہوئے کہتے چمڑا تمہارا اور ہڈیاں ہماری، مگر اساتذہ تشدد کو برا سمجھتے تھے، اسمبلی میں نہایت عمدہ گفتگو ہوتی، ایک ملازم کے بچے پر جہلم میں کیس بن گیا، ملازم حسین اختر صاحب نے خود وہاں جا کر پیروی کی اور کیس ختم کرایا احترام انسانیت ان اساتذہ میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔

(2.7.24.4 زیڈ زیڈ عمر

ادارہ تعلیم و تحقیق جامع پنجاب قائم ہوا تو اس میں بڑے لائق، محنتی اور ذہین لوگوں نے اساتذہ کی تربیت کا کام کیا۔ ڈاکٹر خالد رشید جناب محترم زیڈ زیڈ عمر کے بارے میں بتاتے ہیں کہ ان کے والد ہیڈ ماسٹر تھے اور میاں ڈاکٹر تھے۔ 1951ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ تمام طلباء کو پیار محبت سے اولاد کی طرح مخاطب کرتی تھیں۔ طالب علم دوست تھیں پڑھانے کا انداز منفرد تھا۔ کسی کتاب کا خاکہ یا ریویو لکھنے کو دیتیں اس کے لئے دس سے بیس دن مقرر تھے۔ مقررہ مدت کے بعد طلباء کے کام کو چیک کرتیں جنہوں نے کام نہیں کیا غصے کے اظہار کے بجائے کام مکمل کروانے پر زور دیتیں اور یہ کہنا کہ یہ کام آپ نے کرنا ہے اگر نہیں کرو گے تو آگے نہیں پڑھیں گے۔ طلباء کو بچوں یا بیٹا کہہ کر مخاطب کرنا، تمام کلاس کو کھانے پر گھر لے جانا، خود پر تکلف کھانا بنانا اور اپنے سامنے بٹھا کر کھلانا۔ ان کی بھابھی بھی ان کی کلاس میں شاگرد تھیں ان سے بھی باقی طالب علموں کی طرح یکساں سلوک کرتی تھیں۔

2.7.24.5) نسیم شوکت صاحبہ

ڈاکٹر خالد رشید صاحب مزید فرماتے ہیں کہ:

محترم نسیم شوکت صاحبہ بھی اسی ادارہ میں پروفیسر تھیں میاں سہگل گروپ آف انڈسٹریز میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ اس دور میں ان کے پاس مرسڈیز کار تھی مگر انتہائی محنتی اور باوقار تھیں، پردہ نہیں کرتی تھیں۔ پڑھانے کا انداز منفرد تھا، حافظہ کمال کا تھا، ایک دن پہلے طلباء کو ٹاپک دے دیتی تھیں۔ اگلے دِن کلاس میں لیکچر دینا، عام مثالوں سے شروع کر کے بتانا، جب طالب علم ایک حوالہ دیتا تو آپ کئی حوالے دے دیتیں، ہرنئی کتاب کو مکمل پڑھتیں، لیکچر کئی گھنٹوں پر محیط ہوتا، تمام ریسرچ اور ریسورس پرسنز کا حوالہ دیتیں اور ایک ہی لیکچر میں متعلقہ موضوع کو ابتدا سے شروع کر کے اس کی تمام تدریجی ترقی اور آج تک کے علم سے طلباء کو آگاہ فرماتی تھیں۔

2.7.24.6) بہترین اُستاد و بہترین انسان

جناب عبدالجبار شاہین صاحب سیکرٹری تعلیم سکول ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ پنجاب ہیں۔ عملی انسان ہیں، واضح تصورات رکھتے ہیں، جس سکول کے دورے پر جاتے ہیں وہاں خود کلاس روم میں ماڈل لیسن دیتے ہیں اور حیرانی کی بات کہ متاثر کن انداز سے اساتذہ کو حیران کر دیتے ہیں۔

آپ اکثر اپنے ایک محترم اُستاد دوست محمد صاحب کا ذکر احترام سے اور رول ماڈل کے طور پر کرتے ہیں۔ دوست محمد صاحب پرائمری سکول چک نمبر 22/MB ضلع خوشاب میں اُستاد تھے۔ سنگل ٹیچر سکول تھا، پانچوں کلاسوں کو اکیلے پڑھاتے تھے۔ خود پہاڑے کہلوانا، امتحان کے نزدیک تین ماہ تک طلباء کو گھر بلا کر بغیر کسی معاوضہ کے پڑھانا، باوقار انداز میں زندگی گزارنا، مثالی انسان اور مثالی اُستاد تھے، ان کے دور میں سکول کی تعداد اور کوالٹی ایجوکیشن بہت عمدہ تھی۔ اب اُسی سکول میں چار اساتذہ ہیں مگر ادارہ کی کارکردگی کچھ عمدہ نہ ہے۔ اُستاد دوست محمد کے شاگردوں میں سے کچھ لوگ ایسے نکلے جو آج قومی زندگی میں اہم مقام پر فائز ہیں۔

2.7.24.7) محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان

حضرت مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ اور سر سید احمد خان نے دو قومی نظریہ پیش کیا، چوہدری رحمت الٰہی اور علامہ اقبالؒ نے تصورِ پاکستان دیا، قائد اعظمؒ نے قوم کی رہنمائی کی اور پاکستان حاصل کرلیا۔

ہم مناسب انداز میں پاکستان کی حفاظت نہ کر سکے اور 1971ء کا سقوطِ ڈھاکہ کا سانحہ پیش آ گیا، اس وقت ہر محب وطن پاکستانی کی آنکھ اشکبار تھی۔ اس موقع پر ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے فرمایا کہ ان شاء اللہ اب ایسا موقع پاکستان کی زندگی میں دوبارہ کبھی نہیں آئے گا۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خان جو کہ ایثار و قربانی، مہارت و ذہانت اور حب وطن کا پیکر ہیں نے پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر کام شروع کیا، ابتدا میں مغربی دُنیا نے یہ تبصرہ کیا کہ پاکستانی قوم ایک نٹ بوٹ بھی نہیں بنا سکتے، ایٹم بم کیا بنائیں گے۔

دُھن کے پکے ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے اپنا کام شروع کیا، آپ پیشے کے حوالے سے میلٹر جیکل انجینئر تھے۔ ایک وقت آیا کہ محسوس کیا جانے لگا کہ خدانخواستہ ڈاکٹر صاحب کی زندگی کو کوئی خطرہ پیش آیا تو ہمارا ایٹمی بم کا منصوبہ دھرے کا دھرا رہ جائے گا۔

اس موقع پر ڈاکٹر صاحب نے اُستاد کا رول سنبھالا اور سینکڑوں انجینئرز کو ٹریننگ دے کر اس خطرے کا سدباب کر دیا۔

اس ٹریننگ کے دوران آپ کا رویہ مکمل طور پر رول ماڈل اور پیشہ ور اُستاد کا سا تھا، محبت، شفقت، خلوص، پیار، مہارت، بہترین طریقہ تدریس، بے غرضی، علم دوستی، مطالعہ کتاب اور علم سے محبت، وقار، بلندی کردار، خدا خوفی، حکمت و دانائی اور استغنا جیسی صفات آپ میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔

آپ نے پاکستان کو ساتویں ایٹمی طاقت بنا کر دشمنوں کے حملے کے خطرے کا سدباب کر دیا۔ آپ محسن پاکستان ہیں، قوم کا بچہ بچہ آپ سے محبت کرتا ہے۔ لاکھوں اساتذہ قوم کے نونہالوں کے من میں آپ کا احترام بونے میں مصروف ہیں۔ گو ہم آپ کو آپ کا صحیح مقام نہیں دے سکے مگر آپ ہمارے محسن اور رول ماڈل ہیں۔

2.7.25) افشاں احمد شہید

16 دسمبر 2014ء صبح دس بجے آرمی پبلک سکول پشاور میں سات مسلح دہشت گرد داخل ہوئے۔اس وقت سکول کے آڈیٹوریم میں بچے فرسٹ ایڈ کی اجتماعی تربیت حاصل کر رہے تھے۔ دہشت گردوں نے آڈیٹوریم کو گھیر کر نہتے طلبہ کو مارنا شروع کر دیا۔

حملہ کا آغاز باقاعدہ خودکش حملہ سے ہوا جس کے بعد فائرنگ شروع ہوگئی 145 بچے شہید ہو گئے۔اس خونریز واقعہ میں اس سکول کی 24 سالہ ٹیچر افشاں احمد نے بہادری کی لازوال داستاں رقم کر کے پاکستانی اساتذہ کا سرفخر سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے بلند کر دیا۔عینی شاہد طالب علم عرفان اللہ کے مطابق افشاں احمد چھلانگ لگا کر دہشت گردوں اور طالب علموں کے درمیان آگئی اور کہنے لگی، میرے جیتے جی تم میرے بچوں کو نہیں مار سکتے۔دہشت گردوں نے پٹرول چھڑک کر اُن کو آگ لگا دی۔وہ اِس حالت میں بھی اپنی جان بچانے کی بجائے بچوں کو بھاگ جانے کیلئے کہتی رہی۔

2.7.26) طاہرہ قاضی شہید

محترمہ طاہرہ قاضی آرمی پبلک پشاور کی پرنسپل تھیں۔جب ان کے سکول پر حملہ ہوا تو بیٹے سے فون پر گفتگو کر رہی تھیں، اُسے کہا فون بند کر دو حملہ ہو گیا ہے، مجھے والدین کو اطلاع دینا ہے اور اسی فرض کی ادائیگی اور بچوں کی حفاظت میں شہادت قبول کر کے سربلند ہوئیں۔

2.7.27) سمیعہ نذیر شہید

گجرات کے علاقہ میں ایک مشہور قصبہ منگووال ہے۔ایک سکول وین 25 مئی 2013ء کو بچوں کو گھروں سے سکول لا رہی تھی کہ اس میں پٹرول کین کی وجہ سے آگ لگ گئی۔وین میں بچوں کے ساتھ سمیعہ نذیر جو کہ بائیس سالہ ٹیچر بھی سوار تھی۔آگ لگنے پر وہ بخیریت وین سے اتر آئیں مگر پھر شعلوں میں گھر معصوم بچوں کو بچاتے ہوئے اپنے عزیز طلبہ کے ساتھ آگ میں جل کر شہید ہو گئیں اور ہمدردی و محبت، احساس فرض کے حوالہ سے مثال چھوڑ گئیں۔اس حادثہ میں سترہ بچے بھی اُن کے ساتھ شہید ہوئے۔(1)

---

1) بحوالہ روزنامہ جنگ لاہور

2.8) پاکستانی لٹریچر میں رول ماڈل اساتذہ کا ذکر

ہر پڑھا لکھا شخص اپنے استاد کا ممنون ہے۔ استاد اس کا رول ماڈل ہوتا ہے اور تمام زندگی وہ اس رول ماڈل کے کردار و اطوار کی پیروی و نقل میں گزار دیتا ہے۔ اس طرح استاد طالب علم کی زندگی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ جب یہ طالب علم معاشرے کی اہم شخصیت بنتا ہے تو اپنی یادوں کو زندگی کے کسی نہ کسی حصہ میں صفحہ قرطاس پر منتقل کرتا ہے۔

پاکستانی اردو ادب میں بھی مختلف لوگوں نے اپنے اساتذہ کا ذکر کیا ہے۔ یہ ذکر دلچسپ بھی ہے۔ سبق آموز بھی اور رول ماڈل استاد کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی کرتا ہے۔ آیئے اردو ادب سے چند اساتذہ کے احوال جانتے ہیں۔

2.8.1) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت معلم

پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی (2012ء) اپنی کتاب "نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت معلم" میں آنحضرتؐ کی تعلیمی زندگی کو احادیث کے حوالہ سے دیکھتے ہیں۔ آپ نے پہلے آنحضرتؐ کی زندگی کے 46 انڈیکٹرز کو لیا اور پھر ہر انڈیکٹر کی وضاحت احادیث سے فرمائی۔ کتاب کا اختصاریہ پیش خدمت ہے۔

1۔ ہر مناسب وقت میں تعلیم دینا: آپؐ نے تعلیم کو کسی مخصوص وقت میں محدود نہ کیا تھا۔ چاہے رات ہو یا دن۔ جب بھی موقع ملتا آپ تعلیم دیتے تھے۔

2۔ ہر مناسب جگہ میں تعلیم دینا: آپؐ نے سلسلہ تعلیم کو کسی خاص جگہ یا مقام تک محدود نہ رکھا۔ جب اور جہاں بھی موقع ملتا آپ تعلیم دیتے۔ خواہ وہ مسجد ہو سفر ہو یا حضر ہو۔ تعلیم کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

3۔ مختلف اقسام کے لوگوں کو تعلیم دینا: آپؐ نے تعلیم کو کسی گروہ یا جماعت کے لئے مخصوص نہیں فرمایا بلکہ آپ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو تعلیم دیتے تھے۔ مثلاً اہل خانہ، چچا، چچازاد بھائی، چچازاد بہنیں، ساتھی، جوانوں، بچوں، عورتوں، بدوؤں، بوڑھوں اور نو مسلموں کو تعلیم دینا احادیث سے ثابت ہے۔ (1)

1) پروفیسر فضل الٰہی (2012ء) نبی کریم بحیثیت معلم

4۔ میسر آنے والے مواقع سے تعلیم میں استفادہ: آپ ﷺ نے میسر آنے والے مختلف مواقع کو انتہائی عمدگی سے تعلیمی مقاصد کے لئے استعمال فرمایا۔

5۔ طالب علم کا خیر مقدم: آپؐ طلب علم کی غرض سے آنے والے طلباء کا پر جوش استقبال کرتے ہوئے خوش آمدید کہتے تھے۔

6۔ مخاطب لوگوں کو قریب کرنا: آپؐ اس بات کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے کہ دوران تدریس صحابہ کرامؓ اور طلبا آپ کے قریب بیٹھیں۔

7۔ نبی کریمؐ اور مخاطبین کا ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہونا: آپؐ سلسلہ تعلیم میں تاثیر پیدا کرنے کے لئے اپنا رخ اور توجہ شاگردوں کی طرف فرماتے تھے اور شاگردوں کی نگاہیں آپ پر مرکوز ہوتی تھیں تا کہ اس توجہ سے تدریس بہتر ہو سکے۔

8۔ بات کرنے سے پہلے لوگوں کو خاموش کرانا: آپؐ بات کا آغاز کرنے سے پہلے لوگوں کو خاموش کرواتے تھے تا کہ وہ آپ کی بات دھیان سے سن سکیں اور تعلیم و تعلم میں کوئی رکاوٹ نہ آئے۔

9۔ شاگردوں کو نام کنیت یا لقب سے پکارنا: آپؐ کی سیرت طیبہ سے ثابت ہے کہ آپ اپنے شاگردوں کو ان کے نام کنیت یا لقب سے پکارتے تھے۔اس سے طلباء کی توجہ مرکوز ہوتی اور وہ خوشی محسوس کرتے۔آپؐ نے بعض دفعہ مخاطب کو ایک بار اور بعض دفعہ دو یا تین، بار نام لے کر مخاطب فرمایا۔مثلاً ابو! تراب، یا ابی بن کعب یا معاذ بن جبلؓ۔

10۔ شاگردوں کے بعض اعضائے جسم کو چھونا: دوران تعلیم انس کے اظہار کے لئے آپؐ نے حضرت ابوہریرہ کا ہاتھ تھاما۔حضرت ابن مسعود کی ہتھیلی کو دونوں ہاتھوں میں لیا، حضرت ابن عمر کے شانے کو تھپتھپایا۔ابن عباس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔تا کہ ان سے یک گونہ محبت اور اُنس کا اظہار ہو جائے۔

11۔ تنبیہ اور اظہار تعلق کے لئے ضرب لگانا: آپؐ اپنے شاگردوں کو بعض اوقات متوجہ کرنے کے لئے اور اظہار مؤدت کے لئے ہلکی سی ضرب لگاتے مثلاً حضرت عباسؓ کے سینہ پر اور حضرت علی کو ہلکی سی ضرب لگانا ثابت ہے مگر اس کا مطلب کسی قسم کی سزا نہیں بلکہ بے تکلفی پیدا کرنے کا ایک انداز ہے۔

12۔ شاگردوں کے لئے دعا: آپؐ اپنے شاگردوں کے بارے میں ازخود یا ان کی درخواست پر ان کے علم اور خیر کے لئے دعا فرماتے تھے۔

13۔ گفتگو میں وضاحت اور ٹھہراؤ: آپؐ کی گفتگو میں ٹھہراؤ اور وضاحت ہوتی تھی۔ آپؐ تیز نہیں بولتے تھے۔ تاکہ ہر سننے والا آپ کی بات کو اچھی طرح سمجھ سکے۔

14۔ بات کا اعادہ کرنا: آپؐ دوران تعلیم کثرت سے بات کو دہرایا کرتے تھے۔ اس کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں۔

i) فرمائش پر بات دہرانا۔

ii) بلا طلب ایک ہی مجلس میں بات کا دہرانا۔

iii) بلا طلب متعدد مجالس میں ایک ہی بات کا دہرانا۔

اس طرح آپ سے ایک بات کو دو، تین اور سات مرتبہ تک دہرانا ثابت ہے۔

15۔ اشاروں کا استعمال: دوران تعلیم آپؐ متعلقہ موضوع سے متعلق مناسب اشارات کا استعمال فرمایا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں آپ نے انگلیوں سے اشارہ فرمایا۔ ہاتھ کی انگلیوں کو قینچی بنا کر اشارہ فرمایا، دو انگلیوں کے ساتھ اشارہ فرمایا اور گدی پر ہاتھ کو پھیلا کر دکھایا۔

16۔ لکیروں اور شکلوں کا استعمال: آپؐ بسا اوقات مسائل کو سمجھانے کے لئے خطوط کھینچ کر اور مختلف شکلیں بنا کر وضاحت فرمایا کرتے تھے۔

17۔ مثالیں بیان کرنا: آپؐ تعلیم و تربیت کی غرض سے مثالیں بیان فرمایا کرتے تھے مثلاً ذکر الٰہی کرنے اور نہ کرنے والے کی مثال، نیک اور برے دوست کی مثال، مومن اور منافق کی ابتلاء کے اعتبار سے مثال اور منافق کے تردد کی مثال احادیث سے ثابت ہیں۔

18۔ تعلیم بالعمل: آپؐ جو تعلیم دیتے تھے۔ اس پر عمل بھی کرتے تھے اور باقاعدہ عمل کر کے اپنے شاگردوں کو دکھاتے تھے۔ آپؐ اپنی تعلیمات کا عملی نمونہ تھے۔ آپؐ نے پوری زندگی کوئی ایسی بات نہیں کہی جس پر عمل نہ کیا ہو۔

19- اصولِ تقابل: تفہیم درس میں آپ ممد و معاون باتوں میں اضداد کے درمیان تقابل فرمایا کرتے تھے۔ آپؐ اس اسلوب کو کثرت سے استعمال فرماتے۔ مثلاً دنیا و آخرت کے درمیان تقابل۔

20۔ پہلے اجمال پھر تفصیل: آپؐ طلباء کی توجہ مبذول کروانے کے لئے ان کے شوق کو انگیخت کرنے اور معلومات کو اچھی طرح ذہن نشین کروانے کے لئے آپ پہلے اجمالاً اور بعد میں تفصیلاً بیان فرماتے۔

21۔ اسلوب استفہام: آپؐ دوران تعلیم سامعین کو متوجہ کرنے کے لئے اور بات کی تاکید کے لئے اسلوب استفہام کو ضرور مدنظر رکھتے اور سوال سے طلبہ کی توجہ حاصل فرماتے تھے۔

22۔ طلبہ سے استفسار: آپؐ طلباء میں غور وفکر کی عادت ڈالنے کے لئے انہیں تنبیہ کرنے اور بات سمجھانے کے لئے شاگردوں سے استفسار ضرور کرتے۔

23۔ قابل شرم باتوں کا کنایۃً ذکر کرنا: آپؐ سراپا حیا تھے۔ آپ پردہ نشین دوشیزہ سے بھی زیادہ شرمیلے تھے۔ دوران تعلیم قابل شرم بات کا اظہار رمز وکنایہ سے فرماتے۔

24۔ ضروری باتوں کی تعلیم میں نہ شرمانا: آپؐ خواتین و حضرات کو ضروری دینی تعلیمی باتیں ضرور سکھاتے۔ مثلاً قضائے حاجت، غسل وغیرہ کے مسائل۔

25۔ سوال کرنے کی اجازت: آپؐ کسی بھی طالب علم کو سوال کرنے سے نہ روکتے تھے بلکہ سوال کو خوشدلی سے سنتے اور جواب دیتے تھے۔

26۔ عمدہ استفسار کی تعریف: آپؐ اچھے سوال کو پسند کرتے اور سوال کرنے والے کی تعریف فرماتے تھے۔

27۔ جواب میں تشبیہ کا استعمال: آپؐ بسا اوقات جواب میں تشبیہ سے کام لیتے تھے۔

28۔ سوال سے زیادہ جواب: آپؐ سوال کرنے والے کی حاجت اور ضرورت کو مدنظر رکھتے تھے اور پوچھی گئی بات سے بعض اوقات زیادہ بھی بتا دیا کرتے تھے۔

29۔ نامعلوم بات کے جواب میں خاموشی: آپؐ سے کسی ایسی بات کے بارے میں دریافت کیا جاتا۔ جس کا آپ کو علم نہ ہوتا تو آپؐ خاموشی اختیار فرماتے۔

30۔ بے کار اور باعث مشقت سوال پر ناراضی: آپؐ فضول سوالات اور ان کے کرنے میں تکلف کو پسند فرماتے تھے اور ایسے سوال پر خفا ہوتے جو امت کے لئے مشقت کا سبب بنے۔

31۔ اچھی طرح سمجھنے کی خاطر سوال وجواب کی اجازت: آپؐ علمی مسائل کو سمجھنے اور انہیں

ذہن نشین کروانے کے لئے سوال و جواب کی اجازت عنایت فرماتے۔

32۔ طلبہ کو یاد دہانی کرانے کی اجازت: آپؐ نے صحابہ کرام کو اجازت دے رکھی تھی کہ وہ آپ کے بھول جانے کی صورت میں یاد دہانی کروائیں۔

33۔ اپنی موجودگی میں شاگرد کو تعلیم و تربیت کا موقع دینا: آپؐ اپنی موجودگی میں شاگردوں کو تعلیم و تربیت کی غرض سے بات کرنے کی اجازت دیتے تھے۔

34۔ شاگرد کو سبق دہرانے کا موقع دینا: آپؐ اپنے طلبہ کو سکھائی ہوئی بات دہرانے کا موقع عطا فرماتے۔

35۔ تواضع: آپؐ اپنے صحابہ کی بہترین انداز میں تواضع فرماتے ان کے قیام و طعام میں کوئی دقیقہ فرد گزاشت نہ کرتے۔

36۔ لطف و شفقت سے تعلیم: آپؐ طلبہ کے ساتھ شفقت و عنایت اور انتہائی لطف و کرم کے ساتھ معاملہ فرماتے۔

37۔ کسی شخص سے غیر متوقع غلطی پر اظہار خفگی: آپؐ کسی طالب علم سے جب ایسی غلطی سرزد ہو جاتی جس کی اس شخص سے توقع نہ ہوتی تو آپ اظہار خفگی فرماتے اور غلطی پر ٹوکتے تھے۔

38۔ ذہین و فطین شخص کی کوتاہ فہمی پر غصہ: جب کوئی صحابیؓ کسی آسان بات کو سمجھ نہ پاتا، جس کا سمجھنا اس کے لئے مشکل نہ ہوتا تو آپؐ اس موقع پر خفگی کا اظہار فرماتے۔

39۔ فقیر طلباء کو اپنی ذات اطہر اور اہل خانہ پر ترجیح: آپؐ اپنے فقیر و غریب شاگردوں کو اپنے نفس پاک اور اپنے اہل خانہ پر ترجیح دیتے تھے۔ اس سلسلہ میں اہل صُفہ کی مثال واضح ہے۔

40۔ طلبہ کی صلاحیتوں کا ادراک: آپؐ اپنے صحابہ کی صلاحیتوں اور ان کے باہمی مراتب سے خوب آگاہ تھے اور ان میں ہر ایک کے ساتھ اس کی حیثیت و مرتبہ کے مطابق معاملہ فرماتے۔

41۔ طلباء کے حالات کو پیش نظر رکھنا: آپؐ اپنے طلباء کے حالات اور کیفیات اور انہیں درپیش مسائل کو سمجھتے اور مدنظر رکھتے تھے۔

42۔ لائق شاگردوں کی عزت افزائی: آپؐ لائق شاگردوں کی حوصلہ افزائی فرماتے ان کے علم و عمل میں اضافہ کی کوشش فرماتے تھے۔

43۔ طلباء پر اپنے اقوال و افعال کے اثرات کو پیش نظر رکھنا: آپؐ ارشاد و تلقین پر اکتفا نہ فرماتے۔ بلکہ اپنے ارشادات اور اعمال کے طلباء پر اثرات کو بھی پیش نظر رکھتے تھے۔

44۔ طلبہ کی غیر حاضری کا نوٹس لینا: آپؐ طلباء کے حضور و غیاب کا بھی نوٹس لیا کرتے تھے۔ غیر حاضری کے اسباب جاننے کی کوشش فرماتے تھے۔

45۔ آسانی کرنے والے معلم: آپؐ اپنے طلباء کو مشقت میں نہ ڈالتے بلکہ ان کے لئے آسانیاں پیدا فرماتے تھے۔

46۔ حسب استطاعت علم سیکھنے کی ترغیب: آپؐ نے حصول تعلیم کے لئے کوئی مخصوص مقدار یا کیفیت مقرر نہ فرما رکھی تھی۔ بلکہ آپ کا طرز مبارک یہ تھا کہ معلومات ضروریہ کے بعد ہر شاگرد جس قدر اور جس درجہ کی تعلیم حاصل کر سکے اس میں مدد فرماتے تھے اور ترغیب دیتے تھے۔

2.8.2) برصغیر میں عظیم تبدیلی لانے والے رول ماڈل اساتذہ

داتا گنج بخش کا اصل نام شیخ ابوالحسن علی ہجویری تھا۔ آپ 1009ء کو افغانستان کے گاؤں ہجویر میں پیدا ہوئے جو غزنی کے نواح میں ہے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد علمی پیاس بجھانے کے لئے اس دور کے معروف علمی ملکوں، ترکستان، ایران اور عراق کا رخ کیا۔ بزرگوں کی صحبت میں بیٹھے، صرف خراسان میں تین سو علماء کے درس میں حاضری دی اور علم حاصل کیا۔

اس زمانے میں لاہور میں علماء کتب خانوں اور تعلیمی اداروں کی کمی تھی یہاں تشریف لائے تو لاہور علاقہ کوئی خاص اہمیت بھی نہیں رکھتا تھا یہاں آ کر غزنی خط تحریر فرمایا تو اس میں لکھا کہ ''لاہور در نواح ملتان است''۔

ابتدا میں صبر کیا، محنت کی، دوستوں سے دوری اختیار کی اور اللہ کا نام لے کر دین کی تعلیم کا اہتمام کیا۔ ایک مسجد تعمیر کروائی اور اس میں تبلیغ و تعلیم کا کام شروع کر دیا۔ بہت سے لوگ مسلمان ہوئے حتیٰ کہ لاہور کا حاکم راجو رائے بھی مسلمان ہو گیا بعد میں جس کا نام شیخ ہندی رکھا۔ آپ کی تصانیف میں کشف المحجوب مشہور ترین کتاب ہے جس سے علم کے طالب آج بھی فیض حاصل کرتے ہیں۔

آپ کا انتقال 1072ء میں لاہور میں ہوا۔ آپ نے چالیس سال تک لاہور میں تبلیغ دین

اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا آپ کی وفات کے وقت تک لاہور کا تعلیمی ماحول یکسر تبدیل ہو چکا تھا۔ یہاں بہت سی مساجد، علمی مراکز، لائبریریاں، مسلم کمیونٹی اور علم دوست حضرات وجود میں آ چکے تھے۔ جن کے لئے یہ خطہ اور لاہور شہر حضرت داتا گنج بخش کا ممنون ہے۔ آج لاہور میں آنے والے مہمان داتا گنج بخش کے مزار پر فاتحہ خوانی کے لئے ضرور جاتے ہیں۔ قدیم دور میں اساتذہ اور علماء شہروں کی پہچان ہوا کرتے تھے۔ داتا گنج بخش شیخ علی ہجویری آج بھی لاہور شہر کی آن بان اور پہچان ہیں اور لاہور کو داتا کی نگری کہا جاتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے تو لاہور کو عروس البلاد کا لقب دیا۔ یہ سب شیخ علی ہجویری کے صبر اور محنت کا کمال ہے۔

آپ کے فرامین میں سے چند پیش خدمت ہیں۔

علم ہی کے ذریعہ سے انسان بڑے درجے حاصل کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ علم پر عمل بھی کرتا رہو۔

بیکار مباش کچھ کیا کر۔ تمام علوم میں علم دین کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اس کے بغیر انسان مکمل نہیں ہو سکتا۔

جس شخص کو خدا کا علم نہیں اس کا دل جہالت کی وجہ سے مردہ ہے اور جس کو اللہ کا عنایت کردہ علم حاصل نہیں اس کا دل نادانی میں گرفتار ہے۔

اثبات علم از کشف المحجوب

اللہ تعالیٰ علمائے ربانین کی صفت میں فرماتے ہیں کہ بلاشبہ اللہ کے بندوں میں سے علماء ہی اس کا خوف رکھتے ہیں۔ (1)

علم بے انتہا اور مختصر ہے۔ تمام علوم میں سے شریعت کے مطابق علم سیکھنا ضروری ہے۔ ضرورت کے مطابق علم نجوم، علم طب، علم حساب حاصل کرنا چاہئے۔ حق تعالیٰ غیر نافع علم کی مذمت فرمائی ہے۔ حضور نبی کریمؐ نے بھی بے منفعت علم سے پناہ مانگی ہے۔ (2)

لیکن علم کے حصول کے لئے عمل ایک اہم امر ہے۔ علم و عمل لازم و ملزوم ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بے عمل عالم آٹے کی چکی سے بندھے ہوئے اس گدھے کی مانند ہے جو کہ دن بھر

1) ص34		2) صفحہ 34

چلتا رہا مگر شام جہاں سے چلا وہیں تھا۔(1)

حضرت انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ "علماء کا خزانہ معلومات علم اور جہلا کا خزانہ محض روایات کا مذکور ہے علم سے دنیاوی جاہ وحشم کی خواہش کرنا جہالت ہے۔علم سے بڑھ کر بلند مرتبہ اور کوئی ہے ہی نہیں۔علم لطائف ربانی اور اسرار کو جاننے کا ذریعہ ہے۔علم اپنے نتیجہ کار میں عاجزی کے سوا کچھ نہیں ہے یہ عجز ہی بندے کو علم کی کُنہ یعنی تہہ تک پہنچا دیتا ہے۔(2)

مشائخ طریقت کسی طالب علم کو تین سال تک تعلیم ادب میں رکھ کر خدمت خلق، اطاعت حق اور خواہشات پر قابو پانا سکھائے۔(3)

طالب کو تمام احوال میں شرع اور علم کا ہیرو ہونا چاہئے کیونکہ سلطان علم، سلطان مال پر غالب اور اس سے افضل ہے۔آپ کے قول کے مطابق ہر پڑھا لکھا شخص اس وقت تک اسلامی اصولوں کے مطابق صحیح معنوں میں عالم نہیں کہلا سکتا جب تک اس کا عمل وکردار اسلامی شریعت کی عملی طور پر غمازی نہ کرتا ہو۔

لاہور میں آتے ہی داتا صاحب نے مسجد اور مدرسہ تعمیر کروایا پھر اپنی اور اپنے ساتھیوں کی رہائش کے لئے خانقاہ تعمیر کروائی اس کے بعد آپ نے تعلیم و درس کا آغاز کیا لاہور کے تقریباً تمام علماء وسرکاری افسروں کے بچے آپ کے درس میں پڑھتے تھے جب آپ نے دیکھا کہ سرکاری عمال کے بچوں اور ان سے تعلق کا دین کی تبلیغ پر برا اثر پڑ رہا ہے تو آپ صرف عوام وغربا کی تعلیم تک محدود ہو گئے ہندو آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔(4)

دارا شکوہ داتا صاحب کے حوالے سے رقمطراز ہے کہ آپ کی وجہ سے لاہور شہر بہت معظم و متبرک ہو گیا۔داتا صاحب کی کوششوں سے ایک ایسا محلہ آباد کیا گیا جس میں تین ہزار حفاظ کرام

1) صفحہ 34　　2) صفحہ 40

3) صفحہ 57۔ سید علی بن عثمان ہجویری، کشف المحجوب، ترجمہ محمد علی چراغ (2006ء) زبید سنز 40 اے اردو بازار لاہور

4) مصطفی جاوید، بزرگان دین کی برصغیر میں خدمات (2011ء) ٹریڈ سنٹر B-16 سید مودودی انسٹیٹیوٹ وحدت روڈ۔لاہور۔صفحہ 33

تیار کئے گئے تاکہ ہندوؤں میں قرآنی تعلیم پھیلائی جا سکے۔(1)

آپ غزنی میں ہی تھے کہ آپ کی علمی شہرت لاہور اور شمالی ہند تک پہنچ چکی تھی۔اس کا سبب ایک واقعہ ہے جو کہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان محمود کے آخری دور میں رام نارائن نامی ہندو فلاسفر غزنی آیا اس کی علمیت و روحانیت کا بہت چرچا ہوا۔ لاہور اور گردونواح کے علماء اس کے سامنے بے بس ہو گئے تھے لہٰذا وہ غزنی گیا۔وہاں بھی کچھ علماء اس کا مقابلہ نہ کر سکے بات جب نوجوان علی ہجویریؒ تک پہنچی تو آپ اس سے مقابلے کے لئے تیار ہو گئے اس وقت آپ کی عمر بیس سال تھی۔آپ کا ہندو فلاسفر سے علمی مباحثہ ہوا اس مباحثے میں وہ علی ہجویریؒ کے علم انداز گفتگو اور کردار سے اس قدر متاثر ہوا کہ نہ صرف ہار مانی بلکہ ان کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ اس کارنامہ سے متاثر ہو کر سلطان محمود غزنوی نے آپ سے مصافحہ کیا۔(2)

آپ بے تعصب اور عمدہ اخلاق کے مالک تھے۔ بھاٹی دروازے کا نام بدل کر آپ کے شیدائیوں نے ہجویری دروازہ رکھ دیا۔ ہندوؤں نے جو کہ بھٹی قوم سے تعلق رکھتے تھے اس پر واویلا کیا بات ہندو نائب گورنر راجہ جے سنگھ اور اس کے افسران تک پہنچی اس سلسلہ میں ایک میٹنگ بلائی گئی جس میں داتا صاحب نے کہا کہ دروازے کا نام بھاٹی دروازہ ہی رہنے دو کیونکہ اس پر بھٹی قوم کا زیادہ حق ہے۔اس سلوک سے بھٹی قوم کے ہندو مسلمان ہو گئے اور ہندو راجہ جے سنگھ اور ہندو افسران بھی مسلمان ہو گئے۔اس کے بعد بہت لوگ اسلام لائے۔ایک اندازے کے مطابق لاہور کی آدھی آبادی نے آپ کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔(3)

2.8.3) شاہ ولی اللہ دہلوی

آپ کے دور میں مسلم معاشرہ زوال کا شکار تھا۔آپ نے علمی، سیاسی، معاشی، معاشرتی حوالہ سے مسلم معاشرے کی بہتری کیلئے کام کیا۔آپ مدرسہ رحیمیہ کے نامور اُستاد تھے۔آپ برصغیر کے آخری عالم ہیں جو فرقہ پرستی سے پاک تھے۔

---

1) داراشکوہ۔سفینۃ الاولیاء۔لائبریری قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد صفحہ 164

2) داراشکوہ۔سفینۃ الاولیاء۔لائبریری قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد صفحہ 29

3) مصطفی جاوید۔.......... صفحہ 34

آپ کو شاہ کا لقب دیا گیا جو روحانی بزرگوں، دنیاوی بادشاہوں اور عقیدت کی بناء پر دیا جاتا ہے۔ (1)

آزاد خیال مفکر انقلاب آفریں مصلح، برصغیر کے افق کو بہت حد تک متاثر کیا۔ آپ پر قاتلانہ حملہ مسجد فتحپوری سے نکلتے ہوئے کیا گیا۔ آپ نے مدرسہ رحیمیہ میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ نو مغل بادشاہوں کا زمانہ دیکھا۔

دور جس میں تشریف لائے، اس وقت مرہٹے، انگریز، نظام، (غدار) موجود تھے۔ محب وطن لوگوں میں ٹیپو سلطان، سراج الدولہ، حافظ رحمت روہیلہ جیسے لوگ ملک کے تحفظ کے لئے کوشاں تھے۔ آپ نے انقلابی سوچ دی۔ احمد شاہ ابدالی کو بلا کر مرہٹوں کو شکست دی مگر سیاسی خلا کو مسلمان پر نہ کر سکے اور حکومت انگریز کے پاس چلی گئی آپ کے نظریات پیش خدمت ہیں۔

اقتصادی واصلاحی نظریات

طریقہ انقلاب: پیشہ ورفوجی نہیں بلکہ ایثار پیشہ رضا کار کے ذریعے انقلاب لایا جاسکتا ہے۔

دولت کی اصل بنیاد محنت ہے۔ (2)

تقسیم دولت کا صحیح نظام، محنت کی صحیح قیمت کی ادائیگی، محنت کی قیمت امداد باہمی کے اصول پر ہو، کام کے اوقات محدود تا کہ اخلاقی وروحانی اصلاح کے لئے وقت مل سکے، تعاون باہمی پر تجارت ہو، ناجائز ٹیکس سے گریز کیا جائے، محدود گردش دولت کی مخالفت کی، شاہی نظام کے بجائے مساویانہ نظام، (حجتہ اللہ البالغہ، البدور، البازغہ) کا درس دیا۔

سیاسی اصلاحات: زمین کا حقیقی مالک اللہ ہے سارے انسان برابر ہیں مالک الملک مالک الناس مالک قوم کا تصور انسانی حاکموں کے لئے درست نہیں ہے۔

سربراہ ریاست: متولی وقف کی طرح ہے، وظیفہ لے سکتا ہے۔

بنیادی حقوق کا تصور: روٹی، کپڑا، مکان کا حق، استطاعت نکاح وبچوں کی تربیت، پیدائشی

1) ص 15، محمد میاں

2) حجتہ البالغہ، البدور البازغہ، صفحہ 6۔ محمد میاں

حقوق ہیں۔ عدل وانصاف، تحفظ جان ومال، تحفظ ناموس، حق ملکیت، حقوق شہریت میں مساوی سلوک ہونا چاہئے۔ فرقہ پرستی سے مادرانظام ہو، عدل وانصاف، جہاد وجذبہ فدائیت اور سچائی دین کے بنیادی اصول ہیں۔ آپ نے سونے چاندی کے انباروں سے زیادہ خطرناک اس طرز زندگی کو قرار دیا جو امیر وغریب میں تفاوت قائم کرتا ہے۔

جہاد کا نہ صرف درس بلکہ اسلامی نظام کے تابع اور ذاتی غرض سے پاک ہونے کا تصور دیا۔ اس کے لئے خاص تربیت لازمی ہو، فک کل نظام کی اصطلاح ایجاد کی۔

2.8.4) شمس العلماء شبلی نعمانیؒ

شمس العلماء علامہ شبلی نعمانیؒ راجپوت نسل سے تھے۔ لہٰذا ان میں اس نسل کی خودداری، غیرت، زود حسی، اولوالعزمی، قبیلہ پروری اور جنگجوئی جیسی صفات بدرجہ اتم موجود تھیں۔ (1)

شبلی کے مورث اعلیٰ جنہوں نے اسلام قبول کیا ان کا نام شیوراج سنگھ جی تھا۔ ایک دن شیو راج سنگھ جی کو شدید گرمی کے موسم میں صبح نہار منہ علاقہ کی زمینداری پر کسی ضرورت سے جانا پڑا۔ اتفاقاً دیر ہوگئی دوپہر کو کئی میل کی مسافت دھوپ میں طے کر کے مکان پر پہنچے، بھوک پیاس سے بے تاب ہو رہے تھے، گھوڑے سے اترتے ہی سیدھے چوکے (باورچی خانہ جس پر ہندو گائے کے گوبر کا لیپ کرتے ہیں اور پوتر یعنی پاک سمجھتے ہیں) میں چلے گئے یہ خیال نہ رہا کہ جوتیاں باہر اُتار دیں۔ اُن کی بڑی بھاوج جو چوکے میں ان کا انتظار کر رہی تھیں اور جیسا کہ ہندو مستورات کا دستور ہے اب تک بے آب ودانہ (بھوکی) تھیں بگڑ کر بولیں "کیا نرے ترک ہی ہو گئے ہو جوتے پہنے چوکے میں چلے آئے اور سارا کھانا بھرشٹ کر ڈالا"۔ یہ بھی ٹھہرے آخر راجپوت، ان کو بات کی برداشت کہاں، وہ بھی ایسا شدید طعنہ اور عورت کے منہ سے۔ شیوراج سنگھ جی نے بھاوج کے فقرے سنتے ہی کہا، ہم کو ترک ہونے کا طعنہ دیا جاتا ہے تو سچ مچ ترک ہوئے جاتے ہیں۔

اسی وقت گھر سے نکلے اور موضع خانقاہ کی مسجد میں جا کر نہ صرف اپنی تشنگی بجھائی بلکہ دین حق کے آب حیات سے سیراب بھی ہوئے اور سراج الدین اسلامی نام قرار پایا۔ (2)

1) یادگار شبلی، ص 12 2) یادگار شبلی۔ صفحہ 18_19

یہ خاندان دنیاوی طور پر تو معزز تھا ہی، انہی سراج الدین کے پوتے کو مذہب علم اور اسلامی خدمات کی بناء پر ان کے مرشد نے بیعت کی اجازت دی اور شیخ کے معزز لقب سے سرفراز فرمایا۔ اس وقت سے اس خاندان کے لوگ خطابی طور پر شیخ کہلانے لگے۔

شبلی کے والد شیخ حبیب اللہ اعظم گڑھ کے رئیس چوٹی کے وکیل، خوشحال زمیندار اور کارخانہ دار تھے۔ والدہ کا تعلق انصاری شیخ خاندان سے تھا جو کہ عابدہ، زاہدہ اور متوکل خاتون تھیں۔ شبلی کے والد کی دوسری شادی کی وجہ سے گھریلو ماحول کشیدہ رہا۔ والد انگریزی تعلیم دلانا چاہتے تھے مگر والدہ دینی تعلیم کے حق میں تھیں۔ یہ قدیم اور جدید کی کش مکش شبلی کی ساری زندگی پر محیط رہی۔

شبلی کے مشہور اساتذہ میں مولانا محمد فاروق چریا کوٹی، مولانا ارشاد حسین مجددی لکھنو، مولانا فیض الحسن سہارنپوری، استاد اورینٹل کالج لاہور تھے۔ ان اساتذہ کے بارے میں شبلی خود لکھتے کہ وسعت نظر، اجابت رائے، مجتہدانہ ژرف نگاہی، کمال فہم وادارک اور قوت تفقہ ان کا خاص امتیاز تھا۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ شبلی میں بھی یہ خوبیاں موجود تھیں۔

شبلی نے ابتدائی تعلیم اعظم گڑھ وغازی پور میں حاصل کی، پھر لکھنو گئے اور پھر اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور میں داخلہ کے لئے آئے۔ اس سفر کے لئے والد راضی نہ تھے۔ (1)

مگر والدہ کے کہنے پر سفر کیا اور رینٹل کالج میں داخلہ نہ مل سکا۔ لاہور جب آئے تو صرف دس روپے پاس تھے ان دس روپوں سے دو ماہ بڑی مشکل سے گزارہ کیا۔ (2)

کالج میں تو داخلہ نہ ہو سکا۔ مولانا فیض الحسن سہارنپوری سے کالج اوقات کے بعد بھی وقت نہ ملا مگر شبلی جیسے فنافی العلم کے لئے کوئی رکاوٹ مانع نہ تھی جب بہت اصرار سے گزارش کی تو مولانا فیض الحسن نے فرمایا کہ میری رہائش سے کالج تک کی مسافت طے کرنے میں جو وقت صرف ہوتا ہے وہی دیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ شبلی صبح سویرے استاد کے دروازہ کے باہر منتظر ہیں اور استاد وشاگرد پیدل جا رہے ہیں اور درس جاری ہے۔ کچھ عرصہ بعد گرمیوں کی چھٹیاں آگئیں تو شبلی بھی استاد کے ساتھ ہی سہارنپور چلے گئے تا کہ ناغہ نہ ہو۔

1) یادگار شبلی بحوالہ اقبال احمد سہیل الاصلاح نومبر 1936ء صفحہ 52،51

2) یادگار شبلی، ص36،35

1876ء میں شبلی حج پر گئے تو رسمی تعلیم کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ حج سے واپسی پر والد کے اصرار پر تلاش روزگار شروع ہوئی، دو جگہ سرکاری ملازمت کی مگر پسند نہ آئی، کاروبار اور وکالت سے بھی متنفر تھے، شروع کر کے دونوں کام چھوڑ دیئے۔

1882ء میں علی گڑھ کالج میں اسسٹنٹ پروفیسر عربی کی آسامی نکلی، شبلی نے بھی اپلائی کیا۔ اس سلسلہ میں ان کے انٹرویو کا واقعہ بڑا دلچسپ اور آج کے اساتذہ کے لئے سبق آموز ہے۔ شیخ اکرام نے تحریر فرمایا ہے کہ:

شبلی پہلے دِن انٹرویو دینے علی گڑھ کالج میں گئے تو انہیں کالج کی لائبریری میں بٹھا دیا گیا اور بتایا گیا کہ سرسید مصروف ہیں۔ آپ انتظار فرمائیں۔ شبلی نے کتابوں کی الماریوں کو دیکھنا شروع کیا۔ کتابیں مقفل تھیں، باہر سے دیکھتے رہے۔ شام کو کہا گیا کل آیئے گا۔ دوسرے دن گئے تو چند کتابیں میز پر پڑی تھیں، انہیں پڑھتے رہے، شام کو پھر کہا گیا آج بھی سرسید مصروف ہیں کل آیئے گا۔ اگلے دن گئے تو الماریاں کھلی تھیں۔ شبلی کتابیں نکال کر پڑھتے رہے۔ شام کو کہا گیا کہ کل آ کر بطور اسسٹنٹ پروفیسر جوائن کر لیں۔ شبلی نے پوچھا کہ انٹرویو؟ تو کہا گیا کہ لائبریری میں آپ کو بٹھا کر آپ کا انٹرویو ہی تو لیا گیا ہے۔ (1)

علی گڑھ میں شبلی کی نئی علمی زندگی کا آغاز ہوا۔ سرسید اور پروفیسر آرنلڈ سے انہوں نے بہت کچھ سیکھا۔ کالج کی لائبریری سے ان کی رسائی جدید علم اور تحقیق تک ہو گئی جس سے قدیم عربی مدارس محروم تھے۔ (2) شبلی علی گڑھ میں سرسید کے گھرا ن کے ساتھ ٹھہرے اور علمی طور پر دونوں نے ایک دوسرے کو متاثر کیا۔ خاص طور پر سرسید نے جو تفسیر لکھی۔ اس میں مولانا عنایت رسول چڑیا کوٹی سے کچھ مباحث میں مدد لی اور پھر شبلی سے بھی کچھ مباحث پر گفتگو کے حوالہ سے شیخ اکرام تیقین کا اظہار کرتے ہیں۔ (3)

---

1) یادگار شبلی صفحہ 81

2) یادگار شبلی صفحہ 97

3) یادگار شبلی صفحہ 97 تا 99

سرسید کے تصنیفی اور دوسرے قومی کاموں میں شبلی نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ لائبریری میں مطالعہ اور میٹریل کی تلاش میں بہت سرگرمی دکھائی۔ گو شبلی کے والد دولت مند تھے مگر شبلی نے عسرت میں زندگی بسر کی۔ اس کے باوجود بے غرضی کا یہ عالم تھا کہ اس زمانے میں اپنی اکثر تصانیف کالج کو ہبہ کر دیں اور ان کی اشاعت سے کوئی مالی فائدہ نہیں اٹھایا۔ اس سلسلے میں شبلی کے طریق کار مالی معاملات میں سیر چشمی اور کالج اور قوم کے لئے ایثار پر سرسید کے ایک خط سے روشنی پڑتی ہے وہ نواب عمادالملک کو المامون کے پچاس نسخوں کی خریداری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

آپ نے جو کتابوں کو خرید فرمایا۔ غالباً آپ کو خیال ہوگا کہ گویا ایک اعانت مولوی شبلی کی ہے۔ مگر مولوی شبلی نے یہ کتابیں مع حق تصنیف وغیرہ کالج کی نذر کر دی ہیں ان کی قیمت یا منافع سے ایک پیسہ کا فائدہ انہوں نے حاصل نہیں کیا اور آئندہ جو کچھ وہ لکھ رہے ہیں کالج کے فائدے کے لئے لکھتے ہیں۔ اپنا ذاتی فائدہ ان کو مقصود نہیں۔ ایسے جاہل آدمی ہیں کہ انہوں نے چند نسخے المامون کے اپنے دوستوں کو بھیجنے چاہے۔ جس میں ہر چند اصرار کیا کہ جس قدر تمہارا دل چاہے لے لو ہر گز نہ مانا مجھ سے خرید کیں اور اپنے دوستوں کو بلا قیمت بھیجیں۔ (1)

1894ء میں سرسید نے شبلی کی قومی خدمات اور تصانیف کے پیش نظر خاص چھٹی لکھ کر گورنمنٹ کو سفارش کی کہ شبلی کو شمس العلماء کا خطاب دیا جائے چنانچہ اس تحریک پر سینتیس سال عمر میں مولانا کو یہ خطاب مل گیا۔

شبلی نے جہاں علی گڑھ کالج کو بہتر کرنے کی کوشش کی، طلبہ کے لئے یونین کلب کا قیام تحقیق و تصنیف، سرسید کی علمی و قومی کاموں میں مدد کی، وہاں ملکی و بیرونی ملک دورے کئے۔ اس سلسلہ میں شبلی نے پروفیسر آرنلڈ سے جو کچھ سیکھا اس کے علمی ذوق پر یادگار شبلی میں موجود ایک واقعہ اساتذہ اور اہل علم کے لئے پیش ہے۔ (2)

پروفیسر آرنلڈ علی گڑھ میں استاد تھے۔ شبلی سفرنامہ روم و مصر و شام میں ان کا ذکر کرتے ہیں کہ عدن سے روانہ ہوئے تو بحری جہاز کا انجن ٹوٹ گیا۔ شبلی گھبرائے اور بھاگے بھاگے آرنلڈ

---

1) خطوط سرسید صفحہ 138

2) یادگار شبلی صفحہ 196۔ سفرنامہ روم و مصر و شام صفحہ 16

صاحب کے پاس پہنچے وہ کتاب پڑھ رہے تھے ان سے کہا آپ کو کچھ خبر ہے۔ بولے ہاں انجن ٹوٹ گیا۔ شبلی نے کہا آپ کو کچھ اضطراب نہیں، بھلا یہ بھی کتاب دیکھنے کا موقع ہے فرمایا اگر جہاز کو برباد ہی ہونا ہے تو تھوڑا سا وقت بھی قدر کے قابل ہے۔ ایسے قابل قدر وقت کو رائیگاں کرنا بالکل بے عقلی ہے۔(1)

شبلی وہ استاد تھے جن کی اپنی تعلیم مدرسوں میں قدیم طرز کے مسلمان اساتذہ کے ذریعہ سے ہوئی۔ انتہائی محنتی اور مخلص تھے۔ شبلی کے والد کی ماہانہ آمدنی اس دور میں تیس ہزار روپے کے لگ بھگ تھی مگر علم کی لگن میں سو روپے ماہانہ پر تدریس سے وابستہ رہے۔ ایک وقت وہ بھی آیا جب تحریر و تحقیق کے لئے سر سید سے چھ ماہ کی چھٹی بغیر تنخواہ لی۔

شبلی نے بھرپور زندگی گزاری اس فنا فی العلم استاد کا ہر لمحہ علم اور قومی خدمت کے لئے وقف تھا۔ علی گڑھ کالج میں پروفیسر، مصنف، نیشنل سکول کے بانی ندوۃ العلماء کے ابتدائی ارکان میں سے تھے جس نے اردو میں شاندار تحقیقی و علمی لٹریچر مہیا کیا اور جس کے لئے شبلی نے بہت ایثار کا مظاہرہ کیا۔ سلطنت آصفیہ حیدر آباد دکن کے لئے تصانیف و ملازمت اور پھر دارالمصنفین اعظم گڑھ جیسے کارنامے ان کی بیاض زندگی کا حاصل ہیں۔

شبلی نے اپنی زندگی میں بہت لکھا اور خوب لکھا۔ ان کی مشہور کتب میں المامون، سیرت النعمان، الفاروق، سفرنامۂ روم و مصر و شام، مسلمانوں کی گزشتہ تعلیم، مختلف کتب کی ترامیم، کتب خانۂ سکندریہ، الجزیہ، رسائل شبلی، شعر العجم، الکلام اور علم الکلام اور آخر میں سیرت النبیؐ جیسی شاہکار تصنیف شامل ہے۔

شبلی نے خوشحال زندگی نہیں گزاری۔ آخر عمر میں عارضۂ قلب میں مبتلا ہو گئے۔ ایک ٹانگ کٹ گئی۔ علی گڑھ کالج کی ملازمت چھوڑ دی۔ ندوۃ العلماء مخالفین نے چھڑوا دیا۔ ذاتی حویلی اور باغ جو کہ آخری اثاثہ تھا، دارالمصنفین کے لئے وقف کر دیا اور اس حالت میں سیرت النبی کی ڈیڑھ جلد مکمل کی۔ باقی سیرت علامہ کے شاگردوں نے لکھی مگر اس سیرت کا معیار انتہائی اعلیٰ اور انداز دل موہ لینے والا ہے۔ جس محنت، دقتِ نظر، وسیع علمیت، غور و فکر، حسن استدلال اور ادبی

1) ص196

شان سے یہ کتب لکھی گئی ہے، پڑھ کر دل سے بے اختیار دعا نکلتی ہے کہ:

خدا رحمت کنند ایں عاشقان پاک طینت دا

شبلی سخت مزاج اور اکل کھرے تھے، لہٰذا ان کے دوستوں کے علاوہ مخالفین بھی خاصی معقول تعداد میں موجود تھے۔ مگر بقول سید سلیمان ندوی، دولت کی بے قدری، استغنا اور بے نیازی، خودداری، سفارشوں میں احتیاط، نفاست پسندی، عصبیت دینی اور پابندی اوقات ان کی خاص خوبیاں تھیں۔

شیخ اکرام ان کے بارے میں رائے دیتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

"عظیم ذہنی صلاحیتوں اور دین وقوم کے لئے بڑی قربانیوں کے علاوہ مولانا کی ہمت استقلال اور مسلسل جدوجہد لائق صد داد ہے۔ اُن کے آخری آیام بڑی مایوسیوں اور دردناک ذاتی مصائب کے تھے۔ بھائی کی وفات، صحت کی خرابی، سیاسی ارمانوں کی تباہی، کفر کے فتوے، مولویوں کی منظم مخالفت اور سب سے بڑھ کر ندوۃ العلماء سے جو عمر کے آخری دس سالوں میں ان کی آرزوؤں کا مرکز تھا ہار کر علیحدہ ہونا لیکن کیا اس مرد باہمت نے ہتھیار ڈال دیئے؟ وہ آخری لمحوں تک اپنے ارادوں کی تکمیل کے لئے کوشاں رہے اور مرتے مرتے بھی دارالمصففین جیسے بارآور ادارے کا سامان کر گئے۔

علامہ شبلی نعمانی ہمارے دورِ زوال و غلامی کے ان یادگار اساتذہ میں سے ہیں جن کے ہاں مغرب سے مرعوبیت کا عنصر نہیں پایا جاتا۔ جنہوں نے اپنا وقت، تن، من، دھن، سب کچھ قوم پر نچھاور کر دیا۔ وہ قدیم مدارس کے خاتمے کے نہیں بلکہ فقہ منطق، صرف ونحو کے ساتھ انگلش زبان کو شامل کرنے اور دینی تعلیم کو جدید بنانے کے بجائے مضبوط بنانے کے حامی تھے۔

سرسید اور علامہ شبلی اپنے اسلاف اور خلفاء راشدین کو ہیروز آف اسلام کے بجائے فادرز آف اسلام بنانے کے حق میں تھے۔

آپ نے ذاتیات کے بجائے قوم کے لئے کام کیا اور آج کے اساتذہ کے لئے ایک عمدہ مثال چھوڑ گئے۔ رول ماڈل کے طور پر ان کا مطالعہ اساتذہ کے لئے اہم ہے۔

2.8.5) شمس العلماء مولوی ذکاء اللہؒ

آپ کا خاندان حفاظ کا خاندان تھا اور اپنے وقت کے بلند مرتبت علماء و صلحاء میں شمار ہوتا تھا۔ یہ خاندان عرصہ دراز سے امیر تیمور گورگانی کے شاہی گھرانے کا اتا بک (معلم و اتالیق) رہا ہے۔(1) بعد میں دہلی میں شاہی گھرانے کے معلم کی حیثیت سے آپ کے دادا اور باپ نے 1857ء تک کام کیا۔

مولوی ذکاء اللہ کے دادا حافظ محمد بقا اللہ اپنے تقوے اور دین داری کے لئے دہلی بھر میں مشہور تھے۔ 72 برس تک متواتر وہ شاہی مسجد میں نماز با جماعت ادا کرتے رہے اور ایک دن بھی ناغہ نہیں کیا اور نماز ہی کی حالت میں ان کا انتقال ہو گیا۔(2)

مولوی ذکاء اللہ کے والد حافظ ثناء اللہ دین دار و متقی انسان تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں کبھی دروغ گوئی نہیں کی اور نہ کسی سے غلط طرزِ عمل اختیار کیا۔ خدا پر بھروسے اور توکل کا یہ عالم تھا کہ کسی دولت مند کے سامنے ہاتھ پھیلانا تو درکنار کسی درویش سے دُعا تک کی التجا تک کو گوارہ نہ کرتے تھے۔ وہ مرزا کوچک کے اتالیق تھے۔ جو بہادر شاہ ظفر کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔

آپ نے چھ سال کی عمر میں گلستان سعدی پڑھنا شروع کر دی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر اور پھر دہلی کالج میں پڑھا اور یہیں ٹیچر کی حیثیت سے متعین ہو گئے۔(3)

آپ کا تقرر ریاضی کے استاد کی حیثیت سے ہوا۔ آپ نے 36 سال تک پڑھایا۔

ڈاکٹر وحید قریشی صاحب نے اردو کا بہترین ادب میں مولوی ذکاء اللہ پر حسب ذیل تعارفی نوٹ قلمبند فرمایا ہے۔

''دہلی کالج میں تعلیم پائی، معلمی سے ملازمت کا آغاز کیا۔ 1855ء میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس، 1866ء میں نارمل سکول دلی کے ہیڈ ماسٹر، میور سنٹرل کالج آلہ آباد میں پندرہ برس فارسی کے استاد رہے۔ 1885ء میں پنشن پائی۔(4)

---

1) مکارم الاخلاق، ص 3　　　2) ص 4

3) ص 11　　　4) ص 72

سرسید کو اس خاندان سے گہری وابستگی تھی، آپ کی کتاب تاریخ ہند سرسید نے مدرستہ العلوم کے نصاب کے لئے منظور کر لی تھی۔ آپ کے مشورہ پر ہی سرسید نے سائنسی کتابوں کے ترجمے اور سائینٹیفک سوسائٹی کی بنیاد رکھی۔ (1)

سرسید کی رہنمائی آپ نے فرمائی۔

ریٹائرمنٹ سے کچھ عرصہ قبل انہیں خان بہادر اور شمس العلماء کے خطابات دیئے گئے۔

مولوی ذکاء اللہ چونکہ مدرس تھے لہٰذا اس ضرورت کے تحت انہوں نے بہت کچھ لکھا۔ ترجمہ کے علاوہ تصنیف و تالیف پر بھی توجہ دیں۔ مولانا الطاف حسین حالی کے بقول ''ذکاء اللہ کی مثال بنئے کی دکان کی ہے جس نے جو چیز مانگی مل گئی''۔ (2)

''اردو کے مصنفین میں یہی ایک واحد شخص ہیں جن کی زبان نے ان کی تالیف و تراجم کے کم و بیش ستر ہزار صفحات میں ایک لفظ کے لحاظ سے بھی لغزش نہیں کی۔ جس دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر لکھتے تھے وہاں گڑھا پڑ گیا تھا۔

مولوی ذکاء اللہ نے کل 157 کتب لکھیں۔ تصانیف میں ان کا مقام و مرتبہ الطاف حسین حالی اور ڈپٹی نذیر احمد سے کم ہے مگر یہ واحد شخص ہیں جنہوں نے اساتذہ کی ضرورت کو مدنظر رکھ کر لکھا۔ انہوں نے اردو میں ریاضی پر ایک کتاب لکھی جو اتنی مقبول ہوئی کہ دلی میں صرف چار دن میں بک گئی۔ (3)

2.8.6) شمس العلماء مولانا سید میر حسن سیالکوٹیؒ

مجھے اقبال اس سید کے دامن سے فیض پہنچا ہے
پلے جو اس کے دامن میں وہی کچھ بن کے نکلے ہیں (4)

ہمارے قومی شاعر، مصور پاکستان علامہ ڈاکٹر محمد اقبال اپنی نظم التجائے مسافر میں سید میر

1) ڈاکٹر وحید قریشی۔ اردو کا بہترین انشائی ادب، مکتبہ میری لائبریری لاہور
2) اینڈریو، ص 134
3) اینڈریو، ص 104۔ سی این اینڈریو۔ مولوی ذکاء اللہ دہلوی، مترجم ضیاء الدین احمد برنی، تعلیمی مرکز کراچی
4) علامہ اقبال

حسن کا تذکرہ یوں فرماتے ہیں۔

وہ شمع بارگہ خاندان مرتضوی
رہے گا مثل حرم جس کا آستاں مجھ کو
نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی کلی
بتایا جس کی مروت نے نکتہ داں مجھ کو
دعا یہ کر کہ خداوند آسمان و زمیں
کرے پھر اس کی زیارت سے شادماں مجھ کو (1)

مولانا سید میر حسن سیالکوٹی علامہ اقبال کے وہ استاد تھے جنہوں نے اقبال کی صورت گری میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اقبال یہ تسلیم کرتے تھے کہ اقبال کو علامہ اقبال، شاعر مشرق اور سر بنانے میں ان کا حصہ ناقابل فراموش ہے۔ استاد اور شاگرد کی یہ مثال ارض پاکستان کے اساتذہ کے لئے نمونہ، رول ماڈل اور استاد شاگرد تعلقات کا اہم باب تصور کی جا سکتی ہے۔

مولانا سید میر حسن سیالکوٹی 8 اپریل 1844ء کو موضع فیروز والا ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ قرآن شریف کی تعلیم اپنے والد سید محمد شاہ صاحب سے حاصل کی۔ ابتدائی کتب مولانا شیر محمد صاحب سے پڑھیں۔ تیرہ چودہ برس کی عمر میں سید میر حسن حافظ اور مولوی بن گئے۔ سولہ سال کی عمر میں مشن سکول میں استاد مقرر ہوئے۔ جب مشن سکول کالج بن گیا تو اس میں السنہ شرقیہ کے پروفیسر بنے۔ تریسٹھ سال کی عمر میں بصارت سے محرومی کی وجہ سے ملازمت سے سبکدوش ہو گئے اور اسی سال 25 ستمبر 1929ء کو خالق حقیقی سے جا ملے۔ (2)

منشی سراج الدین مولانا کے متعلق تحریر کرتے ہیں:

”انہیں بلا مبالغہ علم شعر کا زندہ کتب خانہ کہا جا سکتا تھا۔ موقعہ اور محل پر عرب جاہلیت سے لے کر فارسی اور اردو کے استادوں کو لپیٹتے ہوئے وارث شاہ، فضل شاہ، بلھے شاہ اور حیدر علی کے کلام سے وہ وہ بے نظیر اشعار پیش فرماتے کہ ذوق صحیح کی روح فی الجملہ وجد میں آ جاتی

1) کلیات اقبال صفحہ 97
2) اقبال کے ممدوح علماء صفحہ 26

تھی۔ سعدی، حافظ، فردوسی، نظامی، خاقانی، انوری، عرفی، نظیری سے لے کر بیدل اور غالب تک تو ہاتھ باندھے موزونی طبع کے سامنے کھڑے ہی رہتے تھے، مگر ان کے علاوہ خالص سودیشی شعراء کا کلام بھی ایسے ہی حفظ تھا جیسے بعض یہود کو تورات اور مسلمانوں کو قرآن حفظ ہوتا ہے"۔ (1)

منشی صاحب کے گھر والے مکتب کا نقشہ پیش کرتے ہیں:

"صبح و شام جب اپنے بیت العلوم (مسکن) پر تشریف رکھتے تو گرد و پیش کے بوریے عجیب منظر پیش کرتے تھے۔ ایک طرف ایک جید مولوی صاحب کو تفسیر قرآن کے نکات سمجھاتے تھے تو دوسری طرف کسی دوسرے مولانا کو حدیث نبوی کا درس دیتے ہوئے چند عربی فارسی کے فضیلت خواہ طلبہ کے ساتھ چند "بالغ العلوم" اور "مالک العلوم" درجات کے طلباء کی مشکلات کو بھی اسی طرح حل فرماتے جاتے تھے کہ حضرت کا ایک ایک لفظ سننے والوں کے دل و دماغ پر برقی اثر پیدا کرتا جاتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ انہیں بلند درجہ طالبان علم کے ساتھ ساتھ ایک جماعت چھوٹے بچوں کی بھی بیٹھی نظر آتی تھی۔ کسی کے ہاتھ میں قاعدہ ابجد ہے، کوئی اردو کی پہلی کتاب سامنے رکھے بیٹھا ہے، کوئی قواعد بغدادی اور پارۂ عم کی الجھنوں میں گھرا ہوا ہے، ایک درویش صورت بزرگ ہیر وارث شاہ کا کوئی ادق مقام سمجھنے کے لئے چادر میں سر لپیٹے بیٹھے ہیں"۔ (2)

سر عبدالقادر "بانگ درا" کے دیباچے میں ان کے متعلق رقمطراز ہیں:

"سیالکوٹ میں ایک کالج ہے جس میں علمائے سلف کی یادگار اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے ایک بزرگ مولوی سید میر حسن صاحب علوم مشرقی کا درس دیتے ہیں۔ حال میں انہیں گورنمنٹ سے خطاب شمس العلماء بھی ملا ہے۔ ان کی تعلیم کا یہ خاصہ ہے کہ جو کوئی ان سے فارسی یا عربی سیکھے۔ اس کی طبیعت میں اس زبان کا صحیح مذاق پیدا کر دیتے ہیں۔ اقبال کو بھی ابتدائے عمر میں مولوی سید میر حسن جیسا استاد ملا۔ طبیعت میں علم و ادب سے مناسبت قدرتی

1) ص 26

2) نیرنگ خیال اقبال نمبر 1932ء صفحہ 72

طور پر موجود تھی۔ فارسی اور عربی کی تحصیل مولوی صاحب موصوف سے کی، سونے پر سہاگا ہو گیا"۔(1)

اقبال نے ابتدائی تعلیم مولانا سید میر حسن کے مکتب میں پائی۔ مولانا کے مشورے پر ہی انہیں مشن سکول میں داخل کرایا گیا اور وہاں بھی مولانا کے حلقہ درس میں رہے۔ بی اے کے لئے اقبال کو لاہور آنا پڑا لیکن مولانا سے تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رہا۔ اقبال جب کبھی موقع پاتے، سیالکوٹ آ کر مولانا سے اپنے شکوک رفع کراتے، مزید سبق لیتے اور مختلف علوم پر اپنے استاد کی ہدایت ورہنمائی سے غور وفکر کرتے۔ اقبال شعر گوئی کے سلسلہ میں بھی حضرت مولانا سے مشورے لیتے تھے۔(مثنوی رموز بے خودی)

مولانا سید میر حسن کے متعلق محمد عبدالرحمن شاطر مدراسی کے نام خط میں لکھتے ہیں:

"اگر آپ "اعجاز عشق" میرے کسی دوست کے نام ارسال کرنا چاہیں تو حضرت مولوی سید میر حسن صاحب پروفیسر عربی سکاچ مشن کالج سیالکوٹ کے نام ارسال کیجئے۔ یہ بڑے بزرگ، عالم اور شعر فہم ہیں، میں نے انہیں سے اکتساب فیض کیا"۔(2) اقبال ہمیشہ ان کی عظمت کا اعتراف کرتے رہے اور اس معاملہ میں حفظ مراتب سے غافل نہیں ہوئے۔

فقیر وحید الدین راوی ہیں کہ:

"میں نے اکثر دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب جب مولوی صاحب مرحوم کا ذکر کرتے تھے، ان کی آنکھیں پرنم ہو جاتی تھیں۔ اکثر کہا کرتے تھے کہ اسوۂ رسولؐ پر صحیح معنوں میں اگر کسی شخص کا عمل ہے تو وہ مولوی سید میر حسن سیالکوٹی ہیں۔ وہ اکثر مولوی صاحب کے ہاں کی پرلطیف صحبتوں کا ذکر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ان کے ہاں ہمیشہ اہل علم کی محفل جمی رہتی تھی اور گھنٹوں مختلف مسائل پر بڑی دلچسپ بحثیں ہوتی تھیں۔

ڈاکٹر صاحب اپنے استاد کا جس قدر احترام کرتے تھے اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا

1) کلیات اقبال صفحہ نمبر 10

2) خطوط اقبال صفحہ 73

ہے کہ انہیں مولوی صاحب کو اپنا کلام سنانے کی جرأت کبھی نہیں ہوتی تھی۔ ایک دفعہ کہنے لگے، زندگی بھر میں ان کے سامنے صرف ایک مرتبہ میری زبان سے ایک مصرع نکل گیا۔ وہ بھی اتفاقی طور پر مولوی صاحب کسی کام کے لئے گھر سے نکلے۔ ایک بچہ جوان کے عزیزوں میں تھا اور جس کا نام ''احسان'' تھا۔ ان کے ساتھ تھا۔ مولوی صاحب کہنے لگے، اقبال اسے گود میں اٹھا لو۔ میں نے اسے گود میں اٹھا لیا۔ کچھ دور جا کے میں تھک گیا۔ چنانچہ میں نے بچے کو تو ایک دکان کے تختوں پر کھڑا کر دیا اور خود ستانے لگا۔ مولوی صاحب اتنے میں بہت آگے نکل گئے تھے۔ ہمیں اپنے ساتھ نہ پایا تو الٹے پاؤں لوٹے اور میرے قریب آ گئے، فرمایا۔ ''اقبال! اس کی برداشت بھی دشواری ہے'' میری زبان سے بے اختیار نکل گیا۔ ''تیرا احسان بہت بھاری ہے''۔ (1)

1913ء کا واقعہ ہے۔ جب ڈاکٹر صاحب انار کلی والے مکان میں رہتے تھے۔ سید محمد عبداللہ ان سے ملنے کے لئے وہاں گئے۔ ڈاکٹر صاحب ان سے فرمانے لگے:

''عبداللہ جی! یورپ کا کوئی ایسا بڑا عالم یا فلسفی نہیں ہے۔ Oriental and occidental مستشرق یا مستغرب جس سے میں نہ ملا ہوں یا کسی نہ کسی موضوع پر بے جھجک بات نہ کی ہو لیکن نجانے کیا بات ہے۔ شاہ جی سے بات کرتے ہوئے میری قوت گویائی جواب دے جاتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کے کسی نقطہ نظر سے مجھے اختلاف ہوتا ہے لیکن دل کی یہ بات بآسانی زبان پر لا نہیں سکتا''۔ (2)

جب میکلیگن گورنر پنجاب نے حضرت علامہ کو ان کے خطاب کے لئے بلایا تو شمس العلماء کے خطاب کے لئے ان سے کوئی مناسب نام بھی پوچھا۔ حضرت علامہ نے فرمایا ''اس شرط پر بتاتا ہوں کہ اس کے بعد کسی اور نام پر غور نہ کیا جائے''۔ گورنر نے پہلے تو کچھ تامل کیا اور پھر کہا اچھا آپ نام بتایئے۔ علامہ نے اپنے استاد مولانا سید میر حسن کا نام لیا۔ گورنر نے کہا، اس سے قبل یہ نام نہیں سنا۔ اچھا یہ بتایئے کہ انہوں نے کون کون سی کتابیں تصنیف کی ہیں؟ حضرت علامہ نے فرمایا

---

1) روزگار فقیر جلد اول صفحہ 58،57

2) روزگار فقیر جلد اول صفحہ 209

''انہوں نے کوئی کتاب تو تصنیف نہیں کی لیکن میں ان کی ''زندہ تصنیف'' آپ کے سامنے موجود ہوں جسے گھر بلا کر ''سر'' کے خطاب کی پیشکش کی جا رہی ہے''۔ علامہ گورنر پنجاب سے رخصت ہوئے اور چند قدم جا کر پھر واپس آ گئے اور کہا ایک اور شرط بھول گیا ہوں کہ اگر شمس العلماء کے خطاب کی سفارش منظور ہو جائے تو میرے ضعیف العمر استاد کو یہ سند لینے کے لئے سیالکوٹ سے لاہور آنے کی زحمت نہ دی جائے۔ یہ شرط بھی منظور ہو گئی چنانچہ مولوی صاحب کے خطاب کی سند ان کے صاحبزادے سید علی نقی شاہ کو جو گورنمنٹ ہاؤس میں بطور معالج ملازم تھے گورنر پنجاب نے عطا کی اور انہوں نے سند کو اپنے والد کے پاس سیالکوٹ پہنچا دیا۔

25 ستمبر 1929ء کو مولانا کا انتقال ہو گیا۔ حضرت علامہ کو اپنے استاد کے انتقال کی خبر ملی تو وہ میکلوڈ روڈ والے مکان سے اسی وقت خبر سنتے ہی ریلوے سٹیشن کی طرف چل پڑے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ سیالکوٹ اس وقت کوئی گاڑی نہیں جاتی۔ اتفاق کی بات کہ اس وقت ایک مال گاڑی وزیر آباد جا رہی تھی۔ حضرت علامہ اسی میں بیٹھ گئے اور وزیر آباد پہنچ کر وہاں سے سیالکوٹ جانے کا بندوبست کیا۔ اقبال نے مولانا کی وفات پر مندرجہ ذیل مادہ تاریخ نکالا۔

مَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ

۱۳۴۷ھ (1)

مولوی میر حسن اور بہن کی قبر پر فاتحہ

انسان جو کچھ سیکھتا ہے ماں باپ سے سیکھتا ہے یا استادوں سے۔ علامہ اقبالؒ اس لحاظ سے بہت خوش قسمت تھے کہ ان کے والدین بھی سچے اور پکے مسلمان تھے۔ تقوے کی تصویر اور ان کے اساتذہ بھی ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ خصوصاً ان کے استاد مولوی میر حسن جو حد درجہ متقی اور با اصول انسان تھے اور عزم و ثبات کا پیکر۔

مولوی میر حسن کی ایک بہن تھیں۔ 1875ء میں وہ بیمار ہوئیں اور ایسی بیمار ہوئیں کہ علاج معالجہ کچھ کارگر نہ ہوا اور ان کی حالت بد سے بدتر ہوتی گئی۔ مولوی میر حسن ان کی پٹی سے لگے دن

1) اقبال کے ممدوح علماء صفحہ 25 تا 31

رات تیمارداری میں لگے رہتے لیکن افاقہ ہونا تھا نہ ہوا۔ ایک روز عصر کی نماز کے بعد مولوی صاحب نے پوچھا۔

مولوی میر حسن: کیا حال ہے بہن؟

بہن: کیا بتاؤں۔

مولوی میر حسن: جو حال ہو بتاؤ کیا بہت اداس ہو، کچھ چپ چپ ہو۔

بہن: میں گھر میں ہوں زندہ ہوں تو آپ سب مجھے پوچھتے ہیں۔

مولوی میر حسن: کیوں مایوسی کی باتیں کرتی ہو۔

بہن: کل مر جاؤں گی اور قبر میں اکیلی ہوں گی تو کوئی دعا کے لئے بھی وہاں نہ آئے گا۔

مولوی میر حسن: بہن تم اپنا دل میلا نہ کرو۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ زندگی میں جب تک مجھ میں چلنے پھرنے کی سکت رہے گی روزانہ تمہاری قبر پر فاتحہ پڑھنے آؤں گا۔

مولوی میر حسن کے بیٹے سید ذکی شاہ لکھتے ہیں کہ مولوی صاحب نے اس عہد کو عمر بھر اس طرح نبھایا کہ کوئی کیا نبھائے گا۔ 28، 1927ء تک جب تک ان کی بینائی زائل نہ ہوگئی وہ پچاس سال سے زیادہ عرصے تک ہر روز اپنی مرحومہ بہن کی قبر پر فاتحہ پڑھنے جاتے رہے، سردی ہو یا گرمی، مینہ برسے یا آندھی چلے، وہ اگر سیالکوٹ میں ہوتے صبح کی نماز پڑھتے ہی قبرستان کی طرف روانہ ہو جاتے اور تلاوت کرتے جاتے۔ ہمشیرہ اور والدین کی قبروں پر فاتحہ پڑھتے اور پھر اسی طرح تلاوت کرتے واپس آ جاتے۔ چونکہ یہ ان کا روز کا معمول تھا اس لئے جن لوگوں کو ان سے ملنا چلنا ہوتا وہ اکثر انہی اوقات میں قبرستان چلے جاتے یا آتے جاتے راستے میں مل لیتے۔

جو کچھ مولوی میر حسن پچاس سال تواتر سے کرتے رہے وہ محض ایک بہن سے وعدے کا پاس ہی نہیں تھا بلکہ ایک طرز زندگی تھا جس شخص نے پچاس برس تک یہ عہد نبھایا وہ اپنی زندگی کے دوسرے معاملات میں کتنا با اصول، کتنا پرہیز گار اور کتنا متقی ہوگا۔

مولوی میر حسن کے بعض شاگردان کا کتنا ادب کرتے تھے ان کا حال ذکی شاہ کی زبانی سنئے:

ہمارے کپڑے ایک غیر مسلم دھوبن دھوتی تھی اس کا لڑکا بھی ساتھ آیا کرتا تھا۔ مولوی صاحب نے اسے اپنے شوق سے پڑھانا شروع کیا۔ جب بڑا ہوا تو وہ اپنی خوشی سے مسلمان ہو

گیا۔ اس کا اسلامی نام رکن الدین رکھا گیا۔ مولوی صاحب نے اسے اپنے خرچ سے پوری تعلیم دلوائی۔ اس کے ساتھ مولوی صاحب کا ایک شاگرد نہال سنگھ تھا۔ رکن الدین اور نہال سنگھ دونوں میٹرک، ایف اے، بی اے، ایم اے اور مقابلے کے امتحانوں میں برابر اول دوم نکلتے رہے۔ رکن الدین سیشن جج کے عہدے پر پہنچ کر ریٹائر ہوئے، نہال سنگھ پہلے ڈپٹی کمشنر بنے، پھر پٹیالہ میں انہیں وزارت کا عہدہ ملا۔

ان دونوں شاگردوں کا یہ حال تھا کہ رکن الدین مولوی صاحب سے ملنے آتے تو واپس ہوتے وقت پچھلے پاؤں چلتے۔ کبھی مولوی صاحب کی طرف پیٹھ کر کے نہیں چلے۔ نہال سنگھ کی یہ کیفیت تھی کہ گاڑی پر سوار جارہے ہوتے، جہاں مولوی صاحب پر نظر پڑتی گاڑی روک کر اتر جاتے اور ادب سے ان کے قدم بقدم چلتے، ان کی موجودگی میں کبھی گاڑی پر سوار نہ ہوتے۔

اب سنئے علامہ اقبال مولوی میر حسن کا کتنا احترام کرتے تھے۔ علامہ کے بھانجے پروفیسر منظور احمد لکھتے ہیں:

میں نے خود ایک مرتبہ دیکھا کہ علامہ (سیالکوٹ میں) رحیمیہ عطار کی دکان کے سامنے کھڑے تھے۔ تختے پر حقہ رکھا تھا اور علامہ حقہ پی رہے تھے۔ ان کا ایک پاؤں زمین پر تھا اور دوسرا تختہ پر۔ طلائی کام کا جوتا پہن رکھا تھا جو پاؤں تختے پر تھا ان کا جوتا ذرا ڈھیلا تھا۔ اب اتفاق ایسا ہوا کہ علامہ کو مولوی میر حسن آتے دکھائی دیئے۔ علامہ نے تختے والا جوتا وہیں چھوڑا، ایک پاؤں میں جوتا اور دوسرا بغیر جوتے کے، اسی حالت میں مولوی میر حسن کی طرف بڑھے اور ان کے ساتھ ہو گئے۔ گردن جھکی ہوئی تھی۔ اسی طرح مولوی صاحب کو گھر پہنچا کر واپس آئے پھر دوسرا جوتا پہنا۔

لیکن عزت بھی انہی کی ہوتی ہے جو عزت کے قابل ہوتے ہیں۔

2.8.7) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، ہمہ جہت شخصیت تھے۔ آپ اسلامیہ کالج لاہور میں پڑھاتے رہے۔ آپ نے پاکستانی مسلمانوں میں فہم دین کے حوالہ سے قابل قدر کام کیا۔ اس

میں ان کی عصری مجالس اور دین کے حوالہ سے لٹریچر وتصانیف بہت اہم ہیں۔علاوہ ازیں سیاسی میدان میں جماعت اسلامی بنا کر تحریکی کام کی بنیاد رکھی۔

1953ء میں تحریک ختم نبوت کے دوران مولانا مودودیؒ نے ''قادیانی مسئلہ'' کے عنوان سے ایک کتابچہ شائع کیا، جس کی بناء پر گرفتار کر لئے گئے اور پھانسی کی سزا سنائی گئی۔جیل میں ان کے ساتھ والے کمرے میں مولانا عبدالستار خان نیازی اسی تحریک کے حوالہ سے قید تھے۔ایک شام مولانا مودودیؒ تلاوت فرما رہے تھے کہ ایک سرکاری کارندے نے آ کر پھانسی کے احکامات والا سیاہ پروانہ پڑھ کر سنایا تو مولانا کی زبان سے صرف یہ الفاظ نکلے''بس اتنی سی بات تھی'' اور پھر تلاوت میں مصروف ہو گئے۔ وہ پختہ ایمانی قوت کے ذریعے پھانسی وارڈ میں اللہ کی رحمتیں، برکتیں اور نوازشات سمیٹنے میں مصروف رہے۔تاریخ بتاتی ہے کہ مولانا اس رات بہت پرسکون نیند ہوئے اور آپ کے خراٹوں کی آواز دور دور تک سنائی دیتی رہی۔جب مولانا کے کچھ چاہنے والوں نے ان سے درخواست کی کہ اپنے مؤقف میں کچھ لچک پیدا کر لیں تو انہوں نے ایمان کی بلند پایہ کیفیت میں سرشار ہو کر فرمایا کہ موت وحیات کے فیصلے زمین پر نہیں آسمان پر ہوتے ہیں اگر اللہ کو میری زندگی منظور ہے تو ساری دنیا الٹا لٹک کر بھی مجھے تختہ دار پر نہیں پہنچا سکتی لیکن اگر میری موت کا فیصلہ آسمان پر ہو چکا ہے، ساری دنیا مل کر بھی اس کو ٹال نہیں سکتی۔خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ جہاں بے تحاشا بیرونی دباؤ اور مولانا کی قدر ومنزت کا اظہار ہوا، وہیں قانونی لحاظ سے ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ حکومت کو اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنا پڑی اور پھانسی کی سزا عمر قید میں تبدیل ہو گئی اور کچھ عرصے بعد مولانا اللہ کے فضل وکرم سے تاریخ کے صفحات پر انمٹ نقوش ثبت کر کے کامیاب وکامران اور باعزت طور پر رہا ہو گئے۔

آپ دینی، معاشرتی، سیاسی اور سماجی اقدار کا اعلیٰ نمونہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک نہایت زیرک اور دور اندیش سیاستدان تھے۔تحریک نظام مصطفی میں بھٹو حکومت نے جماعت اسلامی کے بھی بہت سے کارکنوں کو گرفتار کیا۔بھٹو صاحب اپنے آخری دور میں بے حد مخالفت کا شکار ہو گئے تھے۔آخر کار وہ آدھی رات کو مولانا سے ملنے اچھرہ کی ایک گلی میں ان کے مکان 15اے ذیلدار پارک آ پہنچے۔آپ کو اطلاع دی گئی کہ بھٹو صاحب آپ سے ملنا چاہتا ہے تو آپ نے کہا

میں اس سے نہیں ملنا چاہتا۔ اس پر بتایا گیا کہ وہ تو باہر دروازے پر کھڑا ہے تو آپ نے فرمایا کہ دروازہ کھول دو سو کھول دیا گیا۔

اس پر باہر کھڑے جمعیت کے کارکنان نے احتجاج شروع کر دیا تو مولانا نے پیغام بھیجا کہ میں گھر آئے مہمان کے ساتھ عزت کا سلوک کرتا ہوں۔ (1)

2.8.8) شمس العماء مرزا قلیچ بیگ

مرزا قلیچ بیگ کا تعلق پاکستان کے صوبہ سندھ سے تھا۔ آپ نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ سندھ میں علم و ادب پھیلانے کے لئے وقف کر دیا تھا۔ اس لئے انہیں سندھ کی بہت عظیم شخصیت مانا جاتا ہے۔ آپ 1858ء میں حیدر آباد میں پیدا ہوئے۔ جبکہ 1843ء میں انگریزوں نے سندھ پر قبضہ کر لیا تھا۔ آپ کے والد نے آپ کو اسلامی تعلیم کے ساتھ ساتھ انگریزی تعلیم دلوائی۔ وہ اس بات کے قائل تھے کہ انگریزوں کی غلامی بری ہے لیکن ان کا علم تو بہت اچھا ہے علم کی ترقی سب کے لئے ہے۔ لہٰذا مرزا قلیچ بیگ نے سندھی، عربی، فارسی کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان بھی سیکھی۔ آپ نے اینگلو ورنیکلر سکول میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد حیدر آباد ہائی سکول میں فارسی کے استاد کی حیثیت سے ملازمت کر لی مگر مزید تعلیم کی آرزو تھی لہٰذا بمبئی کے ایلفنسٹن کالج میں داخلہ لیا اور مزید تعلیم کے لئے 1873ء میں بمبئی چلے گئے۔ وہاں مرزا حیرت دہلوی کی شاگردی اختیار کی جو کہ اعلیٰ پائے کے استاد تھے آپ بمبئی کی علمی چہل پہل سے متاثر ہوئے اور چونکہ آپ اپنے وطن سندھ سے محبت کرتے تھے لہٰذا خواہش رکھتے تھے کہ یہ علم و ادب کی رونق اور چہل پہل ان کے وطن میں بھی ہو۔ بمبئی میں رہتے ہوئے آپ نے ترکی، مراٹھی اور گجراتی زبان بھی سیکھ لی، کراچی میں رہتے ہوئے پشتو بھی سیکھی۔ اس کے بعد آپ نے سکول میں پڑھانا شروع کیا۔

تعلیم مکمل کر کے آپ نے سکول کی ملازمت چھوڑ کر محکمہ محصولات میں مختیار کار یعنی تحصیل دار ہو گئے بعد میں ترقی کرتے کرتے ڈپٹی کلکٹر کے عہدے تک پہنچے جو کہ انگریزوں کے عہد میں

1) پروفیسر رشید احمد انگوی (2011ء) نئی نسل کے لئے مختصر تعارف مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ۔ اکلیل ریسرچ سنٹر لاہور)

کسی ہندوستانی کے لئے سب سے بڑا عہدہ تھا۔

آپ نے اپنے وطن سندھ کی ادبی ترقی کے لئے ادب، تاریخ، اخلاقیات، مذاہب، طب تصوف، صحت، نعت، سائنس، موسیقی، زراعت، باغبانی پر سینکڑوں کتابیں لکھیں اور ترجمہ کیں۔

آپ کا ناول زینت بہت مشہور ہوا اس کے علاوہ آپ نے سکولوں کے کورس کی کتابیں، بچوں کے لئے کہانیاں، ضرب الامثال اور سندھی گرامر کی کتاب سندھی ویاکرن تصنیف کی۔ آپ نے حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی کا کلام دوبارہ مرتب کیا اور انگریزی زبان میں شاہ عبداللطیف بھٹائی پر کتاب لکھی۔ مرزا صاحب کی زندگی میں ان کی جو کتب شائع ہوئیں ان کی تعداد 457 ہے۔

بلاشبہ آپ غیر معمولی صلاحیت، ذہانت اور قابلیت کے مالک تھے۔ آپ نے اپنی زندگی اپنے وطن میں تعلیم، شعور اور علم و ادب پھیلانے کے لئے وقف کر دی تھی۔

انگریزوں نے آپ کی علمی خدمات کی وجہ سے آپ کو 1924ء میں شمس العلماء کا خطاب دیا۔ آپ نے سندھ کی قدیم و مشہور تاریخی کتاب چچ نامہ جس کا ترجمہ علی بن حامد کوفی نے فارسی میں کیا تھا اس کا سندھی اور انگریزی میں ترجمہ کر کے شائع کیا۔

آپ نے شاہ عبداللطیف بھٹائی کو دنیا میں متعارف کرانے کے لئے ان کے کلام پر کئی پہلوؤں سے کام کیا۔

آپ میں علمی تعصب نہیں تھا۔ آپ روزانہ کچھ نہ کچھ ضرور تحریر فرماتے تھے۔ آپ نے نئی نسل کے سائنس اور دوسرے مضامین کے نہ صرف تراجم کئے بلکہ اپنے ادب کی آبیاری بھی کی۔ اس طرح آپ نے سندھ میں علم و ادب کی مضبوط و وسیع بنیاد ڈالی اور تحقیق کے نئے راستے کھولے، آپ کو جدید سندھی ادب کا پیش امام بھی کیا جاتا ہے۔

آپ 1929ء میں فوت ہوئے تو پورے سندھ نے آپ کے لئے آنسو بہائے۔ آپ کی مثالی زندگی کا پیغام ہے کہ زندگی کا ہر قدم آگے کی طرف بڑھنا چاہئے۔ لہٰذا نئے زمانوں اور علوم کو ہر حال میں خوش آمدید کہنا چاہئے۔ (1)

1) ماخوذ از۔ فہمیدہ ریاض (2010ء) مرزا قلیچ بیگ۔ اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس کراچی

2.8.9) علامہ عنایت اللہ خان المشرقی (خاکسارِ اعظم)

بحیثیت بیدار مغز استاد

خاکسار تحریک کے بانی علامہ مشرقی کو لوگ سیاسی حوالہ سے جانتے ہیں مگر علامہ مشرقی جیسا صاحب فکر استاد قومیں صدیوں میں پیدا کرتی ہیں۔ گزشتہ صدی میں برصغیر کی مسلمان قوم میں بہت سی قد آور شخصیتیں جن کا تعلق تعلیم و تعلم سے رہا موجود تھیں۔ ان میں علی برادران، علامہ اقبال، مولانا شبلی، حالی، سرسید جیسے لوگ موجود رہے۔

علامہ مشرقی نابغہ وقت تھے۔ بحیثیت طالب علم آپ نے جو اعزازات حاصل کئے وہ حیران کن ہیں اگر علامہ مشرقی مسلمانوں کے دور غلامی میں نہ پیدا ہوئے ہوتے تو عالمی لیڈر ہوتے۔

آپ 1888ء کو امرتسر میں عطاء محمد خان کے گھر پیدا ہوئے۔ تعلق معزز راجپوت گھرانے سے تھا۔ آپ کے والد صاحب علم انسان تھے۔ خود ہفتہ وار رسالہ وکیل نکالتے تھے۔ ان کے تعلقات علامہ سید جمال الدین افغانی، علامہ عبداللہ العمادی، سرسید احمد خان، شبلی نعمانی، مرزا غالب جیسے سکالرز سے تھے۔ ان حالات میں علامہ کی پرورش ہوئی اور ان شخصیات نے علامہ کو متاثر کیا۔ آپ نے پندرہ سال کی عمر میں ایف سی کالج سے بی اے کیا اور اعزازی پوزیشن حاصل کی۔ آپ کے استاد و مشہور حساب دان پروفیسر این ایس داس گپتا نے کہا کہ پنجاب نے ریاضی میں اس سے بڑھ کر ہوشیار طالب علم پیدا نہیں کیا۔ 1907ء میں آپ نے ریاضی میں ایم ایس سی کی اور پنجاب یونیورسٹی کے تمام سابقہ ریکارڈ توڑ دیئے۔ روزنامہ ٹریبون کا تبصرہ تھا کہ "کیا اب بھی کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ مسلمان حساب نہیں جانتے"۔ اس پر گورنر پنجاب نے آپ کے اعزاز میں دعوت دی اور کئی سرکاری و غیر سرکاری عہدوں کی پیش کش ہوئیں مگر آپ نے ٹھکرا دیں۔

آپ اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلینڈ چلے گئے۔ وہاں آپ نے ریاضی، السنہ شرقیہ مکینیکل سائنس، نیچرل سائنس (فزکس) کے ٹرائی پوز محض پانچ سال میں مشہور زمانہ کیمبرج یونیورسٹی سے حاصل کئے۔ یہ وہ اعزازات تھے جنہیں کوئی طالب علم دنیا بھر کی تاریخ میں آٹھ سو برس کے اندر

حاصل نہ کر سکا تھا۔اس پر مختلف اخبارات میں آپ پر تبصرے شائع ہوئے۔تعلیم مکمل کرنے کے بعد لندن ٹائمز و دیگر اخبارات میں آپ نے کچھ عرصہ کام کیا اور پھر وطن واپس آ گئے۔آپ نے دنیا کے علمی امتیازات کا ریکارڈ قائم کیا۔واپسی پر آپ کو مہاراجہ اور کئی ریاستوں کی طرف سے ملازمت کی پیش کش ہوئی۔یہ پیش کش علامہ اقبال کو بھی ہوئی تھی مگر اسے نہ تو علامہ مشرقی اور نہ ہی علامہ اقبال نے قبول کیا۔آپ نے پیشہ تعلیم و تدریس کو جان بوجھ کر ترجیح دی۔بمبئی پہنچتے ہی گورنر سرحد نے آپ کو اسلامیہ کالج پشاور کی وائس پرنسپل شپ کی پیش کش کی جسے آپ نے اپنے نصب العین کے حصول کا بہتر ذریعہ سمجھ کر قبول کر لیا۔1914ء تک آپ وائس پرنسپل 1917ء میں پرنسپل مقرر ہوئے پھر آپ انڈر سیکرٹری ایجوکیشن مقرر ہوئے۔آپ کے کام کی تحسین کے طور پر آپ کو انڈین سول سروس میں مستقل طور پر شامل کر لیا گیا اور آپ کو پرنسپل ٹریننگ کالج پشاور بنا دیا گیا۔ساتھ ہی آپ رجسٹرار اور انسپکٹر آف ہائی سکولز کے طور پر کام کرتے رہے۔اس دور میں آپ کا یہ علمی کارنامہ ہے کہ آپ نے حکومت کی مخالفت کے باوجود قرآن کی تعلیم کو صوبہ سرحد کے سکولوں میں جاری کروایا۔

تحریک خلافت میں جب مسلمان افغانستان ہجرت کر رہے تھے تو قائداعظم اور علامہ اقبال کی طرح آپ بھی اس ہجرت کے حامی نہ تھے۔آپ کو اس موقع پر سر کا خطاب اور پولیٹیکل سیکرٹری اور سفیر افغانستان کے عہدہ کی پیش کش ہوئی مگر آپ نے ان اعزازت کو قومی غیرت کے منافی جان کر قبول نہ کیا جس پر آپ کی بطور ہیڈ ماسٹر تنزلی کر دی گئی اور کچھ عرصہ بعد آپ نے سرکاری ملازمت ہی چھوڑ دی۔غالباً ہندوستان کا پہلا مسلمان اور استاد جس نے اس دور کی اس پیش کش کو ٹھکرا دیا۔آپ کو نائٹ ہڈ کے خطاب کی آفر ہوئی جسے آپ نے ٹھکرا دیا۔

ملازمت کے بعد آپ نے تحریر و تصنیف کا کام شروع کیا اور چار سال میں اپنی شہرہ آفاق تصنیف تذکرہ مکمل کی جسے عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن نے اپنے نصاب میں شامل کرنے کی پیش کش کی لیکن شہرت سے بے نیاز علامہ مشرقی کا جواب تھا میں تذکرہ کو سعدی کی گلستان بنانا نہیں چاہتا۔تذکرہ کے حوالہ سے امیر طرابلس شیخ سنوسی نے لکھا کہ ”جس طرح قرآن کو تم نے سمجھا ہے باقی مسلمانوں کو بھی سمجھاؤ ورنہ قیامت کے دن ہمارا ہاتھ ہوگا اور تمہارا دامن“۔

نوبل پرائز جو کہ اس وقت تک دنیا کا بڑا انعام سمجھا جاتا ہے اور امریکی صدر بھی اس انعام کا خواہش مند ہوتا ہے۔نوبل پرائز کے لئے علامہ اقبال کا نام بھی گیا مگر انقلابی نظریات، قوم پرستی اور مسلم دوستی کی بناء پر نہ مل سکا۔نوبل پرائز کمیٹی نے علامہ مشرقی کو لکھا کہ تذکرہ کا کسی یورپی زبان میں ترجمہ ہونا ضروری ہے کیونکہ اُردو کمیٹی کی تسلیم شدہ زبان نہیں۔تذکرہ کے مطالب کو سمجھنے کے لئے جن کی بے حد تعریف کی گئی ہے۔نوبل پرائز کمیٹی از حد بے تاب ہے۔

علامہ مشرقی نے جواباً نوبل پرائز کمیٹی کو لکھا۔

''اگر اردو زبان جس کو دنیا کے کم از کم نو کروڑ انسان بولتے ہیں آپ کی تسلیم شدہ زبان نہیں تو میں بھی اس کا کسی یورپی زبان میں ترجمہ کرنا گوارا نہیں کرتا''۔

اس طرح 1925ء میں نوبل پرائز کے لئے آپ کی نامزدگی ہوئی مگر آپ کی عدم دلچسپی کی بناء پر آپ کو یہ انعام نہ مل سکا۔جواب تک صرف تین مسلمانوں ڈاکٹر عبدالسلام پاکستان، ڈاکٹر یونس بنگلا دیش اور ترکی کو ملا ہے۔

تعلیمی کارناموں پر جب علامہ مشرقی نے کیمبرج و آکسفورڈ یونیورسٹیوں کے ریکارڈ توڑے تو آپ پر یورپ کے اخبارات نے تبصرے چھاپے۔اس پر ہٹلر نے ملاقات کی خواہش ظاہر کی، شدید مصروفیت کے باوجود ہٹلر نے آپ کو پون گھنٹہ وقت دیا اور آتے ہوئے اپنی کرائسلر کار بطور تحفہ پیش کی جس کا ڈھانچہ اب بھی لاہور میں اچھرہ والے گھر میں موجود ہے۔اس ملاقات نے علامہ مشرقی کے خیالات کو متاثر کیا اور محکمہ تعلیم چھوڑنے کے بعد جب آپ نے خاکسار تحریک شروع کی تو اس پر ہٹلر کی نازی پارٹی کے کچھ اثرات تھے۔خاص طور پر ڈسپلن کے حوالہ سے خاکی وردی، چمڑے کی بیلٹ، ٹوپی کے بجائے سر پر عقال کاشن میں چپ ذاست دائم اپ اور بائم اپ اور بیلچہ وغیرہ۔

علامہ مشرقی میں ایک استاد کی کمٹمنٹ کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔تعلیمی میدان میں سرکاری شعبہ میں آنے پر کالج انتظامیہ اور حکومت کے ساتھ نہ چل سکے۔برطانوی حکومت کے مقاصد تکمیل سے انکار پر اور افغانستان کا سفیر اور پولیٹکل عہدوں پر تقرر، نائٹ ہڈ اور خطاب نہ لینے پر حکومت نے آپ کی تنزلی کر دی اور آپ کو گورنمنٹ ہائی سکول پشاور کا ہیڈ ماسٹر بنا دیا گیا۔

تعلیمی دنیا سے آپ کے تعلق نے آپ کی عادات واطوار کو متاثر کیا۔ جب آپ نے خاکسار تحریک شروع کی تو اس تحریک میں چندہ لینا منع تھا۔ خاکسار جب کسی گھر میں مہمان ٹھہرتا تو کھانے کے پیسے خود دیتا، یہ رقم اس وقت کے ریٹ کے مطابق چھ پیسے تھی۔ علامہ مشرقی صاحب چھ آنے ادا کرتے تھے۔ علامہ صاحب سادہ طبیعت کے مالک تھے۔ مزاج میں درویشی تھی آپ نے اپنی ذاتی جائیداد سے اس وقت کی رقم کے مطابق 33 لاکھ روپے کا ٹرسٹ بنایا مگر اپنے گھر والوں کے لئے صرف تین سو روپے ماہوار خرچہ مقرر کیا۔ کھانے میں ون ڈش کے پابند تھے۔ اس سے زیادہ کو اسراف سمجھتے تھے۔

علامہ مشرقی نے جب اپنی رہائش امرتسر سے لاہور (اچھرہ) میں منتقل کی تو تین ٹرک کتابوں کے تھے اور گھر کا سامان معمولی تھا۔ آپ مطالعہ کے رسیا تھا اور دلچسپ بات یہ تھی کہ آپ کتاب کا مطالعہ شرع کرتے، چند ابتدائی صفحات پڑھتے، پھر کتاب کی ورق گردانی کرتے، چند آخری صفحات دیکھتے، کتاب بند کر کے رکھ دیتے، آنکھیں بند کر کے چند منٹ سوچتے اور پھر اس کتاب کا نچوڑ بیان کر دیتے۔ روزانہ رات کو مطالعہ کرتے۔ اپنی ذہانت کی وجہ سے کسی سے کم ہی متاثر ہوتے۔ کم سوتے اور اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے کام کرتے تھے۔ بہت بہادر تھے۔ انگریزی حکومت یا کسی خوف کو دل میں جگہ نہ دیتے تھے۔ زندگی کے 24 سال جیل میں گزارے۔ گفتگو سائنسی انداز میں کرتے تھے اور اکثر اوقات مخاطب کو بہت جلد متاثر کر لیتے تھے۔ اسلامی نشاط ثانیہ کے لئے کوشاں رہے۔ ڈسپلن کے اتنے پابند تھے کہ ایک بار آپ کو سالار شہر نے تین دروں کی سزا دی آپ نے سب کے سامنے اس سزا کو برداشت کیا اور اطاعت امیر کی مثال قائم کی۔ مشہور سائنسدان آئن سٹائن آپ کے کلاس فیلو تھے اور حیرت کی بات یہ کہ آئن سٹائن کے پاس صرف دو ٹرائی پوز تھے مگر علامہ کے پاس چار ٹرائی پوز تھے۔

جامعہ ازہر مصر کے اساتذہ نے آپ کو علامہ مشرقی کا خطاب دیا۔ 1940ء میں قرارداد پاکستان کے پاس ہونے سے پہلے انگریز حکومت سے لاہور میں خاکسار تحریک کا تصادم ہوا جس میں 313 خاکسار شہید ہوئے۔ قائداعظم نے منٹو پارک (اقبال پارک) کے جلسہ میں اس کا ذکر کیا۔ ان کے بیٹے نے بھی تحریک میں جام شہادت پیا۔ خود بھی آزادی کشمیر کی جدوجہد میں زخمی ہوئے۔

چونکہ ریاضی کے ماہر تھے لہٰذا کچھ پیش گویاں کیں جو درست ثابت ہوئیں پہلی یہ کہ 1970-71ء میں مشرقی پاکستان کے علیحدگی کو قبل از وقت محسوس کیا اور پاکستان ٹوٹنے کی پیش گوئی کی۔ علامہ نے مشرقی پاکستان کے بارے میں تجویز دی تھی کہ مغربی پاکستان سے دس لاکھ پاکستانیوں کو مشرقی پاکستان میں اور دس لاکھ مشرقی پاکستانیوں (بنگالیوں) کو مغربی پاکستان میں بسایا جائے۔ دوسرے یہ کہ ہندوستان کشمیر میں دریاؤں کا پانی چوری کرے گا اور دریاؤں کا رخ موڑ دے گا۔ تیسرے مسئلہ کشمیر کو اقوام متحدہ میں لے جانے کے مخالف تھے اور طبقاتی طریق انتخاب کا فارمولا دیا۔

علامہ مشرقی، رائل سوسائٹی آف آرٹس، جیوگرافیکل سوسائٹی پیرس، سوسائٹی آف آرٹس پیرس، ممبر بورڈ آف دہلی یونیورسٹی، ممبر انٹرنیشنل کانگریس آف اور اور ینٹیلٹ پریزیڈینٹ آف آل ورلڈ فیتھ کانفرنس تھے۔ آپ کی بہت سی تصانیف بھی ملتی ہیں۔

علامہ مشرقی تحریک پاکستان کے دور کے مسلمانوں کے ذہین ترین استاد تھے۔ آپ نے خاکسار تحریک کی بنیاد رکھی آپ کے پاس اعلیٰ ترین علمی اعزاز تھے۔ مگر جو کام حضرت قائداعظم پاکستان کے لئے کر گئے اس تک علامہ مشرقی نہ پہنچ سکے بلکہ خاکسار تحریک کے ایک رکن نے قائداعظم پر ایک بار قاتلانہ حملہ بھی کیا۔ 1940ء کی قرارداد سے قبل قائداعظم نے خاکسار تحریک کے لئے اپنے صدارتی خطبہ میں ہمدردی کا اظہار بھی کیا۔

2.8.10) حاجی صاحب ترنگزئی

حاجی صاحب ترنگزئی کا اصل نام فضل واحد تھا۔ آپ کا تعلق چارسدہ کے علاقے ترنگ زئی سے تھا۔ آپ نے اپنی تعلیم کے بعد حج کیا اور پھر معاشرتی اصلاح کے لئے اپنے علاقے کے پشتونوں میں کام کیا۔ جب آپ نے دیکھا کہ تعلیم کے بغیر معاشرتی اصلاح نہیں ہوسکتی تو آپ نے پشاور کے اردگرد تعلیمی ادارے بنائیے، پھر آپ قبائلی علاقہ میں چلے گئے اور بونیر کے علاقہ میں مرکز بنایا۔ صوبہ سرحد جو کہ آجکل خیبر پختونخواہ ہے میں علمی بیداری پیدا کی۔ آپ اس علاقے کے محسن ہیں۔

حاجی صاحب ترنگ زئی، مجاہد آزادی تھے آپ نے صوبہ سرحداب خیبر پختونخواہ کے علاقہ میں انگریزوں کے خلاف جدوجہد کی۔اس مقصد کے لئے آپ نے 72 تعلیمی ادارے قائم کئے جوان کی تحریک جہاد کے مراکز تھے۔ بعد میں آپ قبائلی علاقہ میں منتقل ہو گئے اور انگریز کے خلاف جہاد جاری رکھا۔آپ نے برطانوی عدالتوں کا بائیکاٹ کر کے جرگہ کی مدد سے فیصلے کئے۔ انگریزوں اور اتحادیوں کے خلاف جدوجہد کی۔آپ کا کام اساتذہ کیلئے رول ماڈل ہے۔

2.8.11) حاجی شریعت اللہ

تحریک وتاریخ پاکستان کا ہر طالب علم حاجی شریعت اللہ اوران کی فرائضی تحریک سے واقف ہے۔آپ مکہ، مدینہ اور جامعتہ الازہر سے تکمیل تعلیم کے بعد اپنے وطن تشریف لائے تو مسلم اقتدار بنگال سے رخصت ہو چکا تھا اور دوامی بندوبست کے تحت انگریزوں نے زمینیں نیلام کیں تو بنگال کی اکثر زمینیں ہندوؤں کے قبضے میں چلی گئیں۔اس طرح انگریز نے تو اقتدار چھینا مگر ہندو نے زمیندار بن کر اور انگریز سے مل کر مسلمانوں سے نان شبینہ اور اثاث البیت بھی چھین لیا۔

آپ کی داستان کا ایک دلچسپ واقعہ سو عظیم مسلم جرنیل نامی کتاب میں محمد احسن نے بیان کیا ہے۔فرماتے ہیں کہ جب حاجی شریعت اللہ تکمیل تعلیم کے بعد وطن پہنچے تو شدید بدنظمی تھی، راستے میں آپ کو ڈاکو پڑ گئے۔انہوں نے نہ صرف تمام اشیاء بلکہ وہ کتب جو آپ نے عرب اور مصر سے خریدی تھیں وہ ساتھ لے گئے۔آپ نے کتابوں کے لئے بڑی منت سماجت کی مگر واپس نہ ملیں۔ آپ مایوس ہو کر ڈاکوؤں کے سردار کے پاس گئے اور اسے کہا کہ مجھے اپنے گروپ میں شامل کرلو۔

سردار نے صحت مند جوان سمجھ کر رکھ لیا۔کچھ عرصے بعد آپ کے کردار کی سچائی، عبادت و ریاضت اور روزہ کی وجہ سے تمام گروہ تائب ہو گیا اور ڈاکہ زنی چھوڑ دی۔

آپ اپنے علاقہ میں پہنچے تو ہندو اور انگریز کے مظالم نے آپ کی آنکھیں کھول دیں۔آپ آزاد مسلم علاقوں سے آئے تھے اور اسلامی شان وشوکت سے واقف تھے۔آپ نے اس بیمار علاقے کے مسلمانوں کے لئے یہ علاج تجویز کیا کہ مسلمانوں میں فرائض کی ادائیگی کا شعور بیدار کیا جائے آپ نے فرمایا کہ چونکہ بنگال پر غیر مسلم کا اقتدار ہے لہٰذا یہ دارالاسلام نہیں بلکہ دارالحرب

ہے اور دارالحرب میں رہنے والے مسلمانوں پر فرائض کے علاوہ باقی کچھ معاف ہو جاتا ہے۔

2.8.12) سچائی کی جیت

کاندھلہ ہندوستان کے صوبے یوپی کا ایک مشہور قصبہ ہے۔ تیرھویں صدی ہجری کے وسط کا ذکر ہے کہ کاندھلہ کے مسلمانوں نے جامع مسجد کی تعمیر شروع کی۔ مسجد کے قریب خالی زمین کا ایک ٹکڑا تھا۔ مسلمانوں نے یہ کہہ کر کہ زمین کا یہ ٹکڑا ہمارا ہے اس کو مسجد میں شامل کرنا چاہا لیکن کاندھلہ کے ہندوؤں نے مسلمانوں کو ایسا کرنے سے روک دیا۔ وہ کہتے تھے کہ زمین کا یہ ٹکڑا قریب کے ایک پرانے مندر کا حصہ ہے۔ اس لئے مسلمان اس کو مسجد میں شامل نہیں کر سکتے۔ جب دونوں قوموں میں جھگڑا بہت بڑھ گیا تو معاملہ عدالت تک پہنچا۔ اس زمانے میں انگریزوں کی حکومت تھی اور عدالت کا حاکم ایک انگریز تھا۔ مقدمہ کافی عرصہ اس کی عدالت میں چلتا رہا اور دونوں قوموں نے اپنے آپ کو زمین کے ٹکڑے کا مالک ثابت کرنے کے لئے پورا زور لگایا لیکن حاکم کسی نتیجے پر نہ پہنچا۔ آخر اس نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے نمائندوں کو الگ الگ بلا بھیجا۔ جب مسلمان نمائندے آ گئے تو حاکم نے ان سے کہا:

''کیا تم کوئی ایسا ہندو میرے سامنے پیش کر سکتے ہو جو یہ گواہی دے کہ زمین کے اس ٹکڑے کے مالک مسلمان ہیں۔ اگر تم کوئی ایسا ہندو میرے سامنے لاؤ تو میں اس کی گواہی پر زمین تمہیں دے دوں گا''۔

مسلمان نمائندوں نے کہا:

''ہمارے لئے یہ ممکن نہیں کہ کوئی ایسا ہندو آپ کے سامنے پیش کریں جو مسلمانوں کے حق میں گواہی دے۔ یہ ایک مذہبی معاملہ ہے اور کوئی ہندو کبھی اپنی قوم کے خلاف گواہی نہیں دے گا''۔

اس کے بعد جب ہندوؤں کے نمائندے حاکم کے پاس پہنچے تو اس نے کہا:

''کیا تم کوئی ایسا مسلمان میرے سامنے لا سکتے ہو جو یہ گواہی دے کہ زمین کا یہ ٹکڑا مندر کا حصہ ہے۔ اگر تم کوئی ایسا مسلمان گواہ پیش کر دو تو میں اس کے بیان پر زمین کا فیصلہ

تمہارے حق میں کر دوں گا۔"

ہندو نمائندے کچھ دیر آپس میں مشورہ کرتے رہے۔ پھر انہوں نے حاکم سے کہا:

"جناب یہ مقدمہ قومی عزت کا معاملہ بن گیا ہے۔ اس لئے ہمیں کسی مسلمان سے یہ امید نہیں کہ وہ ہمارے حق میں گواہی دے لیکن ہماری بستی میں ایک ایسے بزرگ موجود ہیں جو کسی حالت میں جھوٹ نہیں بولتے اگر آپ ان کا بیان لے سکیں تو سچ اور جھوٹ کا پتہ چل جائے گا۔"

ہندوؤں نے حاکم کے پوچھنے پر بتایا کہ ان بزرگ کا نام مولانا الٰہی بخش ہے اور وہ اپنے مذہب کے بہت بڑے عالم ہیں۔ حاکم نے مولانا الٰہی بخش کو بلانے کے لئے اپنا آدمی بھیجا تو انہوں نے کہلا بھیجا کہ میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ کبھی انگریز کا منہ نہ دیکھوں گا۔

حاکم نے دوبارہ اپنے چپڑاسی کے ذریعے ان کو پیغام بھیجا کہ آپ مہربانی کر کے ضرور تشریف لائیں کیونکہ آپ ہی کے بیان پر ایک پرانے مقدمے کا فیصلہ ہونا ہے۔ آپ مجھ سے زیادہ بہتر جانتے ہیں کہ آپ کی مذہبی کتاب قرآن میں خدا کا یہ حکم ہے کہ کسی معاملہ میں کسی کے پاس گواہی ہو تو وہ اسے پیش کرے اور اس کو ہرگز نہ چھپائے...... رہی آپ کی یہ بات کہ آپ انگریز کا منہ نہیں دیکھیں گے تو میں یا کوئی دوسرا انگریز ہرگز آپ کے سامنے نہیں آئے گا۔ آپ عدالت کے دروازے کے باہر کھڑے ہو کر اپنا بیان دیجئے گا۔

یہ پیغام ملنے پر مولانا الٰہی بخش عدالت میں جانے کے لئے مان گئے اور مقررہ تاریخ کو عدالت کے باہر پہنچ گئے۔ سینکڑوں ہندو اور مسلمان بھی مولانا کا بیان اور عدالت کا فیصلہ سننے کے لئے پہنچ گئے۔

انگریز حاکم ایک خیمے کے اندر بیٹھ گیا اور مولانا اس کے باہر کھڑے ہو گئے۔ حاکم نے اونچی آواز سے پوچھا:

"مولانا الٰہی بخش صاحب آپ بزرگ آدمی ہیں اور مدت سے اس قصبے میں رہتے ہیں، یہ بتائیے کہ جھگڑے والی یہ زمین ہندوؤں کی ہے یا مسلمانوں کی"۔

مولانا نے فرمایا:

"سچی بات یہ ہے کہ یہ زمین ہندوؤں کی ہے مسلمانوں کا اس پر کوئی حق نہیں۔"

ان کا بیان سن کر حاکم نے مقدمے کا فیصلہ فوراً ہندوؤں کے حق میں کر دیا۔ وہ بہت خوش ہوئے اور اس زمین پر قبضہ کر کے وہاں ایک مندر کی بنیاد رکھ دی۔

دوسری طرف مسلمانوں کو زمین ہاتھ سے نکل جانے کا بہت صدمہ ہوا۔ ان میں سے اکثر کی زبان سے بار بار یہ الفاظ نکلتے تھے:

"مولوی صاحب نے مسلمانوں کو غیروں کے سامنے ذلیل کر دیا"۔

مگر کاندھلہ کے یہ مسلمان اس بات کو بھول گئے کہ وہ زمین کا مقدمہ ہار گئے تھے لیکن اسلام اپنا مقدمہ جیت گیا تھا۔

مولانا الٰہی بخش کی اس سچائی کا بہت سے ہندوؤں پر اس قدر اثر ہوا کہ وہ اس دین کے بارے میں سوچنے لگے جس نے مولانا کے اندر اتنی جرأت اور طاقت پیدا کی کہ انہوں نے اپنی قوم کی ناجائز حمایت نہیں کی اور قرآن مجید کے حکم کے مطابق سچی گواہی دی۔

وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ مولانا اپنے دین کے عالم اور پکے مسلمان ہیں جبکہ دوسرے مسلمان صرف نام کے مسلمان ہیں۔ ان کی زندگی نہ کسی ہندو پر اثر ڈال سکتی ہے اور نہ ان کو دیکھ کر کوئی شخص اسلام کی طرف مائل ہو سکتا ہے۔

مولانا کی پرہیزگاری اور سچائی کو دیکھ کر ہندو پہلے بھی ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے گواہی کے لئے مولانا کا نام تجویز کیا۔ پھر بھی انہیں ڈر تھا کہ شاید اس معاملے میں وہ سچ کو چھپا جائیں لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ اس سچے مسلمان نے اپنی قوم کی ناجائز طرف داری نہیں کی اور جو حقیقت تھی کسی ڈر کے بغیر بیان کر دی تو ان کے دل میں خود بخود اس دین کی طرف کشش پیدا ہوئی جس کو مولانا الٰہی بخش مانتے تھے۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں کاندھلہ کے کئی ہندو خاندان مولانا الٰہی بخش کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے۔ مولانا الٰہی بخش نے 1258 ہجری میں وفات پائی۔ اللہ ان کی قبر کو نور سے بھر دے۔ (1)

1) وقاص یوسف (2012ء) دلیر گورنر، وڈ پیکر پرنٹرز پبلشرز اردو بازار لاہور
مولانا یونس پالن پوری، بکھرے موتی، ج V، ص 97

2.8.13) کامیاب استاد

ہمشیرہ محمد صدیق عطاری قادری (2009ء) کامیاب استاد کے عنوان کے تحت استاد کے ذاتی اوصاف کے بارے میں تحریر فرماتی ہیں کہ استاد کی ذات شاگردوں کے لئے مشعل راہ ہو۔ استاد علم کے مطابق عمل بھی کرے۔ عبادت و ریاضت کا اہتمام کرے۔ باجماعت نماز کا اہتمام کرے۔ تہجد ادا کرے۔ خوف خدا اور عشق رسول والا ہو۔ سنتوں پر عمل کرے اور حسن اخلاق کا پیکر ہو۔ قناعت و توکل اختیار کرے۔ سادگی اختیار کرے۔ حرص سے بچے۔ سخی ہو۔ تواضع وانکساری اختیار کرے۔ غیبت اور چغلی سے بچے۔ بدگمانی سے بچے۔ تجسس میں نہ پڑے۔ تکبر، غرور، نام و نمود اور شہرت سے بچے۔ بزرگوں سے عقیدت رکھے۔ اپنے آپ میں روحانیت پیدا کرے۔

تدریسی اوصاف کے بارے میں مصنفہ تحریر فرماتی ہیں کہ استاد خلوص نیت سے کام کرے۔ محنتی و مستقل مزاج ہو۔ علم یا دین فروشی نہ کرے۔ مایوسی سے بچے۔ بلند ہمت ہو۔ مطالعہ کا اہتمام کرے۔ تدریسی مہارت ہو۔ افہام و تفہیم کا ملکہ ہو۔ آسان انداز اختیار کرے۔ سبق کی مقدار کم رکھے۔ ناغہ نہ کرے۔ وقت کی قدر کرے۔ اگر کچھ نہ آتا ہو تو لاعلمی کا اظہار کرے۔ اپنے طلبہ کی تربیت کرے۔ ان سے شفقت کرے۔ ان کی حوصلہ افزائی کرے۔ مناسب سختی کرے۔ طلبہ میں جستجو کی استعداد پیدا کرے۔ ان کی تحقیر نہ کرے۔ ان کی خوبیوں کو اجاگر کرے۔ بزرگوں کے واقعات سنا کر مثالیں پیش کرے۔ باوقار رہے۔ مدرسے کا ماحول عمدہ رکھے۔ اپنے طلبہ کے لئے دعاؤں کا اہتمام کرے۔ عفو و درگزر سے کام لے اور لڑائی جھگڑے سے بچے۔ (1)

2.8.14) مثالی استاد

محمد حنیف عبدالمجید (2008ء) نے مثالی استاد کے نام سے دو جلدوں میں کتاب تالیف فرمائی ہے۔ تحریر فرماتے ہیں کہ محسن انسانیت حضرت محمدؐ پوری انسانیت کے لئے ایک عظیم اور مثالی معلم بن کر تشریف لائے۔ یہ آپؐ کی تعلیم و تربیت کا حیرت انگیز کرشمہ تھا کہ تیئس سال کی مختصر مدت میں صحرائے عرب کے جو وحشی علم و معرفت اور تہذیب و تمدن سے بالکل کورے تھے وہ پوری

1) ہمشیرہ محمد صدیق قادری (2009ء) کامیاب استاد، زاویہ پبلشرز لاہور

دنیا میں علم وحکمت اور تہذیب وشائستگی کے چراغ روشن کرنے لگے۔ (1)

آنحضرت ﷺ کی طرز تربیت کی دو بنیادی خصوصیات ہیں۔ پہلی خصوصیت آپؐ کی شفقت ورحم دلی، دل سوزی وخیر خواہی اور نرم خوئی ہے۔ (2)

جبکہ دوسری خصوصیت یہ کہ آپؐ نے اپنے متبعین کو جس جس بات کی تعلیم دی اس کا بذات خود عملی نمونہ بن کر دکھایا۔ رول ماڈل کے طور پر جب ذات نبویؐ کا مطالعہ کرتے ہیں تو قول وفعل کی مطابقت کا معیار بہت اعلیٰ پاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں محمد حنیف عبدالمجید رقمطراز ہیں کہ آپؐ نے نماز پنجگانہ کی تلقین فرمائی تو خود ساری زندگی چاشت اشراق اور تہجد سمیت آٹھ نمازیں ادا فرمائیں۔ قیام اللیل میں پاؤں پر ورم آجاتا۔ نماز باجماعت کی تلقین فرمائی تو مرض وفات میں بھی سہارا لے کر مسجد تشریف لے آئے۔ رمضان کے روزوں کا حکم دیا تو خود بھی مسلسل روزے رکھتے تھے۔ ڈھائی فیصد زکوٰۃ کا حکم دیا تو گھر میں آپؐ نے کبھی دولت جمع نہ ہونے دی اور ساری دولت غرباء میں تقسیم فرمادی۔ مرض الوفات میں یاد آتا ہے کہ گھر میں کچھ اشرفیاں پڑی ہیں فوراً خیرات فرمانے کا حکم فرمایا۔ قناعت مساوات بھائی چارے کا حکم دیا تو خود عمل فرمایا حتیٰ کہ حضرت فاطمۃ الزاہرہ غلام یا لونڈی کا مطالبہ فرماتی ہیں تو جواب ملتا ہے بدر میں شہید ہونے والوں کے بچے تم پر مقدم ہیں۔ صبر وتحمل کے سلسلہ میں قرض خواہ والا واقعہ عفو درگزر میں فتح مکہ کے بعد کا سلوک جیسی مثالیں روشن راہ ہیں۔ (3)

احترام استاد میں العلماء وارثت الانبیاء سے احترام وترویج استاد وعلم کے مقصد کا حصول سامنے ہے۔ تمام انبیاءؑ نے اپنی اپنی قوموں کو تعلیم دی تو فرمایا "اے میری قوم میں اس دعوت و تعلیم پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا میرا اجر تو اللہ تعالیٰ ہی دے گا۔ علاوہ ازیں نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ عاجزی یعنی نرمی اختیار کرو جن کو سکھاتے ہو یا جن سے سیکھتے ہو۔

مولف ومصنف مخزن اخلاق کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ "ستارے آسمان کا زیور ہیں اور تعلیم

---

1) ص21 جلد1　　2) ص22

3) ص28 تا 33

یافتہ انسان زمین کی زینت، جہاں سورج چڑھتا ہے وہاں رات بھی ہوتی ہے مگر جہاں علم کی روشنی ہو وہاں جہالت کا اندھیرا کبھی نہیں آتا"۔ (1)

اس کے بعد مولف مثالی استاد کلاس روم اور ادارہ میں جو سرگرمیاں اختیار کرتا ہے۔ انکا ذکر ہے۔ مولف کچھ اساتذہ کا ذکر فرماتے ہیں جن کو ہم مثالی استاد یا رول ماڈل کے طور پر اختیار کر سکتے ہیں۔ مولانا تقی عثمانیؒ کے والد مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے ذوق مطالعہ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ "حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے دوپہر کو جب مدرسے میں کھانے اور آرام کا وقفہ ہوتا تو میں اکثر دارالعلوم کے کتب خانے میں چلا جاتا تھا وہ وقت ناظم کتب خانے کے بھی آرام کا ہوتا تھا۔ لہٰذا ان کے لئے ممکن نہ تھا کہ وہ چھٹی کے بعد بھی کتب خانے میں بیٹھے رہیں۔ چنانچہ میں نے انہیں با اصرار اس بات پر امادہ کر لیا تھا کہ دوپہر کے وقفے میں جب وہ گھر جائیں تو مجھے کتب خانے کے اندر چھوڑ کر باہر سے تالہ لگا جائیں چنانچہ وہ ایسا ہی کرتے اور میں ساری دوپہر علم کے اس رنگا رنگ باغ کی سیر کرتا رہتا۔ فرماتے تھے دارالعلوم دیوبند کے کتب خانے کی کوئی کتاب ایسی نہیں تھی جو میری نظر سے نہ گزری ہو۔ (2)

مولف جلد دوم میں مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا قول اساتذہ کے کام کے حوالہ سے یوں نقل فرماتے ہیں کہ:

"ایک شخص کسی محکمے میں، کسی دفتر میں، آٹھ گھنٹہ کا ملازم ہے تو گویا کہ اس نے یہ آٹھ گھنٹے اس محکمے کے ہاتھ فروخت کر دیئے ہیں اور یہ معاہدہ کر لیا ہے کہ میں آٹھ گھنٹے آپ کے پاس کام کروں گا اور اس کے عوض اس کو اجرت اور تنخواہ ملے گی، اب اگر وہ اجرت تو پوری لیتا ہے، لیکن اس آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی میں کمی کر لیتا ہے اور اس میں سے کچھ وقت اپنے ذاتی کاموں میں صرف کر لیتا ہے تو اس کا یہ عمل بھی "تطفیف" کے اندر داخل ہے، حرام ہے۔ گناہ کبیرہ ہے۔ یہ بھی اسی طرح گناہگار ہے جس طرح کم ناپنے اور کم تولنے والا گناہگار ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس نے اگر آٹھ گھنٹے کے بجائے سات گھنٹے کا کام کیا تو ایک گھنٹہ کی ڈیوٹی ماردی، گویا کہ اجرت کے وقت اپنا حق اجرت تو پورا لے رہا ہے اور جب دوسروں کے حقوق دینے کا وقت آیا تو کم دے رہا ہے۔ لہٰذا تنخواہ کا وہ حصہ

1) صفحہ 125　　2) صفحہ 127،128

حرام ہوگا جو اس وقت کے بدلے میں ہوگا جو اس نے اپنے ذاتی کاموں میں صرف کیا۔'' (1)

مولف اساتذہ کی بے غرضی کے حوالہ سے رقمطراز ہیں کہ:

شیخ الہند حضرت مولانا مفتی محمود الحسن رحمۃ اللہ تعالیٰ ہمارے ماضی قریب کی ان شخصیتوں میں سے تھے۔ جن کی مثالیں ہر دور میں گنی چنی ہوا کرتی ہیں۔ ان کا اردو ترجمہ قرآن اور تفسیر مشہور و معروف ہے، اس کے علاوہ آزادی ہند کے سلسلے میں ان کی تحریک ''ریشمی رومال'' اور ''تحریک خلافت'' میں ان کی سرگرم خدمات ہماری تاریخ کا روشن باب ہیں۔ وہ دارالعلوم دیوبند کے پہلے طالب علم تھے اور پھر تعلیم سے فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند ہی میں عمر بھر تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ یہاں تک کہ ''شیخ الحدیث'' کے منصب پر فائز ہوئے اور ماضی قریب کے بے شمار مشاہیر نے ان کی شاگردی کا اعزاز حاصل کیا۔

جب وہ دارالعلوم دیوبند میں ''شیخ الحدیث'' کے طور پر تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے تو دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ نے محسوس کیا کہ ان کی تنخواہ ان کے منصب، ان کے علم وفضل اور ان کی خدمات کے لحاظ سے بہت کم، بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے، ان کا کوئی اور ذریعہ آمدنی بھی نہیں ہے، اور ضروریات بڑھتی جارہی ہیں۔ چنانچہ مجلس شوریٰ نے بالاتفاق رائے فیصلہ کیا کہ مولانا کی تنخواہ میں اضافہ کیا جائے اور اس مضمون کا ایک حکم نامہ مجلس شوریٰ کی طرف جاری کر دیا گیا۔

جو صاحب مولانا کے پاس مجلس شوریٰ کے فیصلے کی خبر لے کر گئے، انہیں یقیناً یہ امید ہوگی کہ مولانا یہ خبر سن کر خوش ہوں گے، لیکن معاملہ برعکس ہوا، مولانا یہ خبر سن کر پریشان ہو گئے اور فوراً مجلس شوریٰ کے ارکان کے نام ایک درخواست لکھی، جس کا مضمون یہ تھا:

''میرے علم میں یہ بات آئی ہے کہ دارالعلوم کی طرف سے میری تنخواہ میں اضافہ کیا جارہا ہے، یہ اطلاع میرے لئے سخت تشویش کا موجب ہے، اس لئے کہ میری عمر کی زیادتی اور دوسری مصروفیات کی وجہ سے اب دارالعلوم میں میرے ذمے پڑھانے کے گھنٹے کم رکھے گئے ہیں، جب کہ اس سے پہلے میرے ذمے زیادہ گھنٹے ہوا کرتے تھے، اس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ مجلس شوریٰ میری تنخواہ کم کرنے پر غور کرتی، چہ جائیکہ میری تنخواہ میں اضافہ پر سوچا

1) صفحہ 31 جلد دوئم

جائے۔لہٰذا میری درخواست ہے کہ میری تنخواہ بڑھانے کا فیصلہ واپس لیا جائے اور اوقات کے لحاظ سے تنخواہ کم کرنے پر غور کیا جائے"۔(1)

محمد حنیف عبدالمجید صاحب مزید تحریر فرماتے ہیں کہ:

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تھانہ بھون (ضلع مظفر نگر) میں جو مدرسہ قائم کیا تھا، اس میں ہر استاد کا معمول تھا کہ اگر انہیں مدرسہ کے اوقات میں اپنا کوئی ضروری ذاتی کام پیش آجاتا، یا ملازمت کے اوقات میں ان کے پاس کوئی ذاتی مہمان ملنے کے لئے آجاتا تو وہ گھڑی دیکھ کر اپنے پاس نوٹ کرلیا کرتے تھے کہ اتنا وقت اپنے ذاتی کام میں صرف ہوا اور مہینے کے ختم پر، ان اوقات کا مجموعہ بنا کر انتظامیہ کو از خود درخواست پیش کرتے تھے کہ اس ماہ ہماری تنخواہ سے اتنے روپے کاٹ لئے جائیں، کیونکہ اتنا وقت، ہم نے دوسرے کام میں خرچ کیا ہے۔(2) مدرسہ دیوبند کے اساتذہ کا ذکر کیا ہے کہ ذاتی کام پر صرف شدہ وقت کی تنخواہ نہیں لیتے تھے۔ مصنف و مولف مثالی استاد میں مندرجہ ذیل خوبیوں کو ضروری خیال فرماتے ہیں۔ اخلاص، صبر، دوسروں کو راحت پہنچانا۔ غصے میں آپے سے باہر نہ ہونا۔ طلبہ و ماتحتوں پر ظلم نہ کرنا۔ سمجھانے کے لئے اچھا ڈھنگ اختیار کرنا۔ تدریس کو بطور پیشہ اختیار کرنے کے لئے حسن نیت۔ علمی ذوق پیدا کرنا۔ مطالعہ کا ذوق۔ طلبہ کو اللہ کی طرف سے امانت سمجھنا۔ بے اعتنائی نہ برتنا، تکبر سے گریز۔ خوش کلامی۔ نرمی۔ طلبہ کی تربیت کرنا و آداب سکھانا۔ بلا معاوضہ پڑھانا و ٹیوشن سے گریز۔ نیک نیتی غریب طلبہ کی مدد۔ اللہ سے دعا کر کے مدد مانگنا۔ وقت کی پابندی و قدر کرنا۔ طلبہ سے انصاف کرنا و احترام دینا۔ ان کی حوصلہ افزائی کرنا۔ معافی اور عفو و درگزر۔ اطاعت امیر کا جذبہ۔ حسد چغل خوری۔ غیبت، بہتان و دورخے پن سے بچنا۔ رجوع الی اللہ جیسی صفات کا ذکر بہت عمدہ انداز میں فرمایا ہے۔

2.8.15) نابغہ روزگار شخصیت

پروفیسر عبدالجبار شاکر اردو، عربی اور دینیات کے معروف اور مثالی استاد تھے۔ آپ نے

1) ص 73_74　　2) ص 75

مختلف کالجز میں پڑھایا اور علمی و تعلیمی طور پر لاکھوں طالب علموں کو متاثر کیا۔

آپ کی وفات پر ڈاکٹر زاہد اشرف کی نگرانی میں المنبر فیصل آباد نے تذکار پروفیسر عبدالجبار شاکر کے حوالہ سے ملک کے نامور لوگوں کے تاثرات شائع کئے ہیں۔ یہ تذکرہ 368 صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں راقم کا ایک مضمون بھی تھا۔ جسے یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔ (1)

بھائی جی کی سریلی اور میٹھی آواز کانوں میں پڑی اور میں جاگتی آنکھوں اور روشن دن میں اُٹھ بیٹھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ شاکر صاحب تشریف لائے ہیں۔ شاکر صاحب کو اللہ کے پاس گئے ایک ہفتہ ہوا تھا۔ دنیا کی حقیقت اولیٰ کل نفس ذائقۃ الموت ہے مگر شاکر صاحب کے جانے کا یقین نہیں آ رہا تھا۔ شیخوپورہ جا کر جمال الدین افغانی سے تعزیت بھی کر آیا۔ مگر احساس ہوتا ہے کہ شاکر صاحب ابھی مسکراتے ہوئے آئیں گے اور پکاریں گے۔

"بھائی جی! کیا حال ہے؟"

پھر دلیل در دلیل کا سلسلہ شروع ہوا تو محسوس ہوا کہ شاکر صاحب تو ایک مشن، ایک جذبے اور ایک کمٹمنٹ کا نام تھا اور شاکر صاحب اپنے چاہنے والوں کی سوچ کو اس حد تک متاثر کر گئے ہیں کہ وہ ہمارے خیالات، افکار، تحریروں اور گفتگو میں اب بھی زندہ نہیں بلکہ زندہ جاوید ہیں۔

شاکر صاحب سے اپنے تعلق اور تفہیم شاکر کے لئے چند مشاہدات و واقعات نذر قارئین ہیں۔

ملاقات سے پہلے تعارف

1989ء میں گورنمنٹ کالج شورکوٹ کی کینٹین میں چند پروفیسر چائے پینے اور تبادلہ خیال میں مصروف تھے۔ پروفیسر رانا محمد ارشد، ریاضی کے اسسٹنٹ پروفیسر تھے۔ کہنے لگے: یار! ایک دلچسپ واقعہ نہ سناؤں۔ ہم متوجہ ہوئے تو رانا صاحب نے مزاحیہ انداز میں ذکر کیا کہ میرے ایک دوست کا ٹرک ہے۔ اس نے مجھے کل بتایا کہ رحیم یار خان سے ایک پروفیسر کا تبادلہ شیخوپورہ ہو گیا۔ میں رحیم یار خان میں تھا۔ مجھ سے پروفیسر صاحب نے رابطہ کیا اور کہا کہ گھر کا سامان شیخوپورہ لے جانا ہے۔ میں نے کچھ زیادہ پیسے مانگے۔ اس بھولے بندے نے کوئی بحث نہ کی اور

1) ڈاکٹر زاہد اشرف (2010ء) المنبر، فیصل آباد، تذکار پروفیسر عبدالجبار شاکر۔ عبدالرحیم اشرف ٹرسٹ فیصل آباد

مان گیا۔عشاء کے وقت ٹرک لگا دیا گیا اور صبح تک وہ لوگ ردی ہی لادتے رہے۔میں نے انہیں کہا کہ گھر کا سامان بھی لائیں گے تو وہ ہنس دیئے اور میں حیران ہوں کہ اس ردی کے لئے اس پروفیسر نے مجھے اتنا بہت سا کرایہ دے دیا۔اس وقت ان ردی والے پروفیسر صاحب کو نہ میں جانتا تھا اور نہ ہی رانا ارشد مرحوم جانتے تھے۔بہر حال پروفیسر صاحبان کی متاع کل پر تبصرے ہوئے اور کہا گیا کہ ہماری کل کائنات یہ ردی (چند کتب) ہی ہے اور اس واقعہ کو مزاحیہ لطیفہ سمجھ کر ذہن سے اڑا دیا گیا۔ (1)

پہلی ملاقات

نومبر 1997ء میں میں ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر ساہیوال کے طور پر کام کر رہا تھا۔محکمہ تعلیم،حکومت پنجاب کی طرف سے حکم نامہ موصول ہوا کہ آپ کے ضلع کے سکینڈری سکولز کی محکمہ جاتی آڈٹ کمیٹی (DAC) کی میٹنگ ضلعی تعلیمی آفس ساہیوال میں ہوگی۔یہ میٹنگ اس لحاظ سے اہم ہوتی ہے کہ محکمہ آڈٹ سکولوں کے اخراجات پر جو اعتراضات لگاتا ہے،انہیں دور کرنا ہوتا ہے۔اس میں ایک نمائندہ آڈیٹر جنرل کا اور ایک حکومت پنجاب کا ہوتا ہے۔

مقررہ تاریخ سے ایک دن قبل شاکر صاحب تشریف لے آئے۔مغرب سے کچھ پہلے کا وقت تھا۔دفتر میں ہی رہائش کا انتظام کیا گیا تھا۔پہلی ملاقات میں جو تاثر شاکر صاحب نے چھوڑا، کافی خوشگوار تھا۔جب گفتگو اور تعارف کا سلسلہ شروع ہوا تو شاکر صاحب کی شخصیت وعلمیت کی تہیں کھلنا شروع ہوئیں۔کھانا کھانے کے بعد میں نے اپنا شوق بتایا کہ کچھ پرانی چیزیں جمع کرتا ہوں۔انہوں نے جس محبت سے دیکھنے کے لئے اصرار کیا،اسے رد کرنے کا سوال ہی نہ تھا۔میں انہیں غریب خانہ پر لے گیا اور مختلف اوقات میں جمع کردہ سکے،مہریں،مٹی کی انسانی اور جانوروں کی شبیہیں،پتھر کے منکے،ٹھیکریاں،کتب اور برتن وغیرہ دکھانے شروع کئے تو شاکر صاحب جس توجہ اور انہماک سے یہ اشیاء دیکھ رہے تھے اور ان کی تاریخ اور ان کے بارے میں بتا رہے تھے، یہ ان کے علم آثار شناسی کے بارے میں حیران کر دینے والی بات تھی۔اس سے قبل اتنی علمیت کا

1) اسلام صدیقی۔پرنسپل گورنمنٹ ایلیمنٹری ٹریننگ سکول،ملتان۔سابقہ ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن پنجاب

اظہار، ہڑپہ کی کھدائی کے لئے آنے والے آرکیالوجسٹ ڈاکٹر مارک کنوئر نے کیا تھا جو کہ وسکانسن یونیورسٹی، امریکا کے اس شعبے کے سربراہ ہیں۔ اس دوران میں دونوں شخصیات کی معلومات کا موازنہ کرتا رہا، بالآخر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ برصغیر کے سکوں کے بارے میں شاکر صاحب کی معلومات ڈاکٹر مارک سے بہتر تھی۔

یہ پہلی ملاقات رات کے دو بجے کے بعد ختم ہوئی۔ میں نے ہی شاکر صاحب سے گزارش کی کہ آرام فرمالیں کیونکہ صبح کافی کام کرنا ہے۔ اس پہلی ملاقات میں ہم نے ایک دوسرے کو دریافت کرلیا۔ اس کے بعد سے میں ان کے لئے بھائی جی تھا اور وہ میرے لئے بڑے بھائی۔ اس رات شاکر صاحب نے مجھے ان اشیاء کی حفاظت کے بارے میں فرمایا اور کہا کہ یہ ہمارا قومی ورثہ ہے۔ ان کی اہمیت کا احساس دلایا اور اس سلسلے میں یہ کہتے ہوئے میری حوصلہ افزائی کی کہ آپ نے اپنے بچوں کا پیٹ کاٹ کر یہ اشیاء جمع کی ہیں۔ مزید فرمایا کہ یہ شوق، لگن اور عشق کی بات ہے اور جنون و پاگل پن والے لوگ ایسے کام کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے بارے میں بتایا کہ میں بھی اسی طرح کے ایک پاگل پن میں مبتلا ہوں اور ایک لائبریری بنائی ہے، جس کا نام بیت الحکمت رکھا ہے۔ یہ سن کر مسلمانوں کے دور عروج کے بیت الحکمت کی طرف دھیان چلا گیا۔ میں نے اس کا تذکرہ کیا تو فرمانے لگے کہ مسلمانوں کی میراث کی حفاظت بھی تو ہمارا فریضہ ہے۔ ان کی تاریخ فہمی، تاریخ دانی، مدلل انداز اور سب سے زیادہ احساس متاع گم گشتہ کے بارے میں جان کر خوش گوار حیرت ہوئی۔

اگلے دن نمازِ فجر کے بعد ناشتے کی میز پر پھر ذکر رہا اور جس انداز میں انہوں نے حوصلہ افزائی فرمائی، وہ میرے لئے ایک اعزاز سے کم نہ تھا۔ میٹنگ شروع ہوئی تو ان کے آڈٹ کے حوالہ سے جوہر کھلے۔ میں بھی اس میٹنگ کی تیاری کر چکا تھا۔ تمام سربراہان ادارہ جن کے آڈٹ پیراجات تھے، ان کے جوابات خود دیکھ چکا تھا اور جہاں ضرورت تھی وہاں رقم خزانہ سرکار میں جمع ہوچکی تھی۔ لہٰذا کام تیزی سے ہوا اور آڈیٹر جنرل کا نمائندہ و شاکر صاحب دونوں مطمئن تھے۔

رات کی ملاقات میں قرآن مجید کے قلمی نسخہ جات کا ذکر شاکر صاحب نے فرمایا تھا۔ میں نے شاکر صاحب کو بتایا کہ ساہیوال کے نواح میں ملک بنیامین میرے دوست ہیں جو آج کل بھی

قلمی قرآن مجید کی کتابت کی سعادت سے بہرہ ور ہیں۔ اس سلسلہ میں ملک بنیامین پر اللہ کی خاص عنایت کا ذکر کرتے ہوئے میں نے کہا کہ ملک صاحب کا تقریباً ایک مربع یعنی پچیس ایکڑ آموں کا باغ ہے۔ ملک صاحب ہر سال آموں کے سیزن میں تمام دوستوں کو بلاتے اور آموں کی دعوت کرتے اور خاص طور پر اپنے رقم کردہ قرآن مجید دکھاتے۔ اس سال میں دو بار ان کے ہاں گیا۔ وہ بھی میرے پاس کئی بار تشریف لائے۔ ان کی مینگو پارٹی میں اعجاز الحق اور میاں محمد اظہر سابق گورنر پنجاب بھی آئے تھے۔ ان پر اللہ کی یہ خاص عنایت تھی یا اسے معجزۂ خدمت قرآن کہیں کہ ایک بار ساہیوال کے اس علاقہ میں شدید ژالہ باری ہوئی۔ علاقے کے لوگ گواہ ہیں اور حیرت سے کہتے ہیں کہ تمام باغات اور فصلیں تباہ ہو گئیں مگر ملک بنیامین کے باغ کا کوئی نقصان نہ ہوا۔ دیکھنے والے بتاتے ہیں کہ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے کسی نے ملک صاحب کے باغ کے گرد لکیر کھینچ دی ہو اور کوئی غیبی ہاتھ اس کی حفاظت کر رہا ہو۔

شاکر صاحب کے کہنے پر ملک صاحب سے ظہر کے بعد کا وقت لیا۔ ہم دونوں جا کر انہیں ملے، قرآن مجید کی زیارت کی۔ ملک صاحب سے بڑی پر لطف گفتگو رہی۔ آتے ہوئے ملک صاحب نے اپنے ہاتھ سے تحریر کردہ قرآنی آیات کا ایک تحفہ پیش کیا، جسے شاکر صاحب نے بیت الحکمت میں اپنے کمرہ میں لگائے رکھا۔ میں نے ان دو ایثار پیشہ اور اس دور کی مخلصین کی ملاقات سے بہت کچھ سیکھا۔

وقت رخصت، شاکر صاحب اپنا فون نمبر بیت الحکمت کا پتہ اور آنے کی دعوت دے گئے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ میری زندگی میں اتنی خوش گوار سرکاری ملاقات اور کوئی نہیں ہے۔ اس وقت بھی جی چاہتا تھا کہ شاکر صاحب کو روک لوں اور ان کے تبحر علمی سے مزید استفادہ کروں۔

پندرہ بیس دن بعد لاہور جانا ہوا تو اپنی مصروفیت سے فارغ ہو کر شاکر صاحب کو فون کیا۔ وہ اپنے دفتر واقع چلڈرن کمپلیکس میں موجود تھے، جا کر ملا تو مجھے اپنے ساتھ بیت الحکمت لے آئے اور اس کا تعارف کرانا شروع کر دیا۔ دس مرلے جگہ پر تعمیر آپ کی بھابھی کی زمین بیچ کر کروائی ہے۔ سنگ مرمر فلاں صاحب نے سستے داموں سوات سے بھجوایا ہے۔ نقشہ فلاں صاحب نے بنا کر دیا ہے۔ فرنیچر کا ڈیزائن میں نے خود تیار کیا اور پھر یہیں بنوایا ہے، یہ کانفرنس ہال ہے اور

پھر متاع عزیز کتب کا ذکر، یہ سیکشن قرآن مجید اور تفاسیر کا ہے۔ یہ حدیث کا ہے، یہ حصہ اسلامی تاریخ کا ہے۔ یہ تاریخ و تحریک پاکستان کا سیکشن ہے۔ یہ اقبالیات کا ذخیرہ ہے اور یہ ادب و لٹریچر کی کتب ہیں۔ اس کے بعد اوپر والی منزل پر مسلمانوں کی میراث، قلمی نسخہ ہائے قرآن مجید ہیں۔ پھر مخطوطات کے سیکشن میں لے گئے۔ ایک ایک کتاب کا والہانہ تعارف کرایا اور اکثر کتابوں کی اہمیت سے روشناس کراتے ہوئے اس کے مندرجات سے آگاہ کرتے رہے۔

اس سے قبل میں حکیم شریف احسن (فیصل آباد) کو ایک بار عصیم لائبریری، رجانہ ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ لے کر گیا۔ مطالعہ و کتب کے بارے میں ان کی معلومات سے متاثر تھا۔ شاکر صاحب کو مطالعہ کے حوالہ سے اور کتب بینی و کتب شناسی میں ان سے سوا پایا۔ سرکاری لائبریریوں سے ہٹ کر پرائیویٹ لائبریریوں میں میں تین افراد سے متاثر تھا۔ عمر کے ابتدائی دور میں علامہ عتیق فکری کے گھر ملتان گیا۔ علامہ صاحب کے پاس بیس ہزار کتب تھیں اور جب کسی کتاب کا نام لے کر پوچھا تو ان کا ہاتھ اسی جگہ پہنچا جہاں کتاب موجود تھی۔ دوسرے عبدالرشید عصیم، رجانہ ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ ہیں، ان کی لائبریری میں اسی ہزار کے لگ بھگ کتب ہیں۔ وہ اپنے مزاج کی چیزیں پڑھتے تھے۔ تیسرے میاں محمود احمد جھنڈیر، میاں مسعود احمد جھنڈیر اور میاں غلام احمد جھنڈیر صاحبان کی لائبریری سردار پور جھنڈیر ضلع وہاڑی میں ہے۔ اس لائبریری میں اب کتب کی تعداد ڈیڑھ لاکھ سے بھی زیادہ ہے، جبکہ وہاں دو ہزار سے زیادہ قلمی قرآن مجید موجود ہیں۔ تینوں بھائی مطالعہ کے شائق ہیں اور بہت سی کتب خود پڑھ چکے ہیں۔ شاکر صاحب جس والہانہ لگاؤ، محبت اور وارفتگی سے تعارف کتب کروا رہے تھے اور جس طرح اکثر کتب کے خلاصے اور علمی نکات بیان فرما رہے تھے، وہ حیران کن تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اس دور زوال میں کیا شاکر صاحب اسی دنیا اور ہمارے اسی ملک کے باسی ہیں، یا ان میں قرون اولیٰ کی روح حلول کر گئی ہے؟ یہ بندہ حرص و طمع سے دور، علمی خدمت میں اس حد تک ڈوبا ہوا ہے۔ حیرت سے گنگ دیکھتا رہا۔ لائبریری اور اس کا تعارف سن کر محسوس ہوا کہ کھلی آنکھوں سے خواب دیکھ رہا ہوں اور خود پر شرم آئی کہ زندگی اور اس میں ملنے والی مہلت کا جو استعمال کیا، وہ مناسب نہیں۔ چند کتب کے بارے میں شاکر صاحب سے پوچھا، وہ سیدھے اسی الماری میں گئے اور وہ کتب اٹھا لائے۔ اسی اثناء میں جمال الدین افغانی

تشریف لے آئے، ان سے میرا تعارف کروایا تو احساس ہوا کہ لاڈلے بیٹے اور لاڈلی کتاب کے تعارف میں یکساں والہانہ پن موجود ہے۔ اس ملاقات کے آخر میں بڑے انکسار سے فرمایا: میرا تو یہی کچھ سرمایہ ہے۔ اب اپنی کہو۔ میں نے جو تبصرہ کیا، اس میں آپ کو شریک کرتا ہوں۔ شاکر صاحب! اس دنیا میں بہت سے لوگ خواب دیکھتے ہیں مگر اس کی تعبیر بہت کم لوگوں کو ملتی ہے۔ آپ نے اپنے خوابوں کو عملی شکل دے دی ہے۔ پھر میں نے کہا کہ اللہ بزرگ و برتر آپ کو لمبی عمر عطا فرمائے۔ اسی شام شاکر صاحب نے مجھے روک لیا اور کہا صبح سویرے چلے جانا۔ ہم دونوں قرآن مجید والے سیکشن میں بیٹھے رہے۔ شاکر صاحب مختلف طرز تحریر و سائز کے قرآن مجید دکھاتے رہے۔ مسلمانوں نے صدیوں سے فن کتابت کو جو ترقی دی اور جس لگن، محنت، خلوص، پیار، محبت اور جذبہ ایمانی سے قرآن مجید کی کتابت کی، اس پر گفتگو ہوتی رہی۔ میں ہمہ تن گوش اس بحر علم سے سنتا رہا۔ ان کے ذکر قرآن مجید میں ایک جذبہ اور وارفتگی پائی جاتی تھی۔

عزیزم جمال الدین افغانی نے اسی کمرے میں ایک تکیہ، گدہ اور چادر لا دی۔ وہ رات میں نے تقریباً جاگتے ہوئے اس احساس تفاخر کے ساتھ گزار دی کہ میں قرآن مجید کے اتنے نسخوں کے ہمراہ رات گزار رہا ہوں، تسبیح و تہلیل اور ایک عجیب کیفیت میں رات گزاری، جس کا بیان انتہائی مشکل ہے۔ وقت روانگی شاکر صاحب نے مجھے کہا کہ بیت الحکمت کی تمام کتب سے آپ استفادہ فرما سکتے ہیں۔ دوسرا جب بھی لاہور آئیں، اس لائبریری میں قیام کریں۔ اگلے سالوں میں، میں جب بھی لاہور آیا تو اکثر قیام بیت الحکمت میں کیا۔ یہاں کشش کے دو توانا حوالے موجود تھے، ایک تو خود شاکر صاحب جیسی چلتی پھرتی یونیورسٹی اور دوسرا ذخیرہ کتب۔

جب احباب سے شاکر صاحب کا ذکر کیا تو جمیل نجم صاحب نے کہا کہ میں انہیں جانتا ہوں۔ جب ساتھ لے کر گیا تو بے تکلفی سے ملے اور بتایا کہ ہم کلاس فیلو رہے ہیں۔ وہ دونوں بچپن کی یادیں تازہ کرتے رہے، خاص طور پر یہ کہ ہم ریلوے سٹیشن کی روشنی میں بیٹھ کر مطالعہ کرتے رہے ہیں۔ 1999ء میں، میں ڈائریکٹر ایجوکیشن ملتان بنا تو بہت خوش ہوئے۔ میں نے پوچھا کہ مجھے کن پہلوؤں پر تعلیمی کام کو آگے بڑھانا چاہئے تو طالب علم کی کردار سازی، استاد کی لگن، احترام استاد، قومی ورثہ اور نظریہ اسلام و پاکستان سے آگاہی کے نکات پر گفتگو فرمائی۔ اس

اثنا میں شاکر صاحب جب بھی ملتان گئے یا انہیں ملتان سے گزر کر ڈیرہ غازی خان جانا پڑا، خواہ مصروفیت ذاتی ہو یا سرکاری، میرے لئے وقت کا کوٹہ مقرر تھا اور مجھے ملے بغیر آگے نہ جاتے تھے، بے شک ہماری ملاقات کا دورانیہ پندرہ منٹ میں سے بارہ منٹ ہم علمی گفتگو میں گزارتے۔ کئی بار مساجد میں خطاب کے لئے گئے تو مجھے بھی ساتھ لے گئے۔ ایک بار مجلس ہمدرد میں بھی مجھے لے گئے۔

یونیورسٹی آف ایجوکیشن قائم ہوئی تو میرے ایک دوست وساتھی محمد کامران نے کہا کہ جو کچھ بولتے ہو، لکھ ڈالو۔ شاکر صاحب سے ذکر کیا تو بہت خوش ہوئے۔ فرمایا کتاب کا نام میں خود رکھوں گا۔ میں رمضان میں نماز عشا پڑھ کر لکھنا شروع کرتا اور سحر تک لکھتا جاتا۔ اس طرح کتاب تیار ہوئی۔ کمپوز کروا کر شاکر صاحب کو بھجوادی۔ اس پر خوبصورت انداز میں تبصرہ لکھا، کتاب کا نام روح پاکستانیات تجویز فرمایا اور لکھنے پر مزید حوصلہ افزائی فرمائی۔ یہ بھی کہا کہ ایجوکیشن کے میدان میں ہمارے ملک میں بہت کم کام ہوا ہے۔ باقی تصانیف کی تیاری کے دوران بھی میں اکثر اوقات ان سے مشورہ کرتا رہتا تھا۔

میں نے پی ایچ ڈی کا کام شروع کیا تو انہی دنوں شاکر صاحب بھی اپنے کام کا خاکہ تیار کر رہے تھے۔ مجھے کہنے لگے تم سے پہلے ڈگری لوں گا۔ میں اکثر ان کی توجہ اس طرف مبذول کراتا کہ آپ خود بھی کچھ لکھیں۔ مگر لگتا ہے کہ وقت جیسی متاع ان کے پاس کم تھی اور واقعی کم تھی۔ شاکر صاحب کے انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد جانے پر رابطہ میں کمی واقع ہوگئی اور جب اخبار سے ان کی رحلت کی خبر ملی تو بے حد صدمہ ہوا۔

شاکر صاحب کی خاص خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ تھی کہ قرآن مجید کے قدیم قلمی نسخوں کے اصل اور نقل کی پہچان رکھتے تھے۔ کاغذ کو ہاتھ لگا کر بتادیتے تھے کہ یہ اتنا قدیم ہے۔ ایک بار بتانے لگے کہ برونائی سے ایک وفد بیت الحکمت میں آیا، اس میں افریقہ سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب تھے، وہ سونگھ کر قدامت بتاتے تھے اور حیرت انگیز طور پر نتائج یکساں تھے۔ اب اس فن کو جاننے والے کہاں؟ شاکر صاحب عربی کتابت کی تمام اصناف سے واقف تھے۔

ان کا مشہور مقولہ تھا اس پر عمل بھی کرتے تھے کہ دولت جیب میں بھلی لگتی ہے، دل میں نہیں۔ اپنے بزرگوں کے حوالہ سے اکثر یہ سناتے تھے اور عملی طور پر سچ ہے کہ انہوں نے دولت کو دل میں نہیں بسایا۔

شاکر صاحب عشق حقیقی کا پیکر جمال تھے۔ ان کا پہلا عشق خالق حقیقی سے تھا، دوسرا رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے۔ تیسرا عشق اپنے اہل وعیال اور عیال اللہ سے، چوتھا عشق پاک سرزمین سے، پانچواں عشق شاعر مشرق علامہ محمد اقبالؒ سے اور چھٹا عشق علم وتعلیم اور اپنے پیشے سے تھا اور خاص عشق کتابوں سے تھا۔

میری رائے میں شاکر صاحب توحید پرست اور متقی انسان تھے۔ ان کی شخصیت میں حقیقی شکر گزاری نظر آتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے ناطے سے علم حدیث اور سیرت کے موضوعات پر ان کی گرفت اور ان کی معلومات انتہائی قابل قدر تھیں۔ حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی شخصیت کا خاص حصہ تھا۔ اپنے خاندان سے محبت اور اپنے بیٹوں کے نام، اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے ان کی تڑپ کا مظہر ہیں۔ میں نے جہاں تک دیکھا وہ ہماری بھابھی کا ذکر بہت احترام سے کرتے تھے۔ وہ بیٹوں کے نہ صرف رہنما تھے بلکہ بہترین دوست بھی۔ مخلوق خدا سے محبت اور احترام ان کا وصف خاص تھا۔ انکساری اور غیبت سے بچتے تھے۔ ہمیشہ دوسروں کے بارے میں حسن ظن رکھتے تھے۔ پاکستان کے حوالے سے متفکر اور پر امید رہتے تھے اور دعائیں کرتے تھے۔ پاکستان کا چہرہ خوبصورت بنانے میں شاکر بھائی نے کبھی کوتاہی نہیں کی۔ لائبریری میں بھی پاکستان کے بارے میں وسیع کتب اس کا ثبوت ہیں۔ علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ کو شاکر صاحب اپنا مرشد مانتے تھے اور ان کے افکار کی ترویج میں پوری تن دہی سے مصروف تھے۔ اسی لئے اقبالیات کا سیکشن ان کی لائبریری کا تیسرا بڑا سیکشن تھا۔ شاکر صاحب نے علم وتعلیم کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا تھا اور اسی حوالے سے وہ عملی وتہذیبی انقلاب کے قائل تھے۔ یہاں تک کہ اگر ویگن میں سفر کر رہے ہیں تو شریک سفر کو بھی اخلاقیات وتہذیب سکھانے کی بات کرتے تھے۔ میں بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ وہ اعلیٰ ظرف اور اعلیٰ پائے کے انسان ومسلمان تھے۔ تواضع، انکساری، سادگی، وارفتگی اور سادہ طرز زندگی ان کی شخصیت کے خاص پہلو تھے۔

شاکر صاحب کا فلسفۂ زندگی

شاکر صاحب جیسی متحرک شخصیات کم ہی دیکھنے میں آتی ہیں۔ شاکر صاحب زندگی کے بامقصد ہونے اور اسے اللہ تعالیٰ اور ان کے رسولؐ کے احکام کے تابع رہ کر گزارنے کے قائل تھے۔ انہوں نے مسلمان فلاسفرز کا گہرا مطالعہ کیا۔ وہ مسلم اُمہ کے حوالے سے اتحاد کے داعی تھے۔ احترام واکرام مسلم کو خوب نبھاتے۔ وہ عملی آدمی تھے، محض نظری نہیں۔ نخوت نام کو نہ تھی مگر علمی طنطنہ تھا، دلیل سے گفتگو فرماتے تھے۔ دین کو وسیع تناظر میں دیکھتے تھے اور نچلی سطح سے ایوان ہائے اقتدار تک اس کے نفاذ کے خواہش مند تھے۔ دینی حوالہ سے علاقائی، ملکی اور بین الاقوامی سطح تک ترویج واشاعت اور نیٹ ورکنگ کے قائل تھے۔ چاہتے تھے کہ مسلم اُمہ کو متحد ہو کر حالات کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ عالم اسلام کے لئے عمدہ قیادت کے حوالہ سے فکر مند رہتے تھے۔ اپنی ذات کی نفی کر کے دوسروں کو آگے لانے کی کوشش کرتے تھے۔ مسلم ورثہ اور روایات کے تحفظ کے خواہاں تھے اور فرقہ پرستی سے نالاں تھے۔ وہ سنگینی احوال میں بھی اُمید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے تھے اور مایوسی کو گناہ سمجھتے تھے۔ جہد مسلسل کے قائل تھے۔ ہر وقت خود بھی حرکت میں رہتے۔ سستی، کاہلی اور نااہلی سے نفرت تھی۔

کتاب شناس وکتاب دوست

شاکر صاحب میں کتاب شناسی کی صفت درجہ کمال کی تھی۔ کتاب ان کا عشق تھا اور یہی ان کا فن۔ بیت الحکمت میں اسلامی ورثہ کو محفوظ کرنے کے لئے تمام وسائل، صلاحیتیں اور وقت لگا دیا۔ جہاں بھی گئے، جس کام سے بھی گئے، تلاش کتب کے نصب العین کو ساتھ لے کر گئے۔ دل کی تکلیف کا آغاز ہوا تو ڈاکٹروں نے کتب اٹھانے سے منع کیا تھا، مگر جب ایران یا سعودی عرب گئے تو واپسی پر ہینڈ کیری میں کتب بھر لائے۔ اس سلسلہ میں دلچسپ واقعات سناتے ہیں۔ بتلانے لگے کہ میں سعودی عرب گیا اور واپسی پر کتابوں کا وزن بڑھ گیا۔ ایئر لائن والوں نے رقم کا مطالبہ کی۔ پیسے تو تمام کتابوں کی خرید پر لگا دیئے تھے، ایسے میں رقم کہاں؟ لہٰذا میں نے ایئر لائن

کے ملازم سے کہا: بیٹا! یہ کتابیں آپ لوگ رکھ لو، ایئر لائن والوں میں بانٹ دینا، وہ پڑھ لیں گے۔ اس بندے نے مسکرا کر لانے کی اجازت دے دی۔

میں نے چند کتب اور ہندی ترجمے والا ایک قرآن مجید نذر کیا تو خوشی دیدنی تھی۔ کتاب سے بڑا کوئی تحفہ نہیں سمجھتے تھے۔ نہ صرف کتاب جمع کرتے بلکہ مسلسل مطالعہ کے قائل تھے۔ کتاب چھپا کر نہ رکھتے تھے، بلکہ اس سے افادہ عام کے خواہش مند رہتے۔ لائبریری میں ہر آنے جانے والے کی تواضع بھی کرتے اور علمی تشنگی بھی بجھاتے۔ ریسرچ سکالرز کا بہت احترام کرتے تھے۔ ان کی شہرت کی اصل وجہ کتاب اور بیت الحکمت ہے۔ کتب کو اپنی معنوی اولاد کی طرح عزیز رکھتے تھے، خود کتب تحریر نہ کر سکے۔ میں نے کئی بار توجہ دلائی مگر مصروفیت آڑے آئی۔ مجھ جیسوں کی حوصلہ افزائی، خوب فرماتے تھے۔ جمال الدین افغانی نے ایم بی اے کیا تو اسے بھی کتابوں کی دنیا میں ہی لے آئے، تا کہ علم کی خدمت ہو سکے۔

شاکر صاحب بحیثیت استاد

شاکر صاحب کا حلقہ اثر وسیع تھا۔ کلاس روم میں تو دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا مگر مثالی استاد کی تمام خوبیاں ان میں موجود تھیں۔ انہیں دیکھ کر ہومر کی کتاب اوڈیسی کے بیٹے کے استاد مینٹور کا کردار واضح ہوتا تھا۔ شاکر صاحب اپنے تدریسی سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کی ذات سے روشنی حاصل کرنے کے قائل تھے۔ شدت پسندانہ رویے سے اجتناب کرتے ہوئے تحمل کا مظاہرہ کرتے۔ کردار سازی و تربیت پر بہت توجہ دیتے۔ رسمی اور غیر رسمی، دونوں انداز میں کام کرنا جانتے تھے۔ اپنے کالج میں تین مواقع پر میں انہیں کلاس میں اور اساتذہ کے پاس لے گیا۔ گفتگو میں واضح طور پر مدلل انداز میں کم سے کم وقت میں مدعا بیان کرنے کا فن جانتے تھے۔ ابلاغ کے فن سے بخوبی آشنا تھے۔ علم وفضل، اعتماد، حقیقت پسندی، تجزیہ و دلیل، ٹیم سپرٹ، قوت ارادی، اصول پسندی، یقین محکم اور طالب علم سے محبت کی صلاحیتوں سے مالا مال تھے۔ اسلامی فلسفہ کے واضح اظہار اور اس کی برتری کے قائل تھے۔ وسیع المطالعہ تھے اور کلاس روم میں اس کا بھرپور اظہار کرتے تھے۔

حاصلات زندگی

جب شاکر صاحب کی زندگی اور اس کے حاصلات پر نظر ڈالتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ وہ کام جو حکومتوں اور اداروں کے کرنے کا ہے، یہ اکیلا اور بے وسیلہ شخص کر گیا۔ بیت الحکمت اتنا بڑا کام ہے کہ مجھ جیسا انسان دو سو سال جیئے تو بھی نہیں کر سکتا۔ اولاد کی تربیت ہر مسلمان کا فرض ہے، الحمدللہ انہوں نے یہ کام احسن طریق سے نبھایا۔ قناعت کی زندگی گزاری، ہمیشہ شاکر بہ رضائے الٰہی رہے۔ ناجائز دولت اکٹھی نہ کی۔ نہایت سادہ پر مشقت زندگی گزاری۔

پاکستان میں لاکھوں لوگوں کے پاس ایم اے اردو یا عربی کی ڈگریاں ہیں، مگر ان ڈگریوں کو میری نظر میں صرف دو افراد نے نبھایا ہے ایک علامہ شبلی نعمانیؒ اور دوسرے شاکر صاحب کے حصہ میں آیا۔ شاکر صاحب نے جماعتی و عوامی سطح پر لاکھوں لوگوں کو اپنے علم و کردار سے متاثر کیا۔

شاکر صاحب نے تصنیف و تالیف میں وہ کام نہیں کیا جو انہیں کرنا چاہئے تھا۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے زندگی کے ہر لمحے کو بامقصد انداز میں استعمال کیا ہے۔ تاریخ میں سقراط نے کچھ نہیں لکھا، مگر افلاطون نے اس کے فیض تربیت کو عام کیا اور اپنے استاد کو مشہور عالم و زندہ جاوید بنا دیا۔ امام ابو حنیفہؒ نے کوئی کتاب نہیں لکھی مگر ان کے لائق شاگرد امام ابو یوسفؒ نے استاد کو جو شہرت دلوائی وہ لائق ستائش ہے۔ لہٰذا اب شاکر صاحب کے شاگردوں کو استاد کی اس کمی کو پورا کرنا ہے۔

میں دین کی فہم کم رکھتا ہوں مگر سنا ہے کہ شہادت کی کچھ اقسام ہیں جن میں میدان جنگ میں شہادت، پانی میں ڈوب کر شہادت، ناگہانی موت کی شہادت شامل ہیں۔ میرا خیال ہے کہ شاکر صاحب شہید راہ وفا ہیں اور شہید نہ صرف خود بلکہ اس کا مشن بھی زندہ ہوتا ہے۔ اب محبان شاکر کا فرض ہے کہ ان کے ارفع مشن کو آگے بڑھائیں اور ان کے بلندی درجات کی دُعا کریں۔

2.8.16) ایثار پیشہ اُستاد

ڈاکٹر امجد ثاقب صاحب اخوت کے بانی ہیں۔ عملی انسان ہیں، غریب کا دُکھ محسوس کرتے ہیں، اُس اکیلے آدمی نے جو بزم سجائی ہے وہ حکومتوں کے کام کو مات دے گئی ہے۔ خدا لمبی عمر دے۔ مزید حوصلہ دے۔ آمین۔ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''پاکستان کی دھرتی کو جن چند افراد پر ناز ہو سکتا ہے۔ اختر حمید خان کا شمار انہی منتخب لوگوں میں ہوتا ہے۔ اختر حمید اب ایک شخص نہیں بلکہ ایک علامت بن چکے ہیں۔ خدمت اور صدق وصفا کی ایسی علامت جس کا تذکرہ زندگی میں کم اور کتابوں میں زیادہ ملتا ہے۔ وہ پانی کی اس بوند کی طرح تھے جو صحرا میں گرے تو گلستان اور سیپ میں ٹپکے تو موتی بن جاتی ہے۔

علی گڑھ یونیورسٹی نے انیسویں صدی کے اختتام پر مسلم تہذیب کے جو چراغ روشن کئے۔ اختر حمید خان انہی چراغوں کی روشنی میں پروان چڑھے تھے۔ روایت اور وضع داری میں گندھی اور پاکیزہ فضا میں پرورش پاتے ہوئے اختر حمید خان نے اپنی عملی زندگی کا آغاز 1936ء میں انڈین سول سروس سے کیا۔ ان دنوں یہ اعزاز کامیابی کی معراج تصور ہوتا تھا۔ اختر حمید خان جیسے لوگوں کے لئے البتہ یہ کوئی بڑا کارنامہ نہ تھا۔ انہوں نے چند سال اپنے سر پہ کانٹوں کا یہ تاج سجائے رکھا۔ لیکن رفتہ رفتہ جب اس کا بوجھ پڑھنے لگا تو ایک روز بڑی بے نیازی سے اسے سر سے اتارا اور حکمرانی سے کنارہ کشی کا اعلان کر دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ ''فرنگی استادوں کے پاس مجھے سکھانے کے لئے مزید کچھ نہیں۔ مجھے اب ایک اور طرح کی تربیت درکار ہے۔ اسی تربیت کے حصول کے لئے خان صاحب نے اگلے دو سال گمنامی کی خلعت پہنے ایک دور افتادہ گاؤں میں ایک لوہار کے گھر میں گزار دیئے۔ ان کے سر میں زندگی کو قریب سے دیکھنے کا سودا سما چکا تھا۔ دو سال کا یہ کشٹ پورا ہوا تو پھر جامعہ ملیہ دہلی کا رخ کیا اور درس وتدریس کی راہ اختیار کر لی کہ یہ راستہ شیوہ پیغمبری بھی تھا۔ پاکستان بننے کے بعد کومیلا میں دیہی ترقی کے ایک منصوبہ کی باگ دوڑ سنبھالی اور سونار دیس کے دہقانوں کو خود انحصاری کی تعلیم دینا شروع کی۔ سقوط ڈھاکہ کے بعد پشاور کو اپنا مسکن بنایا اور داؤد زئی پراجیکٹ پہ کام شروع کر دیا۔ اس پراجیکٹ میں شعیب صاحب کی معاونت بھی حاصل تھی۔ پھر ایک ایسا دور آیا جب وہ حکمرانوں کی نگاہ میں کھٹکنے لگے۔ انہیں یوں لگا کہ ان کے علم اور تجربہ کی اب یہاں کسی کو ضرورت نہیں۔'' راز کھلا کہ فائدہ عرض ہنر میں خاک نہیں۔'' دلبر داشتہ ہو کر انہوں نے امریکا کی راہ اختیار کی اور مشی گن سٹیٹ یونیورسٹی میں پڑھانا شروع کر دیا۔ وطن کی محبت تاہم ان کے خمیر میں تھی۔ حالات بہتر ہوئے تو پھر سے پلٹ آئے اور

کراچی میں آغا حسن عابدی کے ساتھ مل کر اورنگی پائلٹ پراجیکٹ کے نام سے اپنی طرز کا ایک منفرد منصوبہ شروع کر دیا اور اپنی وفات تک اسی منصوبہ سے منسلک رہے۔

اختر حمید خان نے ہزاروں لاکھوں لوگوں کی زندگی میں انقلاب کی بنیاد رکھی۔ اسی پہ کیا موقوف ایک کامیاب استاد کی طرح انہوں نے Development professionals کی ایک فوج ظفر موج کو نئی راہوں سے بھی آشنا کیا۔ تمام عمر سادگی، اخلاص اور قربانی کا دامن تھامے رہے۔ وہ شخص جس نے ستر سال قبل سول سروس کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا آخری عمر میں ایک کمرہ کے فلیٹ میں رہتا تھا اور صرف سات ہزار ماہانہ مشاہرہ پہ کام کرتا تھا۔ حرص اور ذاتی خواہشات کی نفی کی یہ ایک نادر مثال ہے۔

کہتے ہیں کہ اختر حمید خان مشرق کی عظیم صوفیانہ روایات کے علمبردار تھے۔ درویشی کا جو ڈھنگ انہوں نے اپنایا وہ راہ سلوک پہ چلنے والوں کے لئے بھی مشعل راہ ہے۔ عربی، فارسی اور دیگر علوم شرقیہ میں دسترس کے ساتھ انگریزی اور پالی زبان پہ مکمل عبور رکھتے تھے۔ ان کی فکر انگیز تحریریں پڑھنے والوں کو ایک عرصہ تک یاد رہیں گی۔ ان کے لہجہ سے انسانیت کی محبت اور ان کی گفتگو سے دردمندی اور اخلاص کا پیغام ملتا ہے۔ بظاہر بے کیف سا نظر آنے والا یہ شخص ساری زندگی محبت بوتا، لکھتا اور بانٹتا رہا۔ ان کے اندر کا ریشم نہ جانے کہاں چھپا رہتا تھا۔ دکھ اور درد کی چٹانیں بھی ان کی ملائمت کی تاب نہ لا سکیں۔ یہ ان کی ذات کا حسن ہی تھا کہ پچاسی سال کی عمر میں بھی تمام تر توانائیاں بحال تھیں۔ وہ ہر دم ارتقاء اور ترقی کے زینوں پر محو سفر رہے۔ انہوں نے ایک تہذیب کو اپنے سامنے مٹتے ہوئے دیکھا اور پھر اس کی راکھ سے نئی اقدار کا سورج بھی ان کے سامنے طلوع ہوا۔ لیکن یہ سورج ان کے Idealism سے بالکل متصادم تھا۔ ان کا خیال تھا کہ جو نظام مستقبل کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہ ہو، سچ اور انصاف کی جستجو سے محروم ہو اور غریب کو عزت نفس نہ دے سکے وہ کبھی پائیدار نہیں ہو سکتا۔ ان کا مشہور مقولہ تھا کہ ''اگر ترقی کرنا چاہتے ہو تو پہلے ملک کو چوروں اور کام چوروں سے بچاؤ''۔ شراکتی ترقی کے جو اصول انہوں نے بتائے وہ اک عمر کے علم اور تجربے کا نچوڑ تھے۔ یہ باتیں، یہ اصول کسی ایک درسگاہ اور کسی ایک مکتبہ فکر کے

نصاب میں نہیں ملتے۔ سیکھنا ہی ان کے نزدیک کامیابی کی اصل کلید تھی۔ ایک بار پنجاب کے ایک وزیر اعلیٰ نے اورنگی میں ان سے ملاقات کی۔ ان کی کاوش سے متاثر ہو کر وزیر اعلیٰ کہنے لگے کہ میں پنجاب میں دو اضلاع آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ یہی تبدیلی آپ وہاں بھی لے کے آئیں۔ خان صاحب نے برجستہ کہا ''جناب وزیر اعلیٰ! میں ٹھیکیدار نہیں ایک استاد ہوں۔ اگر آپ نے کچھ کرنا ہے تو یہاں سے سیکھیں اور اسے اپنے ماحول میں خود ڈھالیں۔'' وہ لوگوں کو بھی یہی درس دیتے تھے کہ کوئی اجنبی ان کے لئے کبھی کچھ نہ کرے گا۔ اپنے دکھ کا بوجھ اپنے ہی کندھوں پہ اٹھانا پڑے گا۔ تاریخ کا سب سے بڑا سبق یہی ہے کہ اپنی منازل کے راہ سنگ خود ہی تراشنا پڑتے ہیں۔

خان صاحب کی شخصیت اور انکے کارناموں کا ایک زمانہ معترف تھا۔ Magsaysay award، ہلال امتیاز، ستارہ پاکستان، نجانے کیسے کیسے اعزاز ان کے دامن میں سجے تھے لیکن سب سے بڑا اعزاز تو وہ محبت تھی جو غریبوں اور بے سہاروں نے تمام عمر ان پہ نچھاور کی۔ یہی محبت تھی جس کی سہارے وہ اجتماعی درد و غم اور مشکلات کا سمندر عبور کرتے رہے۔ دُکھ کے خلاف جدوجہد ہی دراصل ان کی حیات کا اصل جوہر تھا۔ ''دکھ'' خواہ وہ بے بسی کا ہو، محرومی و ناامیدی کا یا غربت و افلاس کا، تمام عمر وہ اس کے خلاف برسر پیکار رہے۔ مہاتما بدھ کی سرزمین میں اس ابدی دُکھ اور اختر حمید خان کا خیال آتے ہی کئی اور روزن کھلنے لگے۔ اگر وہ اڑھائی ہزار سال قبل اس عہد میں جنم لیتے جب مہاتما بدھ درد کی زنجیروں کو توڑنے میں مصروف تھے تو یقیناً بدھ کے چہیتے بھکشوؤں میں شمار ہوتے۔ گیرو ے کپڑے پہنے، کاسئہ خیر لئے، بستی بستی نیکی کا درس دیتے یا پھر بدھ کے سب سے عزیز بھکشو آنندا کی طرح بدھ کے چرنوں میں بیٹھ کر زندگی گزار دیتے۔ انہوں نے بدھ کی تعلیمات کا مطالعہ بہت گہرائی میں کیا تھا۔ کسی کا خیال ہے کہ وہ عہد حاضر میں بھی مہاتما بدھ ہی کی روایت کی ایک کڑی تھے۔ کومیلا، داؤدزئی اورنگی، نگر نگر، گلی گلی نیکی کا درس دیتے، دکھ سے لڑتے اور ہار نہ مانتے ہوئے اختر حمید خان، جو دنیا کے سب آرام و آسائش کو تج کے بدھ کے وفادار بھکشو کی طرح زندہ رہے اور پھر نفیِ ذات کے اسی عالم میں جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔ کبھی کبھی تو یوں لگتا ہے کہ ہم سب ذاتی مفاد اور ریا کی ایک وسیع دلدل میں ڈوبے ہوئے ہیں

اور اس دلدل کے عین وسط میں کنول کا ایک اکیلا پھول مسکرا رہا ہے اور اس اکیلے پھول کا نام اختر حمید خان ہے۔ کہیں دور سے ایک آواز ابھرتی ہے۔

آئے عشاق گئے وعدہ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رُخِ زیبا لے کر

کیا خبر اگلی صدی میں کوئی اختر حمید خان جنم لیتا بھی ہے یا نہیں! ایک دانشور نے انہیں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ اختر حمید خان ایک شخص نہیں ایک نظریہ ہیں۔ شخص مر جاتا ہے لیکن نظریہ زندہ رہتا ہے۔ ''اختر حمید خان بھی مرنے کے باوجود زندہ رہیں گے۔ لوگوں کے ذہنوں میں اور کبھی نہ مرنے والے جذبوں میں۔'' یہ تاثر میرا نہیں بنگلہ دیش سے آنے والے مندوب عبدالقاسم کا تھا۔

عبدالقاسم سے ہم نے گرامین بینک کے بارے میں بھی کئی سوال کئے۔ گرامین بینک کا تذکرہ بنگلہ دیش کے اکثر شہری یوں کرتے ہیں جیسے یہ ان کے سینے پہ آویزاں کوئی انوکھا تمغہ یا سر پہ سجا کوئی تاج ہو۔ اس ادارے نے بینکوں کو مالیاتی نظام کے ایک نئے تصور سے روشناس کروایا ہے۔ اب تک یہ بینک کئی کھرب روپے کے چھوٹے قرضے تقسیم کر چکا ہے۔ تیس لاکھ گھرانوں کو دیئے جانے والے ان قرضوں کی بنیاد صرف اور صرف سماجی ضمانت ہے۔ یہ بینک ایک اعتبار ہے جس کی لو بڑھتی چلی جاتی ہے۔ نہ قانون کی گواہی، نہ جائیداد کی شرط، صرف چند دوستوں کی شہادت درکار ہے۔ ادھر غریب لوگوں نے یہ رقم واپس کر کے اعتماد کی جو روشن مثال قائم کی ہے وہ بھی مروجہ بینکاری نظام کے منہ پہ کسی طمانچے سے کم نہیں۔

ڈاکٹر محمد یونس نے بیس برس پہلے اس بینک کی بنیاد رکھی تو چٹا گانگ یونیورسٹی کے اس گمنام پروفیسر کو کوئی جانتا تک نہ تھا اور آج یہ شخص خود اپنے وطن کی پہچان ہے۔ محمد یونس کا خیال ہے کہ غربت ایک ناقابل معافی جرم ہے۔ ''کیا ستم ہے کہ اس جرم کا ارتکاب کوئی اور کرتا ہے لیکن سزا کسی اور کو ملتی ہے۔'' اس جرم کا کفارہ اسی میں ہے کہ غربت کے عفریت کو عجائب گھر کی زینت بنا دیا جائے جہاں آنے والی نسلیں اسے حیرت سے دیکھیں اور سوچیں کہ انسانیت پہ کیسے ظلم ڈھائے

جاتے تھے۔" کچھ لوگوں کے نزدیک ڈاکٹر یونس کا گرامین بینک اختر حمید ہی کی فکر کی ترقی یافتہ صورت ہے"۔ عبدالقاسم نے واپسی کے سفر کے دوران آخری بات کہی۔ (1)

مولانا کوثر نیازی مرحوم، مولانا محمد ادریس کاندھلوی کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ:

مجھے یاد ہے کہ ایک زمانہ میں اپنے وقت کے صاحب جبروت حاکم امیر محمد خان نواب آف کالاباغ نے جو اس وقت مغربی پاکستان کے گورنر تھے آپ سے ملنے کی خواہش کی۔ جو شخص پیغام لایا تھا اس سے کہا "مولوی صاحب میں تو ان کے پاس جانے کا نہیں کہ حکام کے پاس جانا میرے مسلک کے خلاف ہے، وہ یہاں آنا چاہیں تو شوق سے آئیں مگر شرط یہ ہے کہ اپنے کمرہ میں کرسی نہیں رکھنے دوں گا، بیٹھیں گے تو وہ بھی میرے ساتھ دری پر بیٹھیں گے"۔ اب اس تفصیل کو جانے دیجئے کہ آگے کیا ہوا؟ مختصر یہ کہ ملاقات ہوئی اس پر تعریف نواب کالاباغ کی بھی ہونی چاہئے کہ انہوں نے شرط منظور کی اور ایک بوریا نشین فقیر کی کتابوں سے اٹے ہوئے کمرے میں نیچے بیٹھ کر ان سے بات چیت کی۔ سچ ہے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام کی بات ہی کچھ اور ہے۔

بادشاہوں سے ترے در کے گدا اچھے ہیں
تخت والوں سے بھی اونچے ہیں ترے خاک نشین (2)

2.8.17) جامعہ کے ایک فعال استاد کی تصویر

مضمون کی مناسبت سے میں اپنے ایک ایسے فعال یونیورسٹی پروفیسر کا ذکر کرنا پسند کروں گا جس نے مجھے ایم اے ایجوکیشن (سیشن 68-1966ء) کی تعلیم کے دوران انتہائی متاثر کیا اور سچی بات یہ ہے کہ "علم والتعلیم" کے شعبہ میں جن اساتذہ پر فخر کیا جا سکتا ہے وہ ان میں یقیناً سرفہرست ہیں۔ کئی سال گزر چکے ہیں، لیکن ادارہ تعلیم و تحقیق، جامعہ پنجاب، لاہور کے پروفیسر ڈاکٹر دین محمد ملک مرحوم کی آواز، لہجہ، تمثیلات، ان کے علمی اشارات، ان کا ذوق ادب، ان کی خوبصورت شخصیت اور ان کی تھپکیوں کا لطف آج بھی ایک سرور و کیف طاری کرتا ہے۔ تعلیم، ادب،

1) ڈاکٹر امجد ثاقب، ص59 تا 63

2) مولانا کوثر نیازی، جنہیں میں نے دیکھا، ص80

تاریخ، جغرافیہ، فلسفہ، ثقافت، معاشرتی، معاشی، سیاسی نظریات سے متعلق وسیع مطالعہ، غرض علم کا ایک سمندر رتھے۔ ان کی تدریس زندہ تھی۔ کلاس کو بور نہیں ہونے دیتے تھے۔ ان کی شگفتہ مزاجی، ان کی اپنی ذاتی زندگی کی مثالیں، حقیقی زندگی (Real Life) کو کمرہ جماعت کے ماحول (Classroom Environment) سے مربوط کرنا، ایک ایک طالب علم سے شخصی رابطہ، پھر کبھی کبھار تحکم بھی، لیکن وہ بھی اپنے اندر جذبہ رحمت لئے ہوئے۔ ان کا یہی وہ اسلوب تدریس تھا، جو انہیں منفرد بناتا تھا۔ دقیق سے دقیق فلسفیانہ نکتہ کو ایسے لطیف اور حسین انداز میں پیش کرتے تھے کہ طلبہ کوئی بوجھ یا تنگی محسوس کئے بغیر اس کا اثر قبول کر لیتے تھے۔ وہ بہترین الفاظ، عمدہ اسالیب بیان، شستہ تراکیب، پختگی فکر، استدلال، استغنا، درویشی، قلبی کشادگی، روحانی سرور، بلند نظری اور اخلاص۔ ان سب قوتوں اور صلاحیتوں کے امتزاج سے طلبہ کی شخصیت گری کا کام کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک کورس میں آزادی وطن کی تحریک کے حوالے سے جب وہ سلطان فتح علی ٹیپو شہید کے ساتھ اپنوں کی غداریوں اور انگریزوں کی سازشوں سے متعلق لیکچر دے رہے تھے تو ان کی آنکھوں کی چمک اور آنکھوں میں ہلکا سا نم جو قیامت ڈھا گیا اور اسی طرح جو تاثیر اور اشعاعیت (Radiation) طلبہ تک منتقل ہو گئی اس کا دور حاضر کی ماڈرن تدریس ٹیکنالوجی کے پاس ہرگز کوئی بدل نہیں۔ بہرحال بحیثیت مجموعی، میں جب بھی ان کی معلمانہ شخصیت کا مطالعہ کرتا ہوں تو چند پہلو بڑے نمایاں معلوم ہوتے ہیں مثلاً ایک تو یہ کہ وہ نہایت ہی پروقار شخصیت کے مالک تھے۔ خوش گفتار اور خوش پوشاک تھے۔ ان کا قلب بڑا دردمند تھا۔ وہ بڑے پاک نفس انسان تھے۔ وہ جو کچھ بھی تھے اس میں ریا اور نمود نہ تھا۔ عفت نظر ان کے کردار کا جزو تھی۔ وہ ایسی نسل کے نمائندہ تھے جو اخلاص اور بے نیازی کی قوت کا حامل تھی اور حقیقت میں ان کی حکمت تدریس کی اصل اساس، "زمزمۂ محبت" ہی تھی۔ اب اساتذہ کی ایسی نسل یا تو ناپید ہو چکی ہے یا خال خال اس کے نقوش ملتے ہیں۔ دوسرے ان کا دماغ معلومات سے پُر تھا۔ جو مضمون پڑھاتے تھے اس پر مکمل عبور تھا۔ علمی فضیلت اپنے عروج پر، لیکن انتہائی منکسر المزاج، نہ اشتہار پسند اسلوب نہ کبر پسند طبیعت۔ تیسری بات یہ کہ موثر حکمت تدریس اور

نوجوان نسل کی نفسیات سے بخوبی شناسا تھے۔ محبت واپنائیت کے جذبات کا خوبصورت پیکر اور طلبہ کے ساتھ بالکل ایک شفیق باپ جیسا انس، ہر ایک طالب علم کا خیال۔ پھر تدریسی عمل کو وہ اپنے اور طلبہ کے درمیان ایک مشترکہ کاوش سمجھتے تھے۔ ایک ہی موضوع کو متنوع انداز میں واضح کرنا انہیں خوب آتا تھا۔ علمی وعقلی دلائل اور دینی ایقان کی بنیاد پر مختلف فلسفیانہ مباحث سے متعلق اذہان وقلوب کو خوب مطمئن کرتے تھے۔ تدریس سے تو انہیں گویا عشق تھا۔

چوتھی لیکن انتہائی اہم خصوصیت ان کی یہ تھی کہ وہ اسلام اور پاکستان کے پرجوش سپاہی تھے۔ صالح نظریات کے مالک تھے اور نوجوان نسل کو صالح سوچ عطا کرتے تھے۔

2.8.18) روشنی کا سفر

سردار محمد چوہدری سابقہ انسپکٹر جنرل پولیس پنجاب اپنی کتاب متاع فقیر میں اپنے استاد محترم کا ذکر یوں فرماتے ہیں کہ:

"آٹھویں جماعت تک پہنچتے پہنچتے میری ایک اچھے اور ہونہار طالب علم ہونے کی شہرت کافی پھیل چکی تھی۔ راجہ محمد رفیق اور بشیر عرشی کے ساتھ میرا مستقل مقابلہ رہتا لیکن میں ہمیشہ ہر مضمون میں جیت جاتا۔ میں خوش قسمت تھا کہ ہمیں بہترین اور محنتی استاد ملے تھے۔ اس وقت پرائیویٹ ٹیوشن کا کوئی رواج نہ تھا۔ پورے شہر میں استادوں کی بے انتہا عزت تھی۔ ہر شخص انہیں اٹھ کر ملتا اور جھک کر سلام کرتا تھا۔ ہر استاد کی کوشش ہوتی کہ وہ بہترین شاگرد تیار کرے اور اس کا نتیجہ سب سے اعلیٰ ہو۔ سکول انسپکٹر صاحبان ہر سال سکول کا تفصیلی معائنہ کرتے اور تمام استاد اپنی اپنی کلاس اور شاگردوں کو اس انسپکشن کے لئے دن رات محنت کر کے تیار کرواتے۔ بہترین کارکردگی ان کا سب سے بڑا فخر ہوتا تھا۔

آٹھویں جماعت میں اس وقت ایک امتحان ہوتا تھا جس کا نام تھا اینگلو ورنیکلو مر فائنل امتحان اور وہ پورے پنجاب کی سطح کا امتحان ہوتا تھا، جس میں بہترین نمبر لینے والے طلباء کو وظائف ملتے تھے۔ ہمارے سکول سے مجھے، راجہ رفیق، بشیر عرشی، رشید اور ضیاء کو اس امتحان کے لئے منتخب کیا گیا۔ شیخ غلام قادر ہمارے انگریزی کے استاد تھے۔ وہ ہمیں چھٹی کے بعد کافی دیر تک اس

امتحان کی تیاری کے لئے پڑھاتے رہتے۔ لاہور اردو بازار سے بہت اچھی اچھی کتابیں اپنے خرچ پر ہمارے لئے منگواتے اور پڑھاتے۔ اتوار یا دوسری کسی چھٹی کے دن ہمیں اپنے گھر پر پڑھاتے۔ گرمیوں کی چھٹیوں میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا اور کرسمس ہالیڈیز پر بھی اور اس کا وہ کوئی معاضہ نہیں لیتے تھے۔ معاوضہ ہم دینے کی حیثیت ہی میں نہ تھے۔ بلکہ زیادہ وقت گزر جائے تو وہ اپنے گھر سے ہمیں کھانا بھی کھلاتے۔ وہ کبھی بھی کسی بھی صورت چھٹی نہیں کرتے تھے۔ پاگل پن کی حد تک محنتی انسان تھے۔ انہیں صرف ایک ہی شوق تھا کہ ان کے شاگرد بہترین طالب علم بنیں اور یہی ان کا پرائیڈ تھا۔ ہم چاہتے تھے کہ کبھی تو چھٹی ہو جیسے کہ بچوں کی فطری عادت ہوتی ہے مگر چھٹی کہاں، لمحہ بھر کے لئے بھی فارغ نہ چھوڑتے۔ (1)

ایک دن ہم ان کے گھر پڑھنے کے لئے صبح صبح پہنچے تو معلوم ہوا کہ ماسٹر صاحب گھر پر موجود نہ ہیں۔ رات کو ان کی جوان بیٹی جو تپ دق کی مریضہ تھی کا انتقال ہو گیا ہے اور وہ اسے دفنانے گئے ہیں۔ قبرستان ساتھ ہی تھا۔ ہم نے سوچا ہم بھی قبرستان چلتے ہیں لیکن دیکھا تو ماسٹر جی کچھ اور لوگوں کے ساتھ واپس آ رہے ہیں اور ہم دبک کر بیٹھ گئے اور منہ رونا سا کر لیا۔ ہم نے سوچا آج تو ضرور چھٹی مل جائے گی۔ مگر چھٹی نہ ملنا تھی اور نہ ملی۔ ماسٹر صاحب نے آتے ہی پڑھانا شروع کر دیا۔ ہمیں افسوس بھی نہ کرنے دیا۔ لوگ افسوس کے لئے آتے، ہاتھ اٹھاتے دُعا ہوتی اور ان کے رخصت ہوتے ہی دوبارہ حسب دستور پڑھائی شروع ہو جاتی۔ ان کے ایک رشتہ دار شیخ انوار الحق افسوس کے لئے آئے تو دیکھا کہ ماسٹر جی خوب انہماک سے پڑھا رہے ہیں وہ بہت حیران ہوئے۔ کہنے لگے۔ غلام قادر آج تو چھٹی کر لیتے۔ کیونکہ تمہاری بیٹی فوت ہوئی ہے۔

اسی کے لئے تو میں انہیں پڑھا رہا ہوں۔ اس پڑھانے کا جو ثواب ہو گا سب اس کو بخش دوں گا اور پھر رو پڑے۔ اور ہم سب بھی رو پڑے۔

یہ تھی ان استادوں کی اپنے فرض سے لگن کہ ہم ایسے بے ڈھنگے اور علم سے لاتعلق انسان زیور تعلیم سے آراستہ ہو سکے۔

امتحان ہوا۔ ہم سب بہت اچھے نمبروں سے پاس ہوئے اور میں پورے ضلع لائلپور میں

1) سردار محمد چوہدری، متاع فقیر۔ صفحہ 83 تا 85

اول رہا بلکہ پورے پنجاب میں میری بہت ہی امتیازی پوزیشن تھی کہ مجھے خاص طور پر لارنس کالج گھوڑا گلی میں مزید تعلیم کے لئے اس وقت (1953ء) 75 روپے ماہوار کا وظیفہ ملا۔ (1)

چوہدری سردار محمد آگے چل کر اپنے ادارے گورنمنٹ کالج لاہور اور اساتذہ کا ذکر یوں کرتے ہیں کہ: ''میں نے آرٹس کے لئے انگریزی ادب، عربی، فلسفہ اور تاریخ کو منتخب کیا۔''

پروفیسر سراج ایسے معروف انگریزی دان ہمیں انگریزی ادب خاص طور پر شیکسپئر کے ڈرامے پڑھاتے تھے۔ پروفیسر ایس جی رضا ورڈز ورتھ، ٹینی سن، بائرن، کیٹس اور شیلے کی شاعری پڑھاتے پڑھاتے محو رقص ہو جاتے اور لفظ لفظ ہماری ارواح میں اترتا جاتا۔ پروفیسر اعجاز مضمون نویسی اور نثر کے ماہر تھے اور لکھا لکھا کر تھکا دیتے۔ پروفیسر فیاض اور بٹ صاحبان تاریخ کی گتھیاں سلجھاتے۔ انہوں نے گبن اور ٹائن بی سے ہم لوگوں کی نشست کروائی، پروفیسر سی۔ اے۔ قادر فلسفے کا درس دیتے اور منطق کی گتھیاں سلجھاتے۔ پروفیسر سعید شیخ اسلامی فلسفہ کے ایسے ماہر تھے کہ ایک ایک لیکچر میں سو سو کتابوں کے زبانی ایسے حوالے دیتے کہ صفحہ نمبر اور سطر نمبر تک لکھوا دیتے۔ اسی طرح صوفی ضیاء الحق عربی کی شاعری پڑھاتے تمام اردو شعراء کی شاعری خاص طور پر غالب پڑھا جاتے۔ نفسیات کے عظیم پروفیسر ڈاکٹر اجمل تو آپ کو ایسا مسحور کرتے کہ شاید میسمر یزم کے فن کا فائدہ اٹھا رہے ہوتے نظر آتے۔ فلسفہ اقبال سے لے کر مولانا روم اور سارترے کے فکر کا نچوڑ یوں پیش کرتے جیسے ان کے گھر کا کوئی پکوان ہو۔

گورنمنٹ کالج کی لائبریری بہترین تھی تو لائبریرین بھی کمال کے لوگ تھے۔ آپ کو ایک ایک مضمون اور کتاب کے لئے بہترین رہنمائی دیتے اور ہمارے وقت کا ہر طالب علم ساری لائبریری ہی کھنگال ڈالنا چاہتا تھا۔ یہاں کی لائبریری سے کتاب نہ ملے تو ساتھ ہی پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری تھی۔ اس کی سہولت بھی آپ کو میسر تھی۔ پنجاب پبلک لائبریری بھی چند قدم ہی دور تھی۔ جدھر دیکھیں علم کی بہار تھی اور ہر طالب علم کے لئے اپنی علمی پیاس بجھانے کا بہترین سامان موجود تھا۔ ماحول علمی بھی تھا اور ثقافتی بھی۔ کھیلوں کا بہترین انتظام تھا۔

اسلامیہ کالج اور گورنمنٹ کالج کے کرکٹ کے مقابلے تو خیر زبان زد عام تھے۔ باقی سب

---

(1) ص 83 تا 85

کھیلوں اور جمناسٹک کا بہترین انتظام تھا۔

ہوسٹل کی اپنی بہت سی علمی ثقافتی Activities تھیں جن پر اکثر اساتذہ ضرور پہنچتے۔ کھانا کھانے کے سلیقے سے لے کر رہنے سہنے کے طور طریقوں پر بات ہوتی۔ لباس کا خاص خیال رکھا جاتا کہ تہذیب کا یہی نشان ہے۔ بھڑکیلے لباس کی حوصلہ شکنی ہوتی تو سادگی کی قدر افزائی۔ اکثر پروفیسر صاحبان کی پتلونوں پر جوڑ لگے ہوتے تھے مگر وقار میں ذرا بھر فرق نہ آتا تھا۔

امارت کے بیہودہ اظہار پر پابندی تھی بلکہ بہت ہی کراہت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ قدر تھی تو صرف اچھے عمل اور علم کی۔ آل راؤنڈر شخصیت کی نہ کہ محض پڑھائی کی۔ افلاطونی روایت کے عین مطابق علم اور جسمانی کسرت کی برابر اہمیت حاصل تھی۔

کالج کی سب سے اہم اور فعال مباحثہ کی مجلس تھی بلکہ ینگ سپیکرز کی تربیت کے لئے علیحدہ یونین تھی۔ کالج یونین کا سب سے اہم فریضہ مباحث کا اہتمام تھا کہ یہ عقل و خرد کو تیز کرنے کی کسوٹی تھی۔ بڑے مباحثے ہوتے اور بڑے بڑے انعام ملتے۔ آپس میں بھی مباحثے ہوتے تو دوسرے کالجوں اور یونیورسٹیوں کے ساتھ بھی مقابلے ہوتے۔ یوں آئندہ کے پارلیمینٹرین کی تربیت کا سامان ہوتا۔

مباحثہ کے علاوہ بہت سی ادبی اور سماجی محافل کالج میں موجود تھیں کہ طلباء کے لئے قلب و روح کی نشوونما کا سامان ہو سکے۔ مجلس اقبال، اسلامک سوسائٹی انگلش لٹریری سوسائٹی، میوزک سوسائٹی، ڈرامیٹک سوسائٹی اور سائنس سوسائٹی کے علاوہ بہت سی محافل تھیں جہاں بڑے اچھے ریسرچ پیپر پڑھے جاتے، سوال و جواب ہوتے اور یوں نوجوانوں کی ذہنی نشوونما کا سامنا ہوتا۔

پانچ پانچ طلباء پر مشتمل ایک ٹیوٹوریل گروپ ہوتا جس کی رہنمائی ایک سینئر استاد کرتا اور ان طلبا سے ذاتی سطح پر رابطہ رکھتا اور ہر ذاتی مسئلہ پر بھی اپنے گروپ کے طلبا کی رہنمائی اور مدد کرتا۔ میرے ٹیوٹر معروف استاد ڈاکٹر نذیر احمد تھے جو بعد میں کالج کے پرنسپل بھی بنے۔ کیا انسان تھے۔ میوزک، شاعری، سائنس، رقص و سرور و تاریخ، ثقافت حتی کہ زندگی کے تمام پہلوؤں پر کمال عبور حاصل تھا۔ داستان گو ایسے کہ آپ کو مسحور کر جائیں۔ آپ کا ذاتی مسئلہ ہو تو دس میل آپ کے ساتھ پیدل چل پڑتے۔ ہاکی، فٹ بال، گلی ڈنڈا، کرکٹ حتی کہ ڈھول بجانے کا بھی انہیں شوق تھا۔ کیسے خوبصورت درویش منش انسان تھے۔

یہ مختصر سا خاکہ ہے اس علمی درس گاہ کا جہاں پڑھنے کا مجھے موقع ملا۔ پڑھنے سے زیادہ وہاں کے تہذیبی، ثقافتی، ادبی اور شخصیت گری کے ماحول سے متمتع ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ پھر کونسا وہ انسان ہے جو تبدیلی اور ترقی کے اس سانچے میں ڈھل کر متشکل نہیں ہوتا جائے گا۔

گورنمنٹ کالج کی سب سے اچھی بات جو مجھے پسند تھی وہ وہاں کی ذہنی اور روحانی آزادی کا ماحول تھا۔ آپ ہر موضوع پر وہاں کھل کر بات کر سکتے تھے اور سیر حاصل بحث کر سکتے تھے۔

2.8.19) راجہ عبداللہ نیاز صاحب

آپ ملتان، مظفر گڑھ و ڈیرہ غازی خان کے علاقوں میں پڑھاتے رہے۔ وسیب کا المیہ ہے کہ راجہ نیاز جیسی مایہ ناز بلکہ بے مثل ہستی کو ان کی زندگی ہی میں طاق نسیاں کی نذر کر دیا گیا حالانکہ وہ ایک ایسی توانا شعری آواز تھے کہ جس نے برصغیر کے علمی و ادبی حلقوں کی بھرپور توجہ حاصل کی تھی۔ یہاں تک کہ علامہ اقبال نے بھی ان سے ملاقات کی میں ان کی شعری نغمگی کی داد دی تھی اور اس کے قرآنی پس منظر کو سراہا تھا مگر افسوس کہ:

سحر بھی آئی تو لائی اسی چراغ کی موت
جو ساری رات سلگتا رہا روشنی کے لئے　(1)

راجہ نیاز کو ایم اے فارسی پنجاب یونیورسٹی سے گولڈ میڈل ملا تھا۔ بقول ڈاکٹر مختار ظفر صاحب ''جب میں نے حضرت نیاز کے مسودات کا مطالعہ کیا تو ان کی عالمانہ نظر، دور جدید کے نظریات و تصورات کا فہم و تجزیہ، تحقیق و تجسس کی دور نگاہی اور شعری معراج نے مجھے اپنی گرفت میں لے لیا۔ شاعری کے علاوہ ان کے علمی اور تحقیقی وژن نے مجھے حیرت زدہ کر دیا۔ اس لئے کہ انہوں نے ایسے بیشتر سائنسی و فکری، سیاسی و ثقافتی اور نفسیاتی نظریات، تصورات اور تحاریک کا مطالعہ و تجزیہ کیا تھا۔ جو دور جدید کی پیداوار تھے اور جن کے موثرات نے ہمارے دینی یقینیات میں بھی ہلچل مچا دی تھی۔ مثلاً ایٹم (Atom) امیبا (Amoeba) جینز (Genes) کمیونزم، مارکسزم، نیشنلزم، امپریلزم، فیوڈلزم، ڈارونزم، نیوٹن ازم، ماڈرن ازم، لذت و افادیت،

1) ڈاکٹر مختار ظفر، ص 9

وجودیت، تجربیت، کشش ثقل، سپر یچولزم، کلبیت، اپیکورس، نیز اسلامی و غیر اسلامی تحریکیں وغیرہ۔ ان سے نیاز صاحب کے غیر معمولی وژن کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ (1)

دراصل حضرت نیاز کا فکری و ذہنی پس منظر اسلامی تعلیمات اور قرآن حکیم کے افکار عالیہ سے روشن تھا۔ اس ضمن میں انہوں نے قدیم و جدید تفاسیر اور تحقیقات کا مطالعہ کیا تھا۔ نیز مغربی سائنس (بشمول سوشل سائنسز) نظریات و افکار کا بھی۔ یوں وہ ایک روشن خیال مسلم سکالر تھے۔ اور دینی تصورات ماڈرن تھیوریز اور نئے انکشافات کے حوالے سے ایک نقطہ نگاہ بھی رکھتے تھے۔ سو انہوں نے اپنے نقطہ نظر کی تصویبیت اور بعض جدید نظریات کی ہارن کے زوایہ ہائے نظر کی تکذیب یا تائید کے لئے قدیم و جدید مشرقی و مغربی مسلم و غیر مسلم سکالرز کے اقوال و خیالات کے ٹھوس حوالے دینے کی کاوش کی ہے۔ (2)

ڈاکٹر محمد علی صدیقی ذہن بزنیک یونیورسٹی کراچی رقمطراز ہیں کہ ''محمد عبداللہ نیاز علوم جدید کے قابل قدر عالم تھے۔ اردو ادب کے استاد ہونے کے علاوہ بلند مرتبہ ادیب و قومی شاعر تھے۔ ان کی مادری زبان سرائیکی تھی لیکن انہیں فارسی، عربی، انگریزی اور اردو پر دسترس حاصل تھی۔ مولانا ظفر علی خان، علامہ اقبال اور کشفی الاسدی اور احسان دانش نے محمد عبداللہ نیاز صاحب کے بارے میں جو خراج تحسین پیش کیا ہے وہ ہمیں اس جانب متوجہ کرتا ہے کہ آخر ایسا کیوں ہے کہ ملک کے بعض علاقوں کے گوہر دار موتیوں کی چمک بڑے شہروں تک نہیں پہنچ پاتی اور وہ اپنے ہی علاقوں میں جگمگا کر رہ جاتے ہیں۔ (3)

راجہ عبداللہ نیاز جہاں معروف علمی شخصیت تھے۔ وہاں نہ صرف اپنے اساتذہ طلباء کے لئے رول ماڈل تھے۔ دور دراز کے علاقہ سے تعلق کے باوجود حیرت انگیز طور پر وسیع المطالعہ تھے۔ بقول شبیر سرگانہ صاحب ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول عبدالحکیم اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کے مالک خوددار اور پیشہ وارانہ طور پر سچے اُستاد تھے۔ مختار ظفر صاحب نے ان پر اپنا پی ایچ ڈی کا مقالہ تحریر فرمایا ہے۔

---

1) مختار ظفر، ص 11		2) مختار ظفر، ص 11

3) مختار ظفر، ص 17

2.9) مثالی اساتذہ کے لئے ماں بطور رول ماڈل

ہر بڑے آدمی کی کامیابی کے پیچھے ایک خاتون کا ہاتھ ہوتا ہے جو مشکل وقت میں اس شخص کو سہارا دیتی ہے۔ مثلاً حضرت خدیجہؓ نے اپنی تمام دولت اور اثر تبلیغ و ترویج اسلام کے لئے آنحضرتؐ کے سپرد فرما دی۔

ماں کی گود ہر بچے کی پہلی درسگاہ ہوتی ہے۔ بچہ حوصلہ، صبر، اخلاقیات، قربانی و ایثار اور مستقبل کے خواب یہیں سے سیکھتا ہے۔ استاد کی طرح ماں بھی ہر شخص کی یادوں میں مرتے دم تک بستی ہے۔ ہر زبان اور ہر علاقہ میں ان دونوں شخصیات کا ذکر احترام سے کیا جاتا ہے۔

ماں تجھے سلام، تجھ پر خدا کی رحمت ہو

اسلامی تاریخ میں حضرت فاطمۃ الزہراءؓ عظیم ماں تھی جنہوں نے حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کی تربیت فرمائی اور اسی طرح دیگر مسلمان ماؤں نے اپنی اولاد کی تربیت کی۔ حضرت امام حسنؓ نے امت مسلمہ کو افتراق و انتشار سے بچانے کے لئے اقتدار اور حضرت امام حسینؓ نے حق کے لئے جان کی قربانی دی۔ تاریخ میں حضرت عبداللہ بن زبیر کی والدہ کا ذکر بھی محفوظ ہے۔

2.9.1) ماں بطور رول ماڈل

برصغیر میں تحریک خلافت کے دوران علی برادران کی والدہ کے حوالہ سے نعرہ تھا۔ ''بولی اماں محمدؐ علی کی، بیٹا جان خلافت پہ دے دینا'' اس تحریک و نعرہ کی بدولت آج بھی ترک قوم پاکستان سے محبت رکھتی ہے۔

آئیے رول ماڈل اساتذہ کی رول ماڈل ماؤں کی محبت بھرا اور خوشبودار ذکر کرتے ہیں۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ گھر سے نکلے ہوئے کئی سال ہو چکے تھے اور اب رہ رہ کر بوڑھی ماں کی یاد اور وطن کی محبت ستا رہی تھی اور یہ تمنا تھی کہ بوڑھی ماں سے زندگی میں ملاقات کا شرف حاصل کر سکوں اور میری پیاری ماں اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ کر باغ باغ ہو جائیں کہ پاک

تمناؤں کا جو پودا انہوں نے لگایا تھا اور جس کی شادابی کے لئے انہوں نے راتوں کو اٹھ اٹھ کر تنہائی سے اپنے خدا کے حضور دامن پھیلا پھیلا کر اور آنسو بہا بہا کر دعائیں کی تھیں، آج وہی پودا خدا کے بے پایاں فضل اور ان کی مقبول دعاؤں کی برکت سے دین و دنیا کے پھلوں سے لدا ہوا ہے، اس شوق نے کچھ ایسا زور کیا کہ میں نے اسی وقت امام مالک سے اجازت چاہی اور کہا اب میں چاہتا ہوں کہ جلد سے جلد اپنی بوڑھی والدہ کی خدمت میں پہنچ جاؤں جو آٹھ پہر مجھے یاد کرتی رہتی ہوں گی اور میرے تصور میں بے قرار ہوں گی۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سنا تو تاکید فرمائی کہ شافعیؒ فوراً سفر کی تیاری کرو، چنانچہ میں نے اسی وقت سامان سفر باندھنا شروع کر دیا، امام صاحبؒ نے ایک آدمی پہلے مکہ کی طرف روانہ کر دیا وہ جا کر پہلے سے میرے گھر والوں کو یہ اطلاع کر دے کہ ادریس شافعی تعلیم سے فارغ ہو کر مکے پہنچ رہے ہیں۔

اور اب میں اس شان کے ساتھ ہجوم شوق میں روانہ ہوا کہ میرے آگے پیچھے خراسانی گھوڑے اور مصری خچر، کپڑوں، غلوں اور درہم و دینار سے لدے ہوئے تھے۔

سفر تو میں برسوں سے کر رہا تھا، لیکن آج سفر انتہائی طویل محسوس ہو رہا تھا، راستے میں مکے کی گلیوں کا تصور آتا، کبھی بوڑھی ماں کی محبت بھری آواز کا خیال آتا، کبھی اپنے ساتھی یاد آتے اور میں انہی یادوں میں مگن وطن سے قریب ہو رہا تھا۔ جب حدود حرم میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ کچھ عورتیں میرے انتظار میں کھڑی ہیں اور میرے بوڑھی اور کمزور ماں بھی آغوش محبت پھیلائے مجھے گلے لگانے کے لئے بے تاب ہیں، جیسے ہی میں قریب پہنچا، گھوڑے سے نیچے اترا تو ماں نے گلے لگا لیا اور دیر تک خوشی کے آنسو بہاتی رہیں، پھر میری بوڑھی خالہ آگے بڑھیں، انہوں نے بھی مجھے چمٹا لیا اور میری پیشانی چومتے ہوئے بڑے شوق میں ایک شعر گنگنانے لگیں۔

"موت کی موجیں تیری ماں کو بہا نہیں لے گئیں آج ہر دل ماممتا میں تیرے لئے ماں بنا ہوا ہے"۔

مکے کی سرزمین پر یہ پہلے محبت بھرے بول تھے، جو میں نے سنے اور خوشی میں میرے دل کی عجیب کیفیت تھی، اب مکے کے بہت سے مرد، عورتیں، بچے یہاں جمع ہو گئے تھے۔

میں دیر تک وہاں کھڑا کبھی اپنے لائے ہوئے قیمتی سامان کو دیکھتا رہا اور کبھی اپنی بوڑھی ماں کو، مگر میں نے دیکھا کہ وہ کچھ غمزدہ سی ہیں، سب خوش ہیں مگر میری ماں کے چہرے پر نام کو بھی مسکراہٹ نہیں۔ جب کافی دیر ہوگئی تو میں آگے بڑھنے لگا اور ماں سے بھی عرض کیا کہ چلئے اماں۔

بوڑھی ماں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولیں بیٹے کہاں چلیں؟

میں نے کہا اماں! گھر چلئے۔

بولیں بیٹے یاد ہے جب میں تجھے رخصت کر رہی تھی تو میرے پاس دو پرانی چادروں کے سوا اور کچھ نہ تھا اور میں نے تیرے شوق کو دیکھ کر وہی تیرے حوالے کیں اور اس طرح تجھے گھر سے روانہ کیا کہ تو ایک فقیر تھا اور اس آرزو کے ساتھ روانہ کیا کہ تو حدیث رسول ﷺ کی دولت سے مالا مال ہو کر لوٹے، بیٹے! یہ تو غرور کی پونجی ہے۔ کیا تو یہ سب اس لئے لایا ہے کہ اپنے چچا کے بیٹوں پر اپنی بڑائی جتائے اور انہیں حقیر سمجھے؟

میں بالکل خاموش کھڑا اپنی بوڑھی ماں کو تک رہا تھا اور سوچ رہا تھا، اللہ اکبر! دولت دنیا سے یہ بے نیازی، علم دین کی یہ عظمت، خدا پر بھروسہ! میرا دل عقیدت سے جھک گیا اور میری آنکھیں گرم آنسوؤں سے بھیگ گئیں اور مجھے یقین ہو گیا کہ مجھے جو کچھ ملا ہے، ماں کی مقبول دعاؤں اور پاک آرزوؤں کی بدولت ہی ملا ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ برسوں پڑھنے اور سیکھنے کے باوجود بھی آج ریت کے اس ٹیلے کے نیچے بوڑھی ماں نے مجھے جو کچھ سکھایا وہ میں اب تک جذب نہ کر سکا تھا اور میں نے شوق و محبت میں اپنی ماں کے ہاتھ چوم لئے۔

پھر نہایت عاجزی سے میں نے کہا، امی! فرمایئے اب میں کیا کروں؟

بولیں، بیٹے کرنا کیا ہے، اعلان عام کر دے کہ بھوکے آئیں اور غلہ لے جائیں، پیادے آئیں اور سواریاں لے جائیں، ننگے آئیں اور کپڑے لے جائیں، نادار آئیں اور دولت لے جائیں۔

میں نے اسی وقت عام اعلان کرا دیا اور ذرا دیر میں وہ ساری دولت مکے کے غریبوں اور ناداروں میں تقسیم ہوگئی۔ اب میرے پاس ایک خچر اور پندرہ دینار کے سوا کچھ نہ بچا تھا، ہم لوگ مکے میں داخل ہوئے، اتفاق سے راستے میں میرا کوڑا گر گیا۔ ایک باندی پیٹھ پر مشک لادے جا رہی تھی، اس نے لپک کر کوڑا اٹھایا اور نہایت ادب سے میرے حوالے کیا۔

میں نے اس باندی کو انعام دینے کے لئے پانچ دینار نکالے تو ماں نے دیکھ کر کہا، بس بیٹے یہی پانچ دینار ہیں تیرے پاس؟

میں: نہیں امی! ابھی دس اور ہیں۔

امی! تو بیٹے وہ دس کس لئے رکھے ہیں؟

میں: امی! رکھ لئے ہیں کہ وقت بے وقت کام دیں گے اور غلہ بھی تو نہیں بچا ہے، شاید آج ہی ضرورت پڑے۔

امی: ارے بیٹا تعجب ہے دس دینار پر تو اتنا بھروسہ اور سب کچھ دینے والے پر ذرا بھرسہ نہیں، نکال سارے دینار اور اس باندی کے حوالے کر۔

میں نے سارے دینار اس باندی کے حوالے کر دیئے...... اور اب میرا ہاتھ بالکل خالی تھا، لیکن دل ایسا غنی تھا کہ اس سے پہلے کبھی ایسا غنی نہ تھا۔

ماں نے خدا کا شکر ادا کیا اور بڑے پیار سے فرمایا، بیٹے! اب تو اسی حال میں اپنے جھونپڑے میں داخل ہو جس حال میں وہاں سے نکلا تھا، مگر آج میرے جھونپڑے میں وہ روشنی ہو گی جو اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ بیٹے! خدا نے تیری پیشانی میں علم کا نور رکھا ہے، میں نہیں چاہتی کہ یہ نور دنیا کی فانی راحتوں سے دھندلا ہو اور اس میں کمی آئے۔

بیٹے! تجھے یاد ہے میں نے رخصت کرتے وقت تجھے دعا دی تھی کہ خدا تجھے علم کے آسمان پر سورج بنا کر چمکائے۔ بیٹے! میں نہیں چاہتی کہ دنیوی مال و دولت کی بدلیوں میں اس سورج کی روشنی پھیکی پڑے اور اسلامی دنیا اس سے روشن نہ ہو سکے۔ (1)

2.9.2) نیک ماں کا دفینہ

حضرت ربیعہ رائی رحمۃ اللہ علیہ مدینہ کے ایک مشہور عالم تھے۔ امام مالکؒ کے قابل فخر استاد تھے۔ تابعین میں ان کا درجہ بہت اونچا مانا جاتا ہے حکومت عباسیہ کے پہلے حکمران ابو العباس نے دار الخلافہ کا قاضی انہیں کو مقرر فرمایا تھا۔ ربیعہ رائیؒ مسجد نبوی ﷺ میں درس دیا کرتے

1) فرزندِ حرم 56-52۔ اسلاف کے سنہرے واقعات، ص 202

تھے اور بڑے بڑے علماء ان کے درس میں شریک ہوا کرتے تھے۔امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ، حسن بصریؒ، حضرت شعبہؒ، حضرت لیث مصریؒ جیسے علم وکمال والے علماء ان کی مجلس سے فائدہ اٹھاتے اور ان کی شاگردی پر فخر کرتے تھے۔امام مالکؒ فرمایا کرتے تھے:

''جب سے حضرت ربیعہ رائیؒ دنیا سے رخصت ہوئے فقہ کا مزہ بھی جاتا رہا۔''

ایک دن حضرت امام مالکؒ نے اپنے شاگردوں کو آپ کی تعلیم کا بڑا ہی دلچسپ قصہ سنایا۔ فرمایا حضرت ربیعہ رائیؒ کے والد حضرت فروخؒ فوج میں تھے۔ایک بار جب وہ جنگی سپاہیوں کے ساتھ خراسان کی جنگ میں جانے لگے تو اپنی بیوی کو خرچ کے لئے تیس ہزار اشرفیاں دیتے گئے۔اس وقت حضرت ربیعہؒ ماں کے پیٹ میں تھے، باپ کے جانے کے بعد حضرت ربیعہؒ پیدا ہوئے۔ان کی امی بہت نیک دیندار بی بی تھیں، دین کے علم سے انہیں بڑی دلچسپی تھی۔ان کی سب سے بڑی آرزو یہ تھی کہ ان کا بیٹا علم کے آسمان پر سورج بن کر چمکے۔چنانچہ اس نیک بی بی نے اپنی ساری دولت حضرت ربیعہؒ کے پڑھانے پر صرف کر ڈالی اور خود موٹا جھوٹا کھا پہن کر گزارہ کیا۔خدا کے فضل وکرم سے تھوڑے ہی دنوں میں حضرت ربیعہؒ نے فقہ وحدیث میں کمال حاصل کر لیا اور خدا کی مہربانی سے انہیں وہ درجہ حاصل ہوا کہ بڑے بڑے اہل کمال نبی ﷺ کی مسجد میں ان سے فائدہ اٹھانے کے لئے ان کی مجلس میں جمع ہونے لگے۔

اتفاق کی بات کہ حضرت فروخؒ کو خراسان میں زیادہ دنوں تک ٹھہرنا پڑا۔پورے 27 سال کے بعد گھر واپس آئے۔گھر میں بیوی سے ان دنوں کے حالات پوچھتے رہے، باتوں باتوں میں خرچ کا ذکر بھی آیا پوچھا تیس ہزار دینار میں کیا بچا؟

بیوی نے کہا آپ فکر نہ فرمائیں۔وہ سب اشرفیاں محفوظ ہیں۔میں نے حفاظت سے ایک زمین میں سب اشرفیاں دفن کر دی ہیں۔آپ پہلے مسجد نبوی ﷺ میں نماز پڑھ آیئے تو پھر میں آپ کو بتاؤں۔

حضرت فروخؒ نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں گئے۔نماز کے بعد انہوں نے دیکھا کہ ایک مجلس میں بڑے بڑے علماء جمع ہیں۔ان کے بیچ میں مسند درس پر ان کے پیارے بیٹے حضرت ربیعہؒ تشریف فرما ہیں۔خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی، دوڑے دوڑے گھر آئے، بیوی کو سارا قصہ سنایا

اور دیر تک خدا کا شکرادا کرتے رہے، نیک بیوی بھی خدا کا شکرادا کرتی رہیں پھر کہنے لگیں ابو ربیعہ!
یہ بتایئے تیس ہزار اشرفیاں زیادہ عزیز ہیں یا ایسا انمول بیٹا اور اس کا علم وفضل میں بلند مقام۔
حضرت فروخ نے کہا بیٹے کا یہ مقام تو ماں نے کہا میں نے وہ تیس ہزار اشرفیاں اس کی تعلیم وتربیت
پر خرچ کردیں۔(1)

2.9.3) ماں کے قدموں تلے جنت ڈھونڈنے والا

میں نے ایک شخص کو دیکھا ہے جو اس ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہے تو ثابت کر کے رہے
گا......امام مالکؒ نے یہ کلمات اس شخص کے بارے میں فرمائے جس کو دنیا ''امام اعظمؒ'' کے نام
سے یاد کرتی ہے۔

امام اعظمؒ ابھی جوان بھی نہ ہوئے تھے کہ والد کے سائے سے محروم ہو گئے۔ البتہ آپ کی
والدہ محترمہ مدت تک دعا دینے کے لئے زندہ رہیں اور آپ نے اپنی تمام گراں قدر مصروفیتوں
کے باوجود، ان کی ایسی خدمت واطاعت کی جو صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو ماں کے قدموں تلے
جنت ڈھونڈنے والا ہو۔

عام عورتوں کی طرح امام اعظمؒ کی ماں بھی واعظوں سے بہت یادہ عقیدت رکھتی تھیں اور کسی
قدر شکی مزاج بھی تھیں۔ کوفہ میں عمرو بن ذرؒ ایک مشہور اور مقبول واعظ تھے یہ ان سے خاص
عقیدت رکھتی تھیں اور دینی مسائل میں ان پر بہت زیادہ اعتماد کرتی تھیں۔

امام اعظمؒ نہ صرف کوفے میں بلکہ تمام عالم اسلام میں مانے ہوئے فقیہہ تھے اور سند کا درجہ
رکھتے تھے، لیکن جب ان کی والدہ کو کسی مسئلہ کے معلوم کرنے کی ضرورت پیش آتی تو وہ امام ابو
حنیفہؒ کو حکم دیتیں کہ ابو حنیفہ! جاؤ اور حضرت عمرو بن ذرؒ کی خدمت میں پہنچ جاتے اور ان سے
فرماتے والدہ نے یہ مسئلہ معلوم کرنے کے لئے بھیجا ہے۔

عمرو بن ذرؒ بڑی معذرت کے ساتھ کہتے، حضرت! میں بھلا آپ کے سامنے زبان کھول
سکتا ہوں، میں کس منہ سے آپ کو مسئلہ بتاؤں، امام صاحبؒ اصرار فرماتے کہ والدہ کا حکم ہے،

1) اسلاف کے سنہرے واقعات، ص32، 33، تذکرۃ حفاظ، ص148، ج1، حلیۃ الاولیا، ج3، ص259

آپ ضرور بتائیے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ عمرو بن ذرؒ اپنی لاعلمی کا اعتراف فرماتے اور امام صاحبؒ سے کہتے کہ آپ بتادیں تو میں اسی کو دہرادوں۔ امام صاحبؒ مسئلہ بتاتے، عمرو بن ذرؒ اسی کو دہرا دیتے اور آپ اپنی والدہ کو وہی مسئلہ آ کر بتا دیتے، مگر اپنی والدہ کو یہ راز کبھی نہ بتاتے کہ یہ مسئلہ تو خود میرا بتایا ہوا ہے۔

کبھی کبھی بوڑھی ماں اصرار کرتیں کہ بیٹا میں خود چل کر مسئلہ پوچھوں گی اور اپنے کانوں سے حضرت کا جواب سنوں گی تاکہ مجھے اطمینان ہو اور امام صاحبؒ ایک تابعدار فرزند کی طرح ان کو خچر پر سوار کرتے، خود لگام پکڑ کر آگے آگے پیدل چلتے اور جب والدہ محترم خود حضرت سے سوال جواب کر کے اطمینان کر لیتیں تو انہیں واپس لے آتے۔

ایک بار والدہ محترمہ نے امام صاحبؒ سے کہا، بیٹے اس صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ امام صاحبؒ نے مسئلہ بتایا، بولیں ٹھیک کہہ رہا ہوگا لیکن دل کو اطمینان نہیں ہوتا، آپ والدہ کو ذرا واعظ کے یہاں لے گئے اور وہاں جا کر حضرت ذرؒ کے سامنے مسئلہ رکھا، ذرؒ نے کہا، کیا خوب، دنیا آپ کے مسائل کو سند سمجھے اور میں آپ کو مسئلہ بتاؤں۔ آپ نے خود ہی اپنی والدہ کو کیوں نہیں بتا دیا۔ امام صاحبؒ نے فرمایا، میں نے اس صورت میں شریعت کا یہ حکم بتایا۔ ذرؒ نے فرمایا آپ نے بالکل صحیح بتایا۔ جب حضرت ذرؒ نے امام صاحب کے مسئلہ کی تصدیق کر دی تو ان کی والدہ کو اطمینان ہوا۔

عراق وخراسان کے گورنر ابن ہبیرہ نے امام صاحب کو قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کیا اور بے حد اصرار کیا کہ وہ اس عہدے کو قبول کر لیں لیکن امام صاحب کسی طرح تیار نہ ہوئے۔ اس پر ابن ہبیرہ نے امام صاحب کو گرفتار کر کے درے لگوائے، آپ کی والدہ محترمہ زندہ تھیں، بہت ضعیف ہو چکی تھیں۔ ان کو معلوم ہوا تو بہت پریشان اور بے چین ہوئیں۔ ان کی بے چینی اور صدمہ دیکھ کر امام صاحبؒ بھی بے چین ہو گئے۔ (1)

1) اسلاف کے سنہرے واقعات، ص196، 197

2.10) محققین کی نظر میں اچھے اُستاد کی خوبیاں

اچھے اور مثالی استاد ہر ملک وقوم کا قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں موجودہ دور میں اور ماضی میں دنیا کے ہر حصے میں استاد کی خوبیوں پر تحقیق ہوتی رہی ہے۔ تحقیق کے نتائج کو آج کے دور میں جو وقعت حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ اس سلسلہ میں انتہائی مختصر اور چند تحقیقات کے نتائج پیش خدمت ہیں۔

پاکستان میں مثالی اساتذہ پر تحقیق

ادارہ تعلیم وآ گاہی لاہور نے سو اساتذہ کی کہانیاں جمع کی ہیں اور ان کہانیوں کو یونیسکو کے اسلام آباد آفس نے سال 2009ء میں ''استاد کی یاد میں اساتذہ کو با اختیار بنایا۔ سو کہانیاں، قابل اساتذہ اور شکر گزار طلبہ، (Remembring Empowering Teacher) (100 Stories from dedicated Teachers and Grateful Student's) کے عنوان کے تحت طبع کیا ہے۔ اس میں جن موضوعات یا انڈیکیٹرز کے تحت اساتذہ کی کہانیاں جمع کی گئی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

1. اپنے پیشہ سے لگاؤ اور وابستگی ......(Commitment to Profession)
2. امنگوں پر مبنی داستانیں ......(Tales of Inspiration)
3. استاد بطور جماعت کار ......(Teacher as a Classroom Practitioner)
4. استاد بطور عنصر تغیرات ......(Teacher as Agent of Change)
5. استاد بطور شفیق دوست ......(Teacher as Collegue)
6. استاد بطور رہبر ......(Teacher as Counselor)
7. استاد بطور والد ......(Teacher as Parent)
8. استاد بطور امانت دار ......(Teacher as Supporter)

یہ کتاب 354 صفحات پر اردو اور انگلش دونوں زبانوں میں شائع کی گئی ہے۔ اساتذہ کی داستانیں مجتمع کرنے والے ادارہ تعلیم وآ گاہی اور شائع کرنے والے ادارے یونیسکو کے شکریہ

کے ساتھ کچھ داستانیں انتخاب کر کے شامل کی جا رہی ہیں۔ یہ داستانیں پیشۂ وتدریس سے متعلقہ افراد کے تجربات پر مبنی ہیں جنہیں ہم مثالی اساتذہ کہہ سکتے ہیں۔

2.10.1) کمرہ جماعت کی یادیں

انور مسعود (ایک اچھے استاد اور پنجاب کے مشہور شاعر ہیں) اپنے تجربات یوں بیان کرتے ہیں:

''جب میں پنجاب یونیورسٹی میں فارسی میں ایم اے کر رہا تھا تو سید وزیر الحسن عابدی میرے استاد تھے۔ ان کا خیال تھا کہ علم کی ابتدا سوال سے ہوتی ہے یہی وجہ تھی کہ وہ کسی بھی طالب علم کو کمرہ جماعت میں داخل نہیں ہونے دیتے تھے جب تک اس کے پاس کوئی سوال نہ ہو۔ وہ کہا کرتے تھے، ''اگر ایک پودے سے متعلق سوالات کے جوابات اکٹھے کرنے شروع کئے جائیں تو آپ کی رسائی علم نباتات تک ہو جاتی ہے''۔

چوہدری فضل حسین گجراتی زمیندار کالج میں میرے استاد تھے۔ کچھ اس طرح سے انہوں نے ایک اچھے استاد کے بارے میں اپنے خیالات بیان کئے تھے: ''ایک اچھا استاد وہ ہے جس کے لئے ہر تعلیمی سال کے آغاز پر آنے والے نئے طلباء کا گروپ ایک نئی تحقیقی کتاب کی حیثیت رکھتا ہے'' یعنی وہ مسلسل اپنے علم کو از سر نو تازہ کرتا رہتا ہے۔ یہ چودھری فضل حسین ہی تھے جن کے ہمت بندھانے پر ہی میں نے سائنس کی پیچیدگیوں سے بھرپور دلدل سے اپنے قدم باہر نکالے تھے اور آرٹس کو چنا تھا کیونکہ اس وقت میں ایف ایس سی پری میڈیکل کا طالب علم تھا۔ اس دوران میں کئی نظمیں لکھ چکا تھا ان میں سے ایک نظم بچپن سے متعلق تھی جس میں بلوغت کی دہلیز پر کھڑا ہو کر بچپن کے چھن جانے پر ماتم کیا کرتا تھا۔

بے شمار دیگر صفحات میں سے ایک استاد کے لئے ''ضمیر کا باقاعدہ فعال ہونا'' ایک اہم صفت ہے۔ ایک دفعہ میں چالیس اساتذہ کے ایک گروہ کے ہمراہ ایران گیا۔ وہاں میں ایک استاد سے ملا۔ جب انہوں نے بات شروع کی تو محسوس ہوا کہ ایک ہی جملے میں انہوں نے کم از کم پانچ سے چھ کتابوں کا علم وفہم بیان کر دیا ہو۔ مثال کے طور پر انہوں نے علامہ اقبال کے بارے میں کہا کہ اس دنیا میں اقبال کی آمد بہت جلد ہو گئی تھی۔ ان کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ آنے والا

زمانہ اقبال کا ہی ہوگا۔

کمرہ جماعت میں بطور استاد میں ہمیشہ انتہائی خوشی محسوس کرتا رہا ہوں۔ایک استاد میرے نزدیک اسی قابل ہونا چاہئے کہ وہ طلباء کو سوال پوچھنے کی اجازت دے اور اسے اپنے مضمون پر بھی پورا عبور حاصل ہونا چاہئے۔ایک دفعہ میں آٹھویں جماعت کے طلباء کو مادہ کی تینوں حالتوں کے بارے میں بتا رہا تھا۔ایک طالب علم نے مجھ سے مادہ کی تینوں حالتوں کی بیک وقت موجودگی کو مثال کے ذریعے سمجھانے کے لئے کہا۔میں نے اس سوال کی وضاحت حقے کی مثال دے کر کی۔ جیسا کہ حقہ سخت لکڑی کا بنا ہوا ہوتا ہے۔دھواں چھوڑتا ہے اور اپنے اندر پانی رکھتا ہے۔مادہ کی تینوں حالتوں ٹھوس، مائع، گیس کی بیک وقت موجودگی واضح کر دی گئی تھی۔

میں گجرات کے قریب واقع ایک جگہ کنجاہ میں ایک سکول میں استاد تھا۔میری ایک نظم کا مرکزی خیال میرے ایک ایسے تجربہ پر منحصر ہے جو مجھے اس سکول میں پڑھاتے ہوئے ہوا۔یہ نظم یا تجربہ میرے ایک طالب علم بشیر کے بارے میں ہے۔جو سکول دیر سے آتا ہے۔کیونکہ اسے اس کے ایک دوست اکرم کی ماں نے گھر میں روک کے رکھا ہوتا ہے۔کیونکہ اکرم کی ماں بشیر کے ہمراہ اپنے بیٹے اکرم کے لئے خصوصی کھانا بھجوانا چاہتی ہے۔اکرم اپنی ماں کے ہاتھ کا بنا کھانا خود اپنے ہمراہ کیوں نہیں لایا؟ اس دن اکرم بغیر کچھ کھائے پیئے گھر سے جلدی کیوں نکل آتا ہے؟ دراصل اکرم کا اپنی ماں سے جھگڑا ہو جاتا ہے اور اسی وجہ سے وہ غصے میں جلدی گھر سے نکل جاتا ہے۔ جھگڑے کے دوران وہ اپنی ماں کو مارتا بھی ہے۔اکرم اپنی سگی ماں کو رولنگ پن کے ذریعے اس شدت سے ضرب لگاتا ہے کہ وہ اسے زخمی کرتے ہوئے ٹوٹ جاتی ہے۔غمزدہ، لاچار اور زخمی ماں اس کے باوجود پریشان ہے کہ اس کا بیٹا بھوکا سکول چلا گیا ہے۔

2.10.2) افسانے سے زیادہ افسانوی

ڈاکٹر ہارونہ جتوئی تاحال وزارت تعلیم، اکیڈمی آف ایجوکیشن پلاننگ میں بطور ڈائریکٹر جنرل کام کر رہی ہیں۔وہ ہارورڈ گریجویٹ سکول آف ایجوکیشن کی بھی پڑھی ہوئی ہیں۔بیان کرتی ہیں:

مس نسرین نے جماعت ششم سے دہم تک مجھے سائنس کا مضمون پڑھایا تھا۔وہ اپنی

ظاہری شخصیت اور لباس کے حوالے سے بے عیب اور کام کے حوالے سے انتہائی منظم اور کامل واقع ہوئی تھیں۔ گورنمنٹ مسلم سکول فار گرلز فیصل آباد میں ان تک رسائی سب کے لئے بہت آسان تھی۔ وہ ہمارے ساتھ بیڈمنٹن کھیلا کرتی تھیں اور اگر چہ وہ ہماری ریاضی کی استاد نہیں تھیں اس کے باوجود ہمیں ریاضی کے مضمون میں مدد دیا کرتی تھیں۔ وہ سکول اوقات کے بعد بھی کافی دیر تک سکول میں رہا کرتی تھیں اور کیمسٹری کے تجربات کے حوالے سے ہماری رہنمائی کیا کرتی تھیں۔ چاہے کتنا ہی وقت انہیں ہمارے ساتھ گزارنا پڑے وہ اس بات کا برا نہیں مناتی تھیں۔ ان کی سب سے بڑی خواہش یہی ہوا کرتی تھی کہ ہم جو بھی سیکھیں ٹھیک طریقے سے سیکھیں۔ ہماری نوٹ بکس پر دیگر اساتذہ کی طرف سے ایک سرسری طریقے سے درج کئے ہوئے درست کے نشانات جا بجا ملتے تھے مگر مس نسرین کا معاملہ مختلف تھا۔ وہ ہماری کاپیوں کو چیک کرتے ہوئے بڑی دلجمعی سے غلطیوں کی بڑی خوبصورتی سے اصلاح بھی کر دیا کرتی تھیں۔ اس کا نتیجہ یہی تھا کہ دیگر تمام اساتذہ کی نسبت ہم تمام طلبہ کا مس نسرین کے حوالے سے دیا گیا کام قدرتی طور پر مکمل اور بہتر ہوا کرتا تھا۔ مس نسرین کی مشاورت و رہنمائی ان کے ایک نابینا بڑے بھائی کیا کرتے تھے۔ والدین کی وفات کے بعد اپنی اس معذوری کے باوجود یہ بھائی پورے خاندان کے سربراہ تھے۔

زندگی یونہی رواں دواں رہی اور میں نے ایڈمنسٹریٹو سائنسز میں ایم اے کے لئے پنجاب یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ وہاں میری ملاقات پروفیسر منیر احمد سے ہوئی جو ایک سچے، کھرے اور کسی بھی سیاسی دباؤ میں نہ جھکنے والے انسان تھے۔ کسی بھی عہدے یا دولت کے ذریعے انہیں ڈرایا دھمکایا اور متاثر نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بلاشبہ وہ تمام طلبہ کی پسندیدہ شخصیت تھے۔

میرے لئے بھی منیر صاحب کی شخصیت ان کی دیانت داری کے بلند معیار اور پرخلوص رویے کے حوالے سے مثالی حیثیت کی حامل تھی۔ پنجاب یونیورسٹی میں میرا ایم اے مکمل ہو چکا تھا اور میں بطور ریسرچ ایسوسی ایٹ اسی یونیورسٹی میں کام کر رہی تھی۔ اسی دوران ہماری قدرے تاخیر کی شکار الوداعی پارٹی کا اہتمام کیا گیا۔ سر منیر بھی وہاں موجود تھے اور بے شمار طلبہ نے انہیں گھیر رکھا تھا۔ وہ ان سے یہی سوال کر رہے تھے کہ انہوں نے اب تک شادی کیوں نہیں کی۔ انہوں نے بتایا کہ ان پر اپنے ایک نابینا بھائی کی دیکھ بھال سے متعلق بھاری ذمہ داری عائد ہے

جس کی وجہ سے ان کے لئے شادی کے بارے میں سوچنا ممکن نہیں ہے۔ یہ سنتے ہی میرا خیال مس نسرین اور ان کے نابینا بھائی کی طرف گیا۔ میں نے مس نسرین کا ذکر منیر صاحب سے کیا اور اتفاق سے وہ ان کی بہن ہی نکلیں! میں بہت حیران ہوئی تھی۔ میری پرورش اور تعلیم کا اہم عرصہ دو مختلف شہروں میں گزرا تھا اور اس دوران میری ذات کے چند بہت اہم پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی جو دو مختلف شخصیات باعث بنی تھیں ان کا تعلق ایک ہی گھر کی مٹی سے تھا۔ مجھے ان کے والدین پر رشک محسوس ہو رہا تھا جنہوں نے اتنی سچائی اور لگن سے اپنی اولاد کی تربیت کی تھی۔

لاہور اور فیصل آباد میں موجود ان دونوں اساتذہ نے میری زندگی کے مختلف مدارج میں مجھ پر بہت گہرا اثر چھوڑا تھا۔ آج جب میں پورے اعتماد سے معاشرے میں ایک فعال کردار کے طور پر اپنا سر اونچا کر کے چلتی ہوں تو مجھے مس نسرین کی کہی ہوئی باتیں یاد آ جاتی ہیں۔ میں دراز قد ہونے کی وجہ سے اپنے کندھوں کو قدرے جھکا کر چلا کرتی تھی۔ ایک دن مس نسرین نے میرے اس انداز کو بھانپتے ہوئے مجھے پورے قد سے اعتماد کے ساتھ سیدھا چلنے کی نصیحت کی تھی۔ وہ بہت چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی بھانپ لیا کرتی تھیں مگر بظاہر یہ چھوٹی باتیں خود اعتمادی اور انسان کی مجموعی شخصیت پر بہت گہرا اثر ڈالتی ہیں اس لئے ان کی بروقت اصلاح بھی بہت ضروری ہوتی ہے۔ میں خود بھی کسی چیز میں غلطیوں اور چھوٹے موٹے عیبوں کو پاؤں تو اسے نظر انداز نہیں کر پاتی۔ میں جانتی ہوں کہ ہر کام کو ہمیشہ ہر پہلو سے مکمل دیکھنا پسند کرنے والی مس نسرین اور کبھی نہ جھکنے والی مثالی شخصیت کے حامل سر منیر احمد آج بھی میرے لئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مجھے افسوس صرف اس بات کا ہے کہ میں ان دونوں سے رابطہ برقرار نہیں رکھ سکی ہوں۔

(2.10.3 "استاد کون بننا چاہتا ہے؟"

فریدا ے خواجہ چیئرمین نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف سائنس و ٹیکنالوجی اسلام آباد تحریر فرماتے ہیں کہ:

"میں نے یہ اکثر کہتے ہوئے سنا ہے کہ اچھے استاد بہت نایاب ہیں۔ میرا تجربہ اس حوالے سے بہت مختلف رہا ہے۔ میرے تمام تعلیمی دور میں بہت کم ہی ایسے استاد ہوں گے جنہیں میں پسند نہیں کرتا تھا۔ ان کے علاوہ مجھے تمام اساتذہ ایسے ملے تھے جو انتہائی قابل اور متاثر کن شخصیت

کے حامل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنے لئے ایک استاد بننا منتخب کیا اور پچھلے پچیس سالوں سے میں ایسے دور میں پڑھا رہا ہوں جہاں اساتذہ کو پیشہ وارانہ طور پر بہت کم معاوضہ دیا جاتا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں نے تدریس کا شعبہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا تو میرے دوستوں اور رشتہ داروں کو یہ بات بہت دلچسپ اور عجیب لگی۔ کچھ نے مذاقاً مجھے سمجھایا "تم ایک استاد بننا چاہتے ہو؟ مگر تم اپنے ٹھوس تعلیمی پس منظر سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک استاد کے علاوہ کچھ بھی بن سکتے ہو؟؟ میرے لئے انہیں اس بات کو سمجھانا بہت مشکل ہوجاتا تھا کہ میں حقیقت میں یہی تو کرنا چاہتا تھا۔

میں اپنے تمام اساتذہ سے بہت محبت کرتا تھا کیونکہ وہ سب مجھے بہت پیار کرتے تھے۔ جب میں پڑھ رہا تھا تو اس وقت ٹیوشن پڑھانا اتنا عام نہیں تھا جتنا ان دنوں ہے۔ وہ طالب علم جنہیں ٹیوشن کی اشد ضرورت محسوس ہوتی تھی وہ بڑی رازداری سے اسے جاری رکھتے تھے۔ نہ ہی ٹیوشن پڑھانے والے استاد کھلے عام ٹیوشن پڑھانے کا اعلان کرتے نظر آتے تھے۔ کیونکہ یہ بہت مناسب نہیں سمجھا جاتا تھا۔

مجھے جب بھی کبھی کسی تصور کو سمجھنے کے لئے مزید وضاحت کی ضرورت محسوس ہوئی تو میرے اساتذہ مجھے اپنے گھر آنے کی دعوت دے دیا کرتے تھے اور ڈھیر سا وقت دینے پر کبھی برا نہیں مناتے تھے۔ وہ اپنے آرام کے وقت کو بھی خاطر میں نہ لاتے ہوئے میری مناسب رہنمائی کیا کرتے تھے۔ میرے استاد سر خواجہ محمد نواز نے میری ایف ایس سی کے کورس میں شامل ریاضی کے مضمون میں کالج داخل ہونے سے پہلے ہی تیاری کروادی تھی۔ میرے اساتذہ نے بغیر کسی معاوضے اور نقد رقم کے میری ہمیشہ مدد کی تھی۔ میں نے بدلے میں ان کا حد درجہ احترام کیا اور خود تدریس کے شعبے کو چن کر ان کی تقلید کی کوشش کرتا رہا۔

میرے نزدیک استاد کی نظروں کا پوری ہم آہنگی سے شاگردوں کی نظروں سے دو چار ہونا بہت ضروری ہے۔ میں اپنے شاگردوں کے چہروں کی طرف سیکھنے اور سمجھنے کی علامات کو دیکھنے کے لئے ضرور دیکھا کرتا تھا۔ ان کے چہروں پر تاثرات دیکھ کر ہی مجھے اندازہ ہوجاتا تھا کہ مجھے کب سوال کرنا چاہئے اور طلباء کو بحث کے لئے مدعو کرنا چاہئے۔

2.10.4)ایک شفاف ضمیر

ایک معزز پروفیسر (ان واقعات کے مصنف کوئٹہ یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں) فرماتے ہیں کہ:

''تدریس ایک دشوار کام ہے۔خصوصاًان سٹوڈنٹس کو پڑھانا جو کہ بنیادی مہارتوں پر عبور حاصل کئے بغیر کالج تک پہنچ گئے ہوں۔ ملک کے ایک دشوار علاقے میں ایک ڈگری کالج کو سنبھالنے کا ذمہ نہ جانے کس طرح میرے کندھوں پر آ پڑا۔ میں پہلے ایک انٹرمیڈیٹ کالج چلا چکا تھا مگر اس جگہ کا ثقافتی پس نظر بالکل مختلف تھا۔جس ڈگری کالج کا ذمہ مجھے اب سونپا گیا تھا وہ سٹوڈنٹس کے فسادی گروہوں اور سرکش حرکتوں کی ایک طویل تاریخ لئے ہوئے تھا۔

چارج سنبھالنے کے پہلے دن سے ہی میں نے یہ انتظام کرنے کی کوشش کی کہ ٹیچرز باقاعدہ اور مستقل کلاسوں کا اہتمام کریں۔مگر ٹیچرز کی طرف سے ردعمل مایوس کن رہا۔ایسا لگتا تھا کہ جو تجویز مجھے باوزن اور معقول لگتی تھی، باقی لوگوں کے لئے قابل قبول نہ تھی۔ پہلے دو تین ماہ میرے اعصاب پر اتنا شدید دباؤ رہا کہ میں اس نوکری کو ترک کرنے کے بارے میں سوچنے لگا۔

پھر میں نے اپنی حکمت عملی بدلنے کا فیصلہ کیا۔کیونکہ میں بنیادی طور پر انگریزی کا استاد تھا، میں نے زائد پیریڈ لینا شروع کر دیا،ان سٹوڈنٹس کے لئے جو انگریزی زبان پر اپنی گرفت کو بہتر بنانا چاہتے تھے۔ پہلے دن تقریباً پچیس سٹوڈنٹس آئے۔ دوسرے دِن یہ گنتی دوگنی ہوگئی اور تیسرے دن اتنے سٹوڈنٹس کلاس کے منتظر تھے کہ مجھے بڑے ہال میں کلاس لینا پڑی۔ میری کامیابی کا راز صرف یہ تھا کہ میں اپنی تدریس کو ان کی سطح پر لے آیا تھا۔ایک بار جب میں نے تعلیم کو ان سے متعلق کر دیا تو پھر میں ان سے بھی جواب حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔اس دن کے بعد سے کالج انتظامیہ اور سٹوڈنٹس کے درمیان کا کھچاؤ پگھلنے لگا۔صبح والی کلاس نے ہمارے درمیان ایک اعتبار کا رشتہ استوار کر دیا تھا۔

کیونکہ کالج چھٹیوں کے لئے بند ہونے والا تھا۔ میں نے بھی اپنے گھر جانے کی تیاری کر لی۔ میں نے ایک جونیئر ساتھی کو اپنی عدم موجودگی کے عرصے کے لئے قائم مقام پرنسپل بنا دیا، سکول کے کیشیئر نے مجھے کچھ رقم دی جو کہ میں نے اپنے شہر میں ایک کتابوں کی دکان تک پہنچانی

تھی، جس سے کہ ہم نے کالج کی لائبریری کے لئے کچھ کتابیں خریدی تھیں۔ مجھے کچھ اور رقم بھی دی گئی جو کہ فرنیچر والے کو ادا کی جانی تھی۔ کل ملا کر یہ کوئی -/80,000 روپے تھے۔ اسی کی دہائی میں -/80,000 روپے ایک اچھی خاصی رقم ہوتی تھی۔ میں رات کے بارہ بجے کوسٹر پر سوار ہوا۔

صبح کے دو بجے، جب بس ایک تنگ وادی سے گزر رہی تھی، ہماری بس کو روک لیا گیا، تقریباً چھ نقاب پوشوں نے ڈرائیور کو رکنے پر مجبور کیا اور تمام مسافروں کو ہدایت دی کہ وہ ایک ایک کر کے اپنا سامان ساتھ لے کر نیچے اتر آئیں۔ ان نقاب پوشوں کے پاس بندوقیں بھی تھیں۔ مجھ پر ہیبت چھا رہی تھی۔ کیونکہ میرے پاس گورنمنٹ کے پیسے تھے۔ اگر یہ رقم چوری ہو جاتی تو یقیناً مجھے خود اس نقصان کی تلافی کرنا پڑتی۔ مسافروں نے بس سے اترنا شروع کر دیا۔ دروازے کے پاس کھڑا ایک نقاب پوش ہر کسی کی تیزی سے تلاشی لیتا اور پھر اپنے ایک اور ساتھی کے پاس بھیج دیتا جو اچھی طرح تلاشی لے کر مسافروں کو ان کی گھڑیوں، رقم اور دوسری قیمتی اشیاء سے محروم کر دیتا۔ پھر اس واردات کے شکار مسافروں کو ایک طرف ایک گروپ میں کھڑے کر دیا جاتا، جس کی نگرانی دو اور نقاب پوش کر رہے تھے۔ میں جیسے ہی کوسٹر سے اترا، ایک ڈاکو نے کہا ''سر آپ اس گروپ میں کھڑے ہو جائیں'' یہ کہہ کر اس نے اس گروپ کی طرف اشارہ کیا جس میں وہ لوگ کھڑے تھے جن کا سامان لوٹا جا چکا تھا۔ میں یہ سن کر حیران رہ گیا مگر میں نے خاموشی سے اس کی ہدایات پر عمل کیا۔ کیونکہ ڈاکو اکثر کرخت لہجہ ہوتے ہیں اور اس ڈاکو نے مجھے ادب سے ''سر'' کہہ کر مخاطب کیا میں سمجھ گیا کہ یہ لڑکا میرے سٹوڈنٹس میں سے ایک ہے۔ مجھے اپنے سٹوڈنٹ کے اس جرم میں ملوث ہونے پر افسوس تو ہوا لیکن میری اب تک کی کاوش کا اتنا اثر ضرور تھا کہ اس نے کم از کم اپنے استاد کو اپنے جرم کا نشانہ نہ بنایا۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد مسلح افراد مسافروں کو شور مچانے سے منع کر کے انہیں ڈرا دھمکا کر اندھیرے میں غائب ہو گئے۔

ہم دوبارہ سے کوسٹر میں سوار ہو کر قریبی تھانے پہنچے اور اس ڈاکے کی رپورٹ لکھائی۔ میں مدعیوں میں شامل اس لئے نہیں تھا کہ مجھے ایک معزز ٹیچر ہونے کی وجہ سے بخش دیا گیا تھا۔ میں رقم سے ہاتھ دھونے کے امکان سے اس قدر خوفزدہ تھا کہ میں نے ان ڈاکوؤں کی آواز یا جسامت وغیرہ پر کوئی توجہ ہی نہ دی۔ مگر یہ یقین ضرور تھا کہ میں -/80,000 روپے گنوانے کی مصیبت سے

اس لئے بچ گیا تھا کہ میں ایک مخلص ٹیچر تھا۔

2.10.5) تدریس بذریعہ نفاست

اعجاز خان فیڈرل کالج آف ایجوکیشن اسلام آباد میں بی ایس سی بی ایڈ کے طالب علم اور مستقبل کے استاد ہیں فرماتے ہیں کہ:

''اس کالج میں ایڈمشن لینے کے بعد جب ہماری کلاسز شروع ہوئیں، انگلش اور ریاضی کے علاوہ تمام مضامین مجھے پسند تھے لیکن مجھے انگلش میں بہت مسئلہ تھا اور یہی وجہ تھی کہ مجھے انگلش کے ٹیچر بھی اچھے نہیں لگتے تھے۔

کلاس میں ہمارا پہلا دن تھا۔ سارے مضامین کے ٹیچر آئے، اپنا تعارف کروایا ہم سے ہمارے بارے میں پوچھا۔ سب ٹیچر اچھے تھے لیکن میں جن ٹیچر سے متاثر ہوا وہ انگلش کے ٹیچر تھے۔ وہ جیسے ہی کلاس میں داخل ہوئے ان کی شخصیت ایسی تھی کہ انسان خود بخود ان کی طرف متوجہ ہو جاتا۔ تھری پیس سوٹ پہنا ہوا تھا۔ گلابی رنگ کی ٹائی لگائی تھی، ان کی بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں تھیں۔ سر کے بالوں میں سے لے کر جوتوں تک سب سے الگ تھے ان کا چلنے کا انداز ان کے بولنے کا انداز مجھے بہت پسند آیا۔ ان کا نام دلاور فرحان تھا۔ وہ اس کالج کے وائس پرنسپل بھی تھے پھر انہوں نے بتایا کہ میں آپ کا انگلش کا ٹیچر ہوں اور اسی طرح کچھ اور باتیں کیں اور ہم سے ہمارے نام پوچھے۔ اس طرح کلاسیں شروع ہوگئیں۔ مجھے انگلش میں کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن سر دلاور فرحان کا پڑھانے کا انداز ہی الگ تھا۔ وہ جو بھی سبق پڑھاتے، کلاس میں ایسی فضا قائم کر دیتے کہ ہمیں ایسا محسوس ہوتا کہ ہم اس کہانی کے کردار ہیں اور یوں کہانی آسانی سے سمجھ آ جاتی۔ وہ کہتے کہ کتابیں نہیں کھولنی۔ جو بھی سبق یا نظم پڑھانی ہو اس کا خلاصہ آسان الفاظ میں بتاتے۔ پھر بتاتے کہ ہم یہ کیوں پڑھ رہے ہیں اور ہمارے لئے اس میں کیا سبق ہے۔ پھر کتاب سے ایک یا دو پیراگراف پڑھاتے اور اس کی تفصیل سے وضاحت کرتے۔ وہ جو بھی پڑھاتے ہمارے ذہنوں کے اندر نقش چھوڑ جاتے۔

چونکہ میں انگلش کو زیادہ پسند نہیں کرتا تھا ایک دن سر کو اکیلا دیکھ کر میں نے کہا کہ مجھے انگلش

زیادہ نہیں آتی نہ میں یہ زبان بول سکتا ہوں۔ سر نے کہا یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ آپ خود سیکھ جائیں گے۔ یہ بھی کہا کہ ہمیں اپنی مادری زبان پر عبور ہونا چاہئے انگلش تو ہم اس وجہ سے سیکھتے ہیں کہ ان لوگوں کی بات سمجھ سکیں اور ان تک اپنی بات پہنچا سکیں جو ہمارے زبان نہیں سمجھتے۔ سر کی یہ بات مجھے بہت اچھی لگی۔

سر دلاور فرحان سے انگلش کے حوالے سے بہت کچھ سیکھا۔ انہوں نے میری کافی مدد کی۔ کلاس میں اکثر مجھ سے سوالات کرتے۔ وہ کہتے جیسے بھی آئے چاہے غلط ہو، جو تمہارے ذہن میں ہو وہ بولو۔ اسی طرح کرتے کرتے انہوں نے میرا حوصلہ بلند کیا اور آج میں اس قابل ہوں کہ میں انگلش سمجھ اور بول سکتا ہوں۔ میں آج بھی اپنے سر کی نقل کرتا ہوں چاہے وہ پڑھانے میں ہو یا ان کا لب ولہجہ ہو اکثر ان کی طرح ملبوس ہوتا ہوں لیکن پھر بھی ان جیسا نہیں بن سکتا کیونکہ استاد تو استاد ہوتا ہے اور شاگرد، شاگرد"۔

2.10.6) ایک ٹیوٹر سے بڑھ کر

اختر مرزا آج کل بینکار ہیں اور اساتذہ کے بارے میں اس طرح رقمطراز ہیں کہ:

"آج سے تینتیس برس پہلے 1976ء میں، میں ساتویں جماعت میں تھا۔ میں ایک ان پڑھ اور غریب گھرانے سے تھا جس محلے میں میں رہتا تھا وہ ان دنوں ایک کچی آبادی کی طرح تھا۔ اب تو حالات بدل گئے ہیں۔ مجھے مشورہ دینے یا سکول کے اوقات کے بعد میرے کام کی نگرانی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ ٹیوشن کے لئے جانا اس زمانہ میں سٹوڈنٹ کی سستی اور نااہلی کی ایک علامت سمجھا جاتا تھا۔ مگر جہاں تک میرا تعلق تھا، ہمارے معاشی حالات مجھے ٹیوٹر کی خدمات حاصل کرنے کی اجازت بھی نہیں دیتے تھے۔

سر محمد اسلم ایک نوجوان ٹیچر کی حیثیت سے میونسپل کارپوریشن ایلیمنٹری سکول، بلاک 6، خان پور ڈسٹرکٹ، رحیم یار خان آئے۔ ان کی شخصیت پر کشش تھی۔ وہ ابھی یونیورسٹی سے نکلے ہی تھے اور بغیر کسی اضافی تربیت کے ٹیچر بھرتی کر لئے گئے تھے۔ ہمارے ساتھ ان کا رویہ والہانہ اور شفیق تھا۔ ایک دن ہم ساتھیوں نے کلاس کے بعد ان سے ملنے کا فیصلہ کیا۔ ہم نے ان سے

مودبانہ گزارش کی، کہ وہ پڑھائی میں ہماری رہنمائی کریں۔ ''سر ہمیں انگریزی سمجھنے میں بڑی مشکل ہوتی ہے۔ کیا آپ ہماری مدد کر سکتے ہیں؟'' انہوں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا، ''میں تو ٹیوشن نہیں پڑھاتا۔ اگر تم لوگ میرے گھر آنا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن میں اس کا کوئی معاوضہ نہیں لوں گا۔ میرے سارے ساتھی خوشی سے پھولے نہ سمائے کیونکہ سر اسلم کا پڑھانے کا انداز بہت موئثر تھا اور ہمیں ان کی کلاس بہت پر لطف لگتی تھی۔

ہم نے سر اسلم کے گھر جانا شروع کیا اور یوں ہمارے کردار کی تبدیلی کا آغاز ہوا۔ ہم جو گھر کے کام انہیں کرتے دیکھتے، ہمارے کوشش ہوتی کہ ہم بھی ان کاموں میں ان کا ہاتھ بٹائیں، جیسے جھاڑو لگانا، چھڑکاؤ کرنا، جھاڑ پونچھ وغیرہ۔ اس سے ہمیں اپنا آپ اہم محسوس ہوتا اور ہم پر سکون ہو جاتے، جیسے کہ ہم اپنے گھر میں ہیں۔ یوں ہم نے یہ تمام گھریلو کام کرنے سیکھے جو ہم نے کبھی اپنے گھروں میں نہیں کیئے تھے۔ ان کے گھر والے، بشمول ان کے والدین اور بہنیں ہمارا بہت خیال رکھتے تھے اس لئے ہمیں وہاں کام کرنے میں کبھی عار محسوس نہیں ہوا۔ ہم اکثر دوپہر چار بجے سے لے کر رات آٹھ بجے تک سر اسلم کے گھر پر ہوتے، ہم اکثر رات کا کھانا بھی وہیں کھا لیتے۔ وہ اکثر اپنے دوستوں کے ساتھ بنائے ہوئے پروگرام ہماری وجہ سے بدل دیتے۔

آٹھویں میں انہوں نے ہمیں انگلش گرائمر اور کمپوزیشن اس انداز سے پڑھائی کہ اب میں خود مضامین لکھنے کے قابل ہو گیا۔ اس سب کچھ کے علاوہ وہ ایک پائے کے ہاکی کے کھلاڑی بھی تھے۔ وہ سکھر ڈویژن ریلوے ہاکی ٹیم میں بھی رہ چکے تھے۔ کبھی کبھار وہ ہمیں میچ دکھانے کے لئے اپنے ہمراہ لے جاتے اور کبھی ہم اپنی پڑھائی کا کام مکمل کر کے ان کے گھر کیرم کھیلتے کیونکہ یہ ایک اور کھیل تھا جس کے سر اسلم ماہر تھے۔ سر اسلم نے بالکل ٹھیک کہا کہ وہ ٹیوشن نہیں پڑھاتے۔ وہ تو تعلیم، کردار بنانے اور خود افزائش پر ایک جامع کورس دیتے تھے!

جب میں نویں جماعت میں پہنچا تو سر اسلم نے مجھے استاد بنا دیا۔ انہوں نے مجھے ان آٹھویں جماعت کے بچوں کو پڑھانے کے لئے کہا جو ان کے پاس مدد کے لئے آتے تھے۔ یہ بات اور یہ وقت میری شخصیت میں یوں نقش ہو گیا کہ میں جیسے جیسے بڑا ہوتا گیا، میرے لئے کسی لمبے عرصے کے لئے تدریس سے دور رہنا ناممکن ہو گیا۔

انہوں نے مجھے اپنے پیشے کے ساتھ مخلص رہنا، کام کرنے کے اصول اور علم و دانش میں سچائی برتنے کی اہمیت کا سبق کچھ یوں دیا کہ آج بھی میں اصول وضوابط کی خلاف ورزی کو پسند نہیں کرتا۔ انہوں نے ایک بار مجھ سے کہا ''اپنی محنت، خلوص اور ایمانداری سے خود کو ایک ادارے کا لازمی جزو بنالو تاکہ وہ ادارہ تمہیں چھوڑ نہ پائے''۔ میں نے ہمیشہ ان کے اس مشورے پر عمل کیا اور اللہ کی طرف سے نوازا گیا۔

میرے والدان پڑھ تھے، اس لئے وہ کبھی میری تعلیمی اٹھان کے بارے میں پوچھنے کے لئے سکول نہیں گئے۔ یہ میرے عظیم استاد ہی تھے جو میٹرک اور اس کے بعد کے سالوں میں میری کارکردگی پر نظر رکھے ہوئے تھے۔

انہوں نے ہمیشہ تعلیم جاری رکھنے کی اہمیت پر زور دیا اور یہ ان کی رہنمائی کا ہی نتیجہ ہے کہ میں نے ایف اے سے لے کر ایم اے، ایم ایڈ تک کی تعلیم بحیثیت پرائیویٹ سٹوڈنٹ کے مکمل کی، حتیٰ کہ میں اپنی شادی ہو جانے کے بعد بھی پڑھتا رہا!

وقت کے گزرنے کے ساتھ میں نے فیصلہ کرلیا کہ میں ایک اچھا استاد بنوں گا۔ تدریس کا پیشہ میرا جنون بن گیا۔

مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ اپنے خاندان کے چند لوگوں کے اصرار کے سامنے ہتھیار ڈالتے ہوئے میں نے بینک میں نوکری کرنے کی حامی بھری۔''

2.10.7) میری سوچ میری آواز

افتخار عارف صاحب پاکستان کے نامور شاعر اور ڈائریکٹر جنرل مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد اپنے اساتذہ کا ذکر یوں فرماتے ہیں کہ:

''بیت بازی شمالی ایشیا کا ایک مقبول ادارہ ہے۔ جب میں بڑا ہو رہا تھا تو ہمارے استاد ہمیں یاد کر کے پڑھنے کے لئے اشعار دیا کرتے تھے، اس سے ہمیں شاعری میں وزن، وقفہ اور علم عروض سے آشنائی ہوگئی۔ وہ میرے استاد سید محمد احمد تھے جنہوں نے مجھے پہلی بار جوش، مجاز، مخدوم، ساحر اور سردار جعفری ایسے شعراء سے متعارف کروایا۔

1965ء میں، میں لکھنؤ چھوڑ کر پاکستان چلا آیا۔ اس کے بعد میں ملنے ملانے کے لئے بھارت گیا۔ اس وقت تک میں ٹیلی ویژن پر آ چکا تھا اور اب ایک نامور شخصیت تھا۔ جب میں اپنے پرانے گھر پہنچا تو میری والدہ نے بتایا کہ سید محمد صاحب، میرے استاد، مجھ سے ملنے کے لئے آئے تھے اور کہہ گئے تھے کہ جب میں آؤں تو ان کو بلوا بھیجا جائے۔ یہ سنتے ہی میں خود ان کے گھر کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ راجہ بازار کی ایک تنگ گلی میں ان کی رہائش تھی میں نے حلقہ زنجیر ہلایا تو وہ باہر آئے۔

میں نے اپنے سفید ریش استاد کو دیکھا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر مجھے گلے سے لگا لیا اور کہا میرے لئے فخر کی بات ہے کہ آپ میرے شاگرد ہیں"۔ یہ کہہ کر وہ اندر گئے اور ایک رسالہ لئے تشریف لائے۔ اس پرانے رسالے کے ایک صفحے پر کہیں لکھا تھا: "افتخار حسین عارف" ساتویں جماعت" یہ ایک نظم تھی جو میں نے لکھی اور پھر وہ سکول کے رسالے میں شائع ہوئی۔ وہ بولے "اس کے پیچھے ایک کہانی ہے، جو میں تمہیں سنانا چاہتا ہوں۔ جب یہ رسالہ مرتب ہو رہا تھا تو ہمارے پاس بہت ساری نظمیں اور کہانیاں تھی"۔ (لکھنؤ میں ہر شخص شاعر ہوا کرتا تھا۔ مرد، عورتیں۔ پڑھے لکھے، لہٰذا رسالے کے لئے بہت سا مواد جمع ہو چکا ہوگا)۔ جو مواد اساتذہ کو موصول ہوا تھا، اس میں سے تمہاری نظم زیادہ بہتر نہ تھی۔ امکان یہ تھا کہ وہ اشاعت کے لئے چنی جانے والی نظموں میں شامل بھی نہ ہو۔ مگر میں نے اپنی رائے اس نظم کے حق میں دی۔ جانتے ہو کیوں؟ کیونکہ یہ ایک ایسی نظم تھی جو ایک بچے نے خود لکھی تھی' اور یوں میری پہلی نظم کو اشاعت کا درجہ نصیب ہوا! اس وقت میں نے پہلی بار اپنا نام چھپا ہوا دیکھا۔ اگر یہ نظم شائع نہ ہوتی تو میں بھی آج شاعر نہ ہوتا۔

بعض چیزیں آج متوسط اور امیر گھرانوں میں بے قدری سے دیکھی جاتی ہیں۔ اگرچہ عوام میں ان کا اب بھی وہی درجہ اور اہمیت ہے جو آج سے کئی دہائیوں پہلے، میرے بچپن کے دنوں میں تھی۔ نظر کی کمزوری کا بروقت پتا چل جانا ایسی ہی چیزوں میں سے ایک ہے۔ میں اس وقت جوبلی کالج لکھنؤ میں نویں جماعت کا طالب علم تھا۔ میرے استاد جناب بدر الدین نے تختہ سیاہ پر الجبراء کی مساوات لکھ رکھی تھیں۔ انہوں نے مجھ سے سوال کیا۔ میں جواب دینے کے لئے کھڑا تو ہوا مگر تختہ سیاہ پر لکھے کو میں کوشش کے باوجود دیکھ نہیں پا رہا تھا۔ کلاس میں لگے پنکھے کی رسی سے وہ

مجھے میری نااہلی پر مارنے ہی والے تھے مگر پھر انہوں نے اپنا ہاتھ روک لیا اور مجھے کلاس سے باہر لے آئے۔ ان دنوں لکھنؤ میں کل ایک ہی آنکھوں کے ماہر ڈاکٹر تھے میری زندگی کی پہلی عینک دلائی۔ حتیٰ کہ اس کا خرچہ بھی انہوں نے خود ہی برداشت کیا۔

برصغیر میں ایک دانا استاد کی روایت بہت عام ملتی ہے۔ خواہ وہ بڈھا ہو، شیخ ہو، مرشد ہو یا گرو ہو، اگر یہ ہستیاں نہ ہوتیں تو پھر ہمیں اس راستہ تک کون پہنچاتا جو اللہ تک جاتا ہے۔ میں نے زندگی میں جو کچھ بھی جانا، جو کچھ بھی سیکھا وہ میرے استاد کے مرہون منت ہے۔ دریا کے کنارہ پر کس طرح سے چلا جاتا ہے، چلتے چلتے رک کر پھولوں کی مہک سے کس طرح لطف اندوز ہوا جاتا ہے، کیسی آہستگی سے کسی سے ہم کلام ہوا جاتا ہے، کیسے نظریں جھکا کر بات کی جاتی ہے۔ ڈاکٹر رادھا کمال مکھر جی جن کا شمار فلسفے کے بانیوں میں ہوتا ہے، ایک ایسی شخصیت ہیں جن سے میں بہت متاثر ہوں، یہاں تک کہ آج میرا چلنے کا انداز اس عظیم استاد کی چال سے گہری مشابہت رکھتا ہے۔ اگرچہ میں ان تمام اساتذہ کی نوازشوں پر نظر ڈالوں تو یہ کہنا کچھ غلط نہ ہوگا کہ سر بدر الدین نے مجھے چشم دیدہ دی، سر سید محمد نے مجھے پہچان دلائی، میری آواز کو رسائی دی اور ڈاکٹر رادھا نے مجھے سمت دی۔''

2.10.8) سلام ٹیچر

فخر الدین گومل یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان شعبہ فارمیسی کے استاد ہیں اور اپنے استاد کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں کہ:

''زندگی کے سفر میں بہت سے لوگ ملتے ہیں۔ طرح طرح کی بولیوں والے لوگ...... جن سے دیکھنے کو بہت کچھ ملتا ہے۔ اور جن کے ساتھ بیتے ہوئے لمحے ہماری زندگی کا قیمتی سرمایہ بن جاتے ہیں...... کچھ ان میں ایسے ہوتے ہیں۔ جن کے نقوش وقت کی گردش کے ساتھ دھندلا جاتے ہیں...... اور کچھ خاص لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں...... جن کی باتیں...... جن کا کردار ہمارے ذہن پر نقش ہو جاتا ہے...... جو ہمارے لئے رول ماڈل کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں اور ان سے وابستہ یادیں ہمارے لئے مشعل راہ بن جاتی ہیں۔ ایک ایسا ہی کردار...... میری زندگی میں بھی

رہا ہے...... جن کی محبتوں، شفقتوں اور کوشش نے مجھے ایک ایسے مقام پر لا کھڑا کر دیا ہے...... جس کا آج سے بہت پہلے میں نے، میرے والدین نے اور میرے استاد محترم عصمت اللہ نے خواب دیکھا تھا......

مجھے اچھی طرح یاد ہے...... کلاس ہفتم کا وہ ڈرا سہما طالب علم...... جس کے اندر ایک عجیب سا خوف تھا...... غلطی کرنے کا خوف۔ کہ میں اگر غلط بولوں گا۔ تو لوگ ہنسیں گے۔ اگر میں کوئی غلط سوال پوچھوں گا۔ تو لوگ کیا کہیں گے؟...... وہ چاہتا تھا کہ سٹیج پر جائے۔ لوگوں کو مخاطب کر کے بولے۔ پھر اس کی تعریف میں بہت ساری تالیاں بجیں۔ لیکن یہ سب چاہتے ہوئے بھی۔ وہ کچھ نہیں کر پا رہا تھا۔ پھر ایک دن ان کی کلاس میں ایک نیا ٹیچر آیا۔ نوجوان، پرعزم، شفیق اور محنتی۔ جس کے اندر ایک عجیب سی کشش تھی۔ سب کو اپنی طرف مدعو کرنے والی کشش۔ اس ٹیچر نے اپنا پہلا سوال ہی اس طالب علم سے کر دیا۔ اور وہ طالب علم جانتے اور چاہتے ہوئے بھی۔ اس کا جواب نہ دے سکا، یہ میری اور سر عصمت کی پہلی ملاقات تھی۔

سر عصمت کی دور بین نگاہوں نے میرے اندر کا وہ بے تاب بچہ دیکھ لیا تھا۔ جو کچھ کہنا چاہتا تھا۔ جو لوگوں میں گھل مل جانا چاہتا تھا۔ اور جو زندگی کو اس مقام سے دیکھنا چاہتا تھا۔ جو لگا تار محنت اور کوشش کے بل بوتے پر حاصل ہو۔ انہوں نے مجھے خصوصی توجہ دینی شروع کر دی۔ انہوں نے میرے جیسے تین اور طالب علموں کے لئے فری ٹیوشن شروع کر دی۔ انہوں نے ہمیں بتایا۔ معاشرے میں کیسے جیا جاتا ہے۔ انہوں نے ہمیں سر اٹھا کر جینے کی تعلیم دی۔ انہوں نے ہمارے لئے نہ صرف نصابی بلکہ غیر نصابی سرگرمیوں کا اجراء کیا۔ انہوں نے ہمیں زمانے کے سرد گرم سے بچایا۔ اور یوں ہمارا تعلق وقت کے ساتھ ساتھ گہرا ہوتا چلا گیا۔ میرے چچا اور بڑے کزنز نے اس بات پر بڑا اعتراض کیا کہ فخر کیوں سارا دن سر عصمت کے پاس بیٹھا رہتا ہے۔ یہ بندہ، اسے کسی کام کا بھی رہنے نہیں دے گا اور میں نے سر عصمت کو یہ کہتے سنا۔ یہ ہمارے معاشرے کا المیہ ہے اور ہم نے اس کو ساتھ لے کر چلنا ہے۔ مجھے کبھی بھی نہیں بھولے گا وہ دن جب میرے میٹرک کے نتیجے کا اعلان ہوا تھا اور میری فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن آئی تھی۔ میں نے اس دن سر عصمت کے چہرے پر ایک عجیب سا سکون دیکھا۔ کچھ پا لینے کا احساس۔ اپنی منزل کے پہلے مرحلے پر

پہنچنے کا احساس۔ انہوں نے مجھے پچاس روپے نقد انعام کے ساتھ ساتھ ایک قلم دیا اور کاغذ پر ''مجھے فخر ہے'' لکھ کر دیا۔ جو آج بھی میرے پاس محفوظ ہے اور میرے جوش و جذبے اور حوصلے کی تقویت کا باعث بنتا ہے۔

میں نے زندگی کے جس بھی میدان میں قدم رکھا ان کی پرجوش اور پر خلوص باتیں میرا حوصلہ بڑھاتی رہیں۔ انہوں نے ہر مشکل موقع پر کہا ''فخر! مجھے معلوم ہے تم یہ کر سکتے ہو'' اور ان کے یہ الفاظ میرے اندر ایک پھرتی اور جوش بھر دیتے۔

2.10.9) کیمیائی تبدیلی

کامران حسین بی ایڈ کے طالب علم اور مستقبل کے استاد اپنے استاد کے طریقہ تعلیم کے بارے میں یوں لکھتے ہیں کہ:

''عمران صاحب جب بھی کلاس میں آتے ہمیشہ چہرے پر تبسم ہوتا، ان دنوں ہمارے پیپرز شروع ہونے والے تھے دو تین لڑکے ادھر ادھر چھپ بھی رہے تھے کیونکہ انہوں نے ہوم ورک مکمل نہیں کیا تھا وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ ذہین نہیں تھے بلکہ وجہ یہ تھی کہ کیمسٹری کا مضمون انہیں شروع سے ہی پسند نہ تھا۔

عمران صاحب نے حاضری لینے کے بعد پوچھا کہ ''علی اور احمد کہاں ہیں، صبح تو وہ سکول آئے تھے''؟ ہم سب خاموش رہے، پھر ہم نے بتایا کہ سر آج ہمیں کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس کے خواص معلوم کرنے کے لئے کہا گیا ہے مگر ہمیں کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ کیا کریں؟

سر نے مسکراتے ہوئے ساری کلاس کو دیکھا اور کہا، عزیز طلبہ! اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟ ابھی معلوم کرتے ہیں کہ کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس کے کیا خواص ہیں۔

انہوں نے ایک لڑکے کو سکول کے باغیچے میں بھیجا کہ مالی پودوں کو چونا ڈال رہا ہے تاکہ کیڑے وغیرہ سے درختوں کو بچایا جا سکے۔ وہ لڑکا چونا لایا۔ سر نے پانی پینے کے گلاس میں تھوڑا سا پانی ڈالا اور تھوڑا سا چونا ڈالا، بلبلے خارج ہوئے اور گلاس گرم ہو گیا، سر نے ماچس کی تیلی جلا کر گلاس کے اوپر ڈالی تو آگ بجھ گئی۔ سر نے پوچھا کہ میں نے کیا کیا؟ اور آپ نے کیا محسوس کیا؟

ہر ایک نے اپنی رائے دی۔ ہم سب بھرپور طور پر اس تجربے میں جذب ہو گئے تھے۔ سر نے بتایا کہ چونا اور پانی کو ملانے سے کیمیائی عمل ہوا، اس محلول کا درجہ حرارت بڑھا کیونکہ گلاس گرم محسوس ہو رہا ہے۔ ماچس کی تیلی کی آگ بجھی کیونکہ محلول سے کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس خارج ہوئی جس نے آگ کو بجھا دیا (آگ جلانے کے لئے آکسیجن کی ضرورت ہوتی ہے) حسابی طریقے سے اس عمل کو لکھتے ہیں:

کیلشیم آکسائیڈ محلول + کاربن ڈائی آکسائیڈ ۔۔۔ پانی + چونے کا پتھر



$CaCO_3+H_2O \qquad CO_2+CaO+Ca(OH)_2$

اس کیمیائی عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ کاربن ڈائی آکسائیڈ بے رنگ و بے بو اور بے ذائقہ گیس ہے، آگ کو بجھا دیتی ہے، جب امتحان میں یہ سوال پوچھا گیا تو حیران کن نتیجہ تھا۔ ہر ایک نے اس سوال میں پورے نمبر حاصل کئے۔ اس دن کے بعد ہم نے محسوس کیا کہ کیمسٹری ہماری گرفت میں آسکتی ہے۔

ایک تبدیلی ہم سب کے اندر بھی آچکی تھی جو کسی طرح اس کیمیائی تبدیلی سے کم نہ تھی۔ ہم نے سر عمران سے دوستی کر لی۔ وہ ہمیں اچھی اچھی باتیں بتاتے، ہم سوالات کرتے وہ ان کے جوابات اور حل بتاتے، پھر ایسا پڑھائی کا شوق ہوا کہ ہماری دوستی دوسری کتابوں سے ہو گئی، سر ہمیں مختلف کتابوں کے نام بتاتے اور ہم نا صرف انہیں خریدتے بلکہ ان پر سر سے تبادلہ خیال بھی کرتے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ میری تعلیمی بنیادیں مضبوط ہیں۔ آج میں ایم ایس سی فزکس کر چکا ہوں۔ ان کا یہ جملہ مجھے اب بھی یاد ہے کہ "کامران مجھے تم پر اعتماد ہے" میں ان کا اعتماد کبھی نہیں توڑوں گا اور ثابت کروں گا کہ کامران اپنی زندگی کی دوڑ میں بھی کامران و کامیاب ہے۔ (ان شاءاللہ)"

(2.10.10) ہر ڈگر کامیاب

آسماء شاہین گورنمنٹ جونیئر ماڈل سکول 3-F/6 اسلام آباد میں ٹیچر ہیں اور ایک مثالی استاد کا ذکر یوں کرتی ہیں:

زین تیسری جماعت کا پورے سکول میں مشہور ترین طالب علم تھا۔ کوئی بھی استاد کمرہ

جماعت میں داخل ہوتے ہی یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا تھا، "زین! یہ کیا ہو رہا ہے! بند کرو یہ سب!" اور زین بھی بھلا اتنا سیدھا کہاں تھا کہ وہ فوراً بات مان لیتا۔ وہ تو ایک شرارت چھوڑ دوسری کو پکڑ لیتا تھا۔ سٹاف روم اور پرنسپل آفس میں عموماً زین ہی موضوع بحث بنا رہتا تھا۔ اس کی کارکردگی مسلسل خراب تھی کسی بھی امتحان اور کسی بھی مضمون میں وہ دس سے پندرہ فیصد سے زائد نمبر حاصل نہیں کرتا تھا۔ مسکراتے چہرے، چمکدار آنکھوں اور کھمبی نما بالوں کا انداز لئے، زین، یونیفارم کی نیلی شرٹ اور گہرے رنگ کی پتلون میں ملبوس ہر وقت ہر کسی کو اپنی انگلیوں پر نچائے رکھتا تھا۔

دراز قد اور پرکشش شخصیت کی حامل مس سائرہ دیگر اساتذہ کے لئے بھی ایک متاثر کن شخصیت رکھتی تھیں۔ ان کی خواہش تھی کہ وہ زین کو بطور چیلنج لیں اور کسی موثر حکمت عملی کے ذریعے زین تک رسائی حاصل کریں۔ انہوں نے اس بات کو محسوس کر لیا تھا کہ مسلسل تنقید نے زین کو ضدی اور گستاخ بنا دیا تھا۔ مس سائرہ نے زین کے والدین سے ملاقات کا فیصلہ کیا۔ انہیں تب اس بات کا اندازہ ہوا کہ زین کے والدین میں علیحدگی ہو چکی ہے۔

اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ زین کھیلوں میں بہت اچھا ہے۔ انہوں نے زین کو مختلف کھیلوں میں شرکت کے لئے نامزد کرنا شروع کر دیا۔ کسی دوسرے استاد نے زین کی اپنی ٹیم میں شمولیت کے لئے کبھی حوصلہ افزائی نہیں کی کیونکہ انہیں خدشہ تھا کہ زین کی وجہ سے نظم و ضبط سے متعلق دیگر مسائل کھڑے ہو سکتے ہیں۔ مگر اب زین ہی کی وجہ سے اس کے سکول نے سکولوں کے مابین ہونے والے کھیلوں کے مقابلوں میں کرکٹ اور سو میٹر دوڑ میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ تمام طلباء زین کی کارکردگی کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے تھے اور پوری گرم جوشی سے اسے مبارک باد دے رہے تھے۔ زین نے اپنے سکول کے لئے ٹرافی وصول کرتے ہوئے اپنے آپ کو فخر سے ساتویں آسمان پر محسوس کیا۔

چند ماہ بعد جب دسمبر کے امتحانات کے نتائج کا اعلان ہوا تو زین حسب معمول تمام مضامین میں فیل ہو چکا تھا۔

مگر اس دفعہ ایک چیز مختلف ہوئی تھی۔

اس دفعہ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔پہلی دفعہ وہ اپنے نتائج کو دیکھ کر شرمندہ ہوا تھا۔ زین نے پہلی دفعہ فتح کے ذریعے سے آشنائی حاصل کی تھی۔اب اسے مزید کی خواہش تھی۔صرف کھیلوں میں ہی نہیں وہ اپنے تعلیمی نتائج میں بھی کامیابی حاصل کرنا چاہتا تھا۔اس موقع پر مس سائرہ نے اس کو دلاسہ دیا اور اس کی پڑھائی میں بہتری کے حوالے سے مدد کرنے کی حامی بھر لی۔ زین نے اپنی ساری توجہ اس مقصد کے حصول کے لئے وقف کر دی۔

اور پھر پورے سکول نے سیشن کے اختتام پر دیکھا کہ زین اے گریڈ لے کر پاس ہو گیا تھا۔بہترین کارکردگی پر زین نے ''درخشاں ستارہ'' کا سالانہ ایوارڈ بھی حاصل کر لیا۔زین نے درحقیقت کامیابی کے ذائقے سے واقفیت حاصل کر لی تھی جو مسلسل محنت اور جیت کی لگن سے ملتی ہے۔زین کامیابیوں کے سفر پر چلنے کے لئے تیار ہو چکا تھا۔

2.10.11)اردو کے مزے لوٹنا

سیدہ عارفہ زہرا معروف ماہر تعلیم وائس پرنسپل لاہور کالج فار وومن اور لیکچرر لاہور یونیورسٹی آف مینجمنٹ سائنسز چیئر پرسن فار سٹیٹس آف وومن اپنے طریقہ تدریس اور اپنے اُستادِ محترم کا ذکر اِن الفاظ میں کرتی ہیں کہ:

''عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ اردو، اسلامیات یا فارسی میں جو لوگ ایم اے کرتے ہیں وہ بے کار سے ہوتے ہیں۔میں نے بالکل اسی لئے ایم اے کرنے کے لئے اردو کا انتخاب کیا، اس لئے نہیں کہ میں بے کار سی تھی! بلکہ اس لئے کہ یہ ایک بغاوت تھی۔مگر سنجیدہ بات یہ ہے کہ میں نے اردو پڑھی اور پڑھائی کیونکہ میں چاہتی تھی کہ لوگ اپنے آپ پر اعتماد کر کے اپنے فکری ورثے پر فخر کریں۔زبان کے بغیر آپ سوچ نہیں سکتے۔اگر فکر کے سانچے کے حوالے اپنے ہونے چاہئیں تو پھر ہمیں اپنی زبان آنی چاہئے۔اردو والے معذرتانہ روّیہ رکھتے ہیں۔ہم اپنے بچوں کو اردو، انگریزی کی طرح نہیں پڑھاتے، بلکہ اسے ثانوی حیثیت دیتے ہیں۔میں نے تو اردو اپنے آپ سے مطمئن ہونے کے لئے پڑھی۔تدریس میں میرے اچھوتے انداز میں مجھے انسان اپنی کامیابیوں سے زیادہ اپنی کمزوریوں کی وجہ سے اچھے لگے ہیں۔اسی لئے میری کلاس میں

سٹوڈنٹ کے پاس ہمیشہ الجھن میں مبتلا ہونے کی گنجائش ہوتی ہے۔

میں نے لاہور یونیورسٹی آف مینجمنٹ سائنسز (LUMS) میں اردو ادب پر ایک کورس پڑھایا۔ پہلی بار جب میں نے یہ کورس لیا تو اس اردو کے کورس کو میں نے تقریباً انگریزی میں ہی پڑھایا۔ میں نے سٹوڈنٹس کو اردو سے، اس کی آوازوں اور اس کے معنی کے مختلف رنگوں سے لطف اٹھانا سکھایا۔ میں اپنے سٹوڈنٹس کو بتاتی کہ غالب کون ہے، اس کا زمانہ کیا تھا، اور پھر ان کو دعوت دی کہ وہ اس کی شاعری کو کھوجیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ استاد خود ہی کہہ دیتا ہے کہ ''شاعر یہ کہتا ہے'' یہ سن کر ہی سٹوڈنٹس شاعری میں دلچسپی کو کھو دیتے کیا شاعر ان کے کان میں آ کر خود اپنی شاعری کا مفہوم سمجھا جاتا ہے؟! کیونکہ ایسا کچھ بھی نہیں ہوتا اس لئے میری کلاس میں بچے شاعری کے معنی خود تخلیق کرتے ہیں۔

اہم بات یہ تھی کہ میرے سٹوڈنٹس اردو ادب سے بالکل اسی طرح لطف اندوز ہوں جیسے وہ کسی اور زبان کے ادب سے ہوتے ہیں۔ نہ اردو لکھنا اور نہ اردو میں ہجے کرنا میرے سٹوڈنٹس کے کبھی کام آئے گا۔ اہم بات یہ تھی کہ وہ اپنی سماعت کو اردو زبان کے نشیب و فراز کے طابع کرلیں۔ ایک بار خیال ان تک پہنچ جاتا تو زبان تو وہ سیکھ ہی جائیں گے۔ میں انہیں ایک شعر کو پانچ بار پڑھ کر اس میں سے کوئی مطلب بتانے کو کہتی۔ اگر کسی کو کوئی لفظ یا الفاظ مشکل لگتے تو میں معنی بتادیتی۔ ابتدا میں لکھائی پر مبنی ٹیسٹ میں سٹوڈنٹس کو اجازت ہوتی کہ اگر وہ اردو لفظ سے واقف نہیں ہیں تو بے شک اپنا مطلب بیان کرنے کے لئے بیچ میں انگریزی کا لفظ استعمال کرلیں۔ کورس کے اختتام تک کوئی ایک بھی سٹوڈنٹ ایسا نہیں تھا جو اپنی تحریر میں انگریزی کا ایک بھی لفظ شامل کر رہا ہو۔

جیسے جیسے میرے غالب اور فیض کے اوپر ترتیب دیئے ہوئے کورس کی شہرت پھیلتی گئی تو میرے ساتھی اساتذہ نے بھی میری کلاس میں بیٹھنے کی اجازت مانگی۔ جو سٹوڈنٹس ایک بار یہ کورس لے چکے تھے وہ بھی دوبارہ کلاس میں بیٹھنے کی درخواست کرتے۔ بقول میر یہ سب ''برگر بچے'' تھے، وہ بچے جو برگر کھا کر بڑے ہو رہے ہیں اور مغربی زبان، انداز اور اقدار، سب کو اپنائے ہوئے ہیں۔ کورس کے اختتام پر یہ بی اے یا بی اے وغیرہ کے بچے، فیض اور میں: جبر اور اس کا ردعمل، جیسے موضوعات پر رعب دار تھسیز لکھ رہے تھے۔ میرے سٹوڈنٹس اس قابل اس لئے بنے

کہ ان کو کورس کے مواد کے ساتھ گہرائی کی سطح پر ناطہ جوڑنے کے مواقع فراہم کئے گئے تھے۔ میں نے انہیں ''اردو شاعری'' نام کی ایک گولی نگلنے کے لئے نہیں دے دی تھی، میں نے انہیں اجازت دی کہ وہ اشعار میں سے معنی خود اپنی کوشش سے ڈھونڈ نکالیں۔

اردو سیکھنے کے کچھ دنیاوی فائدے بھی ہیں۔ میرے شاگرد عیسیٰ کھوکھر نے مجھے بتایا کہ اس کو ایک بینک میں نوکری یوں ملی کہ وہ اردو شاعری کے بارے میں اپنے خیالات سے انٹرویو پینل کو متاثر کر پایا! (یہ بات یوں چھڑی کہ انٹرویو کرنے والوں نے اس کورس کا ذکر اس کے کوائف نامے پر دیکھا)۔ تعلیم کو زندگی کے جتنا قریب کر دیں گے وہ سٹوڈنٹس کے ذہنوں میں اتنے ہی گہرے نقوش چھوڑے گی اور اس کا پرتو سٹوڈنٹ کی زندگی میں اتنی ہی دور تک پڑے گا۔

جب میں لاہور کالج میں پڑھا رہی تھی تو میرے ساتھی میری تدریس کے انداز سے کچھ مبہم تھے۔ ''تمام سٹوڈنٹس فیل ہو جائیں گے، یہ تو سلیبس پڑھا ہی نہیں رہی!'' وہ یہ بات پھٹی آنکھوں اور پریشان لہجے کے ساتھ انتظامیہ سے کہتے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ میرے پورے ٹیچنگ کیریئر کے دوران میرا ایک بھی سٹوڈنٹ فیل نہیں ہوا۔ میں سلیبس ہی پڑھا رہی تھی مگر اصل زندگی کے حوالوں کی روشنی میں۔

میں لکھنے کی اسائنمنٹس بہت زیادہ دیا کرتی تھی۔ یہ سب ان کو سوچنے پر اکساتے۔ میں کوئی چھوٹی سی عبارت دے کر پوچھتی ''آپ اس سے کیا سمجھتے ہیں؟'' میں اپنا علم بچوں پر نہیں ٹھونستی۔ میرے خیال میں کلاس میں ہونے والے بحث مباحثے اور خیالات کے اظہار میں ضابطے کی کمی ہوتی ہے وہ ایسے کہ اگر آپ کے الفاظ اور خیالات لکھی ہوئی شکل میں آپ کے سامنے موجود ہوں تو پھر آپ اس کی نوک پلک بھی درست کر سکتے ہیں۔

میرے اپنے استادوں میں، میں گورنمنٹ کالج کے پرنسپل ڈاکٹر نذیر احمد کا نام لینا چاہوں گی۔ انہوں نے مجھے سکھایا کہ اپنی ذات کے حصار سے نکل کر کیسے جیا جاتا ہے۔ میں نے جینا بطخ سے سیکھا ہے پانی میں اترتی ہے مگر سینہ اور گردن پانی سے اوپر رکھتی ہے۔ جب کنارے پر پہنچتی ہے تو پھڑ پھڑا کر پانی ہٹا دیتی ہے اور خود کو شفاف، اپنی اولین شکل پر برقرار رکھتی ہے۔

2.10.12) خواب اور کاوشیں

حیدر حسین فیڈرل کالج آف ایجوکیشن اپنے استاد کے بارے میں یوں تحریر کرتے ہیں:

''جناب شوکت علی صاحب ایف ایس سی کی کلاس کو کیمسٹری کا مضمون پڑھاتے ہیں، صحت مند جثے کے مالک ہمیشہ صاف ستھرے مگر سادہ کپڑوں میں ملبوس رہتے ہیں۔ کلاس میں داخل ہونے سے پہلے طلباء کو معلوم ہو جاتا کہ جناب شوکت صاحب تشریف لانے والے ہیں۔ وجہ یہ تھی کہ ہمیشہ قیمتی اور تیز خوشبودار پرفیوم لگا کر آتے، بڑے بارعب اور باوقار شخصیت کے مالک تھے، ہلکے پھلکے مذاق سے سبق کا آغاز کرتے، ماحول کو خوشگوار رکھتے تھے، بڑے ملنسار شخص تھے۔ مہمان نوازی، دوسروں کی مدد کے لئے ہمہ وقت تیار رہنا ان کا خاصہ تھا۔ میں ان سے لاشعوری طور پر اتنا متاثر ہوں کہ میرے دوست کہتے ہیں کہ تمہاری بہت سی عادتیں ان سے ملتی ہیں اور یہ سچ ہے کہ میں نے تہذیب واخلاق برتنے میں ان کی تقلید کی ہے اور کیوں نہ کرتا وہ تھے ہی اتنے اچھے۔

وہ پریزنٹیشن پر بہت زور دیتے تھے۔ لیکچر کے بعد ہر سٹوڈنٹس کو سامنے بلا کر تقریر کرواتے تھے۔ ان کو ایجوکیشن والے مائیکرو ٹیچنگ کہتے ہیں جن میں نگران خاص نکات نکال کر درستگی کرتا ہے۔ اس سے ہماری ایک تو تلفظ اور دوسرے موضوع پر گرفت بہتر ہوتی۔ وہ گھر کا کام زیادہ دیتے اور سختی سے چیک کرتے۔ غلطیاں نکالتے اور ٹھیک کرواتے۔ ماہ کے آخری دن اسائنمنٹ دیتے! جو یہ کام نہ کر کے آتا، اُسے اپنے ساتھ بٹھا کر اسائنمنٹ کرواتے۔ میں تو یہ کام نہ کر کے بخوشی یہ ''سزا'' پاتا۔ اس سے مجھے یہ فائدہ ہوتا تھا کہ میں اپنے ٹیچر سے تبادلہ خیال کرتا جس سے مجھے جو مسائل پڑھائی کے دوران پیش آتے تھے ان میں سے اکثر حل ہو جاتے تھے۔ وہ سائنسی سوچ و انداز فکر پروان چڑھاتے تھے۔ وہ چھوٹی چھوٹی عملی سرگرمیاں کرواتے تھے۔ پہلے خود کر کے دکھاتے پھر ہم سے کرواتے۔ ان کا گھر ہاسٹل کے قریب تھا۔ شام کو میں ان کی طرف جاتا۔ کمپیوٹر میں نے چلانا ان ہی سے سیکھا۔ انٹرنیٹ کا استعمال، ای میل کرنا اور انٹرنیٹ پر کچھ تلاش کرنا سیکھا۔ جو بھی مسئلہ ہوتا چاہے تعلیم سے متعلق یا روزمرہ زندگی سے، وہ مفید مشورہ دیتے تھے۔ ایک ایسا مشورہ جو کہ مسئلے کو حل کی کسوٹی پر لے جاتا۔

اس طریقہ تدریس اور اندازِ زندگی سے مجھے یہ خواہش حاصل ہوتی کہ میں نے بھی معلم بننے اور وہ ساری خوبیاں اپنے آپ میں لانی ہیں۔ اچھے اخلاق، گفتار، غور وفکر، تہذیب، چہل پہل میں سلیقہ، ہر کام میں شائستگی پیدا کرنا اور ہر کام کو تہہ دل سے کرنا اپنی روزمرہ زندگی میں اپناؤں گا۔"

2.10.13) گزرا ہوا وقت۔۔۔ بس ایک بار پھر

جمیل نجم صاحب سابقہ ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن پنجاب اور تمغۂ امتیاز خود بھی اساتذہ کے لئے رول ماڈل ہیں۔ اپنے استادِ محترم کا ذکر یوں کرتے ہیں کہ:

"یہ کہانی پچاس ساٹھ کی دہائی کے میرے ایک استاد عبداللہ شاکر کے بارے میں ہے۔ ان کے بارے میں سوچتے ہی مجھے اپنے اندر ایک طاقت محسوس ہوتی اور انسانی کاوشوں کے لئے احترام کا احساس آ جاتا ہے۔ ان کا خیال آج بھی میری زندگی میں ایک نیا ولولہ اور جوش بھر دیتا ہے۔ قصور کے ایک دیہی سرکاری سکول میں شاکر صاحب ہمیں نہم جماعت میں اردو ادب پڑھایا کرتے تھے۔ جہاں ہم نے تمام اہم اسباق سیکھے۔ ایسے اسباق جن میں علم وفہم صرف درسی کتب تک محدود نہیں تھا۔

ایک روز خبر موصول ہوئی کہ انسپکٹر صاحب اپنے طے شدہ پروگرام کے تحت سکول کا دورہ کریں گے۔ ان دنوں سکول کا تعلیمی دورہ ایک بہت سنجیدہ معاملے کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور اس دورے کا مقصد دیگر سہولیات کرسیوں، میزوں کی نمبر شماری کی بجائے باقاعدہ پڑھنے پڑھانے سے ہوتا تھا۔ درحقیقت ان دنوں ہم سب ٹاٹ پر بیٹھا کرتے تھے۔ انسپکٹر صاحب اپنے ہمراہ ایک پرشکوہ مگر روایتی چمڑے کا بیگ لئے آ پہنچے جو ان کے بیش قیمت مگر ضرورت سے زیادہ استعمال سے پھٹ چکا تھا اور بیگ کا پھولا پن اس بات کی نشاندہی کرتا تھا کہ یہ مختلف دستاویزات، سٹیشنری اور تقریباً نصف دفتر اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اسی دوران پرنسپل آفس سے سر شاکر کے لئے بلاوا آیا۔ مگر شاکر صاحب نے کمرہ جماعت چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ انسپکٹر کے بلاوے پر اتنا جرأت مندانہ انکار اس کے لئے حیران کن تھا۔ قدرے صدمے کی حالت میں انسپکٹر نے ہماری کلاس میں خود آنے کا فیصلہ کیا وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ سر عبداللہ شاکر کون ہیں جنہوں

نے فوراً اپنی کلاس چھوڑ کر پرنسپل کے آفس میں انسپکٹر سے ملنے سے انکار کر دیا تھا۔ انسپکٹر کمرہ جماعت کی دہلیز پر آ کر رکا اور دیکھنا شروع کیا کہ کلاس روم میں کیا چل رہا ہے۔ میر تقی میر کا ایک مصرعہ تختہ سیاہ پر بڑی خوبصورتی سے لکھا تھا اور اس کی وضاحت کے حوالے سے بحث جاری تھی۔ اسی اثناء میں ایک اور طالب علم نے اپنا ہاتھ کھڑا کیا اور بولا کہ میں ایسا ہی ایک مصرعہ میر درد کا جانتا ہوں۔ استاد صاحب نے لڑکے سے کہا کہ وہ آ کر اس مصرعے کو تختہ سیاہ پر لکھ کیوں نہیں دیتا۔ نوجوان طالب علم اٹھا اور اتنی ہی خوبصورتی سے شاعری کا تمام حسن جمال اور خطاطی کی مہارت لئے ایک اور مصرعہ تختہ سیاہ پر لکھ دیا۔ جس پر مزید بحث جاری ہوگئی۔ یہاں تک کہ ایک اور طالب علم شاعری کا کوئی اور ٹکڑا لئے اٹھا اور کمرہ جماعت کو کشت زعفران میں تبدیل کر دیا۔ جماعت میں جاری تدریسی سرگرمی کا یہ معیار اور شدت دیکھ کر انسپکٹر حیرت زدہ رہ گیا۔ ''اگر آپ برا نہ منائیں تو میں یہیں ساتھ ہی فرش پر بیٹھ جاؤں'' انسپکٹر نے شاکر صاحب سے اجازت مانگی۔ ''جی ضرور'' شاکر صاحب نے جواب دیا اور طلبہ کے ساتھ سرگرمی میں مشغول ہو گئے۔ انسپکٹر مکمل طور پر حیرت زدہ بیٹھا رہا۔ کام کے اختتام پر انسپکٹر شاکر صاحب کے ہمراہ پرنسپل آفس کی طرف چل دیئے۔ باقی بات چیت ہم نے چپکے سے سنی۔ سر عبداللہ نے انسپکٹر کو بتایا کہ یہ بچے سائیکلوں پر سکول آتے ہیں، کچھ تقریباً دس میل کے فاصلے سے اور کچھ خصوصی ریل گاڑیوں کے ذریعے آتے ہیں۔ میں ان بچوں کے قیمتی وقت کا ایک بھی لمحہ ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ اگر میں ایسا کروں تو مجھے ان کے کھوئے ہوئے وقت کی تلافی کے لئے سکول کے اوقات کے بعد مزید وقت کے لئے انہیں روکنا پڑتا ہے جس سے یہ خدشہ موجود رہتا ہے کہ انہیں واپسی پر اپنے گھر کے لئے کوئی گاڑی نہ مل سکے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنی کلاس کے تسلسل کو نہیں توڑا اور آپ کے بلانے کے باوجود کمرہ جماعت چھوڑ کر نہیں آیا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ میری اس بات سے اتفاق کریں گے۔ انسپکٹر نے اپنے بازو سر شاکر کے شانوں پر رکھ دیئے۔ بغیر لفظوں کے استعمال کے انسپکٹر کے اس انداز نے شاکر صاحب کی بطور استاد شاندار کارکردگی کو اس سچے اظہار، عقیدت و محبت دے کر واضح کر دیا تھا۔ انسپکٹر کے لئے آج کا دن بہت بڑا اور اہم تھا۔

میں اکثر اس دن کے بارے میں سوچتا ہوں۔ تدریس کے بلند پایہ معیار......اور کسی تصنع سے پاک انسانیت اور پیشہ وارانہ اوج کمال...... میں آج بھی اس کمرہ جماعت میں سر عبداللہ شاکر صاحب کی عظمت استاد کے لئے خراج تحسین بھرے تاثرات یاد آ جاتے ہیں۔ یہ لوگ ہمارے لئے مینار نور تھے۔ یہ ہمارے استاد تھے"۔

2.10.14) امتحان کا میدان اور کچھ اور سوچیں

پروفیسر ڈاکٹر افتخار الدین خواجہ ڈائریکٹر اقراء یونیورسٹی کوئٹہ اپنے استاد محترم کو ان الفاظ میں یوں یاد کرتے ہیں کہ:

"بے شمار یادیں ہیں اور ان گنت سوچیں جو میرے پڑھنے اور پڑھانے کے لمبے عرصے پر محیط ہیں۔

کراچی یونیورسٹی سے متعلق میری یادوں کے سرمائے میں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صاحب، وائس چانسلر، کے ساتھ ہمارے گروپ کی ایک انمول تصویر تھی جو مجھ سے کھو گئی ہے۔ اس تصویر کا پس منظر یہ ہے کہ یونیورسٹی الیکشن میں اپنے ایک دوست یوسف بلوچ کے لئے بھاگ دوڑ کے دوران ہم دوستوں نے سروں پر استرا پھروا دیا۔ یوسف کو ہم نے اس لئے چھوٹ دی کہ اس کے سیاسی رکھ رکھاؤ کا مسئلہ تھا۔ ایک دن ہم گنجوں کا گروہ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ تصویر بنوانے کی غرض سے یوسف کی قیادت میں ان کے دفتر گیا۔ کچھ دیر تک ادھر ادھر کی گفتگو کے بعد ہم نے ڈاکٹر صاحب سے درخواست کی کہ وہ ہمارے ساتھ تصویر بنوائیں۔ انہوں نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اپنی میز کے عین سامنے چھ کرسیاں لگوائیں اور بڑے اطمینان سے ہم گنجوں میں بیٹھ کو تصویر بنوائی۔ آج وائس چانسلروں کے ٹھاٹھ باٹھ دیکھ کر سوچتا ہوں کہ وہ اس طرح مسخرہ بننا پسند کریں گے؟ ڈاکٹر صاحب اکثر مطالعہ کی غرض سے یونیورسٹی لائبریری میں آتے اور ہمیشہ لائبریری کے گیٹ پر کاؤنٹر کلرک کو اپنا بیگ اچھی طرح دکھا کر بیگ اندر لے جاتے اور واپسی پر پھر بیگ کاؤنٹر کلرک کو دکھاتے۔ آج کل وائس چانسلر یا تو لائبریری میں داخل نہیں ہوتے اور کسی نمائشی مقصد کے لئے لائبریری میں آتے بھی ہیں تو شاہانہ کروفر کے ساتھ۔"

2.10.15) شیر و شکر

عباد اللہ فیڈرل کالج آف ایجوکیشن اسلام آباد ایک اُستاد کی محبت اور خاص صلاحیت کا ذکر یوں کرتے ہیں:

''میں گلگت کے ایک دور افتادہ فیڈرل گورنمنٹ بوائز ہائی سکول میں بحیثیت سائنس ٹیچر اپنی خدمات سرانجام دے رہا ہوں، اور میرا اسکول لب دریائے گلگت اور غذر روڈ کے اوپر واقع ہے۔ میرا اسکول مختلف پودوں اور پھولوں سے مزین ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ تین جون 2005ء کو صبح میں سکول پہنچا تو عجیب حالات دیکھ کر میں حیران رہ گیا کہ میرے سکول کو کسی کی نظر لگ گئی ہے۔

سکول کے باغ میں نہ وہ خوبصورت پھول اپنے رنگوں کا مظاہرہ کر رہے تھے نہ وہ چیری کے درخت سرخ چیری سے لدے ہوئے تھے اور سکول کے ساتویں آٹھویں کے تقریباً تمام طلبہ جو ایک خاص مذہبی فرقے سے تعلق رکھتے تھے وہ اپنے کسی نصابی تبدیلی کے مطالبے کے لئے سڑک پر نکلے ہوئے تھے اور بے تحاشا ارد گرد سے پتھر سڑک پر پھینک رہے تھے کیونکہ ہمارے ہاں پتھروں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ کچھ طلباء جذباتی نعروں سے دوسرے طلباء کے جذبات کو ابھار رہے تھے۔ تمام اساتذہ، ہیڈ ماسٹر اور انتظامیہ کے کچھ لوگ بھی پہنچ گئے تھے۔ طلباء کو سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ پولیس والے ڈرانے دھمکانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن تمام کوششیں بے سود نظر آ رہی تھیں۔ طلباء مزید بگڑتے جا رہے تھے۔

اسی دوران ایک انتہائی کمزور مگر عقاب کی طرح پر اعتماد نظر اور شیر کی طرح تیز قدموں کے ساتھ طلباء کے درمیان آ گیا تو تمام شمع کے گرد پتنگوں کی طرح جمع ہو گئے۔ اس استاد سلطان ولی محترم نے پتہ نہیں کیا جادو کی چھڑی گھمائی کہ تمام طلباء سر جھکائے کلاسوں کو چل دیے، جس سے تمام اساتذہ، انتظامیہ اور لوگ متاثر ہوئے اور ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میرا اخلوص، محبت، انصاف اور مٹھاس ایسی ہے جس سے طلباء بات ماننے پر مجبور ہو گئے۔ حالانکہ سر سلطان ولی کا تعلق اس مذہبی گروپ سے بھی نہیں تھا۔

''دل سے دل کو راہ ہوتی ہے کسی کے لئے آپ کے دل میں جتنی محبت اور پیار ہوتا ہے اسی کے مطابق دوسرے کے دل پر آپ کی بات کا اثر ہوتا ہے''، وہ بولے

اس ایک پل کے کرشمے کے پیچھے ہفتوں اور مہینوں کی کاوش تھی۔اس کے پیچھے وہ تمام لمحے تھے جو سلطان ولی نے سٹاف روم کی بجائے بچوں کے ساتھ کھیلتے، ان کی بات سنتے، انہیں اہمیت دیتے۔

عباداللہ اس وقت فیڈرل کالج آف ایجوکیشن اسلام آباد میں ایم ایڈ کے طالب علم ہیں۔

(مزید واقعات کے لئے اصل کتاب کا مطالعہ فرمائیں)

2.10.16) پاکستان کے اساتذہ کیلئے قومی پیشہ وارانہ معیارات

حکومت پاکستان نے سال 2009ء میں اساتذہ کیلئے قومی پیشہ وارانہ معیارات نافذ کر دیئے ہیں۔یہ دس مہارات ہیں جو کہ

1) مضمون سے متعلق علم
2) انسانی نشو ونما و ترقی
3) اسلام کی اخلاقی اقدار / سماجی مہارتوں کا علم
4) سبق کی منصوبہ بندی و حکمت عملیاں
5) جائزہ
6) آموزش کا ماحول
7) مؤثر ابلاغ اور معلوماتی ابلاغ کی ٹیکنالوجی کا ماہرانہ استعمال
8) تعاون و شراکت
9) مسلسل پیشہ وارانہ ترقی و ضابطۂ اخلاق
10) انگریزی کی تدریس بطور ثانوی / غیر ملکی زبان

ہر معیار کے تین حصے ہیں۔

الف) علم و فہم (مواد جو اساتذہ جانتے ہیں)

ب) میلانات (برتاؤ، رویہ اور اقدار)

ج) کارکردگیاں (مہارتیں) جو اساتذہ کر سکتے ہیں اور انہیں کرنے کے قابل ہونا چاہئے

اس سے آگے مزید ہر معیار کی وضاحت ذیلی معیارات کے حوالہ سے کی گئی ہے۔

155 صلاحیتوں کے حوالہ سے کی گئی ہے۔ (1)

2.10.17) WHAT MAKES A GOOD TEACHER PERSPECTIVE OF CHILDREN, PARENTS AND TEACHERS

یہ تحقیق رفیق جعفر اور اس کے ساتھیوں نے 2001ء میں پاکستان میں شائع کی اور اس کیلئے مالی وسائل سیو دی چلڈرن برطانیہ (Save the Children UK) نے فراہم کئے۔

اس تحقیق کا مقصد بچوں، والدین، صدر معلم، ساتھی اساتذہ اور خود اُستاد کی نظر میں مثالی اُستاد کس طرح کا ہوتا ہے؟ یہ تحقیق لاہور، پشاور، دیہی قصور اور ہری پور کے اضلاع میں کی گئی۔ 16 اساتذہ کا انتخاب کیا گیا، 14 سرکاری سکولز، ایک پرائیویٹ نجی سکول اور ایک این جی او کے سکول سے لیا گیا۔ چیک لسٹ اور انٹرویو کے ذریعہ سے یہ سروے کیا گیا۔ 281 لڑکوں اور 237 لڑکیوں سے بھی رائے لی گئی۔

مثالی اُستاد کے بارے میں تمام رائے دہندگان کی رائے کچھ اس طرح تھی۔

مثالی اُستاد نرم خو، شائستہ، صاف ستھرا، خوش پوشاک، باقاعدہ، اخلاقی طور پر بلند اقدار کا حامل ہوتا ہے وہ اچھی تدریس کر سکتا ہو، سبقی منصوبہ تیار کر سکتا ہو، اچھی وضاحت، سمعی وبصری اعانت کا عمدہ استعمال کر سکتا ہو، گھر کا کام دے کر چیک کرے، سادہ اور اچھے ذوق کا مالک ہو، ساتھی اساتذہ سے تعاون کرے، عملی طور پر بہتری کا سفر جاری رکھے۔ مہربان ہو اور بچوں کی حوصلہ افزائی کرے۔ عمدہ ابلاغ کر سکے۔ رویہ لچکدار ہو۔ سلیبس مکمل کروائے، بچوں کی نفسیات جانتا ہو۔ عمدہ رہنمائی، گروپ ورک اور بہتر ڈسپلن رکھے۔ مخلص اور انصاف کرنے والا ہو۔ کمرۂ جماعت کی

1) وزارتِ تعلیم حکومت پاکستان (2009ء) پاکستان کے اساتذہ کے لئے قومی پیشہ وارانہ معیارات، پالیسی وپلاننگ ونگ حکومت پاکستان، اسلام آباد

مہارتوں سے آگاہ ہو۔فرض سے لگن رکھے۔سزا نہ دے۔ذہین طلبہ کی بہتر رہنمائی کرے۔جمہوری مزاج کا حامل ہو۔ہمدرد، مددگار اور دوست ہو۔طلبہ کی حوصلہ افزائی کرے اور روزمرہ زندگی سے مثالیں دے۔نفسِ مضمون کا ماہر ہو۔طلبہ والدین سے صحت مندانہ تعلقات رکھتا ہو۔طلبہ سے اپنے بچوں جیسا سلوک کرے۔ٹیوشن ورک نہ کرے۔کمرۂ جماعت کا نظم و نسق عمدہ ہو۔تحقیقی رپورٹ میں چند مثالی اساتذہ کا کلاس روم میں مشاہدہ کیا گیا اور ان کی مثالیں دی گئی ہیں۔

2.10.18) شبیر احمد

عمر 34 سال، بی اے، بی ایڈ، سات سالہ تدریسی تجربہ، گورنمنٹ پرائمری سکول بازید پور، قصور۔معاشی طور پر آسودہ۔شبیر احمد کو اور پریشانیاں نہیں ہیں اور وہ اپنا زیادہ وقت تدریس میں صرف کرتا ہے۔نہ صرف وہ سکول کے اوقات کے بعد اپنے طلبہ کو پڑھاتا ہے بلکہ دوسرے بچوں کو بھی پڑھاتا ہے۔وہ بچوں کے ساتھ ویسے ہی سلوک روا رکھتا ہے جیسے وہ اپنے بچوں کیساتھ۔صدر معلم اور ساتھی اساتذہ کے وزٹ کے دوران اُس نے معمول کے مطابق کام جاری رکھا اور ان کی موجودگی سے کچھ پریشانی نہ ہوئی۔انہوں نے کچھ خاص انتظامات نہ کئے جیسا کہ روائتی اساتذہ کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم اپنا کام بہتر طور پر کر رہے ہیں تو ہمیں افسران سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

شبیر کا اندازِ تدریس اور طلباء سے تعلق منفرد ہے۔ایک ہلکی سی شرارتی چمک اُس کی آنکھ میں رہتی ہے۔وہ اپنے طلباء کو باقاعدگی سے شاباش دیتا رہتا ہے۔ٹیم نے اُسے کلاس دوم کو پڑھاتے ہوئے مشاہدہ کیا۔اس کا انداز بہت جاندار اور برجستہ تھا۔وہ جیومیٹری پڑھا رہا تھا جو بہت کم سکولوں میں پڑھائی جاتی ہے۔اُس نے چوکور اور مستطیل کا فرق بیان کرتے ہوئے روزمرہ زندگی کی مثالیں دیں۔یعنی اپنے سکول سے، کھیت سے، اس نے بچوں کو ایک چوکور دکھایا اور پوچھا:

اُستاد:　یہ کیا ہے؟

شاگرد:　(ایک زبان میں) یہ چوکور ہے۔

اُستاد:　نہیں یہ مستطیل ہے۔

شاگرد:　(ایک زبان میں) نہیں نہیں یہ چوکور ہے۔

اُستاد: 　کیا اُستاد جھوٹ بول رہا ہے۔

شاگرد: 　جی ہاں اُستاد جی (ایک زبان میں)

اُستاد: 　(ہنستے ہوئے) تم درست کہہ رہے ہو۔

چھوٹے بچوں کا اعتماد حیران کن تھا۔ پھر اُس نے بچوں سے کہا کہ وہ سکول میں بھاگیں اور وہ چیزیں ڈھونڈیں جن کی شکل مختلف اشکال سے ملتی ہو۔

2.10.19) شاہدہ جبیں

عمر 25 سال۔ ایم اے، پی ٹی سی، 5 سالہ تدریسی تجربہ۔ گورنمنٹ گرلز کمیونٹی ماڈل سکول علی خان، ہری پور، ایک صاف ستھری اور چست معلمہ، مسکراتی ہوئی، پُراعتماد اور دلکش، وہ گفتگو کے دوران آنکھ میں آنکھیں ڈال کر بات کرتی ہے۔ اُس نے ایک خوبصورت نظم بڑے دلکش انداز میں پڑھی، اپنے بچوں پر بھرپور اعتماد تھا۔ ہر بچے نے اُس کی موجودگی میں بھی بڑے اعتماد سے سوالوں کے جوابات دیئے۔ اُس نے اپنے طلباء کو بہت اہمیت دی۔ شاہدہ نے اپنے ہیڈ ٹیچر کی بھرپور معاونت کی جو حال ہی میں آئے ہیں۔ دفتری معاملات میں بہت خوشی کے ساتھ بجائے اس کے کہ وہ اسے بوجھ تصور کرے۔ وہ طلباء کی حاضری بورڈ پر لکھتی ہے۔ رجسٹر بناتی ہے۔ ادبی سرگرمیوں کو منظم کرتی ہے۔ والدین سے مشاورت کرتی ہے۔ شاہدہ کے والد ایک سینئر اُستاد تھے جو بدقسمتی سے کچھ عرصہ قبل قتل ہو گئے، وہ اپنے والد کو اپنا ماڈل قرار دیتی ہیں۔ اُس نے اپنے والد کی وڈیوز دیکھی ہیں۔ وہ ان کے مشن کو قائم رکھنا چاہتی ہیں۔ خاص طور پر ان کی ایمانداری، لگن اور سخت محنت۔ وہ سمجھتی ہیں کہ تدریس کا پیشہ انبیاء کا پیشہ ہے۔ ایک مرتبہ اُس کے ساتھی اساتذہ نے شاہدہ کی کلاس دیکھنے کی خواہش کی، کیونکہ ہر کوئی اس کی تعریف کر رہا ہوتا ہے۔ صدرِ معلم کی اجازت سے اساتذہ نے شاہدہ کی کلاس کا مشاہدہ کیا اور پھر اپنی کلاسوں کو چارٹس سے مزین کیا جبکہ دوسرے اساتذہ جو کہ شادی شدہ تھے۔ انہوں نے خاندان، بچے پر فارغ اوقات میں بات کرنا پسند کیا۔ شاہدہ نے کتاب پڑھنے کو ترجیح دی۔ وہ یقین رکھتی ہے کہ ایک اُستاد کو مسلسل سیکھنا چاہئے اور محکمہ کو چاہئے کہ وہ انہیں تربیت کی سہولتیں فراہم کرے۔

2.10.20) صائمہ شوکت

عمر 26 سال، بی اے، بی ایڈ، 5 سالہ تدریسی تجربہ، پانچویں کلاس کی معلمہ، ٹیلنٹ ہال سکول لاہور، نجی سکول لوئر اور لوئر مڈل کلاس کی بچوں کے لئے وہ ایک ملنسار، پُراعتماد، خوشگوار معلمہ، اُس نے ہر سوال کا جواب سوچ سمجھ کر دیا، اُس کی آواز نرم اور لہجہ درست تھا۔

صائمہ تدریس سے لطف اندوز ہوتی ہے۔ وہ ہمیشہ سبق کو سابقہ سبق سے جوڑتی ہے۔ وہ بچوں پر بہت مہربان ہے لیکن مضبوط بھی ہے۔ وہ ایک لچکدار کھلے ذہن کی مالک ہے جو بچوں کے ساتھ مناسب رویہ رکھتی ہے۔ بچے اُس کو بہت پسند کرتے ہیں۔

وہ اپنے ساتھی اساتذہ کے ساتھ بہت ملنسار ہے اور اپنے ہیڈ سے تعاون کرتی ہے۔ وہ اکثر اوقات صدر معلم اور ساتھیوں سے اپنے سبق کو بہتر بنانے کیلئے مشاورت کرتی ہے۔ والدین سے سلوک بہت مؤدب ہوتا ہے۔ فارغ اوقات میں وہ میوزک سنتی ہے۔ اسلامی تاریخ پر کتابیں پڑھتی ہے۔ جنرل نالج اور سوانح عمریاں پڑھتی ہے۔

2.10.21) شبانہ ہجراں

عمر 28 سال، ایف اے، پی ٹی سی، 5 سالہ تدریسی تجربہ، معلمہ گورنمنٹ گرلز پرائمری سکول، سول کوارٹرز پشاور۔ ایک صاف ستھری، سادہ لباس، پُراعتماد، چست، نرم مزاج اور دلکش آواز کے ساتھ۔ اُس کے اپنے ہی الفاظ میں، میں ایک ڈاکٹر بننا چاہتی تھی۔ میرے خاندان کے لوگ تعلیم یافتہ ہیں۔ مجھے کوئی بھی پیشہ اختیار کرنے کی آزادی ہے، میں نے پاراچنار کے سکول سے تعلیم حاصل کی۔ میرے اساتذہ نے مجھے متاثر کیا، لہٰذا میں نے فیصلہ کیا کہ میں اُستاد بنوں گی۔ آج جب میں کام کرتی ہوں تو میں محسوس کرتی ہوں کہ میں وہ تمام کام کرتی ہوں جو وہ کیا کرتے تھے۔ اس کا تدریسی طریقہ اور طلباء سے میل جول کا انداز آرام دہ تھا۔ مثال کے طور پر جب بچے کچھ درست طور پر کام کرتے تو وہ حوصلہ افزائی کے انداز میں کہتی تھی۔ آپ نے تو یہ کام مجھ سے بھی زیادہ بہتر کر دیا۔ اس میں حیرت کی بات نہیں کہ بچے اس کا ہر طرح سے کہنا مانتے تھے۔ وہ کلاس میں بھرپور تیاری

سے جاتی۔ وہ ہمیشہ سمعی وبصری اعانات کا استعمال کرتی اور ان کے حصول کیلئے ہر ممکن کوشش کرتی۔ اُس کی لکھائی بھی بہت اچھی ہے۔ وہ نہ صرف بچوں کی تدریس کرتی ہے بلکہ اس بات کو بھی یقینی بناتی ہے کہ بچے سیکھیں۔ وہ گھر جا کر بچوں کی کاپیاں چیک کرتی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ تدرس اس کی دلچسپی ہے نہ کہ محض نوکری۔ شبانہ ہر وقت سیکھنے کیلئے تیار رہتی ہے۔ اگر اُسے طالب علموں کی دلچسپی کی کوئی چیز ملتی ہے مثلاً اخبار میں، میگزین میں وہ انہیں سنبھال لیتی ہے اور استعمال کرتی ہے۔ وہ شاعری کی بہت شوقین ہے اور بچوں کیلئے نظمیں اور قومی گیت لکھتی ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ اس کے ساتھی اس کے دوست اور قوت کا ذریعہ ہیں۔ وہ صدر معلم سے ہر ممکنہ حد تک تعاون کرتی ہے۔ وہ کبھی کسی سے کوئی شکایت نہیں کرتی۔ مثال کے طور پر وہ کہتی ہے کہ زیادہ فرنیچر نہ ہوتا کہ وہ گروہی کام اور سرگرمیاں کرواسکے۔ وہ بہت مشہور ہے۔ تمام اساتذہ اُس کی تعریف کرتے ہیں۔

2.10.22) ایلیمنٹری، سیکنڈری ٹیچرز اور تربیت اساتذہ کیلئے ضروری صلاحیتوں کا مطالعہ

ایم ایم پاکستان پرائیویٹ لمیٹڈ (1999ء) نے ایک ریسرچ رپورٹ جس کا عنوان ایلیمنٹری، سیکنڈری ٹیچرز اور تربیت اساتذہ کے لئے ضروری صلاحیتوں کا مطالعہ اور اس پروگرام کے جائزہ کے لئے آلات کی تیاری تھا۔

یہ رپورٹ پراجیکٹ منیجر، ٹیچرز ٹریننگ پراجیکٹ حکومت پنجاب لاہور کو پیش کی گئی۔

اس رپورٹ کے مطابق اُستاد ایک آرٹسٹ ہے اور تمام آرٹسٹوں کی طرح اُسے عملی تربیت کی ضرورت ہے تاکہ وہ تدریس کے لئے ضروری علم، رویوں اور مہارتوں کو سمجھ سکے۔

آزادی کے وقت پاکستان کے پاس، جے وی (1)، ایس وی (2) اور بی ٹی (3) ٹیچر بھی مناسب تعداد میں نہ تھے۔ پاکستان بننے پر پی ٹی سی، سی ٹی، بی ایڈ، بی ایس ایڈ، ایم ایڈ، ایم ایس ایڈ اور ایم اے ایجوکیشن کے پروگرام متعارف کرائے گئے۔ اُستاد کی پیشہ وارانہ تعلیم کے معیار کی بہتری سے خود بخود سکول ایجوکیشن کا معیار بہتر ہو جانا چاہئے تھا مگر بدقسمتی سے ایسا نہ ہو

1- J.V Junior Verniclar　جونیئر ورنیکلر
2- S.V Verniclar　سینئر ورنیکلر
3- B.T Bechlor of Technation　بی ٹی

سکا۔ مختلف امتحانات میں ساٹھ سے اسی فیصد طلباء کی ناکامی نے اس تاثر کو پختہ کر دیا اور پرانی نسل کے لوگ یہ کہتے ہوئے پائے گئے کہ برطانوی دور کا میٹرک پاس آج کے گریجوایٹ سے بہتر تھا۔ اس تحقیق کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ سکول میں تعلیمی معیار میں بہتری لانے کے لئے اُستاد کے معیار کو بہتر بنایا جائے۔ (ص 3) اس سلسلہ میں اُستاد کی ذاتی اور پیشہ وارانہ صلاحیتوں کی لسٹ تیار کی جائے جو کہ انتہائی ضروری ہیں اور تربیت اساتذہ کے پروگرام میں اس کو شامل کیا جائے۔

اس تحقیق کے لئے تعلیمی انتظامیہ، ٹیچرز ٹرینرز، سربراہان تربیت اساتذہ پروگرام، والدین اور اساتذہ سے رائے، سوالنامہ اور انٹرویو کے ذریعہ سے اکٹھی کی گئی، ان کی تعداد بائیس سو تھی اور اس کو اس فیلڈ کی عالمی تناظر کی تحقیق کی روشنی اور علمی معیار کے مطابق پرکھا گیا۔

اس تحقیق میں بائیس ذاتی اور دس پیشہ وارانہ مہارتوں اور صلاحیتوں کا جائزہ لیا گیا۔ ان صلاحیتوں کو مزید ذیلی صلاحیتوں کے حوالہ سے تقسیم کیا گیا اور چار درجاتی سوالنامہ بنا کر رائے اکٹھی کی گئی۔ اس میں پہلے نمبر پر (1) وہ صلاحیتیں جن کے بغیر استاد مؤثر نہیں رہتا (لازمی) ہیں۔ دوسرے نمبر (2) پر وہ صلاحیتیں جو تدریس میں اُستاد کو موثر بناتی ہیں مگر ان کے بغیر اُستاد، اُستاد مکمل غیر موثر نہیں ہوتا (ضروری) ہیں۔ (3) تیسرے نمبر پر رائے دہندگان کا ان صلاحیتوں کے بارے میں فیصلہ نہ کر سکنا کہ یہ صلاحیتیں تدریس میں ضروری ہیں یا نہیں۔ (4) چوتھے نمبر پر غیر متعلق صلاحیتیں یعنی یہ صلاحیتیں اُستاد کی تدریس میں نہ موثر ہیں اور نہ ہی غیر موثر ہیں۔

اس تحقیق کے مقاصد میں اساتذہ کے لئے بہتر صلاحیتیں کی تحقیق، رائے دہندگان کی رائے کے مطابق جاننا، اساتذہ کے لئے لازمی اور ضروری صلاحیتوں کی نشاندہی، اساتذہ کی ذاتی و پیشہ وارانہ صلاحیتوں بارے رائے اکٹھی کرنا، ان میں علمی اضافہ کے لئے تجاویز دینا، ان سروس اور پری سروس میں اس تحقیق کے مطابق اساتذہ کی صلاحیتوں میں اضافہ کرنا اور اساتذہ کی کارکردگی و صلاحیتوں کے جائزہ کے لئے آلات وطریقہ کار کی تیاری شامل تھے۔

یہ تحقیق صرف سرکاری و نیم سرکاری اداروں میں کی گئی تھی، اس تحقیق میں پرائمری، مڈل، ہائی سکول

1- Indispensable　　2- Deseable

3- Undercided　　4- Inrelevant

کے اساتذہ، ٹیچرز ٹریننگ میں گورنمنٹ ایلیمنٹری ٹیچرز ٹریننگ کالجز، یونیورسٹیوں کے ڈیپارٹمنٹ آف ایجوکیشن کے اساتذہ جو کہ تربیت اساتذہ میں مصروف ہیں۔ پرنسپلز، طلبہ وطلبہ کے والدین اور تعلیمی انتظامیہ میں سے ڈپٹی ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر، ڈسٹرکٹ اور ڈویژنل آفیسرز سے زنانہ مردانہ اور شہری دیہاتی کی تقسیم کو مدنظر رکھ کر نمونہ تشکیل دیا گیا اور رائے لی گئی جن کی تعداد بائیس سو تھی۔

اس تحقیق کے نتائج کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا اُستاد کے لئے لازمی صلاحیتیں اور دوسرا ضروری صلاحیتیں، پھر اس کی ذیلی صلاحیتوں کو لازمی وضروری کے زمرے میں تقسیم کر کے پیش کیا گیا ہے۔ اس تحقیق کے نتائج کا خلاصہ اس طرح ہے۔

1) لازمی صلاحیتیں

رائے دہندگان کے مطابق ایک اُستاد میں ذمہ داری، صبر وتحمل، مضمون کے بارے میں علم، والدین سے تعلق، محب وطن، واضح آواز، دلکش شخصیت ولباس، پڑھنے پڑھانے میں متجسس، اُمید پرست، لچکدار رویہ، معاملات میں کھرا، طلبہ وساتھیوں سے اچھے تعلقات رکھنے والا اور اچھی ساکھ، ذاتی دلچسپی، خصوصیات کا ہونا انتہائی لازمی ہے۔

جبکہ رائے دہندگان نے خود اعتمادی، ساتھی اساتذہ سے اچھے تعلقات، علمی فضیلت وقابلیت، کام میں دلچسپی لینے والا، روانی سے گفتگو کرنے والا، طلبہ کی حوصلہ افزائی کرنے والا اور مددگار، گرم جوش اور مزاح والا، کامیابی پر مکمل یقین رکھنے والا جیسی ذاتی صلاحیتوں کو ضروری قرار دیا ہے۔

2) ضروری صلاحیتیں

رائے دہندگان نے اساتذہ میں پیشہ وارانہ صلاحیتوں کے حوالے سے جو رائے دی وہ کچھ اس طرح ہے کہ ایک اُستاد میں طلبہ کی تشخیص، طلبہ کی رفتار، ترقی کا جائزہ، سبق کی منصوبہ بندی و تیاری، دوران تدریس سبق کی ابتدا، دورانِ سبق وقت کی مناسب تنظیم وتقسیم، جیسی خصوصیات کو لازم قرار دیا ہے جبکہ سبق کی پیشکش (استحضار) مستعدی سے سبق پیش کرنا۔ سوالات کا سبق میں بہتر استعمال۔ دوران سبق مختلف طریقہ تعلیم کا استعمال اور کمرہ جماعت میں اُستاد کے رویہ کو ضروری قرار دیا ہے۔

2.11) اساتذہ کا تعلق باللہ و دعائیں

اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ "تمہارا رب کہتا ہے مجھے پکارو میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا"۔(1)

نیز حکم ربی ہے "کون ہے جو بے کس کی پکار کو سنتا ہے جب وہ پکارے؟" (2)

اللہ تعالیٰ کائنات کا مالک و خالق ہے۔ دعا مانگ کر ہم اللہ سے اپنے عجز کا اظہار کرتے ہیں۔ عجز واحد صفت ہے جو بندے کے پاس ہے اور رب کے پاس نہیں مگر اللہ کو بہت پسند ہے۔ دعا اللہ تعالیٰ کی عظمت و بڑائی اور انسان کی بندگی کا اظہار ہے۔ اللہ اور بندے کا تعلق ہے۔ مستقبل کی امید اور حوصلہ ہے۔ توکل اور کامیابی کی کلید ہے۔ مومن کا ہتھیار ہے اور عبادت کا مغز ہے اور اللہ تعالیٰ سے تعلق کا ذریعہ ہے۔

تمام انبیاء کرام نے تعلیم و تعلم کا کام سرانجام دیتے ہوئے اللہ سے دعا کے ذریعے استعانت طلب فرمائی۔ استاد کے لئے اپنے پیشہ ورانہ کام کی ادائیگی کے لئے دعا کے سہارے اور اللہ کی مدد کی ضرورت ہے کیونکہ اس سے دنیا و آخرت کی بھلائی نصیب ہوتی ہے۔

یہاں مختصر طور پر چند دعائیں جو کہ آپ پہلے سے جانتے ہیں ان کو یکجا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تفصیل کے لئے قرآن مجید۔ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر دینی لٹریچر کا مطالعہ فرمائیں۔

اساتذہ کے کام و پیشہ سے متعلقہ دعاؤں کے انتخاب کی کوشش کی گئی ہے۔

ان ربی یسمیع الدعا　"بے شک میرا رب خوب دعا سنتا ہے"۔

دعا کے موضوع کو ذیل میں اس طرح تحریر کیا گیا ہے:

قرآنی دعائیں برائے اساتذہ

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی علم و اساتذہ سے متعلق دعائیں

اذکار و وظائف

1) القرآن: مومن، آیت 60

2) القرآن: النمل، آیت 62

2.11.1) قرآنی دعائیں

قرآن مجید میں علم کے حوالہ سے انبیاء کرام علیہ السلام نے دعائیں مانگیں چونکہ انبیاء رول ماڈل برائے اساتذہ ہیں۔ لہٰذا چند دعائیں پیش خدمت ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی دعا

رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا (1) "اے اللہ! میرے علم میں اضافہ فرما"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعائیں

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي O وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي O وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي O يَفْقَهُوا قَوْلِي (2)

"اے اللہ! میرا سینہ کھول دے اور میرے کام کو آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے تا کہ وہ میری بات سمجھ لیں۔"

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِأَخِي وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ (3)

"اے میرے پروردگار مجھے اور میرے بھائی کو معاف فرما اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کرا اور تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔"

أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ (4)

"پناہ مانگتا ہوں اللہ سے کہ میں شامل ہو جاؤں جاہلوں کے گروہ میں۔"

رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ (5)

"اے میرے پروردگار! تو جو بھلائی میری طرف اتارے میں اس کا محتاج ہوں۔"

---

1) القرآن، طٰہٰ، آیت 116
2) القرآن، طٰہٰ، آیت 25 تا 28
3) القرآن: الاعراف، آیت 150
4) القرآن: البقرۃ، آیت 67
5) القرآن، المومنون، آیت 118

حضرت آدم علیہ السلام کی دعا

رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ (1)

"اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں معاف نہ کرے اور ہم پر رحم نہ کرے تو واقعی ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔"

حضرت نوح علیہ السلام کی دعا

إِنِّي مَغْلُوبٌ فَانتَصِرْ (2)

"بے شک میں مغلوب ہوں، تو میری مدد کر۔"

حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا

إِنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ (3)

"مجھے تکلیف ہو رہی ہے اور تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔"

حضرت یعقوب علیہ السلام کی دعائیں

اللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ (4)

"جو قول و قرار ہم کر رہے ہیں اس کا اللہ ضامن ہے۔"

إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (5)

"میں اپنی بے بسی اور غم کا اظہار اللہ ہی سے کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔"

---

1) القرآن: الاعراف، آیت 23
2) القرآن: الانبیاء، آیت 83
3) القرآن: الحجر، آیت 10
4) القرآن: یوسف، آیت 66
5) القرآن: یوسف، آیت 86

حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَأْوِيْلِ الْأَحَادِيْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَ أَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ (1)

"اے میرے پروردگار! تو نے مجھے حکومت دی اور خوابوں کی تعبیر کا علم بخشا اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے، مجھے (دنیا سے) اپنی اطاعت (کی حالت) میں اٹھا اور (آخرت میں) اپنے نیک بندوں میں داخل فرما"۔

حضرت یونس علیہ السلام کی دعا

لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحٰنَكَ إِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (2)

"الٰہی! تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے۔ بے شک میں ظالموں میں سے ہوں۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّأَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَ اٰيَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ (3)

"اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے خوان نازل فرما کہ ہمارے لئے (وہ دن) عید قرار پائے یعنی ہمارے اگلوں اور پچھلوں (سب) کے لئے اور وہ تیری طرف سے نشانی ہو اور ہمیں رزق عطا کر اور تو بہتر رزق دینے والا ہے۔"

1) القرآن: یوسف، آیت 101

2) القرآن: الانبیاء، آیت 87

3) القرآن: المائدہ، آیت 114

حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰی وَالِدَیَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ (1)

''اے میرے رب! مجھ کو اس پر مداومت اور ہمیشگی دیجئے کہ آپ کی ان نعمتوں کا شکر کیا کروں، جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں، اور (اس پر بھی مداومت دیجئے کہ) میں نیک کام کروں جس سے آپ خوش ہوں، اور شامل کر لیجئے مجھ کو اپنی رحمت خاصہ سے اپنے نیک بندوں میں''۔

2.11.2) اسوۂ رسول ﷺ سے علم و اساتذہ سے متعلق دعائیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان انما بعثت معلماء کے حوالے آپ نے علمی و تعلیمی کام وسیع پیمانے پر کیا اور ساتھ ساتھ دعاؤں کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ سے استعانت طلب فرمائی۔ افادہِ عام کے طور پر چند دعائیں پیش خدمت ہیں:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عِلْمٍ لَّا یَنْفَعُ وَ مِنْ قَلْبٍ لَّا یَخْشَعُ ، وَمِنْ نَفْسٍ لَّا تَشْبَعُ، وَ مِنْ دَعْوَةٍ لَّا یُسْتَجَابُ لَهَا (2)

''یا اللہ! میں آپ سے پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جو نفع نہ دے اور ایسے دل سے جو نہ ڈرے اور ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو اور ایسی دعا سے جو قبول نہ ہو''۔

اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰی طَاعَتِكَ (3)

'اے اللہ! دلوں کے پھیر دینے والے تو ہمارے دلوں کو اپنی فرمانبرداری کی طرف پھیر دے۔''

---

1) القرآن: النمل، آیت 19

2) مسلم، الذکر والدعا، باب فی الأدعیۃ، حدیث نمبر 2722

3) المسلم، کتاب القدر 330/2

زوال سے بچنے کی دعا

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُبِكَ مِنۡ زَوَالِ نِعۡمَتِكَ وَ تَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ وَ فُجَآئَةِ نِقۡمَتِكَ وَ جَمِيۡعِ سَخَطِكَ (1)

''اے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں اس بات سے کہ تیری موجودہ نعمت جاتی رہے اور تیری عافیت مجھ سے اپنا رخ پھیر لے، اور تیرے ناگہانی عذاب سے (کہ پہلے توبہ کی توفیق نہ ملے) اور تیرے تمام غصے کے اسباب سے''۔

رَبِّ اجۡعَلۡنِیۡ لَكَ شَكَّارًا، لَّكَ ذَكَّارًا، لَّكَ رَهَّابًا، لَّكَ مِطۡوَاعًا، لَّكَ مُخۡبِتًا، إِلَيۡكَ أَوَّاهًا مُّنِيۡبًا (2)

''اے رب! کر دے مجھے ایسا کہ میں تیرا بہت شکر کیا کروں، تجھے بہت یاد کیا کروں تجھ سے ڈرا کروں، تیری بہت فرمانبرداری کیا کروں، تجھ ہی سے سکون پانے والا اور آہ و زاری کے ساتھ (تیری ہی طرف) متوجہ ہونے والا ہو جاؤں''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا بھی مانگا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اجۡعَلۡنِیۡ صَبُوۡرًا وَّاجۡعَلۡنِیۡ شَكُوۡرًا (3)

''اے اللہ! کر دے مجھے اعلیٰ درجے کا صبر کرنے والا اور مجھے نہایت شکر گزار بندہ بنا دے''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا اس طرح بھی مانگا کرتے تھے:

أَللّٰھُمَّ اجۡعَلۡنِیۡ صَبُوۡرًا وَاجۡعَلۡنِیۡ شَكُوۡرًا وَاجۡعَلۡنِیۡ فِیۡ عَيۡنِیۡ صَغِيۡرًا وَ فِیۡ أَعۡيُنِ النَّاسِ كَبِيۡرًا (4)

---

1) المسلم، کتاب الذکر والدعا جلد 2 صفحہ 352

2) بحوالہ مثالی استاد، ترمذی کتاب الدعوات حدیث نمبر 3551

3) الحزب الاعظم صفحہ 82

4) کنز العمال حدیث نمبر 3672

أَللّٰهُمَّ انْفَعْنِي بِمَا عَلَّمْتَنِي وَ عَلِّمْنِي مَا يَنْفَعُنِي ‌(1)

''الٰہی! جو علم آپ نے مجھ کو سکھایا ہے اس سے آپ مجھ کو نفع بھی دینا، اور وہ علم سکھانا جو مجھ کو نفع ہی نفع دے''۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَكِلْنِيْ إِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَّلَا تَنْزِعْ مِنِّيْ صَالِحَ مَآ أَعْطَيْتَنِيْ (2)

''اے اللہ! تو مجھے پلک جھپکنے بھر بھی میرے نفس کے حوالہ نہ کرنا اور جو عمدہ بات تو نے مجھ کو عطا فرمادی ہے اس کو مجھ سے نہ چھیننا''

اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِي بِمَا عَلَّمْتَنِي وَعَلِّمْنِي مَا يَنْفَعُنِي وَ زِدْنِي عِلْمًا (3)

''الٰہی! جو علم تو نے مجھ کو سکھایا ہے اس سے تو مجھ کو نفع بھی دینا اور وہ علم سکھانا جو مجھ کو نفع ہی نفع دے اور مجھ کو زیادہ علم عطا فرما''

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ وَسَاوِسَ قَلْبِيْ خَشْيَتَكَ وَذِكْرَكَ وَاجْعَلْ هِمَّتِيْ وَ هَوَايَ فِيْمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى (4)

''اے اللہ! میرے دل کے وسوسوں کو اپنی خشیت اور اپنا ذکر کرنیوالا بنا اور میری ہمت اور خواہش کو ان چیزوں میں صرف کردے جن سے تو راضی ہو اور پسند کرے''

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاهْدِنِي السَّبِيْلَ الْأَقْوَمَ (5)

''اے اللہ! (مجھے) بخش دے اور رحم کر اور سیدھے راستے کی ہدایت دے''۔

---

1) بحوالہ مثالی استاد، صفحہ 135

2) مجمع الزوائد، کتاب الدعیہ جلد 1، صفحہ 210، مثالی استاد صفحہ 355

3) ابن ماجہ، الطہارۃ صفحہ 251

4) ملا علی قاری، الحزب اعظم، 124

5) ملا علی قاری، حزب الاعظم صفحہ 73

تلاوت قرآن کی دعا

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِی التَّفْکِیْرَ وَالتَّدَبُّرَ لِمَا یَتْلُوْہُ لِسَانِی مِنْ کِتَابِکَ وَالْفَھْمَ لَہٗ وَالْمَعْرِفَۃَ بِمَعَانِیْہِ وَالنَّظَرَ فِیْ عَجَائِبِہٖ وَالْعَمَلَ بِذٰلِکَ مَا بَقِیْتُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (1)

''اے اللہ! مجھے غور وفکر اور سوچ و سمجھ نصیب فرما اس میں جو کچھ میری زبان تلاوت کرتی ہے آپ کی کتاب میں سے اور اس کی سوجھ بوجھ اور اس کے معانی کی معرفت نصیب فرما اور اس کے عجائبات میں مہارت نصیب فرما اور عمل نصیب فرما ان پر جب تک میں زندہ رہوں۔ بے شک آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔''

اَللّٰھُمَّ زَیِّنِّیْ بِالْعِلْمِ وَاَغْنِنِیْ بِالْحِلْمِ وَاَکْرِمْنِیْ بِالتَّقْوٰی وَجَمِّلْنِیْ بِالْعَافِیَۃِ (2)

''اے اللہ! مجھے مزین کر علم کے ساتھ اور مجھے مستغنی (بے پرواہ) کر دے حلم (بردباری) کے ساتھ اور مجھے عزت بخش تقویٰ کے ساتھ اور مجھے خوبصورت بنا عافیت کے ساتھ''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاھْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ (3)

''اے میرے اللہ! مجھے معاف فرما دیجئے اور مجھ پر رحم فرمائیے اور مجھے ہدایت دیجئے اور مجھے رزق عطا فرمائیے''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ أَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَ شُکْرِکَ وَ حُسْنِ عِبَادَتِکَ

---

1) بحوالہ مثالی استاد از النصوص الادبیہ جلد 2 صفحہ 20

2) کنز الاعمال جلد 2 صفحہ 292

3) صحیح مسلم۔ رقم الحدیث ۲۳ (۲۲۹۶)، ۴/۲۰۷۲

"اے میرے اللہ! اپنا ذکر کرنے و اپنا شکر کرنے اور اپنی عمدہ عبادت کرنے میں میری اعانت فرما۔"

اَللّٰھُمَّ اِنِّیٓ اَسۡئَلُكَ عِلۡمًا نَافِعًا وَ عَمَلًا متقبلاً ورِزۡقًا طَيِّبًا (1)

"اے اللہ میں تجھ سے نفع دینے والے علم، قبول ہونے والے عمل اور پاکیزہ رزق کا سوال کرتا ہوں"۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیٓ اَعُوۡذُبِكَ مِنۡ عِلۡمٍ لَا يَنۡفَعُ وَ مِنۡ قَلۡبٍ لَا يَخۡشع وَ مِنۡ نَفۡسٍ لَا تَشۡبَعُ ومن دعوۃ لَا يَسۡتِجَابُ لها(2)

"اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جو نفع نہ دے اور اس دل سے جو نہ ڈرے اور اس نفس سے جو سیر نہ ہو اور اس دعا سے جو قبول نہ کی جائے۔"

2.11.3) اذکار و وظائف

قرآن مجید میں ہے کہ "دلوں کا اطمینان اللہ کے ذکر سے ہوتا ہے" اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر ذکر فرماتے تھے:

یہاں چند اذکار و وظائف کا ذکر کیا جاتا ہے جو کہ ہر مسلمان اور خصوصاً اساتذہ کے لئے ضروری ہیں اس سے تعلق باللہ قائم ہوتا ہے، ثواب، سکون اور طمانیت ملتی ہے۔ آپ اس کو تفصیل سے مختلف کتب میں دیکھ سکتے ہیں۔

ا) مشینی اور ایٹمی دور کا جامع عمل

ڈاکٹر ظہیر احمد بابر لکھتے ہیں کہ اگر آپ کو اس مشینی دور میں طویل اور لمبے عمل کرنے کے لئے فرصت نہ ملے تو نماز فجر کے بعد مندرجہ ذیل مختصر وظائف کو اپنا معمول بنالیں۔ ان شاء اللہ زندگی

1) مشکوٰۃ شریف، بحوالہ رب زدنی علما، فرحت ہاشمی صفحہ 9
2) مسلم

امن وچین اور حفظ و امان سے گزرے گی۔ پریشانیوں، تکلیفوں اور مصیبتوں سے محفوظ رہے گی۔

یہ وظائف حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان کے ہیں جو مشکوٰۃ میں موجود ہیں۔

۱) رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَ تُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ　　100بار

۲) اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّار　　100بار

۳) لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ　　100بار

۴) سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ　　100بار

۵) حَسْبُنَا اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ　　100بار

۶) یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ　　100بار

۷) یَا ذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ　　100بار

۸) صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ　　100بار

نوٹ: یہ وظائف اس نیت سے پڑھا کریں کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو بخش دے، مجھے غموں اور پریشانیوں سے نجات دے۔ مصائب وبلیات، حادثات وآفات اور حاسدوں اور دشمنوں کے شر سے بال بال محفوظ رکھے مجھے رزق حلال فراخ دے اور میری دنیا وآخرت دونوں سنوار دے۔(1)

اُم المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح تڑکے نماز فجر کے لئے ان کے کمرے سے نکلے تو وہ مصلے پر بیٹھی کچھ پڑھ رہی تھیں۔ چاشت کے وقت جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لائے تو دیکھا آپ اسی طرح بیٹھی ہوئی کچھ پڑھ رہی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''تم ابھی ویسے ہی بیٹھی ہوئی ہو جیسے میں تمہیں چھوڑ گیا تھا؟'' انہوں نے اپنے دیر تک بیٹھے رہنے کی وجہ بتائی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں تمہیں ایسے چار کلمے بتاتا ہوں جن کو صرف تین تین

1) بحوالہ ڈاکٹر ظہیر احمد بابر، دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں۔ صفحہ 237

بار پڑھا جائے تو ان کا وزن اس ذکر و تسبیح سے زیادہ ہو گا جو تم صبح تڑکے سے اب تک پڑھتی ہو"۔

(اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چار کلمے بتائے)۔

سبحان اللہ وبحمدہ عدد خلقہ وزینۃ عرشہ ومداد کلمات

1) سُبْحَانَ اللهِ زِيْنَةَ عَرْشِهٖ

"اللہ کی پاکی اور بڑائی اس کے عرش کے وزن کے برابر"۔

2) سُبْحَانَ اللهِ مِدَادَ كَلِمَاتِهٖ (1)

"اللہ کی پاکی اور بڑائی اس کے کلمات کی سیاہی کے برابر"۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ کو قرآن پاک کے بعد چار کلمے سب سے زیادہ محبوب ہیں اور یہ چاروں کلمے قرآن ہی سے ماخوذ ہیں۔

(1) سُبْحَانَ اللهِ　　(2) وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ

(3) وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ　　(4) وَاللهُ أَكْبَرُ

حدیث یسرہؓ

حضرات آئمہ ابوداؤد اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت یسرہؓ سے روایت نقل کی ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فرمایا:

"تسبیح وتہلیل اور تقدیس کو لازم کر دو اور پوروں کے ساتھ ذکر کرو کیونکہ ان سے پوچھا جائے گا اور انہیں قوت گویائی عطا کی جائے گی اور غفلت نہ کرنا کہ رحمت کو بھول جاؤ۔"

امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماء بنت عمیس سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کیا میں تمہیں ایسے کلمات نہ سکھادوں جو تو مصیبت کے وقت یا مصیبت میں کہا کرے"۔(2)

---

2) بحوالہ: اسلاف کے سنہرے واقعات صفحہ 66

1) سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۱۰۲۲، ۲/۷۰،۴

"اَللّٰهُ اَللّٰهُ رَبِّيْ لَا أُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا

''اللہ اللہ ہی میرا رب ہے میں ان کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہیں ٹھہراتا''۔

آپ نے دُعا فرمائی کہ:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَّفِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا وَّفِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا وَّعَنْ يَّمِيْنِيْ نُوْرًا وَّ عَنْ يَّسَارِيْ نُوْرًا وَّ فَوْقِيْ نُوْرًا وَّتَحْتِيْ نُوْرًا وَّاَمَامِيْ نُوْرًا وَّخَلْفِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ لِيْ نُوْرًا وَّفِيْ لِسَانِيْ نُوْرًا وَّعَصَبِيْ نُوْرًا وَّلَحْمِيْ نُوْرًا وَّدَمِيْ نُوْرًا وَّشَعْرِيْ نُوْرًا وَّبَشَرِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ فِيْ نَفْسِيْ نُوْرًا وَّاَعْظِمْ لِيْ نُوْرًا اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِيْ نُوْرًا (1)

''اے اللہ! کر دے میرے دِل میں نور اور میری آنکھوں میں نور اور میرے کانوں میں نور، دائیں نور اور میرے بائیں نور اور میرے اوپر نور اور میرے نیچے نور اور میرے آگے نور اور میرے پیچھے نور اور کر دے میرے لئے نور ہی نور اور میری زبان میں نور اور کر دے میرے پٹھے نورانی اور میرا گوشت نورانی اور میرا خون نورانی اور میرے بال نورانی اور میری کھال نورانی اور ڈال دے میرے نفس میں نور اور بڑھا دے میرے لئے نور، الٰہی! مجھے نور عطا فرما''۔

1) بخاری

باب سوم

طریقہ تحقیق

یہ بیانیہ تحقیق بنیادی طور پر سروے پر مشتمل ہے۔علاوہ ازیں واقعات و ڈیٹا جمع کرنے سے پہلے یہ سوچا گیا کہ پاکستان غالب مسلم آبادی کا ملک ہے اور مسلمانوں نے ایک ہزار سال تک دنیا پر حکومت کی اور اپنے وقت کی سپر پاور زرہے۔سپر پاور کا ایک خاصہ علمی تفوق ہوتا ہے۔ یہ علمی تفوق اس دور کے مخلص، محنتی، ایثار پیشہ اور ذہین وفطین استاد کی وجہ سے تھا۔اس لئے سروے کے ساتھ تاریخی، تحقیقی اور لائبریری سرچ کا طریقہ ملایا گیا اور واقعاتی شہادت حاصل کی گئی لہٰذا اس تحقیق کے مقاصد میں یہ جائزہ لینا شامل تھا کہ

i) آیا وہ کون سے اساتذہ تھے اور ہیں جن کو حال اور مستقبل کا استاد بطور رول ماڈل یا مثالی استاد قبول کرسکتا ہے؟

ii) رول ماڈل برائے اساتذہ یا مثالی استاد کون کون سی خوبیوں یا صلاحیتوں کا مالک ہوتا ہے؟

iii) ماضی کے رول ماڈل یا دورِ عروج کے رول ماڈل کی روشنی میں پاکستانی استاد کے لئے راہ عمل اور رہنما خطوط کا تعین کرنا کہ وہ کون کون سے ہیں؟ تاکہ استاد مثالی تدریس و مثالی کردار سے تعمیر قوم کا فریضہ احسن انداز میں ادا کر سکے۔اس کے لئے لائبریری سرچ کا تحقیقی طریقہ اختیار کیا گیا۔

iv) ماضی کے تاریخی و واقعاتی حوالوں کے ساتھ ساتھ زمانہ حال کے مثالی اساتذہ کے واقعات، مثالیں اور نظیریں تلاش کر کے حال اور مستقبل کے لئے کیسا استاد ہو؟ جو تعمیر قوم کا فریضہ احسن انداز میں ادا کر سکے۔نیز اس سلسلہ میں انڈیکیٹرز (اشاریے) کی لسٹ کی فراہمی ہے جس سے کم از کم پیشہ ورانہ بہتری کا معیار مقرر کیا جا سکے یا معیار مقرر کرنے میں مدد مل سکے۔

v) اساتذہ کے لئے رول ماڈلز کے واقعات و حالات تاریخ و تحقیق کی روشنی میں تلاش کئے

جائیں ان کی ایک مختصر چیک لسٹ فراہم کی جائے ان کے کام کے ایریاز کو یکجا کیا جائے جس سے آج کا استاد استفادہ کر سکے۔

vi) مثالی استاد کے ساتھ ساتھ ماضی کے رول ماڈل اساتذہ و طبقہ اساتذہ کے حالات کار۔ طریقہ کار۔ انداز و روایات اور یہ کہ اسلامی معاشرتی حالات سے مطابقت کیسے پیدا کی جاتی رہی؟ جائزہ لینا اور اس پر عمل کرنے کے لئے آج کے پاکستانی استاد کے لئے بہترین راستہ کے تعین کے مسئلہ کو حل کرنا تھا۔

مندرجہ بالا مقاصد کے حصول کے لئے پاکستان کی آبادی اساتذہ میں میں تیرہ لاکھ چھپن ہزار آٹھ سو دو (1356802) اساتذہ شامل ہیں ۔ (1) خواہ ان کا تعلق پرائمری، ایلیمنٹری ،سکینڈری سکول یا کالج و یونیورسٹی سے ہے یا مدارس سے۔ مرد ہیں یا خواتین، شہری ہیں یا دیہاتی، سرکاری اداروں سے ہیں یا پرائیویٹ اداروں سے اس تحقیق کی آبادی میں شامل ہیں۔ اس تحقیق کی آبادی چونکہ بہت زیادہ ہے لہٰذا معلومات حاصل کرنے کے لئے دو ہزار مختلف النوع اساتذہ کا انتخاب کر کے ان سے آراء لی گئیں یہ آراء ایک سوالنامہ کے ذریعے حاصل کی گئیں۔ یہ سوالنامہ جو کہ رول ماڈل اساتذہ کے لئے سولہ انڈیکیٹرز اور 130 سب انڈیکیٹرز پر مشتمل تھا یہ انڈیکیٹرز انٹرویو، سروے، کیس سٹڈیز کا جائزہ اور ماضی کے رول ماڈل کے حالات و واقعات کی روشنی مین تیار کئے گئے ماضی کے رول ماڈل اساتذہ کے حالات و واقعات کی روشنی میں سوالنامہ بنا کر ٹیسٹ کیا گیا اور پھر ماہرین فن کی مدد سے اسے آخری شکل دی گئی۔ اس سلسلہ میں جرح و تعدیل و استنباط کا طریق بھی اختیار کیا گیا۔ یہ سوالنامہ لیکرٹ سکیل پر بنایا گیا تھا۔

یہ تحقیق چونکہ پاکستانی استاد کے بارے میں تھی لہٰذا انڈیکیٹرز (اشاریوں) کے لئے اسلامی تاریخی ورثہ سے استفادہ کیا گیا جو کہ تمام دنیا اور مختلف زمانوں اور علاقوں میں پھیلا ہوا ہے۔ اس سلسلہ میں مسلم اُمہ کی تاریخ سے مثالیں اور نظیریں اکٹھی کی گئیں۔ پاکستان کے مختلف علاقوں سے مثالیں تلاش کی گئیں۔ ماضی اور حال کے رول ماڈل برائے اساتذہ کا جائزہ لیا گیا چونکہ کام وسیع اور مختلف زمانوں پر مشتمل تھا لہٰذا اسے طبقہ اساتذہ اور پاکستان تک محدود رکھا گیا۔ رائے کی حد

1) نیشنل پروفیشنل سٹینڈرڈ فار ٹیچرز آف پاکستان (2009) پالیسی اینڈ پلاننگ ونگ، منسٹری آف ایجوکیشن اسلام آباد

تک صرف صوبہ پنجاب کے اساتذہ تک محدود رکھا گیا، اس تحقیقی کام کو سال 2008ء میں شروع کیا گیا اور چھ سال میں یہ مکمل ہوا۔

3.1) رول ماڈل پر تحقیق

رول ماڈل اپنے متعلقہ فیلڈ کی مثالی شخصیت ہوتی ہے جس کی پیروی کر کے کامیابی کی منزل تک پہنچا جا سکے۔ انڈیکٹرز سے قبل کچھ حوالوں کو دیکھا گیا۔ اس تحقیق میں پاکستانی اساتذہ کے لئے رول ماڈل کے حوالہ سے مندرجہ ذیل مثالیں اخذ کی گئیں۔

1) اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اِسما سکھائے۔ لہٰذا پہلا رول ماڈل ہر مسلمان استاد کے لئے اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور چونکہ قرآن مجید کلام اللہ ہے۔ لہذا قرآن مجید کے طریقہ تعلیم کا جائزہ لیا گیا جو کہ ایک مسلمان کے لئے یقینی کامیابی کی دلیل ہے۔

2) **انبیاء:** اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر رشد و ہدایت اور راہنمائی کے لئے بھجوائے جنہوں نے شدید تکالیف اٹھا کر اللہ کا پیغام انسانوں تک پہنچایا۔ بطور رول ماڈل انبیاء کے کام کا جائزہ ضروری تھا۔ چونکہ انبیاء نے معلمین کا کام کیا لہٰذا اس تناظر میں بطور رول ماڈل اور مثالی استاد جائزہ لیا گیا۔

3) **اُسوہ رسولؐ:** اسوہ رسولؐ کی پیروی ہر مسلمان استاد کے لئے لازم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انما بعثت معلماء، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علمی معاشرہ و علمی تحریک کی بنیاد رکھی۔ لہٰذا آپ کے کام کا بحیثیت استاد جائزہ اور بطور رول ماڈل اسوۂ رسول سے مثالیں ضروری سمجھی گئیں تا کہ آنحضرت ﷺ بطور رول ماڈل کی پیروی کر کے اساتذہ کامیابی کی منزل حاصل کر سکیں۔

4) **صحابہ کرامؓ:** صحابہ کرام کی جماعت مسلمانوں کی تاریخ میں السابقون والاوّلون تھی۔ اس جماعت نے براہ راست آنحضرت ﷺ سے استفادہ فرمایا اور صحابہ کرام ایثار، قربانی اور ترویج علم کے حوالہ سے مثالی لوگ تھے۔ لہٰذا ان صحابہ کرام کے کام کا جائزہ بطور رول ماڈل لیا گیا۔

5) **تابعین و تبع تابعین کا دور:** یہ دور مسلم معاشرہ میں علمی ترقی و کمال کا دور تھا۔ اس دور میں علم کی ترویج پر وسیع کام ہوا۔ یہی دور مسلمانوں کے انتظامی عروج کا دور تھا۔ اس دور میں انتظامیہ و عدلیہ کو تعلیمی اداروں سے عمدہ افراد ملے۔ یہی افراد تعلیمی حوالے سے ہمارے لئے رول ماڈل ہیں۔ یہ افراد اُس دور کے تعلیمی سسٹم اور مثالی استاد کے پیدا کردہ تھے۔

6) **دورِ عروج:** مسلم معاشرہ علمی حوالہ سے بہت ترقی کر گیا مسلمانوں نے ہزار سال تک دنیا پر حکومت کی اس دور میں مسلم انتظامیہ کو اہل علم و اساتذہ کا ساتھ ملا۔ اُس دور کے رول ماڈل اساتذہ کا مطالعہ بھی انتہائی اہم تھا۔ یہ دور خواہ برصغیر میں ہے یا دوسرے علاقوں میں جہاں مسلم دنیا کے اس دور کے دیگر اساتذہ کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔

7) **دورِ غلامی:** برصغیر میں 1857ء میں انگریز کا قبضہ ہو گیا۔ تقریباً اسی دور میں عالم اسلام کا اکثر حصہ مغربی اقوام کی غلامی میں آ گیا۔ اسی دورِ غلامی میں مسلمان استاد نے اپنی معاشرتی، علمی، مذہبی اور ثقافتی (بناوٹ) کو محفوظ رکھا اُس رول ماڈل کا مطالعہ بھی ضروری ہے کہ اس ایثار پیشہ استاد نے بے غرض ہو کر قوم کی خدمت کی اور دورِ غلامی و مایوسی کو ختم کرنے کے لئے کام کیا۔ جس کی بدولت مسلمان قوم نے صرف نوے سال بعد آزادی حاصل کر لی۔

8) **پاکستانی اُستاد:** پاکستان بنا تو پاکستان کے پاس وسائل کی بہت کمی تھی اس دور میں قوم کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لئے تمام قوم نے محنت کی اور قربانی دی۔ استاد نے فکری رہنمائی مہیا کی قائد کے ساتھ کھڑے ہوئے۔ اداروں میں محنت کی قوم کے جذبہ کو شمع فروزاں بنا دیا اور آج تک استاد قوم کی تعلیمی ضروریات کو پورا کر رہا ہے۔ قومی شخصیت اور کلچر کا محافظ ہے۔ اس دور میں رول ماڈل کے مقام پر گو کم لوگ ہیں مگر موجود ہیں۔ ان کا مطالعہ مفید ہے۔ مندرجہ بالا آٹھ حوالوں سے رول ماڈل کی خوبیاں الگ تحریر کی گئی ہیں پھر ان خوبیوں سے اس تحقیق کے حوالہ سے انڈیکیٹرز ترتیب دیئے گئے ہیں اور اس سلسلہ میں متعلقہ لٹریچر کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کے بعد اس فیلڈ میں تحقیق کا جائزہ اور پاکستانی لٹریچر میں مثالی اساتذہ کے حوالہ کو بہت مختصر طور پر دیکھا گیا ہے۔

3.2) تحقیقی اشاریے (ریسرچ انڈیکیٹرز)

پاکستان کے تعلیمی اداروں کے مطالعہ، اسلامی تاریخ کے مطالعہ، لٹریچر اور عصری تحقیق کے جائزہ کے بعد پاکستانی اور مسلم استاد کے لئے رول ماڈل کے حوالہ سے مندرجہ ذیل اشاریے ترتیب دیئے گئے اور اس کا لٹریچر سروے کیا گیا اور انہی انڈیکیٹرز پر رول ماڈل اساتذہ کے بارے میں رائے لی گئی۔ لٹریچر سروے حقیقی واقعات کے حوالے سے کیا گیا تا کہ ماضی اور حال کا رابطہ قائم کیا جا سکے۔

1) خوفِ خدا (تقویٰ)
2) بلندیٔ کردار
3) حکمت و دانائی
4) طلبِ رزقِ حلال
5) علم پر عمل
6) طریقۂ تدریس
7) استغناء و محترم شخصیت
8) اساتذہ کی تصانیف و ذوقِ تحقیق
9) طلبہ سے محبت و احترامِ انسانیت
10) اساتذہ و علماء کا مقام و احترام
11) اساتذہ کی حق گوئی و حریتِ فکر
12) پیشۂ تدریس سے لگن و مشکل حالات میں تدریس
13) اساتذہ اور وقت کی قدر
14) طلبِ علم و ذوقِ مطالعہ
15) اساتذہ کی محنت و حافظہ
16) حب الوطنی و مفادِ ملت

آخر میں حصولِ آراء کے بعد آراء کا شماریاتی طریقہ سے تجزیہ کیا گیا اور نتائج و حاصلات آپ کی خدمت میں پیش کئے گئے ہیں اور اساتذہ کے رول ماڈل بننے کیلئے ایک چیک لسٹ ترتیب دی گئی ہے۔ تا کہ اس کے مطابق اساتذہ اپنی بہتری کا سفر جاری رکھ سکیں۔

باب چہارم

تجزیہ وضاحت آراء

اس باب میں پاکستانی اساتذہ کے لئے رول ماڈل کے سلسلہ میں لائبریری، اسلامی کتب، اسلامی تاریخ اور دورِ عروج کے رول ماڈل استاد کے واقعات کے حوالہ سے سولہ انڈیکیٹرز کا انتخاب کیا گیا تھا۔ پھر ان سولہ انڈیکیٹرز یا اشاریوں پر مشتمل 130 ذیلی اشاریے ترتیب دیئے گئے اور ان پر تقریباً دو ہزار اساتذہ سے رائے لی گئی۔ یہ اساتذہ شہری، دیہاتی، زنانہ، مردانہ، پرائمری، مڈل، ہائی سکول، کالج، یونیورسٹی، مدرسوں اور پرائیویٹ سکولوں سے بھی تھے۔ ان سے رائے لیکرٹ سکیل پر قطعی غیر متفق، غیر متفق، غیر یقینی، متفق، قطعی متفق کے تحت لی گئی پھر اس رائے کا تجزیہ مین سکور اور فیصدی کے حوالے سے مثبت طور پر نکالا گیا۔ یہ تجزیہ دو حوالوں سے پیش خدمت ہے۔ سب سے پہلے ایک جدول یا ٹیبل کی شکل میں اور پھر وضاحت آراء کے حوالہ سے باب پنجم میں بحث کی گئی ہے۔ چونکہ عام قاری کی اس تجزیہ میں دلچسپی کم ہے۔ لہٰذا اس کو مختصر طور پر جدول کی شکل میں پیش خدمت کیا جا رہا ہے۔

4.1) جدول برائے تجزیہ آراء رائے دہندگان

نمبر شمار	بیان	قطعی غیر متفق	غیر متفق	غیر یقینی	متفق	قطعی متفق	ٹوٹل	مین سکور	فیصد
	1۔ خوفِ خدا (تقویٰ)								
1	استاد طلبہ کا احترام کرتا ہے	20	30	15	1800	135	2000	4.000	
	اور محبت سے پیش آتا ہے	1.00	1.5	0.75	90.00	6.75	100%		96.75
2	استاد طلبہ سے رحم دلی کا	88	92	20	1500	300	2000	3.86	
	برتاؤ کرتا ہے	4.4	4.6	1.00	75.00	15.00	100%		90%

3	استاد کے قول وفعل میں تضاد نہیں ہے	80	15	105	1200	600	2000	4.12	
		4.00	0.75	5.25	60.00	30.0	100%		90%
4	استاد کلاس کو پورا وقت دیتا ہے	389	311	90	210	1000	2000	3.56	
		19.45	15.55	4.5	10.5	50.0	100%		60.5
5	استاد طلبہ سے ناجائز احترام کا مطالبہ نہیں کرتا ہے	200	55	45	200	1500	200	4.37	
		10.00	2.75	2.25	10.00	75	100%		85
6	استاد سخت محنت اور کردار سازی کرتا ہے	150	52	48	150	1600	2000	4.49	
		7.5	2.6	2.4	7.5	80.00	100		87.5
7	استاد محبت و اخوت کا ماحول پیدا کرتا ہے	300	97	103	360	1140	2000	3.97	
		15.00	4.85	5.15	18.00	57.0	100%		75
8	استاد دیانت دار ہے	10	173	17	297	1503	2000	4.45	
		.05	8.65	.85	14.85	75.00	99.4%		90
9	استاد تُند مزاج نہیں ہوتا	93	107	19	481	1300	2000	4.39	
		4.65	5.35	0.95	24.05	65.00	100%		89
10	استاد انصاف اور برابری کا سلوک کرتا ہے	100	58	30	612	+1200	2000	4.52	
		5.00	2.9	1.5	30.6	60.00	100%		90.6
	2۔ بلندی کردار								
11	استاد کی انکساری طلبہ کے غرور کا توڑ ہے	00	00	00	187	1813	2000	4.90	
		00	00	00	9.35	9.65	100%		100
12	استاد کی انکساری کی وجہ سے طلبہ اور اساتذہ میں دوری ختم ہوجاتی ہے	100	51	149	885	815	2000	4.13	
		5.0	2.55	7.45	44.25	40.75	100%		85

13	استاد کی انکساری کی وجہ سے اس کی شخصیت متاثر کن بن جاتی ہے	00	00	09	120	1871	2000	4.93	
				0.45	6.00	93.55	100%		99.55
14	استاد بیمار طلبہ کی بیمار پرسی کرتا ہے	25	25	50	1400	500	2000	4.14	
		1.25	1.25	2.50	70.00	25.0	100%		45
15	استاد غریب طلبہ کی مالی مدد کرتا ہے	600	700	200	249	251	2000	2.52	
		30.00	35.00	10.00	12.45	12.55	100%		25
16	استاد اپنے کھانے میں طلبہ کو شامل کرتا ہے	209	791	809	148	43	2000	2.51	
		10.40	39.55	40.45	7.4	21.5	100%		9.19
17	استاد حقوق اللہ ادا کرتا ہے	49	151	100	500	1200	2000	4.32	
		2.45	7.55	5.00	25.00	60.00	100%		85
18	استاد خیرات و احسان کرتا ہے	650	800	100	150	300	2000	9.32	82.5
		32.50	40.00	5.00	7.5	15.00	100%		
19	استاد انسانوں کے حقوق ادا کرتا ہے	50	143	07	253	1547	2000	4.55	
		2.5	7.15	0.35	12.65	77.35	100%		89.10
20	استاد معاف کر دینے کا جذبہ رکھتا ہے	100	77	23	289	1511	2000	4.51	
		5.00	3.85	1.15	14.45	75.55	100%		90
21	استاد طلبہ کے لئے نمونہ عمل ہوتا ہے	100	51	49	300	1500	2000	4.52	
		5.00	2.55	2.45	15.00	75.00	100%		90%
22	استاد کی بلندی کردار طلبہ پر مثبت اثر ڈالتی ہے	38	29	33	221	1679	2000	4.73	
		1.9	1.45	1.65	11.05	83.95	100%		95%

23	استاد طلبہ کو سچا مسلمان اور پاکستانی بناتا ہے	100	111	89	279	1421	2000	4.40	
		5%	5.55	4.45	13.95	71.05	100%		85.60
24	استاد طلبہ سے روحانی والدین کی طرح سلوک کرتا ہے	400	551	49	343	657	2000	2.98	
		20%	27.55	2.45	17.15	32.85	100%		50%
	3-اساتذہ کا استغنا و محترم شخصیت								
25	استاد اپنا کام کاج خود کرتا ہے	100	753	147	441	559	2000	3.38	
		5.0	37.65	7.35	22.05	27.95	100%		50%
26	استاد والدین اور طلبہ سے خوش اخلاقی سے پیش آتا ہے	100	143	57	490	1210	2000	4.40	
		5.0	7.15	2.85	24.5	60.50	100%		84.55
27	استاد طلبہ سے تحفے تحائف قبول نہیں کرتا ہے	1708	92	20	80	100	2000	1.38	
		85.4	4.6	1	4	5.00	100%		45
28	استاد لوگوں سے رقم ادھار لیتا ہے	1210	190	38	462	100	2000	2.02	
		60.5	5	9	23.1	5	100%		28.15
29	ذاتی تزکیہ نفس کے ذریعے استاد طلبہ کی تربیت کرتا ہے	25	50	25	100	1800	2000	4.8	
		1.25	2.25	1.25	5.0	90	100%		95
30	استاد اصول پسندی کا عملی نمونہ پیش کرتا ہے	301	212	85	602	800	2000	2.99	
		15.05	10.65	4.25	30.1	40.00	100%		70
31	استاد کے ہاں دولت مند طلبہ کے بجائے ذہین و محنتی طلبہ کی قدر ہے	300	212	88	300	1100	2000		
		15.00	10.6	4.4	15.00	55.00	100%		70

4- حکمت ودانائی

32	استاد اپنے علم کو عملی زندگی پر منطبق کرتا ہے	500	310	190	367	633	2000	3.16	
		25	15.5	9.5	18.35	31.65	100%		50%
33	استاد دلیل اور علت و معلول کا علم رکھتا ہے	737	263	43	757	200	2000	2.73	
		36.85	13.15	2.15	37.85	10.00	100%		47.85
34	استاد کی ذہانت ضرب المثل ہے	501	249	150	300	800	2000	3.47	
		25.05	12.45	7.5	15.00	40.00	100%		55
35	استاد اپنے حلقہ اثر میں فیصلے کرتا ہے	700	141	159	387	613	2000	2.98	
		35.0	7.05	7.95	19.5	30.65	100%		50.16
36	استاد عملی طور پر معاشرے کا فعال رکن ہے	40	60	100	300	1500	2000	4.58	
		02	03	05	15	75	100%		90
37	استاد اپنے علم کو معاشرتی اقدار کی روشنی میں استعمال کرتا ہے	607	593	200	350	250	2000	2.52	
		30.35	29.65	10.00	17.5	12.5	100%		30
38	استاد کمرہ جماعت کے نتائج وعوامل پر بحث کرتا ہے	200	51	49	787	913	2000	4.08	
		10.00	2.55	2.45	39.35	45.65	100%		85.20
39	استاد طلبہ میں لیڈر شپ کی خصوصیات و صلاحیتیں پیدا کرتا ہے	100	253	47	883	717	2000	3.93	
		5.0	12.65	2.35	44.15	35.85	100%		80.00

5۔ طلب رزق حلال

40	استاد کمرہ جماعت میں صحیح وقت پر پہنچ جاتا ہے	201	49	50	207	1493	2000	4.37	
		10.05	41	2.5	10.35	74.65	100%		85.00

41	استاد دوران تدریس کوئی	30	41	29	361	1539	2000	4.66	
	وقت ضائع نہیں کرتا ہے	1.5	2.05	1.45	18.05	76.95	100%		95.00
42	استاد تمام طلبہ سے کھانے	517	483	481	319	200	2000	2.60	
	پینے کی چیزیں منگواتا ہے	25.85	24.15	24.05	15.95	10	100%		45.35
43	استاد بغیر محنت کے تنخواہ	56	23	21	521	1379	2000	4.57	
	نہیں وصول کرتا ہے	2.8	1.15	1.05	26.05	68.95	100%		95.00
44	استاد خداخوفی سے رزق حلال	200	51	49	800	900	2000	3.07	
	کیلئے دن رات محنت کرتا ہے	10.00	2.55	2.45	40.00	45.00	100%		85.00
45	استاد کے ہاں حرام وحلال	100	45	55	121	1679	2000	4.85	
	کی واضح حدود موجود ہیں	50.00	2.25	2.75	6.05	83.95	100%		90%
46	استاد ذاتی کاروبار کرتا	600	900	50	100	350	2000	2.45	
	ہے اور سکول اوقات میں بھی اُسے جاری رکھتا ہے	30.00	45.0	2.50	5.00	17.50	100%		22.50
47	استاد دوران سکول ٹیوشن	1573	227	43	57	100	2000	1.44	
	ورک کرتا ہے	78.65	11.35	2.15	2.85	5.00	100%		7.85
48	استاد اکثر چھٹیوں پر رہتا	1700	100	50	125	25	2000	1.33	
	ہے	85.00	5.00	2.5	6.25	1.25	100%		7.50
49	استاد کلاس میں محنت سے	200	119	81	209	1391	2000	4.02	
	جی نہیں چراتا	10.00	5.95	4.05	10.45	69.55	100%		80.00
	6۔علم پر عمل								
50	استاد کے قول وفعل میں	50	27	23	189	1711	2000	4.64	
	تضاد نہیں ہے	2.5	1.35	1.15	9.45	85.55	100%		95.00

51	استاد جو پڑھاتا ہے اُس پر عمل کرتا ہے	100	41	59	183	1617	2000	4.58	
		5.00	2.05	2.95	9.15	80.85	100%		90.00
52	استاد باعمل مسلمان اور اچھا پاکستانی ہے	20	47	33	289	1611	2000	4.71	
		1.00	2.35	1.65	14.45	80.55	100%		95.00
53	استاد طلبہ کو تنگ نہیں کرتا ہے	48	29	23	187	1713	2000	4.69	
		2.4	1.45	1.15	9.35	85.65	100%		95.00
54	استاد خدمت خلق کرتا ہے	100	201	99	283	1317	2000	4.25	
		5.00	10.05	4.95	14.15	65.85	100%		80.00
55	استاد کمرہ جماعت میں اپنے علم کو موجودہ حالات پر منطبق کرتا ہے	100	81	29	81	1709	2000	4.59	
		5.00	4.05	1.45	4.05	85.45	100%		84.50
56	استاد علم پر عمل کر کے بہترین نمونہ مہیا کرتا ہے	32	25	43	189	1711	2000	4.76	
		1.6	1.25	2.15	9.45	85.55	100%		86.30
	7۔طریقہ تدریس اور اساتذہ								
57	استاد طلبہ کے سوالات کو مناسب مقام دیتا ہے	32	47	21	187	1713	2000	4.75	
		1.6	2.35	1.05	9.35	85.65	100%		95.00
58	استاد طلبہ کی بحث کو فوری سنتا ہے اور توجہ دیتا ہے	156	125	19	83	1617	2000	4.44	
		7.8	6.25	0.95	4.15	80.85	100%		85.00
59	استاد جدید طریقہ تدریس سے آگاہی رکھتا ہے	500	603	97	113	687	2000	2.93	
		25.00	30.15	4.85	5.63	34.35	100%		41.08
60	استاد عملی مشق کو زندگی کے مسائل پر مربوط کرتا ہے	25	190	85	281	1419	2000	4.43	
		1.25	9.5	4.25	14.05	70.95	100%		85.00

61	استاد ہر پہلو سے سبق کی	500	551	49	381	619	2000	3.18	
	تیاری کر کے پڑھاتا ہے	5.00	27.55	2.45	19.05	30.95	100%		50.00
62	استاد طالب علم کو اُس کی	300	351	49	289	1011	2000	3.68	
	کامیابی پر مبارکباد دیتا ہے	15	17.55	2.45	14.45	50.55	100%		65.00
8_تصنیف وتالیف وذوق تحقیق									
63	استاد نے تحقیقی کتاب لکھی	1703	197	19	40	41	2000	1.2	
	ہے	85.15	9.85	0.95	2.00	2.05	100%		4.65
64	استاد نے عام درسی کتب	50	150	100	20	1680	2000	4.56	
	سے استفادہ کر رکھا ہے	2.5	7.5	5.00	1.00	84.00	100%		85.00
65	استاد تدریس میں کتابوں	1610	290	05	69	26	2000	1.30	
	کے حوالے دیتا ہے	80.5	14.5	0.25	3.45	1.3	100%		4.48
66	استاد تحقیقی مضامین اور اچھی	1615	185	23	77	100	2000	1.43	
	کتب کا استحسان کرتا ہے	80.75	9.25	1.15	3.85	5.00	100%		8.85
67	استاد اپنے طلباء کو تحقیقی	1613	187	43	100	57	2000	1.40	
	اسائنمنٹ دیتا ہے	65.00	9.35	2.15	5.00	2.85	100%		7.85
68	استاد تحقیق کے جدید	1617	183	100	43	57	2000	1.37	
	طریقوں سے واقف ہے	80.85	9.15	5.00	2.15	2.85	100%		5.00
69	استاد سنی سنائی بات پر عمل	1597	103	47	53	200	2000	1.57	
	نہیں کرتا ہے	79.85	5.15	2.35	2.65	10.00	100%		12.65
9_طلباء سے محبت واحترام انسانیت									
70	استاد طلبہ کی عزت نفس	802	298	102	698	100	2000	2.49	
	کا خیال رکھتا ہے	40.1	14.9	5.1	34.9	5.00	100%		39.9

71	استاد طلبہ کو خود داری کا درس دیتا ہے	00	253	47	89	1611	2000	4.52	
		00	12.65	2.35	4.45	80.55	100%		85.00
72	استاد طلبہ کو اپنی اولاد سمجھتا ہے	300	213	87	299	1101	2000	3.84	
		15.00	10.65	4.35	14.95	55.05	100%		70.00
73	استاد رفقاء کو احترام دیتا ہے	60	27	13	213	1687	2000	4.72	
		3.00	1.35	0.65	10.65	84.35	100%		85.00
74	استاد طلبہ کے مسائل کا مداوا کرتا ہے	34	47	19	397	1503	2000	4.64	
		1.7	2.35	0.95	19.85	75.15	100%		95.00
75	استاد طلبہ کو انسانیت کی تذلیل کرنے سے روکتا ہے	62	27	11	189	1711	2000	4.73	
		3.1	1.35	0.55	9.45	85.55	100%		95.00
76	استاد طلبہ کو بھائی چارے کی طرف راغب کرتا ہے	48	35	17	141	1759	2000	4.76	
		2.4	1.75	0.85	7.05	87.95	100%		85.00
77	استاد طلبہ کو تفریق انسانیت اور تعصب سے منع کرتا ہے	52	37	11	201	1699	2000	4.72	
		2.6	1.85	0.55	10.05	84.95	100%		95.00
78	استاد طلباء کو آپس میں اور معاشرتی طور پر یکسانیت مساوات کا درس دیتا ہے	46	37	17	281	1619	2000	4.69	
		2.3	1.85	0.85	14.05	80.95	100%		95.00
79	استاد طلبہ کو صبر کا درس دیتا ہے	40	20	19	210	1711	2000	4.76	
		2.00	1.00	0.95	10.5	85.55	100%		90.60
10۔ اساتذہ علماء کا مقام واحترام									
80	استاد علم کو وجہ افتخار سمجھتا ہے	10	31	09	40	1910	2000	4.40	
		0.5	1.55	0.45	2.00	95.5	100%		97.5

81	استاد علماء کا قدردان ہے	200	332	68	281	1119	2000	3.89	
		10	16.6	3.4	14.05	55.95	100%		70.00
82	استاد علم کو اللہ کا نور جانتا ہے	50	42	08	73	1827	2000	4.73	
		2.5	2.1	0.4	3.65	91.35	100%		94.00
83	استاد علماء کو خدا شناس سمجھتا ہے	200	223	77	481	1019	2000	4.14	
		10	11.15	3.85	24.05	50.95	100%		80.00
84	استاد ساتھی اساتذہ سے رہنمائی لیتا ہے	200	353	47	189	1211	2000	3.92	
		10.00	17.65	2.35	9.45	60.55	100%		70
85	استاد مصنفین اور کتب کا ذکر احترام سے کرتا ہے	100	153	47	481	1219	2000	4.28	
		5.00	7.65	2.35	24.05	60.95	100%		85.00
86	استاد ترویج علم میں انتہائی خلوص کا مظاہرہ کرتا ہے	200	353	47	189	1211	2000	3.92	
		10.00	17.65	2.35	9.45	60.55	100%		70.00
	11۔ اساتذہ کی حق گوئی اور حریت فکر								
87	استاد حکومتی عہدوں کا از خود طلبگار ہے	70	13	17	281	1619	2000	4.68	
		3.5	0.65	0.85	14.05	80.95	100%		95.00
88	استاد ظاہری جاہ و جلال کا دلدادہ ہے	71	114	15	81	1719	2000	4.60	
		3.55	5.7	0.75	4.05	85.95	100%		90.00
89	استاد رحم دلی اور دلوں پر حکمرانی کا قائل ہوتا ہے	09	95	15	100	1781	2000	4.77	
		0.45	4.75	0.75	5.00	89.05	100%		94.5
90	استاد امر معروف و نہی عن المنکر پر عمل کرتا ہے	500	551	49	381	519	2000	3.18	
		25.00	27.55	2.45	19.05	30.95	100%		50%

91	استاد اہل حکومت کے وظائف	45	40	15	283	1617	2000	4.69	
	وتحائف قبول کرتا ہے	2.25	2.00	0.75	14.15	80.85	100%		95.00
92	استاد اپنے ادارے کیلئے حکومتی	52	34	14	181	1719	2000	4.79	
	امداد کا خواہش مند ہے	2.6	1.7	0.7	9.05	85.95	100%		95.00
93	استاد طلبہ کو اطاعت امیر	30	53	17	181	1719	2000	4.75	
	سکھاتا ہے	1.5	2.65	0.85	9.05	85.95	100%		95.00
94	استاد معاشرے میں نظم وضبط و	30	53	17	89	1811	2000	4.79	
	اعلیٰ اقدار پر عمل کرنا سکھاتا ہے	1.5	2.65	0.85	4.5	90.55	100%		94.05
95	استاد اکثر معاملات کو جلسے جلوس	1619	281	60	30	10	2000	1.2	
	سے حل کرنے کی کوشش کرتا ہے	80.95	14.05	3.00	1.5	0.5	100%		1.10

12۔ پیشہ تدریس سے لگن و مشکل حالات میں تدریس

96	استاد اپنے پیشے سے جنون	500	551	49	381	519	2000	3.18	
	کی حد تک لگن رکھتا ہے	25.00	27.55	2.45	19.05	25.95	100%		50.00
97	استاد اپنے پیشے کو باوقار	60	23	17	101	1799	2000	4.77	
	اور عبادت کا درجہ دیتا ہے	3.00	1.15	0.85	5.05	89.95	100%		95.00
98	استاد کی لگن اس کے وقار میں	100	20	57	23	1800	2000	4.70	
	اضافے کا سبب بنتی ہے	5.00	1.00	2.85	1.15	90.00	100%		91.15
99	استاد پیشہ تدریس میں مشکل	20	157	23	67	1733	2000	4.66	
	حالات کو خندہ پیشانی اور صبر سے برداشت کرتا ہے	1.00	7.85	1.15	3.35	86.65	100%		90.00
100	استاد تدریس میں آنے والی	30	59	11	390	1510	2000	4.64	
	مشکلات کا حل طلبہ کو بتاتا ہے	1.5	2.95	0.55	19.5	75.5	100%		95.00

	4.82	2000	1870	30	23	37	40	پیشہ تدریس سے لگن کی وجہ سے استاد طلبہ کا آئیڈیل ہے	101
95.00		100%	93.5	1.5	1.15	1.85	2.00		
	2.98	2000	657	343	49	551	400	استاد دن رات کی تمیز کئے بغیر طلبہ کو پڑھاتا ہے	102
50.00		100%	32.85	17.15	2.45	27.55	20.00		
	2.98	2000	660	340	50	550	400	استاد طبیعت کی خرابی کے باوجود کلاس لیتا ہے	103
50		100%	33	17.14	2.5	27.5	20.00		
								13۔وقت کی قدر	
	4.79	2000	1819	81	17	28	55	اساتذہ وقت کے قدر شناس ہوتے ہیں	104
95.00		100%	90.95	4.05	0.85	1.4	2.75		
	4.78	2000	1819	81	17	28	55	اساتذہ وقت کی قدر شناسی سکھاتے ہیں	105
95.00		100%	90.95	4.05	0.85	1.4	2.75		
	4.79	2000	1811	89	11	47	42	اساتذہ وقت کے لمحات کا صحیح استعمال کرتے ہیں	106
95.35		100%	90.55	4.45	0.55	2.35	2.1		
	4.86	2000	1897	15	23	13	52	اساتذہ اور طلبہ کی وقت کی قدر شناسی قوم کی ترقی کا باعث بنتی ہے	107
95.10		100%	94.85	0.75	1.15	0.65	2.6		
								14۔طلب علم اور ذوق مطالعہ	
	4.60	2000	1697	103	17	87	96	استاد نئے علوم سیکھنے کی کوشش کرتا ہے	108
90.00		100%	84.85	5.15	0.85	4.35	4.80		
	4.66	2000	1735	65	29	141	30	استاد کا ذوق مطالعہ طلبہ کے لئے مشعلِ راہ ہے	109
90.00		100%	86.75	3.25	1.45	7.05	1.50		

	4.30	2000	1559	141	27	93	180	استاد کا ذوق مطالعہ ومحنت	110
85.00		100%	77.95	7.05	1.35	4.65	9.00	طلبہ کو جدید علم سے روشناس کراتا ہے	
	4.30	2000	1901	77	11	05	06	استاد کے علم کی وجہ سے طلبہ	111
98.85		100%	95.05	3.85	0.55	0.25	0.30	اس کا احترام کرتے ہیں	
	4.71	2000	1671	229	14	27	59	استاد اپنی محنت کی وجہ سے	112
95.00		100%	83.55	11.45	0.7	1.35	2.95	علاقے کی عظیم علمی شخصیت ہے	
	3.37	2000	990	210	59	41	700	استاد کے گھر میں عمدہ	113
60.00		100%	49.5	10.5	2.95	2.05	35.00	لائبریری اور کتب ہیں	
	2.48	2000	200	300	217	683	600	استاد ساتھی اساتذہ سے	114
25.00		100%	10.00	15.00	10.85	34.15	30.00	علمی بحث و تبادلہ خیال کرتا ہے	
	4.32	2000	1509	81	53	257	100	استاد وقتاً فوقتاً علاقے کی	115
82.50		100%	78.45	4.05	2.65	12.85	5.00	علمی شخصیات کی خدمت میں حاضری دیتا ہے	
	1.36	2000	73	100	27	81	1719	استاد مختلف علمی انجمنوں کا	116
8.65		100%	3.65	5.00	1.35	4.05	85.95	ممبر ہے	
	2.02	2000	100	463	37	189	1211	استاد تعلیمی لیکچرز ومباحثوں	117
28.15		100%	5.00	23.15	1.85	9.45	60.55	اور کتب کی رہنمائی میں شریک ہوتا ہے	

15۔اساتذہ کی محنت وحافظہ

118	استاد کو اپنے مضمون کی تمام بنیادی باتیں زبانی یاد ہوتی ہیں	800	53	47	385	715	2000	3.08	
		40.00	2.65	2.35	19.25	37.75	100%		56.80
119	استاد اپنے مضمون کی مکمل تاریخ سے آگاہی رکھتا ہے	300	213	87	601	799	2000	2.99	
		15	10.65	4.35	30.05	39.95	100%		70.00
120	استاد مضمون کو زندگی کے تمام معاملات سے مربوط کرتا ہے	500	603	97	113	687	2000	2.93	
		25.00	30.15	4.85	5.65	34.35	100%		40%
121	دوران تدریس استاد حوالہ جات کا استعمال کرتا ہے۔	1710	90	19	81	100	2000	1.38	
		85.5	4.5	0.95	4.05	5.00	100%		45.05
122	استاد دوران تدریس ماضی اور حال کا فرق واضح کرتا ہے	14	77	09	230	1670	2000	4.73	
		07	3.85	0.45	11.5	83.5	100%		94.50
123	دوران تدریس استاد کی محنت اس کے لیکچر سے عیاں ہوتی ہے	100	75	25	130	1670	2000	4.59	
		5.00	3.75	1.25	6.5	83.5	100%		90.00
124	دوران سبق استاد کچھ باتیں بھول جاتا ہے	500	85	15	690	710	2000	3.51	
		25	4.25	0.75	34.5	35.5	100%		70%

16۔حب الوطنی ومفادملت

125	استاد اسلام اور پاکستان سے دلی محبت کرتا ہے	100	60	40	200	1600	2000	4.57	90.00
		5.00	3.00	2.00	10.00	80.60	100%		

126	استاد حب الوطنی اور خدمت خلق کو اپنے تدریس کا بنیادی نکتہ سمجھتا ہے	100	81	19	100	1700	2000	4.60	
		5.00	4.05	0.95	5.00	85.00	100%		90.00
127	استاد طلبہ کو وطن کے وقار کو بڑھانے کا درس دیتا ہے	100	30	70	50	1750	2000	4.60	
		5.00	1.5	3.5	2.5	87.5	100%		90.00
128	استاد طلبہ میں مفاد ملت اور وطن پرستی کا جذبہ پیدا کرتا ہے	25	50	25	100	1800	2000	4.8	
		1.25	2.5	1.25	5.00	90.00	100%		95.00
129	استاد طلبہ میں ایثار و قربانی کا جذبہ پروان چڑھاتا ہے	100	57	43	250	1550	2000	4.5	
		5.00	2.85	2.15	12.5	77.5	100%		90.00
130	استاد اسلامی اور پاکستان کی مذہبی و معاشرتی اقدار پر عمل کر کے طلبہ کیلئے نمونہ بنتا ہے	43	200	57	485	1215	2000	3.62	
		2.15	10.00	2.85	24.25	10.75	100%		65.00

باب پنجم

خلاصہ، نتائج، حاصلات، سفارشات اور چیک لسٹ

پاکستانی اساتذہ کے لئے رول ماڈل (مثالی استاد) کا تحقیقی مطالعہ کے سلسلہ میں واضح ہے کہ معلمی ذریعہ معاش نہیں بلکہ فریضہ ہے۔ استاد علم کو مقدس امانت سمجھ کر آگے نسل نو تک منتقل کرتا ہے۔ یہ پیشہ صبر وتحمل، ایثار وقناعت، جدو جہد، جفاکشی اور بلند ہمتی کا راستہ ہے۔ معاشی مفادات اور دنیاوی ترقی کے بجائے قربانی کا راستہ ہے، جگر سوزی و دل سوزی اور فراخ حوصلگی۔ ضبط نفس اور صبر وثبات کی ضرورت ہے۔ اچھا استاد اچھا انسان اور اچھے مسلمان کی خصوصیات رکھتا ہے۔ ماضی کا تمام لٹریچر، تاریخ اور مثالیں اس کی گواہ ہیں۔ اس تحقیق میں کیونکہ پاکستانی اساتذہ کے رول ماڈل کی تلاش کی کوشش کی گئی ہے اور پاکستان میں غالب تعداد میں مسلمان بستے ہیں۔ لہٰذا پاکستانی اساتذہ کے رول ماڈل کے لئے مثالیں اور واقعات بھی مسلم اُمہ کی تاریخ سے اکٹھے کئے گئے ہیں۔

5.1) خلاصہ تحقیق

پاکستانی اساتذہ کے لئے رول ماڈل کی تلاش کے سلسلہ میں یہ تحقیق کی گئی ہے اس تحقیق کا بنیادی یونٹ استاد ہے۔ اس میں اسلامی ورثہ، تاریخ اور سنہری دور سے ماضی کے حوالہ سے مثالیں اور واقعات اکٹھے کر کے حال میں اس کے لئے انڈی کیٹر طے کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد ان انڈی کیٹرز پر 130 ذیلی انڈی کیٹر جس میں اساتذہ کی قابلیتوں اور صلاحیتوں کا حوالہ تھا بسلسلہ مثالی استاد سروے کیا گیا۔ اس سروے سے قبل لائبریری سرچ تاریخی تحقیق کے طریقہ کو بھی سامنے رکھا گیا۔ مغرب سے مرعوبیت کی بجائے اپنے مسلم امہ کے تاریخی لٹریچر سے روشنی لے کر موجودہ زمانہ کی ضرورت کے مطابق حل تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ تحقیق قدیم وجدید کا

امتزاج اور کسی بھی آمیزش یا تعصب سے پاک ہے۔

رول ماڈل وہ افراد ہوتے ہیں جو دوسرے افراد کو اپنی تعریف کرنے اپنے جیسا بنانے کی خواہش پیدا کرتے ہیں۔ موجودہ دور کا استاد رول ماڈل کا ویژن اپنا کر کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔رول ماڈل کے حوالہ سے دیکھا گیا کہ پاکستانی اساتذہ کے لئے مثالی نمونہ کیسا ہو؟ اس سلسلہ میں قرآن مجید اساتذہ کے لئے بطور رول ماڈل۔ انبیاء کرام، اُسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام۔ تابعین اور تبع تابعین۔ مسلم عروج کے دور کے نامور اساتذہ کرام برصغیر اور پاکستانی اساتذہ کے حوالے سے واقعات، حکایات اور مثالیں اکٹھی کی گئیں۔ ہر مثال سے ایک بطور رول ماڈل شخصیت سے سبق حاصل کرنا مقصود تھا۔

ماضی کے رول ماڈل آج کے دور کے اساتذہ کے لئے اسی طرح موثر ہیں جس طرح ماضی میں تھے۔ آج کے استاد کو رول ماڈل کے حوالہ سے ایک معیار مان کر جائزہ لیا گیا کہ ہم کہاں کھڑے ہیں۔ ہماری خوبیاں اور خامیاں کیا ہیں؟ اس کے لئے سروے کا طریقہ کار اختیار کیا گیا۔ ماضی کے حاصلات سے مستقبل کے لئے راہ عمل کا تعین کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ اس کے لئے ایک سوالنامہ ترتیب دیا گیا۔ ماہرین فن کو دکھایا گیا۔ مختلف اداروں اور سطح کے اساتذہ سے آراء اکٹھی کی گئیں۔ جمع شدہ آراء کا وسطانیہ اور فیصدی نکالی گئی۔

5.2) حاصلاتِ ونتائج

پاکستانی اساتذہ کے لئے رول ماڈل تحقیقی مطالعہ بسلسلہ مثالی استاد کے لئے سروے کیا گیا تا کہ موجودہ دَور کے اساتذہ کی خوبیوں اور خامیوں کی درست صورتحال سامنے آ سکے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے سولہ انڈیکیٹرز یا اشاریوں کی ایک فہرست ماضی کے رول ماڈل اساتذہ کے حوالہ سے مسلم اُمہ کی تاریخ وثقافت کے مطالعہ سے وضع کی گئی۔ یہ انڈیکیٹرز درج ذیل ہیں:

1) خوف خدا (تقویٰ)

2) بلندی کردار

3) حکمت ودانائی

4) طلب رزقِ حلال

5) علم پر عمل

6) طریقہ تدریس

7) استغناء و محترم شخصیت

8) اساتذہ کی تصانیف و ذوقِ تحقیق

9) طلبہ سے محبت و احترام انسانیت

10) اساتذہ و علماء کا مقام و احترام

11) اساتذہ کی حق گوئی و حریت فکر

12) پیشہ تدریس سے لگن و مشکل حالات میں تدریس

13) اساتذہ اور وقت کی قدر

14) طلب علم و ذوقِ مطالعہ

15) اساتذہ کی محنت و حافظہ

16) حب الوطنی و مفادِ ملت

ان سولہ انڈیکیٹرز پر ایک سوالنامہ تشکیل دیا گیا۔ جس پر رول ماڈل اساتذہ کی مختلف پہلوؤں کی 130 ذیلی صلاحیتوں اور قابلیتوں کے حوالہ سے رائے لی گئی۔ جس میں آج کے دَور کے اساتذہ نے بطور رائے دہندگان نے مندرجہ ذیل خوبیوں اور خامیوں کے حوالہ سے رائے دی۔

5.2) رائے دہندگان کی آراء کا تجزیہ

5.2.1) خوف خدا (تقویٰ)

راس الحکمت مخافۃ اللہ ہے۔ تقویٰ نہ صرف ہر مسلمان اور خصوصاً مسلمان استاد کا ہتھیار ہے اور اسے صراط مستقیم پر رکھتا ہے۔ متقی اساتذہ میں لگن، محنت، انصاف، صالحیت، خدمت خلق و بھلائی اور وقت کی قدر و قیمت جیسے بہت سے اوصاف خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔ تقویٰ اسلامی

عبادات کا مقصد ہے اور اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت سکھاتا ہے۔ خلفائے راشدین نے اسلامی نظام تعلیم کی بنیاد رکھی تو اصلاح کے لئے جو کام کیا اس کی بنیاد تقویٰ پر تھی۔ العقد الفرید کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''اے اللہ کے بندو! میں تمہیں اور اپنی ذات کو اللہ سے ڈرانے اور اسی کی اطاعت کو لازم پکڑنے کی وصیت کرتا ہوں''۔(1)

خوف خدا کے حوالہ سے رول ماڈل اساتذہ کے لئے سروے میں دس سب انڈیکیٹرز پر رائے لی گئی جس میں استاد طلبا کا احترام کرتا ہے اور محبت سے پیش آتا ہے۔ 97فیصد رحم دلی کا برتاؤ کرتا ہے۔ 90فیصد قول و فعل میں تضاد نہیں۔ 90فیصد استاد ناجائز احترام کا خواہش مند نہیں۔ 85فیصد استاد سخت محنت اور کردار سازی کرتا ہے۔ 87فیصد استاد دیانت دار ہے۔ 90فیصد منتقم مزاج نہیں۔ 89فیصد استاد طلبہ سے انصاف و برابری کا سلوک کرتا ہے۔ 90.6فیصد کے بارے میں غالب اکثریت نے ضروری سمجھا اور مثبت رائے دی جبکہ چالیس فیصد رائے دہندگان کا خیال تھا کہ استاد کلاس کو پورا وقت نہیں دیتا اور پچیس فیصد اس بات پر تحفظات کا شکار پائے گئے کہ استاد کلاس روم میں محبت و اخوت کا ماحول پیدا کرتا ہے۔

5.2.2) اساتذہ کی بلندی کردار

رول ماڈل اساتذہ کے لئے بلندی کردار نہایت اہم عامل ہے کیونکہ نظام تعلیم میں بد کردار لوگوں کے آنے سے معاشرہ تباہ ہو جائے گا۔ کردار کے بغیر رول ماڈل کا تصور استاد کے لئے محال ہے۔ شیریں زادہ خدوخیل مثالی استاد کی شخصیت کے سلسلہ میں تحریر کرتے ہیں کہ معلم ہمارے مستقبل کے لئے ایک قوم کی تعمیر کرتا ہے۔ اس لئے اسلام انہیں اوصاف حمیدہ سے متصف دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ معلم سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ ایماندار ہو۔ راست باز ہو، جرأت مند، خوش اخلاق، بردبار اور نرم خو ہو۔ اپنے وقار اور عزت نفس کا خیال رکھنے والا ہو۔ احترامِ علم رکھتا ہو۔ علمی مشاغل میں دلچسپی رکھتا ہو اور وقت کا پابند ہو کیونکہ استاد کی حیثیت محض استاد کی نہیں بلکہ ایک مربی اور مرجع کی سی ہوتی ہے۔ معلم کے پیش نظر رسول اکرم ﷺ کا مکمل اسوہ حسنہ ہو کیونکہ معلمی پیشہ انبیاء ہے

1) العقد الفرید، جلد 4، صفحہ 62

اور اس کے وقار کا تقاضا ہے کہ وہ جملہ آداب ملحوظِ خاطر رکھے جو اس کے متقاضی ہوتے ہیں کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

ترجمہ: ''مجھے بھیجنے کا مقصد یہی ہے کہ اچھے اخلاق کی تکمیل کروں''۔(1)

جب تک استاد با اخلاق اور اعلیٰ کردار کا حامل نہ ہوگا وہ تعمیری کردار ادا نہیں کرسکتا۔ کردار میں دیانت، اعتماد، قابل بھروسہ، باوقار، صاف گو، ہمدرد اور اپنے معاشرے کا عمدہ فرد جیسی صفات شامل ہیں۔(3،2)

بلندی کردار کے سلسلہ میں رول ماڈل اساتذہ کے لئے 14 پہلوؤں پر رائے دہندگان سے رائے لی گئی۔ رائے دہندگان کی غالب اکثریت نے استاد کی انکساری طلبہ کے غرور کا توڑ ہے، سو فیصد استاد کی انکساری سے طلبہ واساتذہ میں دوری ختم ہو جاتی ہے۔ 85 فیصد استاد کی انکساری سے اس کی شخصیت متاثر کن بن جاتی ہے۔ 99.5 فیصد استاد بیمار طلبہ کی بیمار پرسی کرتا ہے۔ 95 فیصد استاد حقوق اللہ ادا کرتا ہے۔ 85 فیصد استاد انسانوں کے حقوق ادا کرتا ہے۔ 89 فیصد معاف کردینے کا جذبہ رکھتا ہے۔ 90 فیصد استاد کی بلندی کردار طلبا پر مثبت اثر ڈالتی ہے۔ 95 فیصد استاد طلباء کو سچا مسلمان اور پاکستانی بناتا ہے۔ جبکہ استاد غریب طلباء کی مالی مدد کرتا ہے کے حق میں صرف 25 فیصد رائے دہندگان نے رائے دی۔ استاد اپنے کھانے میں طلباء کو شامل کرتا ہے صرف 9.19 فیصد نے اس کے حق میں رائے دی۔ استاد خیرات واحسان کرتا ہے صرف 22 فیصد اور استاد طلباء سے روحانی والدین کی طرح سلوک کرتا ہے کے حق میں 50 فیصد نے مثبت رائے دی۔

5.3.3) اساتذہ کی حکمت ودانائی

حکمت کو مومن کی گم گشتہ میراث قرار دیا گیا ہے اور حکمت کی بات خواہ دیوار پر لکھی ہو لے لو، یعنی ہر ذریعہ سے حکمت حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ علم حکمت اور دانائی مسلمان استاد کا

1) موطا امام مالک
2) شیریں زادہ خدوخیل
3) عہد رسالت کا نظام تعلیم وعصر حاضر، الفیصل ناشران اردو بازار لاہور، صفحہ 116، 117

بنیادی وصف ہے۔ اس کے بغیر نہ بہتر تدریس ہو سکتی ہے اور نہ ہی استاد رول ماڈل بن سکتا ہے۔ حکمت و دانائی کے لئے علم کے ساتھ ساتھ تفکر و تدبر کی ضرورت بھی پڑتی ہے اور اس سے انسان میں لیڈر شپ کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے ساتھ ہی استاد گائیڈ کا رول بہتر انداز میں ادا کر سکتا ہے۔ دنیا کی معلوم تاریخ میں آج تک کوئی جاہل اور بے وقوف لیڈر نہیں بن سکا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ”چھوٹی عمر میں علم حاصل کرو تا کہ بڑے ہو کر سردار بن سکو“۔(1)

سید امیر علی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ ”علم و حکمت سے جو والہانہ محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی صفت تھی وہ محبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے ہر لفظ سے ٹپکتی تھی۔(2)

حکمت و دانائی کے حوالہ سے رول ماڈل برائے اساتذہ کے بارے میں آٹھ حوالوں سے رائے لی گئی اس میں غالب اکثریت سے رائے دہندگان نے کہا کہ رول ماڈل استاد عملی طور پر معاشرے کا فعال رکن ہے۔90 فیصد استاد کمرہ جماعت کے نتائج و عوامل پر بحث کرتا ہے۔85 فیصد اور طلبہ میں لیڈر شپ کی صلاحیتیں پیدا کرتا ہے۔ جبکہ 80 فیصد رائے دہندگان میں سے صرف پچاپس فیصد نے اتفاق کیا کہ استاد اپنے علم کو عملی زندگی پر منطبق کرتا ہے۔ استاد کی ذہانت ضرب المثل ہے کے بارے میں 55 فیصد نے منفی رائے دی۔ استاد کی قوت فیصلہ کے بارے میں نصف رائے دہندگان مثبت رائے رکھتے ہیں۔ استاد اپنے علم کو معاشرتی اقدار اکی روشنی میں استعمال کرتا ہے۔ اکثریت نے اس سے اتفاق نہیں کیا جو کہ 70 فیصد ہیں۔

5.3.4) طلب رزقِ حلال

اسلام رزق حلال کمانے پر بہت زور دیتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ ”اور تم ناجائز طریقے سے ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ“۔(3) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ”الکاسب

1) شرح نہج البلاغہ صفحہ 267

2) سید امیر علی سپرٹ آف اسلام صفحہ 263

3) القرآن، سورۃ البقرہ آیت 188

حبیب اللہ، حلال روزی کمانا ایک فریضہ ہے۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "حرام روزی سے پلنے والا جسم جہنم کا ایندھن بنتا ہے" اور یہ بھی فرمایا کہ حرام رزق کمانے والے کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ اساتذہ کا پیشہ جتنا اعلیٰ وارفع ہے اس کے لئے جہاں صفائی قلب ونظر کی ضرورت ہے وہاں رزق حلال کی بھی۔ تا کہ رول ماڈل استاد پر اعتماد کیا جا سکے۔ طلب رزق حلال کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ جائز ذرائع سے روزی نہ کمائی جائے، صرف ناجائز اور حرام سے پرہیز کیا جائے۔

حکیم بن قیس بن عاصم سے روایت ہے کہ ان کے والد نے کہا "فرزند مال جمع کر کیونکہ مال شریفوں کو بلند کرتا اور کمینوں سے مستغنی کر دیتا ہے"۔(1) اساتذہ کو سود، جوا، اور طلبہ سے ناجائز مطالبات جیسے ذرائع سے بچنا چاہیے۔

رول ماڈل اساتذہ کے طلبِ رزق حلال کے حوالہ سے دس پہلوؤں پر رائے لی گئی اس میں غالب اکثریت کے مطابق استاد کمرہ جماعت میں وقت پر پہنچ جاتا ہے (85 فیصد)۔ اور دوران تدریس وقت ضائع نہیں کرتا (95 فیصد)۔ بغیر محنت کے تنخواہ وصول نہیں کرتا (95 فیصد)۔ استاد خدا خوفی سے دن رات رزق حلال کے لئے محنت کرتا ہے (85 فیصد) استاد کے ہاں حرام وحلال کی واضح حدود موجود ہیں (90 فیصد) اور استاد کلاس میں محنت سے جی نہیں چراتا ہے کے حق میں 80 فیصد رائے دہندگان نے اتفاق کیا جبکہ اُستاد طلبہ سے کھانے پینے کی چیزیں منگواتا ہے۔ 45 فیصد، استاد سکول اوقات میں ذاتی کاروبار کرتا ہے کہ حق میں 22 فیصد، استاد دوران سکول ٹیوشن ورک کرتا ہے، 7.85 فیصد اور استاد اکثر چھٹیوں پر رہتا ہے کے حق میں صرف 7.5 فیصد نے رائے دی۔

(5.3.5 علم پر عمل

علم حاصل کرنا اور پھر اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ قرآن مجید کے مطابق "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔ اللہ کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ حرکت ہے کہ تم کہو وہ بات جو کرتے نہیں ہو۔(2)

---

1) علامہ ابن عبد البر اندلسی۔ العلم والعلماء صفحہ 137

2) القرآن: سورۃ الصف، آیت 2،3

سورۃ الجمعہ میں ہے کہ جن لوگوں کو تورات کا حامل بنایا گیا تھا مگر انہوں نے اس کا بار نہ اٹھایا ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدی ہوں۔(1)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ''دو آدمیوں نے میری کمر توڑ ڈالی ہے ایک جاہل عبادت گذار اور دوسرا بے عمل عالم''۔

علامہ یوسف قرضاوی رقمطراز ہیں کہ ''ہزار آدمی کے مقابلے میں ایک آدمی کا کردار، ایک آدمی کے مقابلے میں ہزار آدمی کی گفتگو سے زیادہ موثر ہے۔(2) مزید ڈاکٹر یوسف قرضاوی تحریر فرماتے ہیں کہ ایک شاعر پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے جو یہ حقیقت بیان کر گیا ہے کہ ''اے گروہ علماء اے وہ لوگو جو زمین کا نمک ہو جب نمک ہی خراب ہو جائے تو نمک کو درست کرنے والی کون سی شئے ہے''۔ (3)

لہٰذا رول ماڈل استاد کے لئے علم پر عمل کرنا ضروری ہے تا کہ وہ نمونہ و مثال بن سکے۔ رول ماڈل اساتذہ کے لئے علم پر عمل کے سلسلہ میں سات پہلوؤں پر رائے لی گئی۔ رائے دہندگان کے مطابق استاد کے قول و فعل میں تضاد نہیں ہے (95 فیصد)۔ استاد جو پڑھاتا ہے اس پر عمل کرتا ہے (90 فیصد)، استاد باعمل استاد اور اچھا پاکستانی ہے (95 فیصد)، استاد طلبہ کو تنگ نہیں کرتا (95 فیصد)، استاد خدمت خلق کرتا ہے (80 فیصد)۔ استاد کلاس روم میں اپنے علم کو موجودہ حالات پر منطبق کرتا ہے (84 فیصد)۔ استاد علم پر عمل کر کے بہترین نمونہ مہیا کرتا ہے 85 فیصد نے رائے دی۔

5.3.6) طریقہ تدریس

طریقہ تدریس اساتذہ کی وہ صلاحیت و قابلیت ہے جس سے وہ طلبہ کے ذہن کو متاثر اور تدریس کو موثر بناتا ہے۔

رول ماڈل اساتذہ کے طریقہ تدریس کے حوالہ سے 6 پہلوؤں پر رائے دہندگان سے

1) القرآن: سورۃ الجمعہ، آیت 5

2) علامہ ڈاکٹر یوسف قرضاوی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تعلیم صفحہ 123

3) علامہ ڈاکٹر یوسف قرضاوی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تعلیم صفحہ 120

رائے لی گئی۔ان کی آراء کے مطابق استاد طلبہ کے سوالات کو مناسب مقام دیتا ہے 95 فیصد۔ استاد طلبہ کی بحث کو غور سے سنتا اور اہمیت دیتا ہے 85 فیصد۔استاد عملی مشق کو زندگی کے مسائل سے مربوط کرتا ہے 85 فیصد۔استاد طالب علم کو اس کی کامیابی پر مبارکباد دیتا ہے 65 فیصد۔ کے حق میں مثبت رائے آئی جبکہ استاد جدید طریقہ ہائے تدریس سے آگاہی رکھتا ہے 41 فیصد۔استاد ہر پہلو سے سبق کی تیاری کر کے پڑھاتا ہے 50 فیصد رائے آئی۔

5.3.7) استغناء و محترم شخصیت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ”خدایا مجھے ہدایت، تقویٰ، عافیت اور استغنا بخش دے۔(1) ڈاکٹر یوسف القرضاوی تحریر فرماتے ہیں کہ ”استغنا اس دولت احساس و شعور کا نام ہے جو آدمی کو اشیاء کا مالک بننے سے پہلے نصیب ہوتی ہے۔وہ دنیا کی ان حقیر اشیاء کی خواہش و طلب نہیں کرتا“۔(2)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ”تونگری کثرتِ مال کا نام نہیں یہ تو دل کے غنی ہونے کا نام ہے“۔(۳)

ڈاکٹر یوسف قرضاوی رقمطراز ہیں کہ ”یہی وہ قلبی تونگری و امیری ہے جس کی تصویر امام شافعی نے ان قوی و عمیق اشعار میں کھینچی ہے۔

”سری لنکا کے پہاڑو چاہے لعل و جواہر کی بارش کرو، تبریز کے کنوؤں چاہے سونا چاندی اگلو، میں اگر زندہ رہا تو نانِ جویں سے محروم نہیں رہ سکتا اور مر گیا تو قبر سے باہر نہیں رہ سکتا۔میری ہمت بادشاہوں جیسی اور میرا دل آزاد منش آدمی جیسا ہے جو خواری اور مزلت کو کفر سمجھتا ہے۔جب میں نے عمر بھر نان جویں پر قناعت کی ہے تو مجھے زید و عمر سے ڈر کیسا ہو۔(صفحہ 113)

---

1) بحوالہ ابن عبدالبر اندلسی۔العلم والعلماء، صفحہ 140

2) ڈاکٹر یوسف قرضاوی ترجمہ ارشاد الرحمن (2009) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تعلیم، دار تذکیر اردو بازار لاہور صفحہ 113

3) جامع بیان العلم جلد 1 صفحہ 74،75 بحوالہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تعلیم صفحہ 113

جب استاد کو استغنا یا تونگری نصیب ہوتی ہے تو وہ دولتِ دنیا اور دنیاوی سہاروں سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔یہی چیز رول ماڈل اساتذہ کو محترم شخصیت بناتی ہے۔

رول ماڈل اساتذہ کا استغناء و محترم شخصیت کے حوالہ سے سات پہلوؤں پر رائے لی گئی۔ رائے دہندگان کی غالب اکثریت نے کہا کہ ذاتی تزکیہ نفس کے ذریعے استاد طلباء کی تربیت کرتا ہے 95 فیصد، استاد والدین و طلبہ سے خوش اخلاقی سے پیش آتا ہے 84.5 فیصد، استاد کے ہاں دولت مند طلبہ کے بجائے ذہین و محنتی طلبا کی قدر ہے 70 فیصد، استاد اصول پسندی کا عملی نمونہ پیش کرتا ہے 70 فیصد، جبکہ استاد اپنا کام کاج خود کرتا ہے 50 فیصد، استاد طلبہ سے تحفے تحائف قبول نہیں کرتا ہے 45 فیصد اور استاد لوگوں سے رقم ادھار لیتا ہے کے حق میں 28.15 فیصد رائے دہندگان نے رائے دی۔

5.3.8) اساتذہ کی تصانیف و ذوقِ تحقیق

اساتذہ کی تحقیق اور تدقیق اس کے علم میں اضافہ کا باعث بنتی ہے اور یہی علم تعلیمی دنیا کی بہتری اور نئے علم کی دریافت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

رول ماڈل اساتذہ کی تصنیف و تالیف و ذوقِ تحقیق کے حوالہ سے سات پہلوؤں پر رائے لی گئی، جس کے مطابق استاد نے عام درسی کتب سے استفادہ کر رکھا ہے کے حق میں 85 فیصد، جبکہ استاد نے تحقیقی کتاب لکھی ہے کہ حق میں صرف 4.05 فیصد، استاد تدریس میں کتابوں کے حوالے دیتا ہے 4.48 فیصد، استاد تحقیقی مضامین اور اچھی کتب کا استحسان کرتا ہے 85.8 فیصد، استاد اپنے طلبہ کو تحقیقی اسائنمنٹ دیتا ہے 85.7 فیصد، استاد تحقیق کے جدید طریقوں سے واقف ہے 5 فیصد، اور استاد سنی سنائی بات پر عمل نہیں کرتا ہے کے حق میں صرف 12.65 فیصد رائے دہندگان نے رائے دی ہے۔

5.3.9) طلبہ سے محبت و احترام انسانیت

اساتذہ طلبہ سے محبت اور انسانیت کا احترام کرتے ہیں تو اپنے اور اپنے پیشے کے لئے وقار، عزت و احترام کماتے ہیں۔

رول ماڈل اساتذہ کے طلبہ سے محبت اور احترام انسانیت کے حوالہ سے 10 پہلوؤں پر رائے لی گئی۔جن کے مطابق استاد طلبہ کو خودداری کا درس دیتا ہے کے بارے میں 85 فیصد رائے دہندگان نے مثبت رائے دی۔استاد طلبہ کو اپنی اولاد سمجھتا ہے 70 فیصد، استاد رفقاء کو احترام دیتا ہے 85 فیصد، استاد طلبہ کے مسائل کا مداوا کرتا ہے 95 فیصد، استاد طلبہ کو انسانیت کی تذلیل کرنے سے روکتا ہے 95 فیصد، استاد طلبہ کو بھائی چارے کی طرف راغب کرتا ہے 85 فیصد، استاد طلبہ کو تفریق انسانیت اور تعصب سے منع کرتا ہے 95 فیصد، استاد طلبہ کو آپس میں معاشرتی طور پر یکسانیت و مساوات کا درس دیتا ہے 95 فیصد جبکہ استاد طلبہ کی عزت نفس کا خیال رکھتا ہے کہ حق میں 39.9 فیصد نے رائے دی۔

5.3.10) اساتذہ و علماء کا مقام واحترام

اساتذہ وعلماء اور علم کو جو معاشرہ اور لوگ عزت دیتے ہیں وہ دنیا کی قیادت کرتے ہیں۔

اس حوالہ سے رول ماڈل اساتذہ کے سلسلہ میں سات پہلوؤں پر رائے دہندگان سے رائے لی گئی جس کے مطابق استاد علم کو وجہ افتخار سمجھتا ہے 97 فیصد، استاد علماء کا قدردان ہے 70 فیصد، استاد علم کو اللہ کا نور مانتا ہے 94 فیصد، استاد علماء کو خدا شناس سمجھتا ہے 80 فیصد، استاد ساتھی اساتذہ سے رہنمائی لیتا ہے 70 فیصد، استاد مصنفین کتب کا ذکر احترام سے کرتا ہے 85 فیصد۔استاد ترویج علم میں انتہائی خلوص کا مظاہرہ کرتا ہے 70 فیصد رائے دہندگان نے مثبت رائے دی۔

5.3.11) اساتذہ کی حق گوئی وحریت فکر

عالم کی شان ہے کہ وہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا وہ دنیا داروں سے بلند و اعلیٰ مقام رکھتا ہے۔لہٰذا جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنے سے نہیں گھبراتا۔اعلائے کلمۃ الحق کی مثالوں سے اسلامی تاریخ بھری پڑی ہے۔

رول ماڈل اساتذہ کے بارے میں اس سلسلہ میں 9 حوالوں سے رائے لی گئی۔جس کے مطابق استاد حکومتی عہدوں کا از خود طلب گار ہے 95 فیصد رائے دہندگان۔استاد رحم دل اور دلوں

پر حکمرانی کا قائل ہے 94.5 فیصد۔ استاد طلبہ کو اطاعت امیر سکھاتا ہے 95 فیصد۔ استاد معاشرے میں نظم وضبط اور اعلیٰ اقدار پر عمل کرنا سکھاتا ہے 95 فیصد۔ استاد اکثر معاملات کو جلسے جلوس سے حل کرنے کی کوشش کرتا ہے 1.10 فیصد جبکہ استاد ظاہری جاہ وجلال کا دلدادہ ہے 90 فیصد۔ استاد حکومت کے تحائف اور وظائف قبول کرتا ہے 95 فیصد۔ استاد اپنے ادارے کے لئے حکومتی امداد کا خواہش مند اور وظائف قبول کرتا ہے 95 فیصد۔ استاد امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر عمل کرتا ہے 50 فیصد رائے دہندگان نے رائے دی۔

5.3.12) پیشہ تدریس سے لگن ومشکل حالات میں تدریس

اساتذہ نے حق گوئی وعلم کی خاطر قید وبند اور دیگر تکالیف برداشت کیں مگر جادہ حق سے نہیں ہٹے اور مشکل حالات میں بھی تدریسی عمل کو جاری رکھا۔

رول ماڈل اساتذہ کے لئے اس سلسلہ میں 8 پہلوؤں پر رائے لی گئی جس کے مطابق استاد اپنے پیشے کو عبادت کا درجہ دیتا ہے 95 فیصد۔ استاد کی لگن اس کے وقار میں اضافہ کا سبب ہوتی ہے 91 فیصد۔ استاد پیشہ تدریس میں مشکل حالات کو خندہ پیشانی اور صبر سے برداشت کرتا ہے 90 فیصد۔ استاد تدریس میں درپیش مشکلات کا حل طلبہ کو بتاتا ہے 95 فیصد۔ اپنے پیشے میں لگن کی وجہ سے طلبہ کا آئیڈیل ہے 95 فیصد جبکہ استاد اپنے پیشے سے جنون کی حد تک لگن رکھتا ہے 50 فیصد۔ استاد رات دن کی تمیز کے بغیر طلبہ کو پڑھاتا ہے 50 فیصد۔ استاد طبیعت کی خرابی پر بھی کلاس پڑھاتا ہے 50 فیصد نے رائے دی۔

5.3.14) اساتذہ اور وقت کی قدر

وقت ایک دولت اور سرمایہ ہے مسلمان اساتذہ وقت کے حوالہ سے بہت حساس رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرصت کو مشغولیت سے پہلے غنیمت جاننے کا حکم دیا ہے۔ مسلمان اساتذہ وقت کے بہت قدر دان تھے۔ اسی لئے وہ بہت کچھ تخلیقات چھوڑ گئے۔ آج کے دور میں ٹائم مینجمنٹ تعلیمی دنیا کا اہم موضوع ہے۔ جو استاد وقت کی قدر وقیمت کو سمجھ لیتا ہے وہی ترقی کرتا ہے۔ وقت بہتا دریا ہے جو مسلسل چل رہا ہے۔ ڈاکٹر قرضاوی تحریر فرماتے ہیں کہ کسی

نے ایک شعر کہا جس کا مفہوم ہے کہ ''اگر میری زندگی کا کوئی روز ایسا گزر گیا جس میں نے نہ ہدایت سے کچھ پایا نہ علم حاصل کیا تو یہ دن میری عمر میں سے نہیں۔ (صفحہ 159)

اس سلسلہ میں 4 حوالوں سے رول ماڈل اساتذہ کے بارے میں رائے لی گئی۔ جس کے مطابق اساتذہ وقت کے قدر شناس ہوتے ہیں 95 فیصد۔ اساتذہ وقت کی قدر شناسی سکھاتے ہیں 95 فیصد۔ اساتذہ وقت کے لمحات کا صحیح استعمال کرتے ہیں 95 فیصد۔ اساتذہ اور طلبہ کی وقت شناسی قوم وملک کی ترقی کا باعث بنتی ہے 95 فیصد نے رائے دی۔

5.3.14) اساتذہ کی طلب علم اور ذوقِ مطالعہ

بقول امام غزالیؒ ''تفکر کے معنی طلب علم کے ہیں۔ قرآن مجید میں کئی جگہ تفکر وتدبر کا حکم دیا گیا ہے۔ حضور رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک ساعت کا تفکر ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ (1) اساتذہ نے علم حاصل کرنے کی راہ میں مشکلات اٹھائیں اور مطالعہ سے اپنے علم میں اضافہ کیا۔

رول ماڈل اساتذہ کی طلب علم اور ذوق مطالعہ کے حوالے سے 10 حوالوں سے رائے دہندگان نے رائے دی۔ جس کے مطابق اساتذہ نئے علوم سیکھنے کی کوشش کرتے ہیں 90 فیصد۔ استاد کا ذوق مطالعہ طلبہ کے لئے مشعل راہ ہے 90 فیصد۔ استاد کا ذوق مطالعہ اور محنت طلبہ کو جدید علم سے روشناس کراتا ہے 85 فیصد۔ استاد کے علم کی وجہ سے طلبہ اس کا احترام کرتے ہیں 89 فیصد۔ استاد اپنی محنت کی وجہ سے علاقے کی علمی شخصیت ہے 95 فیصد۔ استاد وقتاً فوقتاً علاقے کی علمی شخصیات کی خدمت میں حاضری دیتا ہے 82.5 فیصد۔ جبکہ استاد کے گھر میں لائبریری موجود ہے 60 فیصد۔ استاد باقی اساتذہ سے علمی بحث پر تبادلہ خیال کرتا ہے 25 فیصد۔ استاد تعلیمی لیکچر مباحثوں اور کتب کی رونمائی میں شریک ہوتا ہے 28 فیصد نے رائے دی۔

5.3.15) اساتذہ کی محنت وحافظہ

قرونِ اولیٰ و وسطیٰ کے مسلمان اساتذہ نے علم کے حصول اور حفظ میں بہت محنت کی۔

1)　ایم اے ہاشمی (2009) تلقین غزالیؒ، ادارہ مطبوعات سلیمانی چوک چوبرجی لاہور

رول ماڈل اساتذہ کے اس سلسلہ میں 7 انڈیکیٹرز پر رائے لی گئی۔ استاد اپنے مضمون کی مکمل تاریخ سے آگاہی رکھتا ہے 75 فیصد۔ دوران تدریس ماضی و حال کا فرق واضح کرتا ہے 94.5 فیصد۔ استاد کی محنت اس کے لیکچر سے عیاں ہوتی ہے 90 فیصد۔ دوران سبق استاد کچھ باتیں بھول جاتا ہے 70 فیصد جبکہ استاد مضمون کو زندگی کے تمام معاملات سے مربوط کرتا ہے 40 فیصد۔ دوران تدریس حوالہ جات کا استعمال کرتا ہے 45 فیصد نے رائے دی۔

5.3.16) حب الوطنی ومفادِ ملت

مسلمان اساتذہ محب وطن اور مسلم امہ کے مفاد کے لئے بہت کام کرتے رہے ہیں۔

رول ماڈل اساتذہ کے سلسلہ میں 6 حوالے سے رائے لی گئی۔ جس کے مطابق استاد پاکستان سے دلی محبت کرتا ہے 90 فیصد۔ استاد حب الوطنی اور خدمت خلق کو اپنی تدریس کا بنیادی نکتہ سمجھتا ہے 90 فیصد۔ استاد طلبہ کو وطن کے مفاد کو بڑھانے کا درس دیتا ہے 90 فیصد۔ مفاد ملت اور وطن پرستی کا جذبہ پیدا کرتا ہے 95 فیصد۔ ایثار وقربانی کی عادت پروان چڑھاتا ہے 90 فیصد۔ اسلام اور پاکستان کی مذہبی و معاشرتی اقدار پر عمل کر کے طلبہ کے لئے نمونہ بنتا ہے 65 فیصد۔

5.4) رائے دہندگان کی رائے میں آج کے استاد کی خوبیاں وخامیاں

5.4.1) زمانہ حال کے اساتذہ کی خوبیاں

خوفِ خدا کے حوالہ سے رائے دہندگان نے رائے دی کہ استاد طلبہ کا احترام کرتا ہے۔ محبت سے پیش آتا ہے۔ رحم دلی کا برتاؤ کرتا ہے۔ قول وفعل میں تضاد نہیں ہوتا۔ ناجائز احترام کا خواہش مند نہیں۔ سخت محنت اور کردار سازی کرتا ہے۔ استاد دیانت دار ہے۔ منتقم مزاج نہیں اور طلبہ سے انصاف اور برابری کا سلوک کرتا ہے۔

اساتذہ کی بلندی کردار کے حوالہ میں غالب اکثریت نے اُستاد کی انکساری طلبہ کے غرور کا توڑ ہے۔ اس سے استاد اور طالب علم میں دوری ختم ہو جاتی ہے اور اُستاد کی شخصیت متاثر کن بن

جاتی ہے۔اُستاد بیمار طلبہ کی بیمار پُرسی کرتا ہے۔حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرتا ہے۔معاف کر دینے کا جذبہ رکھتا ہے۔اُستاد کی بلندی کردار طلبہ پر مثبت اثر ڈالتی ہے اور سچا مسلمان اور پکا پاکستانی بناتی ہے۔

اساتذہ کی حکمت و دانائی کے حوالہ سے استاد معاشرے کا فعال رُکن ہے۔استاد کمرہ جماعت میں نتائج وعوامل پر بحث کرتا ہے اور طلبہ میں لیڈرشپ کی صلاحیتیں پیدا کرتا ہے۔

طلبِ رزقِ حلال کے حوالہ سے رائے دہندگان کے مطابق اُستاد کمرۂ جماعت میں وقت پر پہنچ جاتا ہے۔دورانِ تدریس وقت ضائع نہیں کرتا۔بغیر محنت کے تنخواہ وصول نہیں کرتا۔خدا خوفی کے تحت رزقِ حلال کے لئے محنت کرتا ہے۔اُستاد کے ہاں حلال وحرام کی واضح حدود موجود ہیں اور کمرۂ جماعت میں اُستاد محنت سے جی نہیں چراتا۔

علم پر عمل کے حوالہ سے اُستاد کے قول وفعل میں تضاد نہیں جو پڑھاتا ہے۔اُس پر خود بھی عمل کرتا ہے۔اُستاد باعمل استاد اور اچھا پاکستانی ہے۔طلبہ کو تنگ نہیں کرتا اور خدمت خلق نہیں کرتا ہے۔اپنے علم کو موجودہ حالات پر منطبق کرتا ہے اور علم پر عمل کر کے بہترین نمونہ پیش کرتا ہے۔

اساتذہ کے طریقہ تدریس کے حوالہ سے اُستاد طلبہ کے سوالات کو مناسب مقام دیتا ہے۔بحث کو غور سے سنتا اور اہمیت دیتا ہے۔عملی مشق کو زندگی کے مسائل سے مربوط کرتا ہے اور اُستاد طالب علم کو اُس کی کامیابی پر مبارکباد دیتا ہے۔

اساتذہ کا استغناء اور محترم شخصیت کے حوالہ سے اُستاد ذاتی تزکیہ نفس سے طلبہ کی تربیت کرتا ہے طلبہ اور والدین سے خوش اخلاقی سے پیش آتا ہے۔دولت مند کی بجائے ذہین اور محنتی طلبہ کا قدردان ہے اور اصول پسندی کا عملی نمونہ پیش کرتا ہے۔

تصنیف وتحقیق اور ذوق تحقیق کے حوالہ سے اُستاد عام درسی کتب سے استفادہ کرتا ہے۔

طلبہ سے محبت اور احترام انسانیت کے حوالہ سے اُستاد طلبہ کو خودداری کا درس دیتا ہے۔اپنی اولاد سمجھتا ہے۔رفقاء کو احترام دیتا ہے۔طلبہ کے مسائل کا مداوا کرتا ہے اُن کو انسانیت کی تذلیل سے روکتا ہے اور بھائی چارے کی طرف راغب کرتا ہے۔طلبہ کو تفریق انسانیت اور تعصب سے

منع کرتا ہے اور طلبہ کو آپس میں معاشرتی طور پر انسانیت اور مساوات کا درس دیتا ہے۔

استاد علم کو وجہ افتخار سمجھتا ہے۔ علماء کا قدردان ہے۔ علم کو اللہ کا نور مانتا ہے۔ علماء کو خدا شناس سمجھتا ہے۔ ساتھی اساتذہ سے رہنمائی لیتا ہے۔ مصنفین کتب کا ذکر احترام سے کرتا ہے۔ ترویج علم میں انتہائی خلوص کا مظاہرہ کرتا ہے۔

اساتذہ کی حق گوئی اور حریت فکر کے حوالہ سے اُستاد رحم دل اور دلوں پر حکمرانی کا قائل ہے۔ طلبہ کو اطاعت امیر سکھاتا ہے۔ معاشرہ میں نظم وضبط اور اعلیٰ اقدار پر عمل کرنا سکھاتا ہے اور معاملات کو جمہوری انداز میں حل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

پیشہ تدریس سے لگن اور مشکل حالات میں تدریس کے حوالہ سے اُستاد اپنے پیشے کو عبادت کا درجہ دیتا ہے۔ اُستاد کی لگن اُس کے وقار میں اضافہ کا سبب ہوتی ہے۔ مشکل حالات کو صبر اور خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہے۔ تدریس میں درپیش مشکلات کا حل طلبہ کو بتاتا ہے اور اپنے پیشے میں لگن کی وجہ سے طلبہ کا آئیڈیل ہے۔

اساتذہ اور وقت کی قدرو قیمت کے حوالہ سے اساتذہ وقت کے قدر شناس ہوتے ہیں اور وقت کی قدر سکھاتے ہیں۔ وقت کے لحات کا صحیح استعمال کرتے ہیں۔ اساتذہ اور طلبہ کی وقت شناسی ملک وقوم کی ترقی کا باعث بنتی ہے۔

اساتذہ کی طلب علم اور ذوقِ مطالعہ کے حوالہ سے اساتذہ نئے علوم سیکھنے کی کوشش کرتے ہیں اُن کا ذوقِ مطالعہ طلبہ کے لئے مشعل راہ ہے۔ یہ ذوق طلبہ کو جدید علوم سے روشناس کراتا ہے۔ اُستاد کے علم کی وجہ سے طلبہ اُس کا احترام کرتے ہیں اور اپنی محنت کی وجہ سے اُستاد علاقے کی علمی شخصیت ہے۔ اُستاد وقتاً فوقتاً علاقے کی علمی شخصیات کی خدمت میں حاضری دیتا ہے۔

اساتذہ کی محنت اور حافظہ کے حوالہ سے اُستاد اپنے مضمون کی مکمل تاریخ سے آگاہی رکھتا ہے۔ دوران تدریس ماضی اور حال کا فرق واضح کرتا ہے۔ اُس کی محنت اُس کے لیکچر سے عیاں ہوتی ہے۔

حب الوطنی اور مفاد ملت کے حوالہ سے رائے دہندگان کے مطابق اُستاد پاکستان سے دلی محبت کرتا ہے۔ حب الوطنی اور خدمت خلق کو تدریس کا بنیادی نقطہ سمجھتا ہے۔ طلبہ کو وطن کے وقار

کو بڑھانے کا درس دیتا ہے۔ مفاد ملت اور وطن پرستی کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ ایثار و قربانی کی عادت پروان چڑھاتا ہے۔ اسلام اور پاکستان کی مذہبی اور معاشرتی اقدار پر عمل کر کے طلبہ کے لئے نمونہ بنتا ہے۔

5.4.2) زمانہ حال کے اساتذہ کے کمزور پہلو

رائے دہندگان نے مندرجہ ذیل حوالوں سے اُستاد کے بارے میں مثبت رائے کا اظہار نہیں کیا۔ اُستاد کلاس کو پورا وقت دیتا ہے اور کلاس روم میں محبت و اخوت کا ماحول پیدا کرتا ہے۔ غریب طلبہ کی مالی مدد کرتا ہے۔ اپنے کھانے میں طلبہ کو شامل کرتا ہے۔ خیرات و احسان پر توجہ دیتا اور طلبہ سے روحانی والدین جیسا سلوک کرتا ہے۔ طلبہ سے کھانے پینے کی چیزیں منگواتا ہے۔ ٹیوشن ورک کرتا ہے اور اکثر چھٹیوں پر رہتا ہے۔ سکول اوقات میں ذاتی کام کرتا ہے۔ جدید طریقہ ہائے تدریس سے آگاہی رکھتا ہے۔ ہر پہلو سے سبق کو تیار کر کے پڑھاتا ہے۔ اپنا کام کاج خود کرتا ہے۔ طلبہ سے تحفے تحائف قبول کرتا ہے۔ لوگوں سے رقم اُدھار لیتا ہے۔ اُستاد نے تحقیقی کتاب لکھی ہے اور دورانِ تدریس کتابوں کے حوالے دیتا ہے۔ تحقیقی مضامین اور کتب کا استحسان کرتا ہے۔ اپنے طلبہ کو تحقیقی اسائنمنٹ دیتا ہے۔ تحقیق کے جدید طریقوں سے واقف ہے۔ سنی سنائی بات پر عمل نہیں کرتا ہے۔ طلبہ کی عزتِ نفس کا خیال رکھتا ہے۔ حکومتی عہدوں کا طلبگار ہے۔ ظاہری جاہ و جلال کا دلدادہ ہے۔ حکومتی تحائف و وظائف قبول کرتا ہے۔ اپنے ادارے کے لئے حکومتی امداد کا خواہش مند ہے۔ اُمر بالمعروف و نہی عن المنکر پر عمل کرتا ہے۔ جنون کی حد تک پیشے سے لگن رکھتا ہے۔ دن رات کی تمیز اور طبیعت کی خرابی کے باوجود کلاس پڑھاتا ہے۔ اُس کے گھر میں عمدہ لائبریری موجود ہے۔ علمی بحث و مباحثہ کرتا ہے۔ تعلیمی لیکچر مباحثوں اور کتب کی رونمائی کی تقاریب میں شرکت کرتا ہے۔ دوران سبق کچھ باتیں بھول جاتا ہے۔ مضمون کو زندگی کے تمام معاملات سے مربوط کرتا ہے اور دورانِ تدریس حوالہ جات کا استعمال کرتا ہے۔

5.5) سفارشات

پاکستانی اساتذہ کے لئے رول ماڈل پر تحقیق بسلسلہ سروے، تاریخی اور اسلامی لٹریچر اور رُول ماڈل کے مطالعہ اور رائے دہندگان کی آراء کی روشنی میں مندرجہ ذیل سفارشات پیش کی جاتی ہیں۔

1) قرآن مجید بطور رول ماڈل

قرآن مجید ام الکتاب اور بحر العلوم ہے۔قرآن مجید وہ کتاب ہے جس پر عمل کر کے مسلمانوں نے علمی معاشرہ ترتیب دیا اور دنیا کی علمی سپر پاور رہے۔یہ ہر زمانے اور قیامت تک کے لئے حق کی طرف سے رہنمائی، آفاقی اور جامع پیغام کامل و مفصل کتاب اور صراط مستقیم ہے۔ قرآن کی تمام تعلیمات کا مرکز ومحور انسان ہے۔ ماحصل تقویٰ کا حصول ہے۔اساتذہ کے لئے رول ماڈل کے حوالہ سے قرآن مجید کے طریقہ تدریس پر عمل کر کے کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔

2) انبیاء بطور رول ماڈل

تمام انبیاء نے خدائی راہنمائی میں تعلیم وتدریس کا کام کیا،اُن کے علمی وتدریسی کام کو رول ماڈل کے طور پر قبول کر کے مثالی کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔

3) اُسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ قرآن مجید کی عملی تفسیر ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طبقاتی نظام تعلیم کا خاتمہ فرمایا۔عرب معاشرے کی نظریاتی تربیت فرمائی۔اتحاد وقومی مقاصد کے حصول کو لازم بنایا اور جاہلی معاشرے کو علمی معاشرے میں بدل دیا۔آپ کا کردار طریقہ تدریس ہمارے لئے رول ماڈل ہے۔اس پر ٹیچر ٹریننگ اور تدریس میں عمل کرنا ضروری ہے۔

4) صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی عنہ بطور رول ماڈل

صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اسلام کی قرون اوّل کی تاریخ کے روشن ستارے تھے۔

انہوں نے جس انداز میں قرآن اور اسوۂ رسول کو لے کر علم کی ترویج کی اور آج کے استاد کے لئے مثالی نمونہ ہے اور رول ماڈل اساتذہ کیلئے رہنمائی کا ذریعہ ہے۔

5) تابعین وتبع تابعین

تابعین نے حصولِ علم اور علم کی نشر واشاعت کے لئے جو کام کیا وہ مثالی ہے اور اُس کی پیروی ضروری ہے۔

6) مسلم عروج کے دور کے اساتذہ

مسلمانوں نے ہزار سال تک دنیا کے اکثریتی علاقوں پر حکومت کی۔ مسلمان اساتذہ نے سسٹم کو بہترین افراد مہیا کئے۔ تحقیقی کام کیا اور عمدہ معاشرے کی بنیادی رکھی اُن کی مثالوں کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔

7) برصغیر اور پاکستان کے اساتذہ

برصغیر کے اساتذہ نے دورِ غلامی میں حصولِ آزادی کے لئے جدوجہد کی اور پاکستان کے رول ماڈل اساتذہ کا کردار ادا کیا۔ پاکستان بناتے ہوئے ہم نے خودمختیار اور آزاد ملک اسلامی جمہوریہ، فلاحی ریاست، مضبوط اور مثالی نظریاتی ملک، مساوات اور پُر امن ملک کا خواب دیکھا تھا، جس کو پورا کرنے کے لئے مثالی اساتذہ کی ضرورت ہے۔

8) جدید تحقیق سے استفادہ

رول ماڈل اساتذہ کی صلاحیتوں اور قابلیتوں میں اضافہ کے لئے اسلامی سسٹم کی نشاۃ ثانیہ اور موجودہ تحقیق کو ملا کر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلہ میں دُنیا کے تمام ملکوں کے تحقیقی کام اور سسٹم کو حکمت مومن کی گم گشتہ میراث کی روشنی میں دیکھا جانا چاہئے۔

9) پیشہ وارانہ اقدار

اساتذہ کی پیشہ وارانہ اقدار کو رول ماڈل کے حوالہ سے دیکھنا ضروری ہے۔ مثالی مسلمان اور مثالی اُستاد ایک ہی پہلو کے دو رُخ ہیں۔ لہٰذا اساتذہ کو عملی طور پر اس کا نمونہ پیش کرنا چاہئے۔

10) علمی رویہ

اساتذہ کو موجودہ زمانے اور حالات کے مطابق اپنی سوچ کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بہتر کرنا ہے اور بہترین علماء کے کام کی پیروی کرنا ہے اور اپنے رویہ کو علمی انداز میں ڈھالنے کی ضرورت ہے تا کہ ہمارے علمی رہنما تعصب سے پاک ہوں۔

11) علمی معاشرہ کا قیام

رول ماڈل اساتذہ کے لئے اجتماعی طور پر علمی معاشرہ کا قیام لازمی ہے تا کہ ہم دنیا میں باوقار مقام حاصل کرسکیں اور یہ کام ہمارے رول ماڈل نے پہلے سے کیا ہے۔

12) اساتذہ کی پیشہ وارانہ تربیت

اساتذہ کی تربیت کے حوالہ سے دیکھا گیا ہے کہ اساتذہ کی ڈگری اور مہارت میں یکسانیت نہیں ہے۔ دنیا میں علم کی بنیاد پر اساتذہ کی قابلیتوں کی جانچ کی جاتی ہے۔ ہمیں اس سلسلہ میں اپنے تربیتی نظام کی ازسرِ نو تشکیل کرنا ہوگی۔

13) اُستاد کا معاشرتی مقام

معاشرے میں اگر ترقی کرنا ہے، تو اُستاد کے معاشرتی مقام کا تعین ضروری ہے۔ علم کی فوقیت کے بغیر قومی ترقی کا سفر محال ہے۔ حکمت و دانش کا فروغ اور رُول ماڈل اساتذہ کی دانش سے فائدہ اٹھا کر ہم معاشرتی ترقی کر سکتے ہیں۔۔

14) قومی ترجیحات میں تبدیلی

علمی تخلیقی، تحقیقی اور علم و ہنر کے حوالہ سے ہم جب تک احترام نہیں دیں گے معاشرتی اقدار بہتر نہیں ہو سکتیں۔

15) مسلمانوں کی علمی نشاۃ ثانیہ

مسلمان دنیا کی علمی سپر پاور رہے۔ اُس کو سامنے رکھ کر تھنک ٹینک اور کور گروپ ہر فیلڈ میں بنائے جائیں۔ تربیت اساتذہ کے ماڈل میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ نظام امتحان میں تبدیلی کی

ضرورت ہے۔

16) تعلیمی منصوبہ بندی

ہمیں جدید اور قدیم کے امتزاج سے رول ماڈل اساتذہ کو ساتھ لے کر اجتماعی سوچ کو فروغ دے کر اپنے لئے بہتر سسٹم وضع کرنا ہے۔

17) مستقبل میں تحقیق

مستقبل میں اچھے طریقہ تدریس والے اساتذہ کی قابلیتوں ،صلاحیتوں اور طریقہ ہائے تدریس پر تحقیق کی جائے۔

5.6) چیک لسٹ برائے رول ماڈل پاکستانی اساتذہ

اس تحقیق کی روشنی میں یہ چیک لسٹ ترتیب دی گئی ہے۔اساتذہ کرام سے گزارش ہے کہ اس کی ایک کاپی اپنے مطالعہ والی میز پر رکھیں اور کم از کم ہفتہ میں ایک بار اس پر نظر ڈال لیں اور پھر صرف تین سے پانچ منٹ کے لئے آنکھیں بند کر کے اپنی کارکردگی کے بارے میں سوچیں اور اہم چیزیں الگ سے لکھ لیں تا کہ عمل کیا جا سکے۔آپ اس میں اضافہ/کمی فرما سکتے ہیں۔یقینی طور پر یہ لسٹ آپ کو رول ماڈل استاد کے مقام تک لے جائے گی اور آپ کی پیشہ ورانہ کارکردگی میں بہتری لائے گی۔

نمبر شمار		ہاں	نہیں
(1)	میں مسلمان پاکستانی استاد ہوں مجھے اپنے بچے کی بھلائی و تربیت کے لئے اللہ کے حضور جوابدہ ہونا ہے اور اس پر مکمل دلجمعی سے عمل کر رہا/رہی ہوں۔		
(2)	میں نے بچے کو ایمانیات کا درس دے دیا ہے اور خود اس پر عمل پیرا ہوں		
(3)	میں نے طالب علم کو عبادات کا فلسفہ اور اس پر عمل کرنا بتا دیا ہے اور خود بھی عمل کر رہا/رہی ہوں۔		

(4)	میں نے معاملات کے حوالہ سے طلبہ کو حقوق اللہ اور حقوق العباد کے حوالہ سے بتا دیا ہے اور خود بھی ان پر عمل کر رہا/ رہی ہوں۔		
(5)	میں نے اپنے طلبہ کو اسلامی اخلاقیات کے حوالہ سے اسلامی اقدار کے بارے میں آگاہ کر دیا ہے اور خود ان کو اپنا رہا/ رہی ہوں۔		
(6)	میں قرآنی تعلیمات کی روشنی میں اپنی اور اپنے طلباء کی عملی زندگی گذارنے کی تعلیم دوں گا/ دوں گی۔		
(7)	میں اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل پیرا ہوں گا/ ہوں گی اور عملی نمونہ پیش کرنے کی کوشش کروں گا/کروں گی۔		
(8)	مجھے اپنے طلباء کو اعلیٰ و بلند کردار سکھانا اور خود بھی اپنے آپ کو رول ماڈل کے طور پر پیش کرنا ہے۔		
(9)	مجھے علمی سلسلہ میں کتمانِ حق سے بچنا ہے۔		
(10)	مجھے بغیر کسی تعصب کے عدل اور احترامِ آدمیت پر عمل پیرا ہونا ہے اور اس کا درس دینا ہے۔		
(11)	میں پاکستانی قوم کی سربلندی و بہتری کے لئے کام کر رہا/ رہی ہوں۔		
(12)	میں اپنے عقیدے ایمانیات اور تعلیمات کا سودا نہیں کروں گا اور اپنے طلباء کو یہی تعلیم دوں گا/ دوں گی۔		
(13)	میں قرآنی حکم کے مطابق تفکر و تدبر کروں گا/ گی اور طلبا میں اس صلاحیت کو فروغ دوں گا/ دوں گی۔		
(14)	میں حکمت و دانائی سے تربیت طلباء کروں گا/ گی۔		

(15)	میں مسلسل مطالعہ سے اپنے علم میں اضافہ کروں گا/گی۔ اور اپنے طلباء میں مطالعہ کا ذوق پیدا کرنے کی سعی کروں گا/کروں گی۔		
(16)	میں حکمت مومن کی گم گشتہ میراث ہے کی روشنی میں جدید تحقیق و علمی ترقی سے استفادہ کروں گا/گی۔اس سے اپنے طلباء کو بھی مستفید کروں گا/گی۔		
(17)	میں جو علم اپنے طلباء کو دوں گا/گی خود بھی عملی زندگی سے مربوط کروں گا/گی۔ عملی زندگی میں اس پر عمل کر کے دکھاؤں گا/گی۔		
(18)	میں جدید طریقہ ہائے تدریس کا علم حاصل کروں گا/گی اور اپنے طلباء کی تعلیم میں اس کو استعمال میں لاؤں گا/گی۔		
(19)	میں اللہ پر مکمل بھروسہ رکھوں گا/گی اور اس کی روشنی میں ذمہ داری سے تدریسی فرائض سرانجام دوں گا/گی۔		
(20)	میں کبھی بھی یہ فراموش نہیں کروں گا/گی کہ میں پاکستانی اور مسلمان ہوں۔ مجھے پاکستان کے لئے کام کرنا ہے		
(21)	مجھے پیشہ وارانہ اخلاقیات پر عمل کرنا ہے اور نمونہ بننا ہے۔		
(22)	مجھے علمی، تعلیمی، تحقیقی اور تکنیکی طور پر اپنے آپ کو مضبوط بنانا ہے اس سلسلہ میں تمام جدید طریقے بروئے کار لانے ہیں اور طلبہ کو سکھائے ہیں۔		
(23)	میں اپنے طلبہ کو اتحاد، اخلاق اور کردار کی طاقت دوں گا/گی		

(24)	مجھے ذمہ داری سے علمی معاشرے کی تعمیر کرنا ہے۔		
(25)	میں محنت، جرأت، حوصلہ مندی، صبر، ہمدردی، لگن، ذمہ داری اور انصاف سے قوم کی تربیت کر رہا/رہی ہوں۔		
(26)	میں ایک نظم کے تحت انفرادی و اجتماعی بھلائی کے کام کر رہا/رہی ہوں۔		
(27)	میں تقویٰ کے تحت طلباء کا احترام و محبت کروں گا/گی اور اخوت کا ماحول پیدا کروں گا/گی۔		
(28)	میں طلباء سے رحم دلی کروں گا/گی اور کوئی ناجائز مطالبہ نہیں کروں گا/گی۔		
(29)	میں طلبہ کے سامنے عملی نمونہ پیش کروں گا/گی۔ میرے قول و فعل میں کوئی تضاد نہیں ہوگا۔		
(30)	میں اپنا پورا وقت جس کی تنخواہ لیتا ہوں سکول اور طالب علم پر خرچ کروں گا/گی۔		
(31)	میں طلباء سے انکساری سے پیش آؤں گا/گی۔ کھانے میں شامل اور ضرورت مند طلباء کی مدد کروں گا/گی۔		
(32)	مجھے اعلیٰ اخلاقی اقدار اپناتے ہوئے طلباء کے سامنے عملی نمونہ بننا ہے۔		
(33)	مجھے دلیل اور حکمت کا ہتھیار استعمال کر کے مستقبل کے لئے لیڈر شپ تیار کرنا ہے۔		
(34)	مجھے رزق حلال کمانا ہے اور حرام اور لالچ سے بچنا ہے اور باوقار رہنا ہے۔		

(35)	مجھے اپنے سبق کی منصوبہ بندی کر کے بہترین طریقہ تعلیم سے طلباء کو نصاب پڑھانا ہے۔		
(36)	مجھے عمدہ لباس۔ رویے، رکھ رکھاؤ سے طلبا و کمیونٹی میں لیڈر کا رول ادا کرنا ہے۔		
(37)	مجھے اپنے مسلسل مطالعہ، تحریر و تقریر کی صلاحیت کو تحقیق اور تخلیقی انداز میں بہتر کرنا ہے۔		
(38)	مجھے تعلیمی دنیا کے تمام لوگوں کو احترام دینا ہے اور ان کی عزتِ نفس و خودداری کا لحاظ رکھنا ہے۔		
(39)	مجھے احترام علم اور ترویج علم کے لئے کام کرنا ہے۔		
(40)	مجھے اپنی پیشہ ورانہ اخلاقیات پر عمل کرنا ہے اور حکومتی و معاشرتی معیارات کے مطابق اپنے آپ کو بہتر کرنا ہے۔		
(41)	مشکل حالات میں ملک اور پیشہ کی مدد کرنا ہے اور صبر و حوصلے سے اللہ کی مدد سے ان حالات پر قابو پانا ہے۔		
(42)	مجھے مکمل طور پر علمی رویہ اختیار کرنا ہے مکمل غیر جانبداری اور ہر قسم کے تعصب سے بچنا ہے اور ادارہ جاتی کلچر کو فروغ دینا ہے۔		
(43)	مجھے جدید علوم سیکھ کر طلبہ کو سکھانا ہیں اور ان کے مستقبل کو بہتر بنانا ہے اور جہد مسلسل کا سبق دینا ہے		
(44)	مجھے حب وطن جذبہ ملی، ایثار و قربانی، خدمت خلق اپنے اور اپنے طلبا میں پیدا کرنا ہے۔		
(45)	مجھے طلباء کو تخلیقی، تنقیدی سوچ کے ذریعہ سے تمام عمر تعلیم کے لئے تیار کرنا ہے۔		

(46)	میں نے کلاس کے تمام طلبہ سے مقاصد، کلاس روم مینجمنٹ، رولز، گروپ ڈسکشن، سوال و جواب، تنقید و تبصرہ، بہتر رویہ، آپس کے احترام اور ٹیسٹ و جائزہ کے حوالہ سے بات چیت مکمل کر لی ہے اور اس سلسلہ میں مشاورتی اور جمہوری انداز اختیار کیا ہے۔		
(47)	میں روزانہ ایک گھنٹہ اپنے طلباء، سبق، طریقہ سبق اور منصوبہ بندی کے بارے میں غور وفکر کرتا ہوں تا کہ اپنا کام اعتماد سے احسن انداز میں کرسکوں۔		
(48)	حکمت و دانائی اور حصول علم کے لئے میں نے مطالعہ، بزرگوں کی محفل اور دوسروں کے تجربات سے استفادہ کے لئے ماہانہ پروگرام وضع کیا ہے۔		
(49)	میں دورانِ تدریس طلباء کی آمادگی، نفسیات، دلچسپی اور ضرورت کا خیال رکھتا/رکھتی ہوں۔		
(50)	میں ذمیہ کام باقاعدگی سے دوں گا/گی اور بلا ناغہ پڑتال کر کے طلباء میں حصولِ علم کا ذوق اور باقاعدگی سے کام کا عادی بناؤں گا/گی۔		

کتابیات

1- القرآن الحکیم

2- ابن عبدربہ (1982ء) العقد الفرید، دار الکتاب بیروت، اُردو ترجمہ شرح نہج البلاغہ

3- ابن عبدالبر اندلسی (2011ء) العلم والعلماء، مترجم عبدالرزاق ملیح آبادی، ادارہ اسلامیات، لاہور

4- ابن حزم، الملل والنحل، اُردو ترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن

5- ابن جریر طبری (1971ء) تاریخ طبری جلد 4، نفیس اکیڈمی کراچی

6- ابن بابویہ، عیون الاخبار (ج1 ص72)

7- ابن جوزی مناقب امام احمد بن حنبل (1971ء) ص312، اسد الغابہ، ج دوم

8- ابن اثیر محمد بن احمد، اسد الغابہ فی معرفت الصحابہ، دار الشعب بیروت

9- ابوزہرہ، حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ ترجمہ رئیس احمد جعفری (1971ء) المکتبہ السلفیہ شیش محل روڈ لاہور

10- ابوالحسن، امام مسلم بن حجاج (صحیح المسلم) قدیمی کتب خانہ کراچی

11- ابن جریر طبری، تاریخ طبری حصہ اول (مترجم) سید محمد ابراہیم، نفیس اکیڈمی کراچی

12- ابن الحسن عباسی (2000ء) متاعِ وقت اور کاروان علم، مکتبہ عمر فاروق شاہ کراچی

13- امام غزالی، احیاء العلوم الدین ترجمہ محمد حسن صدیقی، مقبول اکیڈمی، لاہور

14- ابوزہرا مصری (1983ء) حیاتِ امام ابوحنیفہ، ملک سنز فیصل آباد

15- ابن عبدالبر اندلسی جامع بیان العلم وفقہا، مترجم عبدالرزاق کانپوری، ادارہ اسلامیات لاہور

16- ابن الحسن عباسی (1421ھ) کتابوں کی درسگاہیں، مکتبہ عمر فاروق شاہ، فیصل کالونی کراچی

17- احمد خلیل احمد، ترجمہ ابوضیاء محمود احمد غضنفر، شہوار صحابہ، دار الاندلس مرکز القادسیہ، 4لیک روڈ لاہور

18- احمد بن محمد بن حنبل (مسند احمد بن حنبل)

19- اسماعیل، راجی فاروقی، علوم جدید کی اسلامی تشکیل، ترجمہ سید محمد سلیم، ادارہ تعلیمی تحقیق لاہور

-20 افضل حسین (2001ء) فنِ تعلیم و تربیت، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور

-21 امام ابن کثیر (734ھ) البدایہ النہایہ، ج9، ص336، تاریخ ابن کثیر

-22 امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری (صحیح البخاری) قدیمی کتب خانہ کراچی

-23 امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی (جامع ترمذی) فاروقی کتب خانہ بوہڑ گیٹ ملتان

-24 امام ابی داؤد سلیمان بن اشعث (سنن ابی داؤد) مترجم مولانا عبدالحکیم، رومی پبلشرز، لاہور

-25 امام عبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی (سنن نسائی) دارالاشاعت، کراچی

-26 امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ (شمائل ترمذی) مترجم مولانا محمد صدیق ہزاروی، رومی پبلی کیشنز لاہور

-27 امام ابوعبداللہ محمد بن ماجہ (سنن ابی ماجہ) نیوز ورلڈ پرنٹرز، لاہور

-28 امام مالک بن انس (موطا امام مالک) اُردو ترجمہ علامہ وحیدالدین اسلامی اکادمی اُردو بازار لاہور

-29 امجد ثاقب۔ گوتم کے دیس میں

-30 افضل حسین (2001ء) فن تعلیم و تربیت اسلامک پبلی کیشنز لاہور

-31 امداد صابری (2008ء) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمنوں سے سلوک، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور

-32 بشیر احمد وشیر (2008ء) زمزمۂ محبت، پبلشرز رضوان بشیر وثر تقدیس منزل پسرور سیالکوٹ

-33 بشیر احمد خان ٹرسٹ، 138 گلشن بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

-34 ثروت صولت (1986ء) ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور

-35 جاوید چوہدری (2010ء) زیرو پوائنٹ، ورلڈ پیلس

-36 حبیب الرحمٰن شیروانی (1959ء) علمائے سلف اور نابینا علماء، سجاد پبلشرز، لاہور

-37 حفیظ خاں (2007ء) خرم بہاولپوری (فن اور شخصیت) سرائیکی کلام، سرائیکی ادبی مجلس، بہاولپور

-38 خالد رضا، حکایات کا انسائیکلوپیڈیا، عمر سنز قذافی مارکیٹ، لاہور

-39 ڈاکٹر احمد شلبی (1989ء) تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ، ترجمہ محمد جمشید حسین زبیری، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور

-40 ڈائریکٹوریٹ آف سٹاف ڈویلپمنٹ (2002ء) معیارات برائے اساتذہ، وحدت کالونی، لاہور

41- ڈاکٹر احمد شلبی، ترجمہ ادریس صدیقی (2006ء) مسلمانوں کا نظامِ تعلیم، بک ہوم، 46 مزنگ روڈ لاہور

42- ڈاکٹر اسماعیل راجی فاروقی (1980ء) علوم جدید کی اسلامی تشکیل، ترجمہ سید محمد سلیم، تنظیم اساتذہ پاکستان

43- ڈاکٹر شمیم حیدر ترمذی (1993ء) اسلام کا نظامِ تعلیم (تحقیقی مقالہ) کاروان ادب، لاہور

44- ڈاکٹر یوسف القرضاوی (2009ء) رسول اکرم ﷺ اور تعلیم، ترجمہ ارشاد الرحمٰن، اُردو بازار، لاہور

45- ڈاکٹر محمد اسماعیل میمن (1997ء) فضائل علم وعلماء، ادارہ اسلامیات انار کلی لاہور

46- رب نواز پروفیسر (2001ء) فلسفہ تعلیم، ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور

47- زرنوجی برہان الدین، تعلم المتعلم المعلم طریق التعلیم، المیزان ناشران، لاہور

48- سردار محمد چوہدری (1999ء) متاعِ فقیر سنگ میل پبلی کیشنز لاہور

49- سید صدیق احمد باندوی (2004ء) آداب المتعلمین مجلس نشریات اسلام، کراچی

50- سید صدیق احمد باندوی (2011ء) آداب المتعلمین مجلس نشریات اسلام، کراچی

51- سید محمد سلیم (1994ء) مسلمان مثالی اساتذہ اور مثالی طلبہ، ادارہ تعلیمی تحقیق، تنظیم اساتذہ پاکستان، لاہور

52- سید احمد رفیق (1982ء) مسلمانوں کا نظام تعلیم، آل پاکستان ایجوکیشن کانفرنس کراچی

53- سید کوثر علی (1962ء) مسلمانانِ ہند اور پاکستان کی تاریخ تعلیم، ہاؤسنگ سوسائٹی کراچی

54- سید امیر علی (1984ء) سیرت آف اسلام، مترجم ہادی حسین، ثقافت اسلامیہ لاہور

55- سعید احمد انصاری (1948ء) سیر انصار (حصہ اول و دوم) دار المصنفین اعظم گڑھ

56- سید علی بن عثمان ہجویریؒ، کشف المحجوب، ترجمہ محمد علی چراغ (2006ء) اُردو بازار لاہور

57- سید ابوالحسن علی ندوی، انسانی دُنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کے اثرات

58- شاہ ولی اللہ دہلوی، حجۃ البالغہ، مکتبہ سلفیہ لاہور

59- شاہ ولی اللہ دہلوی، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، مکتبہ علوم اسلامیہ لاہور

-60 شمس الدین ذہبی (478ھ) تذکرۃ الحفاظ

-61 شبلی نعمانی، الفاروق کتب خانہ صدیقیہ ملتان

-62 سید معین الدین ندوی (1950ء) مہاجرین حصہ دوم، دارالمصنفین اعظم گڑھ

-63 شیریں زادہ خدوخیل (2010ء) عہد رسالت کا نظام تعلیم و عصر حاضر، اُردو بازار لاہور

-64 شرافت حسین شفقت پوشیدہ لاہور III ایڈیشن دوست آرٹس و بزنس کلب، الفاطمہ بلڈنگ کوپر روڈ لاہور

-65 شیخ عبدالحق محدث دہلی، اُردو ترجمہ انوار صوفیہ (1953ء) شعاع ادب لاہور

-66 صفدر سلیمی، خاکسارِ اعظم، باب الاشاعت خاکسار تحریک اچھرہ لاہور

-67 طالب ہاشمی، (1967ء) حکایات رومی، شعاعِ ادب، لاہور

-68 عبدالفتح ابوغدہ، اساتذہ کیلئے نایاب تحفہ، ترجمہ مفتی ثناءاللہ محمود (2008ء) بنوری ٹاؤن کراچی

-69 عالم فکری، حکایاتِ صحابہ کرام، ادارہ پیام القرآن، 40 اُردو بازار لاہور

-70 عبدالصمد صارم (1960ء)

-71 عبدالرحمٰن اعظم گڑھی (2003ء) رحمۃ اللعالمین، مکتبہ دارالعلوم کراچی

-72 علامہ سید عبدالحئی حسنی (1965ء) نزہۃ الخواطر (اُردو) مقبول اکیڈمی، لاہور

-73 علامہ شمس بریلوی (1985ء) سرورِ کونین ﷺ کی فصاحت، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی

-74 عبدالرحمٰن رافت، حیاتِ تابعین کے درخشاں پہلو، ترجمہ محمود احمد غضنفر (2005ء) نعمانی کتب خانہ اُردو بازار لاہور

-75 عبدالمالک مجاہد، سنہری کرنیں، مسلم خواتین کی اعلیٰ اقدار کے روشن تذکرے، 36 لوئر مال، لاہور

-76 عبدالمجید شاکر (2008ء) حضرت بہاءالدین زکریا، الکریم مارکیٹ اُردو بازار، لاہور

-77 غلام عابد خان (1986ء) عہد نبوی کا نظام تعلیم، مکتبہ میری لائبریری، لاہور

-78 فہمیدہ ریاض (2009ء) فیض احمد فیض، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی

-79 فرحت جہاں (2008ء) بیگم رعنا لیاقت علی خان، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کراچی

-80 قدرت اللہ شہاب، شہاب نامہ، سنگ میل پبلشرز، لاہور

-81 محمد رُوح اللہ (2009ء) طالب علم کے شب وروز، مکتبہ الشیخ بہادر آباد، کراچی

-82 محمد اقبال کیلانی، فضائل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، حدیث پبلی کیشنز، 2 شیش محل روڈ لاہور

-83 محمد حسین گوہر (2010ء) سو (100) صحابہ کرام، نظریات پاکستان اکادمی، لاہور

-84 مولانا تقی الدین ندوی مظاہری (1974ء) صحبت با اولیاء، ایم سعید کمپنی کراچی

-85 محمد ادریس کاندھلوی (2007ء) سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، زمزمہ پبلشرز کراچی

-86 محمد اسلام صدیق، محمد کامران (2006ء) سکول کا انتظام وانصرام، ٹیچرز سٹوڈنٹس ویلفیئر فورم ملتان

-87 محمد سلیم الرحمٰن (1992ء) مشاہیر ادب یونانی قدیم دور، 15 سرکلر روڈ لاہور

-88 محمود الحسن (1973ء) آزادی کے مجاہد، نیشنل بک فاؤنڈیشن، کراچی، اسلام آباد

-89 محمد حنیف عبدالمجید (2000ء)، مثالی اُستاد، بیت العلم ٹرسٹ گلشن اقبال کراچی

-90 محمد اکرام شیخ، آب کوثر، فیروز سنز لاہور

-91 مناظر احسن گیلانی (1942ء) برصغیر پاک وہند میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم، المیزان اُردو بازار لاہور

-92 مصطفیٰ علی بریلوی (1980ء) مسلمانانِ صوبہ سرحد کی تعلیم، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی

-93 محمد یٰسین شیخ (1995ء) عہد نبوی کا نظامِ تعلیم، غضنفر اکیڈمی کراچی

-94 منورہ نوری خلیق (2004ء) معلم اعلیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، سہام پبلی کیشنز، کراچی

-95 مسعود احمد شاہ (1992ء) رسولِ حکمت (حکمت بالغہ) میاں چیمبرز، ٹیمپل روڈ لاہور

-96 معین الدین ندوی (1951ء) مہاجرین (حصہ اول) دارالمصنفین اعظم گڑھ

-97 محمد بن ہشام (1961ء) سیرتِ ابن ہشام، مترجم شیخ محمد اسماعیل، مقبول اکیڈمی، لاہور

-98 محمد طفیل (1983ء) نقوشِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمبر، جلد نمبر V، ادارہ فروغ اُردو، لاہور

-99 محمد اسحاق بھٹی (2004ء) اسلام کی بیٹیاں، مکتبہ قدوسیہ، اُردو بازار لاہور

-100 محمد حسین خان زبیری، مشاہیر کے تعلیمی نظریات، پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی

-101 محمد طفیل نقوش (1983ء) رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمبر جلد IV، ادارہ فروغِ اُردو، لاہور

-102 محمد جاوید (2009ء) اسلاف کے سنہرے واقعات، چوہدری غلام رسول اینڈ سنز اُردو بازار لاہور

-103 محمد جمیل احمد، محفل انبیاء، فیروز سنز لاہور

-104 محمد ابو زہرہ، حیات امام احمد بن حنبل، ترجمہ رئیس احمد جعفری، شیخ محل روڈ لاہور

-105 نعیم صدیقی (1971ء) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت معلم، ذیلدار پارک اچھرہ، لاہور

-106 ہمشیرہ محمد صدیق قادری (2009ء) کامیاب اُستاد، زاویہ پبلشرز، لاہور

-107 یادگارِ شبلی، مولانا الطاف حسین حالی

-108 یونیسکو ادارہ تعلیم و آگاہی (2009ء) اُستاد کی یادیں، اساتذہ کو بااختیار بنانا، یونیسکو اسلام آباد

-109 پروفیسر فضل الٰہی (2010ء) حضرت ابراہیمؑ بحیثیت والد، دار النوادر، اسلام آباد

-110 پروفیسر فضل الٰہی (2012ء) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت معلم، دار النوادر، اسلام آباد

-111 سید ابوظفر نذری (1989ء) تاریخ سندھ، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد

-112 قاضی افضل حق قریشی (1977ء) اقبال کے ممدوح علماء، مکتبہ محمودیہ، کریم مارکیٹ، لاہور

-113 مولانا صادق آبادی (1426ھ) اساتذہ کرام کے آداب وحقوق، ادارہ اسلامیات اُردو بازار لاہور

-114 نجات علی تارڑ (2010ء) اسلامی حکایات، دربار مارکیٹ، لاہور

ضمیمہ I

سوالنامہ برائے رائے دہندگان

محترم/محترمہ

السلام علیکم

ہم آج کے دور میں رول ماڈل برائے پاکستانی اساتذہ پر تحقیق کر رہے ہیں۔ چونکہ آپ اس شعبہ میں بہتر خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اس سوالنامہ میں رول ماڈل اساتذہ کے حوالہ سے 16 انڈیکیٹرز اور 130 ذیلی صلاحیتوں، قابلیتوں اور خصوصیات کے بارے بیانات شامل ہیں۔ آپ اپنے شعبہ کی موجودہ صورت حال کو سامنے رکھ کر رائے دیں کہ کس ذیلی صلاحیت اور انڈیکیٹر کو اگر ہم بہتر کرلیں تو پاکستانی اساتذہ کے لئے رول ماڈل کی تلاش میں کامیاب ہو سکتے ہیں تا کہ ہم اپنے تعلیمی شعبہ کو بہتر کر سکیں اور ہمارے استاد کو رہنمائی مل سکے۔ آپ کی رائے کو صرف تحقیقی مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے گا۔

(ڈاکٹر محمد اسلام صدیق، ثمینہ اسلام)

نام ______	عہدہ ______
پیشہ وارانہ مقام/سکول ______	مرد/عورت ______
عمر ______	تدریسی تجربہ ______

نمبر شمار	بیان	قطعی غیر متفق	غیر متفق	غیر یقینی	متفق	قطعی متفق
	1۔ خوف خدا (تقویٰ)					
1	استاد طلبہ کا احترام کرتا ہے اور محبت سے پیش آتا ہے۔					
2	استاد طلبہ سے رحم دلی کا برتاؤ کرتا ہے۔					
3	استاد کے قول و فعل میں تضاد نہیں ہے۔					

4	استاد کلاس کو پورا وقت دیتا ہے۔					
5	استاد طلبہ سے ناجائز احترام کا مطالبہ نہیں کرتا ہے۔					
6	استاد سخت محنت اور کردار سازی کرتا ہے۔					
7	استاد محبت واخوت کا ماحول پیدا کرتا ہے۔					
8	استاد دیانت دار ہے۔					
9	استاد خشم مزاج نہیں ہوتا۔					
10	استاد انصاف اور برابری کا سلوک کرتا ہے					
	2۔ بلندی کردار					
11	استاد کی انکساری طلبہ کے غرور کا توڑ ہے۔					
12	استاد کی انکساری کی وجہ سے طلبہ اور اساتذہ میں دوری ختم ہوجاتی ہے۔					
13	استاد کی انکساری کی وجہ سے اسکی شخصیت متاثر کن بن جاتی ہے۔					
14	استاد بیمار طلبہ کی بیمار پرسی کرتا ہے۔					
15	استاد غریب طلبہ کی مالی مدد کرتا ہے۔					
16	استاد اپنے کھانے میں طلبہ کو شامل کرتا ہے۔					
17	استاد حقوق اللہ ادا کرتا ہے۔					
18	استاد خیرات واحسان کرتا ہے۔					
19	استاد انسانوں کے حقوق ادا کرتا ہے۔					
20	استاد معاف کردینے کا جذبہ رکھتا ہے۔					
21	استاد طلبہ کے لئے نمونہ عمل ہوتا ہے۔					
22	استاد کی بلندیٔ کردار طلبہ پر مثبت اثر ڈالتی ہے۔					
23	استاد طلبہ کو سچا مسلمان اور پاکستانی بناتا ہے					

24	استاد طلبہ سے روحانی والدین کی طرح سلوک کرتا ہے۔					
	3۔ اساتذہ کا مستند و محترم شخصیت					
25	استاد اپنا کام کاج خود کرتا ہے۔					
26	استاد والدین اور طلبہ سے خوش اخلاقی سے پیش آتا ہے۔					
27	استاد طلبہ سے تحفے تحائف قبول نہیں کرتا ہے۔					
28	استاد لوگوں سے رقم ادھار لیتا ہے۔					
29	ذاتی تزکیہ نفس کے ذریعے استاد طلبہ کی تربیت کرتا ہے۔					
30	استاد اصول پسندی کا عملی نمونہ پیش کرتا ہے					
31	استاد کے ہاں دولت مند طلبہ کے بجائے ذہین و محنتی طلبہ کی قدر ہے۔					
	4۔ حکمت و دانائی					
32	استاد اپنے علم کو عملی زندگی پر منطبق کرتا ہے۔					
33	استاد دلیل اور علت و معلول کا علم رکھتا ہے۔					
34	استاد کی ذہانت ضرب المثل ہے۔					
35	استاد اپنے حلقہ اثر میں فیصلے کرتا ہے۔					
36	استاد عملی طور پر معاشرے کا فعال رکن ہے۔					
37	استاد اپنے علم کو معاشرتی اقدار کی روشنی میں استعمال کرتا ہے۔					
38	استاد کمرہ جماعت کے نتائج و عوامل پر بحث کرتا ہے۔					
39	استاد طلبہ میں لیڈرشپ کی خصوصیات و صلاحیتیں پیدا کرتا ہے۔					
	5۔ طلب رزق حلال					
40	استاد کمرہ جماعت میں صبح وقت پر پہنچ جاتا ہے۔					

41	استاد دورانِ تدریس کوئی وقت ضائع نہیں کرتا ہے۔					
42	استاد تمام طلبہ سے کھانے پینے کی چیزیں منگواتا ہے۔					
43	استاد بغیر محنت کے تنخواہ نہیں وصول کرتا ہے۔					
44	استاد خدا خوفی سے رزق حلال کے لئے دن رات محنت کرتا ہے۔					
45	استاد کے ہاں حرام و حلال کی واضح حدود موجود ہیں۔					
46	استاد ذاتی کام کرتا ہے اور سکول اوقات میں بھی اُسے جاری رکھتا ہے۔					
47	استاد دورانِ سکول ٹیوشن ورک کرتا ہے۔					
48	استاد اکثر چھٹیوں پر رہتا ہے۔					
49	استاد کلاس میں محنت سے جی نہیں چراتا۔					
	6۔ علم پر عمل					
50	استاد کے قول و فعل میں تضاد نہیں ہے۔					
51	استاد جو پڑھاتا ہے اُس پر عمل کرتا ہے۔					
52	استاد باعمل مسلمان اور اچھا پاکستانی ہے۔					
53	استاد طلبہ کو تنگ نہیں کرتا ہے۔					
54	استاد خدمتِ خلق کرتا ہے۔					
55	استاد کمرہ جماعت میں اپنے علم کو موجودہ حالات پر منطبق کرتا ہے۔					
56	استاد علم پر عمل کر کے بہترین نمونہ مہیا کرتا ہے۔					
	7۔ طریقہ تدریس اور اساتذہ					
57	استاد طلبہ کے سوالات کو مناسب مقام دیتا ہے۔					
58	استاد طلبہ کی بحث کو فوری سنتا ہے اور توجہ دیتا ہے۔					

59	استاد جدید طریقہ تدریس سے آگاہی رکھتا ہے۔					
60	استاد عملی مشق کو زندگی کے مسائل سے مربوط کرتا ہے۔					
61	استاد ہر پہلو سے سبق کی تیاری کر کے پڑھاتا ہے۔					
62	استاد طالب علم کو اُس کی کامیابی پر مبارکباد دیتا ہے۔					
	8۔ تصنیف وتالیف وذوق تحقیق					
63	استاد نے تحقیقی کتاب لکھی ہے۔					
64	استاد نے عام درسی کتب سے استفادہ کر رکھا ہے۔					
65	استاد تدریس میں کتابوں کے حوالے دیتا ہے۔					
66	استاد تحقیقی مضامین اور اچھی کتب کا استحسان کرتا ہے۔					
67	استاد اپنے طلباء کو تحقیقی اسائنمنٹ دیتا ہے۔					
68	استاد تحقیق کے جدید طریقوں سے واقف ہے۔					
69	استاد سنی سنائی بات پر عمل نہیں کرتا ہے۔					
	9۔ طلباء سے محبت واحترام انسانیت					
70	استاد طلبہ کی عزت نفس کا خیال رکھتا ہے۔					
71	استاد طلبہ کو خودداری کا درس دیتا ہے۔					
72	استاد طلبہ کو اپنی اولاد سمجھتا ہے۔					
73	استاد رفقاء کو احترام دیتا ہے۔					
74	استاد طلبہ کے مسائل کا مداوا کرتا ہے۔					
75	استاد طلبہ کو انسانیت کی تذلیل کرنے سے روکتا ہے۔					
76	استاد طلبہ کو بھائی چارے کی طرف راغب کرتا ہے۔					
77	استاد طلبہ کو تفریق انسانیت اور تعصب سے منع کرتا ہے۔					

78	استاد طلباء کو آپس میں اور معاشرتی طور پر یکسانیت مساوات کا درس دیتا ہے۔					
79	استاد طلبہ کو صبر کا درس دیتا ہے۔					
	10۔ اساتذہ علماء کا مقام و احترام					
80	استاد علم کو وجہ افتخار سمجھتا ہے۔					
81	استاد علماء کا قدر دان ہے۔					
82	استاد علم کو اللہ کا نور جانتا ہے۔					
83	استاد علماء کو خدا شناس سمجھتا ہے۔					
84	استاد ساتھی اساتذہ سے رہنمائی لیتا ہے۔					
85	استاد مصنفین اور کتب کا ذکر احترام سے کرتا ہے۔					
86	استاد ترویج علم میں انتہائی خلوص کا مظاہرہ کرتا ہے۔					
	11۔ اساتذہ کی حق گوئی اور حریت فکر					
87	استاد حکومتی عہدوں کا از خود طلبگار ہے۔					
88	استاد ظاہری جاہ و جلال کا دلدادہ ہے۔					
89	استاد رحم دلی اور دلوں پر حکمرانی کا قائل ہوتا ہے۔					
90	استاد امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر عمل کرتا ہے۔					
91	استاد اہل حکومت کے وظائف و تحائف قبول کرتا ہے۔					
92	استاد اپنے ادارے کیلئے حکومتی امداد کا خواہش مند ہے۔					
93	استاد طلبہ کو اطاعت امیر سکھاتا ہے۔					
94	استاد معاشرے میں نظم و ضبط و اعلیٰ اقدار پر عمل کرنا سکھاتا ہے۔					
95	استاد اکثر معاملات کو جلسے جلوس سے حل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔					

					12۔پیشہ تدریس سے لگن و مشکل حالات میں تدریس	
					استاد اپنے پیشے سے جنون کی حد تک لگن رکھتا ہے۔	96
					استاد اپنے پیشے کو باوقار اور عبادت کا درجہ دیتا ہے۔	97
					استاد کی لگن اسکے وقار میں اضافے کا سبب بنتی ہے۔	98
					استاد پیشہ تدریس میں مشکل حالات کو خندہ پیشانی اور صبر سے برداشت کرتا ہے۔	99
					استاد تدریس میں آنے والی مشکلات کا حل طلبہ کو بتاتا ہے۔	100
					پیشہ تدریس سے لگن کی وجہ سے استاد طلبہ کا آئیڈیل ہے۔	101
					استاد دن رات کی تمیز کئے بغیر طلبہ کو پڑھاتا ہے۔	102
					استاد طبیعت کی خرابی کے باوجود کلاس لیتا ہے۔	103
					13۔وقت کی قدر	
					اساتذہ وقت کے قدر شناس ہوتے ہیں۔	104
					اساتذہ وقت کی قدر شناسی سکھاتے ہیں۔	105
					اساتذہ وقت کے لمحات کا صحیح استعمال کرتے ہیں۔	106
					اساتذہ اور طلبہ کی وقت کی قدر شناسی قوم کی ترقی کا باعث بنتی ہے۔	107
					14۔طلب علم اور ذوق مطالعہ	
					استاد نئے علوم سیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔	108
					استاد کا ذوق مطالعہ طلبہ کے لئے مشعلِ راہ ہے۔	109
					استاد کا ذوق مطالعہ و محنت طلبہ کو جدید علم سے روشناس کراتا ہے۔	110
					استاد کے علم کی وجہ سے طلبہ اس کا احترام کرتے ہیں۔	111
					استاد اپنی محنت کی وجہ سے علاقے کی عظیم علمی شخصیت ہے۔	112
					استاد کے گھر میں عمدہ لائبریری و کتب ہیں۔	113

114	استاد ساتھی اساتذہ سے علمی بحث و تبادلہ خیال کرتا ہے۔					
115	استاد وقتاً فوقتاً علاقے کی علمی شخصیات کی خدمت میں حاضری دیتا ہے۔					
116	استاد مختلف علمی انجمنوں کا ممبر ہے۔					
117	استاد تعلیمی لیکچرز و مباحثوں اور کتب کی رونمائی میں شریک ہوتا ہے۔					
	15۔ اساتذہ کی محنت و حافظہ					
118	استاد کو اپنے مضمون کی تمام بنیادی باتیں زبانی یاد ہوتی ہیں۔					
119	استاد اپنے مضمون کی مکمل تاریخ سے آگاہی رکھتا ہے۔					
120	استاد مضمون کو زندگی کے تمام معاملات سے مربوط کرتا ہے۔					
121	دوران تدریس استاد حوالہ جات کا استعمال کرتا ہے۔					
122	استاد دوران تدریس ماضی اور حال کا فرق واضح کرتا ہے۔					
123	دوران تدریس استاد کی محنت اس کے لیکچر سے عیاں ہوتی ہے۔					
124	دوران سبق استاد کچھ باتیں بھول جاتا ہے۔					
	حب الوطنی و مفاد ملت					
125	استاد اسلام اور پاکستان سے دِلی محبت کرتا ہے۔					
126	استاد حب الوطنی اور خدمت خلق کو اپنی تدریس کا بنیادی نکتہ سمجھتا ہے۔					
127	استاد طلبہ کو وطن کے وقار کو بڑھانے کا درس دیتا ہے۔					
128	استاد طلبہ میں مفاد ملت اور وطن پرستی کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔					
129	استاد طلبہ میں ایثار و قربانی کا جذبہ پروان چڑھاتا ہے۔					
130	استاد اسلامی اور پاکستان کی مذہبی و معاشرتی اقدار پر عمل کر کے طلبہ کیلئے نمونہ بنتا ہے۔					

مقامِ اُستاد

- اُستاد بنیاد کی وہ اینٹ ہے جو تمام عمارت کا بوجھ اٹھاتی ہے مگر کسی کو نظر نہیں آتی۔
- اُستاد معاشرے کا نمک ہے جو قلیل مقدار میں ہونے کے باوجود ذائقہ بدلنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔
- اُستاد اس گھنے درخت کی طرح ہے جو دوسروں کو سایہ بانٹتا ہے مگر خود دھوپ میں جلتا ہے۔
- اُستاد اس شمع کی طرح ہے جو خود تو جلتی رہتی ہے مگر دوسروں کو روشنی مہیا کرتی ہے۔
- اُستاد اس ماں کی مثل ہے جو سراسر محبت ہے خود ٹھنڈے بستر پر لیٹتی ہے مگر اپنے لخت جگر کو گرم اور خشک بستر مہیا کرتی ہے۔
- اُستاد حریت فکر کا مجاہد اور زیور انسانیت ہے جو معاشروں کو اعلیٰ اقدار اور حریت کا درس دیتا ہے۔
- اُستاد شعور ذات کے سفر میں راہنمائی مہیا کرنے والا اور علم و دانش کا رکھوالا ہے۔

رابطہ: محمد نوید الاسلام 58 اللہ بخش کالونی نزد شمس آباد ملتان
فون: 0301-7414664